کلامِ انشا

انشاء اللہ خاں "انشا" کے اُردو کلام

کا

مجموعہ

مرتبہ

مرزا محمد عسکری، بی۔ اے

و

محمد رفیع، فاضل دیوبند

۱۹۵۲

ہندستانی اکیڈیمی، اُتّر پردیش، اِلٰہ آباد

قیمت :- دس روپے

اِنّا لِلّٰہِ وَاِنّا اِلیہِ راجِعُون

"کلامِ انشا" کے آخری اوراق چھپ رہے تھے اور اُمید کی جا رہی تھی کہ تھوڑے ہی دنوں میں کتاب چھپ کے تیّار ہو جائے گی تو اُس کا پہلا نسخہ محترم مرتّبِ کتاب جناب مرزا محمد عسکری صاحب کی خدمت میں بھیجا جائے گا، جسے دیکھکر وہ بہت خوش ہوں گے، مگر اچانک خبر آئی کہ مرزا صاحب نے صرف دو تین روز کی ایک مختصر علالت کے بعد ۱۵ ستمبر کی رات کو اِس جہانِ فانی کو خیرباد کہا اور ایوانِ ادب میں اپنی جگہ خالی چھوڑ گئے۔

مرحوم مرزا صاحب کی ولادت، جیسا کہ اُنھوں نے اپنی خودنوشت سوانح عمری "من کیستم" میں لکھا ہے، ۱۸۶۹ء میں ہوئی تھی۔ اِس حساب سے پورے بیاسی برس کی عمر پائی اور آخر وقت تک ادبی کام کا شوق برقرار رہا۔

اکیڈمی کی انتظامی مجلس کے ۳۰ ستمبر ۱۹۵۱ء کے جلسے میں مرزا صاحب کی وفات پر تمام اراکین نے رنج و غم کا اظہار کیا اور تعزیت کا رزولیوشن پاس کیا گیا۔

دیباچہ

ہندستانی اکیڈمی کی انتظامی مجلس کی تجویز کے مطابق "انشا" کے اُردو کلام کی تہذیب و ترتیب کا کام میرے سپرد ہوا۔ اس کام کے لیے ضرورت تھی کہ پہلے اِنشا کے کلام کے قلمی اور مطبوعہ نسخے، جو بہت کم یاب ہیں، تلاش کیے جائیں تاکہ اُن کا باہم مقابلہ کرکے صحیح متن قائم کیا جاسکے۔ پھر جہاں ضروری ہو تشریحی حاشیے اِضافہ کیے جائیں۔ خود اکیڈمی کے کتاب خانے میں صرف ایک قلمی نسخہ تھا اور وہ بھی اوّل آخر سے کسی قدر ناقص۔

محترمی ڈاکٹر عبدالستّار صاحب صدیقی نے بیش از بیش مدد فرماکر دو قدیم قلمی نسخے جامعۂ عثمانیہ، حیدر آباد دکن، کے کتاب خانے سے مستعار منگوا دیے اور ایک سب سے پرانا، مطبع دہلی اُردو اخبار کا چھپا ہوا نسخہ جناب قاضی عبدالودود صاحب بیرسٹر ایٹ لا، پٹنہ کے ذاتی کتاب خانے سے۔ اِن نسخوں سے ایک طویل مدّت فائدہ اُٹھایا جاسکا اور متن کے درست کرنے میں قابل قدر مدد ملی، جس کے لیے جامعۂ عثمانیہ کے حُکّام اور جناب قاضی صاحب کا شکریہ ادا کیا جاتا ہے۔ اِن کے علاوہ دو نول کشوری چھاپے کے نسخے پیش نظر رہے، ایک ۱۲۷۶ ہجری کا جو پبلک لائبریری الہ آباد کی عنایت سے بذریعہ محبّی پروفیسر محمد اجمل خاں ملا۔ دوسرا ۱۳۱۲ ہجری کا۔ جس کے لیے ہم جناب ڈاکٹر محمد حفیظ سید صاحب کے شکر گذار ہیں۔ اس طرح کتاب کی اس نئی اشاعت "کلام اِنشا" کا متن، تین قلمی اور تین چھپے ہوئے نسخوں سے ترتیب پایا ہے، جن کی تفصیل یہ ہے:۔

۱۔ کلیاتِ انشا (قلمی) جامعۂ عثمانیہ، نشان ۴۶۸، جس کی کتابت صفر ۱۲۴۰ھ (مطابق ستمبر اکتوبر ۱۸۲۴ء) میں ہوئی تھی۔ یہ سب سے پرانا نسخہ ہے، اور صحت کے لحاظ

ے سب سے بہتر۔ کرم خوردہ ہونے کے باعث کہیں کہیں حرف ضائع ہو گئے ہیں مگر بیشتر پڑھ لیے جاتے ہیں۔

اِس میں پہلے اُردو کے پانچ قصیدے[1] پھر غزلیں اور اُن کے خاتمے پر یہ ترقیمہ ہے:۔

"تمّت بالخیر دیوان میر انشاء اللہ خاں بتاریخ ۲ شہر صفر المظفر ۱۲۴۰ ہجری بروز یکشنبہ تمت تمام شد"۔

اگلے صفحے پر "دیوان ریختی" شروع ہوتا ہے جس کے ختم پر یہ ترقیمہ ہے:۔

"تمت تمام شد بتاریخ بیستم [کذا] ونہم شہر صفر المظفر ۱۲۴۰ ہجری بروز شنبہ کاتب الحروف میر ابو القاسم طباطبائی"[2]

پھر کاتب نے نئے صفحے سے بسم اللہ الرحمٰن الرحیم لکھ کر ایک قصیدہ[3] اُنجاس شعر کا درج کیا ہے:۔

زہے فتوح کہ کھولیں دلوں سے یار گرہ موافقت کی بہم دیں باختیار گرہ

اس قصیدے کے ختم پر پھر "تمت تمام شد" لکھا ہے اور اس کے بعد انشا کی کچھ پہیلیاں درج ہیں۔

کتاب کی موجودہ اِشاعت کا متن اِسی نسخے پر قائم کیا گیا ہے اور آئندہ اوراق میں "ق" سے یہی نسخہ مراد ہے۔

۲۔ دیوان انشا (قلمی) جامعۂ عثمانیہ، نشان ۱۲۵، جس کی کتابت ۵ ذی الحجہ ۱۲۴۰ھ (مطابق ۲۱ جولائی ۱۸۲۵ء) کو ختم ہوئی تھی اِس میں ریختی کا دیوان اور اور بھی بعض چیزیں نہیں ہیں۔ صحت کے لحاظ سے نسخہ کچھ اچھا نہیں غزلوں کے بعد آٹھ رباعیاں درج ہیں۔ ترقیمہ یہ ہے:۔

---

[1] پہلا قصیدہ: اے خداوند مہ و مہر و ثریا و شفق، دوسرا: گرچہ افلاک کے سب پھونک دے اطباق آتش، تیسرا: نوع البشر میں تھے یاں آتش و باد و آب و خاک، چوتھا: جشن و نشاط و خوش دلی و عشرت و نعم اور پانچواں: صبحدم میں نے جو لی بستر گل پر کروٹ۔

[2] ۲ صفر ۱۲۴۰ھ مطابق ۲۶ ستمبر ۱۸۲۴ء اور ۲۹ صفر ۱۲۴۰ھ مطابق ۲۲ اکتوبر ۱۸۲۴ء

[3] یہ قصیدہ کسی اور نسخے میں نہیں ہے محترمی ڈاکٹر عبدالستار صاحب صدیقی سے معلوم ہوا کہ اِسے اِنشا کے کلام سے کچھ واسطہ نہیں یہ خواجہ احسن الدین بیان کا قصیدہ ہے جو نواب نظام علی خاں والی حیدر آباد کی سالگرہ کی تہنیت میں لکھا گیا تھا۔

"تمام شد دیوان انشا اللہ خاں بتاریخ پنجم شہر ذی الحجہ بروز پنجشنبہ ۱۲۴۰ سنہ ہجری"۔ یہ نسخہ ق ۲ قرار دیا گیا ہے[۱]

مذکورۂ بالا دونوں نسخوں (ق اور ق ۲) میں ردیف "ی" کی آخری ۵۶ غزلیں نہیں ہیں جو اور سب نسخوں میں موجود ہیں۔ بجائے اِن ۵۶ غزلوں کے ق، ق ۲ میں صرف ایک غزل ہے جو اور کہیں نہیں ملتی۔ اس لیے وہ غزل متن کتاب میں داخل کرنے کے بجائے یہاں نقل کی جاتی ہے:-

توڑے کرم حق نے غم و رنج کے مہرے ۱ اپنے ہی پڑے عقل کی شطرنج کے مہرے
شطرنج ہیں باغ میں کھیلو، تو بنا لیں ۲ سیب و بہی و آلو و نارنج کے مہرے
ہار اے آمجھی کو دینے کو لوگوں کی طرف سے ۳ فرماشی آئے تھے شش و پنج کے مہرے
پرشہ سے مری اُن کے رخوں کی یہ ہوئی شکل ۴ جوں فوج میں ہوں بادشہ رنج کے مہرے
چستی [سے وہ] جاہل ہی کہتا تھا کہ "ہم سے" ۵ لشکر میں ہیں بد [لے تو] شکر گنج کے مہرے"
۶ بخشے ہیں یہ انشا سے عبث بار الٰہا
لوٹیں عشق مرغ نوا سنج کے مہرے

اختلافات۔ ۱ ق ۲: "اپنے پڑے ہی"۔ ۲ ق: "نہیں"۔ ق ۲: "کہیں" (بہتر: "ہیں")۔ ۳ ق ۲ میں یہ شعر نہیں ہے۔ ق: "بار مجھی کو"۔ ۵ بھی ق ۲ میں نہیں۔ ق: "چستی" کے بعد جگہ خالی، پھر "بد" کے بعد۔ یہ خالی جگہیں قیاساً پُر کی گئی ہیں اور یہ اضافے قلابوں کے اندر رکھے گئے ہیں (جیسا کہ متن کتاب میں بھی حسب ضرورت عمل کیا گیا ہے)۔ ۶ ق ۲: "الاہا" (بجائے الٰہا)۔

۳۔ دیوان انشا (قلمی) ہندستانی اکیڈیمی (نشان $\frac{811-1}{226}$)، جس کی کتابت ۱۱ رمئی ۱۸۵۴ء (مطابق ۱۳ شعبان ۱۲۷۰ھ) کو ہوئی تھی، اس کا ابتدائی ورق اور

---

[۱] جامعۂ عثمانیہ کے ان دونوں قلمی نسخوں پر نشان ۸۶۴ و ۱۲۵ ہیں لیکن فہرست مخطوطات جامعۂ عثمانیہ مرتبہ عبدالقادر سروری صاحب (ص ۱۴۴ - ۱۴۹) میں ان کی جگہ (۷ س ۹ اور ۷ س ۱۰) درج ہیں۔ غالباً کتاب خانے کی نئی تنظیم کے وقت مقرر کیے گئے ہوں گے مگر خود ان نسخوں پر نئے نشان نہیں ڈالے گئے۔ فہرست میں کتابت کی غلطیاں بہت ہیں۔ چنانچہ ان نسخوں کی کتابت کے سنہ اکثر غلط ہو گئے ہیں۔

آخر کے کچھ اوراق نہیں ہیں، لیکن کاغذ مضبوط اور خط صاف ہے اور صحت میں "ق ۲" سے بہتر ہے۔

ابتدا میں چار قصیدے ہیں پہلا قصیدہ حمد میں:

اے خداوند مہ و مہر و ثریا و شفق　　　لمعۂ نور سے تیرے ہے جہاں کو رونق

اِس کے ابتدائی ۹ شعر نہیں ہیں۔ دوسرا قصیدہ منقبت حضرت علیؑ میں ہے:

گرچہ افلاک کے سب پھونک دے اطباق آتش
منہ تو دیکھو کر کرے آ مجھے اِحراق آتش

تیسرا قصیدہ جارج سوم شاہ انگلستان کی مدح میں:

گُبھیاں نور کی تیار کرائے بوئے سمن　　　کہ ہوا کھانے کو نکلیں گے جوانانِ چمن

اور چوتھا قصیدہ شاہزادہ سلیمان شکوہ کی مدح میں ہے:

صبحدم میں نے جو لی بسترِ گل پر کروٹ　　　جنبشِ بادِ بہاری سے گئی نیند اُچٹ

اِن کے بعد غزلیں اور غزلوں کے بعد فردیات، رباعیات اُردو اور فارسی پھر مقطّعات کے عنوان سے تاریخی قطعات درج ہیں، اُس کے بعد چیتاں اور پہیلیاں پھر مخمسات۔

مخمسات کے ختم پر یہ ترقیمہ ہے:-

"تمت تمام شد دیوان تصنیف انشا اللہ خاں بتاریخ
یاز دہم ماہ مئی ۱۸۰۴ء عیسوی حسب الفرمائش صاحب
والا مناقب [　　　ل] صاحب بہادر دام اقبالہ۔"

صاحب فرمائش کا نام دھو دیا گیا ہے مگر سیاق عبارت سے یقین ہوتا ہے کہ کسی انگریز عہدہ دار کے لیے یہ کتاب لکھی گئی تھی۔

اس کے بعد مرزا قاسم جان مغل کی ہجو کے اشعار ہیں اور مچھّر کی ہجو اور مکّھی کی ناکمل ہجو ہے۔

ق ۳ سے یہ نسخہ مراد ہے۔

۴۔ کلیات اِنشا، جو مطبع دہلی اُردو اخبار میں ۴ رجب ۱۲۷۱ھ مطابق ۲۳ مارچ ۱۸۵۵ء "باہتمام بندہ محمد حسین پرنٹر و پبلشر" چھاپا گیا تھا۔ یہ کلام اِنشا کا سب سے پہلا مطبوعہ

نسخہ ہے۔ اِس کے سرورق کی عبارت یہ ہے:۔

کلیات اِنشا اللہ خاں

بہ تصحیح تمام و تنقیح مالا کلام بہ عرق ریزی کارپردازانِ مطبع

در مطبع دہلی اُردو اخبار باہتمام بندہ محمد حسین طبع شد

اور خاتمے پر یہ عبارت ہے

الحمد للہ کہ این کلیات سید انشا اللہ خانِ مرحوم بتاریخ بست وسیوم ماہ

مارچ ۱۸۵۵ء مطابق چہارم رجب المرجب ۱۲۷۱ ہجری

در مطبع دہلی اردو اخبار باہتمام بندہ محمد حسین

پرنٹر و پبلشر عفی عنہ

[illegible]

[illegible]

آئندہ اوراق میں یہ نسخہ "م" کے نام سے یاد کیا گیا ہے۔

۵۔ کلیاتِ اِنشا، نول کشور لکھنؤ ۱۲۷۶ھ (مطابق ۶۰۔ ۱۸۵۹ء)۔ "م ۲" سے یہ نسخہ مراد ہے۔

۶۔ کلیاتِ اِنشا، نول کشور کان پور دسمبر ۱۸۹۴ء مطابق ۱۳۱۲ھ۔ یہ "م ۳" ہے۔

حسبِ ہدایت محترمی جناب ڈاکٹر عبدالستار صاحب صدیقی میں نے یہ اہتمام کیا کہ نسخوں میں جہاں اختلاف ہے، صحیح لفظ متن میں رکھا جائے اور قراءتیں بشرطیکہ وہ صریحاً ردی نہ ہوں حاشیے میں درج ہوں۔ قلمی نسخوں کے مقابلے سے بیشتر صحیح متن قرار پا گیا، لیکن کہیں کہیں ایسا بھی ہوا کہ کسی قلمی نسخے پر اطمینان نہیں ہوا اور مطبوعہ نسخہ بہتر تھا تو اسے اختیار کر لیا۔

اختلافِ نسخ کی صورت میں حتی الامکان قلمی نسخوں کو مقدم رکھا ہے۔ ہاں اگر معانی و مفاہیم کے اعتبار سے قلمی نسخوں میں سقم پایا گیا اور مطبوعہ نسخوں کی قرارت زیادہ قرین قیاس پائی گئی تو اُسے ترجیح دی گئی ہے لیکن حاشیے میں تفصیل و تشریح کر دی گئی ہے۔

جب مقابلہ ختم کے قریب تھا، معلوم ہوا کہ ملک کے مشہور ادیب جناب مرزا محمد عسکری

لہ "دہلی اُردو اخبار" کے مدیر اور مالک مولوی محمد باقر تھے۔ اس لیے خیال ہوتا ہے کہ یہ محمد حسین، جن کا نام کتاب کے سرورق اور خاتمے میں آیا ہے، عجب نہیں مولوی محمد باقر کے بیٹے مولوی محمد حسین آزاد ہوں۔

صاحب لکھنوی بھی اِنشا کا اُردو کلیات ترتیب دے رہے ہیں، تو اکیڈیمی نے موصوف کا
مسودہ بھی حاصل کر لیا۔ جناب مرزا صاحب نے کتاب کو بڑی خوش اُسلوبی سے ترتیب دیا ہے
اور انشا کے حالات اور کلام پر ایک نہایت عمدہ مقدمہ بھی تحریر فرمایا ہے۔ چھاپے کے
نسخوں کی غلطیوں کی اصلاح کر کے جا بجا تشریحی حاشیے تحریر کر دیے ہیں۔ ہر صنف کلام کے
آغاز میں، تمہیدی عبارت بھی لکھی ہے۔ یہ سب چیزیں اپنی اپنی جگہ کتاب میں درج ہیں۔

جناب مرزا صاحب کا مسودہ وصول ہونے پر پھر ایک بار کتاب کے متن کی تنقیح ضروری
سمجھی گئی۔ اِس سلسلے میں محترمی ڈاکٹر صدیقی صاحب نے بھی اپنا قیمتی وقت صرف کیا۔ بعض قراءتوں اور
حاشیوں کے متعلق مرزا محمد عسکری صاحب سے خط کتابت کر کے اُن کا تصفیہ کیا اور چند مفید
حواشی خود سپردِ قلم فرمائے، جن کے آخر میں "ع ص" لکھ دیا گیا ہے، تاکہ اور حاشیوں سے
ممتاز رہیں۔ ڈاکٹر صاحب موصوف نے کتاب کی تصحیح اور بعض مقامات کی تشریح کے
متعلق بہت مفید مشورے دیے۔ حقیقت یہ ہے کہ اگر ڈاکٹر صاحب موصوف رہنمائی نہ فرماتے
تو یہ کام میرے بس کا نہ تھا۔

محمد رفیع
لٹریری اسسٹنٹ

ہندستانی اکیڈیمی
دسمبر ۱۹۵۱ء

فہرست کلامِ انشا

صفحہ

مقدمہ

بزرگوں کا اصلی وطن

اکثر تذکرہ نویس لکھتے ہیں کہ انشا کے بزرگ ہندوستان میں نجف اشرف سے آئے تھے مگر بعض کا قول ہے کہ خطۂ کشمیر کے سادات صحیح النسب سے ہیں اور وہاں کسی زمانے میں سمرقند سے آئے تھے۔ (آبحیات) سید انشا کے دادا شاہ نور اللہ (یا سید نور اللہ) ہندوستان ہی میں پیدا ہوئے۔ یہ ایک تارک الدنیا بزرگ تھے مگر انھوں نے اپنے بیٹے میر ماشاء اللہ خاں کو بہت اچھی تعلیم دی تھی۔

میر ماشاء اللہ خاں

میر ماشاء اللہ خاں (انشا کے پدر بزرگوار) بڑے زبردست طبیب تھے اہل تذکرہ اُن کے کمال طب کی گواہی دیتے اور اُن کی قابلیت علمی کے معترف ہیں۔ شاعر بھی تھے اور مصدر تخلص کرتے تھے اُن کے دو شعر تذکروں میں ملتے ہیں:

خدا کرے کہ مرا مجھ سے مہرباں نہ پھرے ۔۔۔ جہاں پھرے تو پھرے پر وہ جان جاں نہ پھرے

کافر ہو سو اتیرے کرے چاہ کسی کی ۔۔۔ صورت نہ دکھائے مجھے اللہ کسی کی

بدیہہ گوئی میں مشہور تھے اور شاعری کے علاوہ اخلاق، مروت اور سخاوت میں بھی اپنا جواب نہیں رکھتے تھے۔ دلیر اور شجاع آدمی تھے۔ مشہور ہے کہ اتنے معرکوں میں شرکت کی تھی کہ تمام بدن پر زخموں کے نشان باقی تھے بموجب پیشۂ خاندانی کے میر ماشاء اللہ خاں دربار شاہی میں طبیب اور زمرۂ امرا میں داخل تھے "دلی میں امیر الامرا نواب ذوالفقار خاں کے زمانے میں آئے تھے اس وقت سامان امارت کے علاوہ دو ہاتھی بھی اُن کے ساتھ تھے۔" (آبحیات) دلی کی تباہی کے بعد دربار مرشد آباد میں گئے، جہاں وہ نواب سراج الدولہ کی رفاقت میں تھے اور اٹھارہ ہاتھی دروازے پر جھومتے تھے۔" (آبحیات) سید انشا کی ولادت اسی زمانے

میں مرشد آباد ہی میں ہوئی۔ "مبتلا" اپنے تذکرۂ "گلشن سخن" میں انشا کے بیان میں لکھتے ہیں: "راقم حروف دیرا و درصغر سن ہنگام دولتِ میر محمد جعفر خاں بہادر دیدہ بود با والد الیشان آشنا بود۔" الحاصل میر ماشاء اللہ خاں نے مرشد آباد میں بحیثیت طبیب دامیر بڑی شہرت پائی تھی اور بڑے بڑے معرکے کے علاج کیے تھے جیسا کہ ایک تذکرے میں ہے کہ "در بنگالہ علاجہائے نمایاں ازو بظہور رسیدہ" قرینے سے معلوم ہوتا ہے کہ یہ دونوں باپ بیٹے مرشد آباد میں عالی جاہ میر قاسم علی خاں کے زمانے تک رہے۔

انشا کا مقامِ ولادت

انشا کا صحیح سنہ ولادت معلوم نہیں مگر وہ اپنے والد کے قیام مرشد آباد کے زمانے میں نواب سراج الدولہ کے عہد میں پیدا ہوئے اور میر جعفر کے زمانے میں بچہ تھے۔ اُس وقت میر ماشاء اللہ کے اقبال کا چمن لہلہا رہا تھا، ترقی و شادابی کی خوشحالی اپنے عروج پر تھی۔ حکیم صاحب کی اُمیدِ مستقبل نے اِس نونہال کو دیکھ کر خوشی کے شادیانے بجائے اور تمناؤں نے مسرت کے ترانے سنائے۔ باپ نے بطور تفاؤل کے یا اپنے نام کی مناسبت سے خاندانی ناموں کے وزن پر اِنشاء اللہ خاں نام رکھا۔ ذرا ہوش سنبھالتے ہی بڑی دھوم سے بسم اللہ ہوئی اور یہ ہونہار بچہ اپنے باپ کے ظلِ عاطفت میں دن دونی رات چوگنی ترقی کرنے لگا۔

بچپن کی طباعی و جودت

آزاد اِن کی جودتِ طبع کے متعلق لکھتے ہیں کہ "ایسا طباع اور عالی دماغ آدمی ہندوستان میں کم پیدا ہوا ہوگا۔"[1] وہ اگر کسی ایک فن کی طرف متوجہ ہوتے تو اُس فن میں وحیدِ عصر گنے جاتے اُن کی طباعی و ذہانت کا یہ حال تھا کہ کسی ایک صورت اور ایک حالت پر اُن کو قرار نہ تھا جو ماحول ہوتا تھا یا جس چیز کو اُن کا جی چاہتا تھا وہ اُن کے دماغ سے فوراً موجود ہوتی تھی یہی وجہ ہے کہ ان کے کلام میں اس قدر تنوع ہے اور اتنے رنگ بھرے ہیں، اور اِس قدر خوبصورتی سے ہر رنگ کو برتا ہے کہ کسی

---

[1] آزاد نے انشا کی تدرتی تیزی و طراری کے متعلق ایک دلچسپ واقعہ لکھا ہے جو سننے کے قابل ہے لکھتے ہیں کہ انشا لڑکپن میں طالب علمی کرتے تھے مگر ساتھ ہی گانے کا بھی شوق تھا "کافیہ" حفظ کرتے تھے اور ستار بجاتے جاتے تھے۔ الکلمۃ لفظُ کلمۃ لفظٌ۔ وُضع لمعنی مفرداً دِڑُ۔ مفرداً دِڑُ۔

شاعر کو یہ بات نصیب نہیں چونکہ اُن کے مزاج میں بچپن ہی سے خودروی اور آزادی تھی اس وجہ سے اپنے آبائی پیشۂ طبابت کی طرف متوجہ نہ ہوئے بلکہ اس چیز کو اختیار کیا جس میں اُن کی خداداد قوتوں کے اظہار کا سب سے زیادہ موقع تھا یعنی شاعری، اور اس فن میں بھی اپنا طریقہ سب سے الگ رکھا۔

عربی و فارسی پر عبور زبان عربی و فارسی پر اُن کے عبور سے ثابت ہوتا ہے کہ مروجہ درس نظامی اُنھوں نے پورا پڑھا ہوگا، پڑھنا درکنار، یہ فلسفہ اور حکمت کی کتابیں شاگردوں کو پڑھایا کرتے تھے۔ ایک شعر میں اپنے مذاقیہ انداز میں کہتے ہیں ؎

انشاءاللہ خاں میاں بڑے فاضل ذہین ہیں — صدرا پڑھے ہیں جن سے طالب علم آ کے

یہ فلسفہ اور حکمت کا شوق ہی تھا جو باوجود اپنے خاص مذاقیہ رنگ کے بھی صدہا شعروں میں اُن کو مجبور کرتا ہے کہ وہ علمیہ مضامین کو خوبصورت طریقوں سے ظاہر کریں۔ اُن کی غزلیں کی غزلیں ایسے ہی بلند مضامین سے بھری پڑی ہیں مگر ایک یا دو فلسفیانہ شعر کے بعد دو چار تمسخر انگیز اشعار بھی ضرور ہوتے ہیں جن کو دیکھ کر آپ پھڑک جاتے ہیں۔

شاگردی انشا کی شاگردی کے متعلق تذکرہ نویسوں میں اختلاف ہے۔ حقیقت یہ ہے کہ انشا بچپن ہی سے نہایت ذکی و ذہین تھے اور ملکۂ شاعری خداداد رکھتے تھے غالب کی طرح اِن کو بھی کسی ظاہری اُستاد کی چنداں ضرورت نہ تھی فطرت خود بہت بڑی اُستاد تھی۔ مگر پھر بھی صحیح یہی معلوم ہوتا ہے کہ رسمی طور سے اِنھوں نے اپنا کلام اپنے والد ہی کو دکھایا ہوگا اور اُنھوں نے بھی بوجہ ذاتی شوق ہونے کے اِن کو شاعری سے روکا نہ ہوگا بلکہ کلام پر اصلاح دی ہوگی۔ یہ بھی عجیب بات ہے کہ انشا کی شاعری کی ابتدا ملک بنگال سے ہوئی جہاں بچپن میں سیکڑوں شعر کہے ہوں گے یہ ان کی صلاحیتِ مزاج کی بہت بڑی دلیل ہے کہ اُن کے کسی شعر سے یہ پتا نہیں چلتا کہ یہ دلّی یا لکھنؤ کی بہترین اور بامحاورہ زبان نہیں ہے۔ نسّاخ نے اپنے تذکرہ "سخن شعرا" میں ایک سُنی سُنائی بات لکھ دی کہ ابتدا میں اِنھوں نے مصحفی سے اصلاح لی تھی اور پھر منحرف ہو کر اُن کی ہجویں کہیں۔ ہم کو تعجب

معلوم ہوتا ہے کہ مولوی عبدالغفور نسّاخ جو خود فرید پور بنگال کے رہنے والے تھے انشا کی استادی کا سہرا بجائے خود اُن کے والد یا کسی اور مرشد آبادی شاعر کے مصحفی کے سر باندھتے ہیں جن کو نہ تو کوئی تعلق بنگال سے تھا اور نہ انشا کے بچپن کے آشناؤں میں تھے، کہ اس صورت میں اُستادی کا گمان بھی ہو سکتا تھا۔ بعض لوگ میر سوز کو انشا کا اُستاد ٹھہراتے ہیں غالباً اس وجہ سے کہ اِن کا اور اُن کا رنگ مِلتا جلتا ہے مگر آگے چل کر انشا نے اپنے زمانے کے قریب قریب ہر شخص کے رنگ میں کہا ہے لہٰذا وہ تمام آدمی تو اُن کے اُستاد ہو نہیں سکتے۔

سید انشا نواب شجاع الدولہ کے دربار میں

(عالی جاہ نواب میر قاسم علی خاں کا زمانہ مرشد آباد کے تنزل کا زمانہ تھا اور اِس طرف فیض آباد زیرِ حکومت شجاع الدولہ عروج پر تھا لہٰذا یہ دونوں باپ بیٹے مرشد آباد سے شجاع الدولہ کے دربار میں پہونچے اور یہ دونوں اسی دربار دُربار سے وابستہ ہو گئے)

"درعالمِ تنزّل، کہ عہد نواب قاسم علی خاں بود، بہ پیشِ نواب وزیر الممالک شجاع الدولہ مرحوم آمد" (تذکرہ مخزن الغرائب) اس وقت انشا کی عمر سولہ برس کی تھی اور وہ آداب دربار وغیرہ سے بخوبی واقف تھے جس کا نتیجہ یہ ہوا کہ وہ اپنے والد کے ساتھ خدمات لائقہ پر ممتاز رہے مگر شجاع الدولہ کے انتقال کے بعد جب فیض آباد کا دربار درہم برہم ہو گیا تو میر ماشاء اللہ خاں بد دل ہو کر فیض آباد چھوڑنے پر آمادہ ہوئے اور دونوں باپ بیٹے گھومتے گھماتے دلی پہنچے

"بعد چندے کہ نواب وزیر موصوف قضا کرد در بارِ آصف الدولہ مجلس آرا دل شد خاں مزبور (یعنی سید انشا) چندے بہ لشکر نواب ذوالفقار الدولہ میرزا نجف خاں مرحوم و مدتے در بندیل کھنڈ و بعد چند روز باز ہم پایۂ پدر بہ دہلی رفتہ۔"
(مخزن الغرائب)

سید انشا شاہ عالم کے دربار میں

اِس وقت دلی کا دربار لٹا پٹا تھا (ایک ٹوٹی پھوٹی درگاہ اور سجادہ نشین اُس کے شاہ عالم بادشاہ[1] تھے آجیات)

---

[1] شاہ عالم کا تخلص آفتاب تھا اکثر تذکروں میں ان کا کلام ملتا ہے۔ یہ مشہور رباعی انھیں کی طرف منسوب ہے ؎

صبح تو جام سے گذر تی ہے — شب دل آرام سے گذر تی ہے
عاقبت کی خبر خدا جانے — اب تو آرام سے گذر تی ہے

بادشاہ خود بھی بہت اچھے شاعر اور شاعروں کے قدر دان تھے۔ اسی نسبت سے سید انشا بھی اہل دربار میں داخل ہوئے اور چونکہ اُن کے کلام میں ایک خاص طرح کی شوخی اور چمک تھی وہ گل افشانی کر کے محفل کو لٹا لٹا دیتے تھے اور یہ عالم ہوا کہ شاہ عالم کو ایک دم اُن کی جدائی ناگوار تھی"۔ (آبحیات)

دلی میں معرکے

ہر چند کہ اس وقت دلی کی ملکی و انتظامی حالت بہت خراب ہو چکی تھی مگر ادبی حالت بہت درست تھی تیر و سودا گو کہ چلے آئے تھے۔ پھر بھی خواجہ میر درد حکیم ثناء اللہ خاں فراق، حکیم قدرت اللہ خاں قاسم، شاہ ہدایت، میاں شکیبا، مرزا عظیم بیگ عظیم شاگردِ سودا، میر قمر الدین منت، شیخ ولی اللہ محب وغیرہ بڑے بڑے سخنور اور سخن فہم دلی میں موجود تھے۔ اور ظاہر ہے کہ جہاں ایسے چوٹی کے شاعر جمع ہوں وہاں زبردست مشاعرے اور معرکے کیوں نہ ہوتے ہوں گے۔ "انشا اسی مجمع شعرا میں بادشاہ کے ظلِّ عاطفت میں داخل ہو گئے اور گو کہ یہ سب لوگ بڑے بڑے مشاق اور اپنے فن میں طاق تھے مگر انشا کی طبیعت کی شوخی زبان کی طراری، تراشوں کی نئی پھبن، ایجادوں کا بانکپن وہ کہاں سے لاتے"۔ (آبحیات)

انھیں وجوہ سے اِن کہنہ مشق بڈھوں اور چلبلی طبیعت کے نوجوان اِنشا سے بنی نہیں۔ یہ لوگ یا تو تعریف کے موقع پر انشا کے اشعار پر سر تک نہ ہلاتے یا مذاق آمیز الفاظ سے تعریف و تحسین کرتے جو ہمارے نوجوان شاعر کی نازک طبیعت پر سخت گراں گزرتا تھا۔

یوں تو انشا کی طبیعت داری، چلبلے پن اور چھیڑ چھیڑ کر لڑنے کی عادت سے خیال ہوتا ہے کہ دلی میں جہاں صدہا کہنہ مشق شاعروں کا مجمع تھا بہت سے ادبی مناقشے ہوئے ہوں گے مگر لبطور اختصار کے یہاں ہم صرف ایک معرکہ پر اکتفا کرتے ہیں جس کا ذکر تذکروں میں بھی ہے یعنی مرزا عظیم بیگ کے ساتھ جو معرکہ پیش آیا۔ مرزا عظیم بیگ عظیم تخلص ایک کہنہ مشق وضع دار سن رسیدہ شاعر تھے، سودا کے شاگرد تھے مگر بعض لوگوں نے اُن کو شاہ حاتم اور خواجہ میر درد کا بھی شاگرد بتایا ہے)، پرانی وضع کے آدمی تھے، پڑھے لکھے تو معمولی طور پر تھے مگر مزاج میں خودسری اور خود پسندی بہت تھی۔ اپنے آگے کسی دوسرے شاعر کی حقیقت نہ سمجھتے تھے۔ اُن سے اور حکیم میر ماشاء اللہ خاں سے ملاقات تھی۔ ایک دن اُن کے پاس آئے اور ایک

غزل سنائی جو بحرِ رجز میں تھی مگر بعض اشعار ناواقفیت کی وجہ سے بحرِ رمل میں بھی کہہ گئے تھے۔
جب یہ غزل سنی گئی تو حکیم صاحب نے ظاہری طور پر بہت تعریف کی مگر انشا تاڑ گئے کہ یہ کچھ نہیں
سے ہیں اور یہ موقع ان کو بنانے اور ذلیل کرنے کا بہت اچھا ہے۔ خوب تعریف و تحسین کی اور
باصرار کہا کہ اس غزل کو مشاعرے میں ضرور سنائیے گا۔

مرزا عظیم بیگ کا معرکہ

اُس زمانے میں دلی میں ایک مشاعرہ مرزا مینڈو کے گھر پر ہوتا تھا جو نواب شجاع الدولہ کے بیٹے تھے اور کسی وجہ سے دلی چلے
گئے تھے۔ بڑے صاحب اخلاق اور ذی مروت آدمی تھے آمیر تخلص کرتے تھے غرضکہ یہ
مشاعرہ انھیں کے یہاں تھا جس میں بڑے بڑے شعرا کے علاوہ عظیم اور انشا بھی موجود تھے
عظیم نے اپنی وہی غزل پڑھی۔ سید انشا نے تقطیع کی جو فرمائش کی تو وہ بے چارے دم بخود
ہو گئے۔ انشا نے اُسی وقت ایک مخمس کہہ ڈالا اور لوگوں کو سنایا جس کا صرف ایک بند
آب حیات میں ملتا ہے وہ یہ ہے ؎

گر تو مشاعرے میں صبا آج کل چلے — کہیو عظیم سے کہ ذرا وہ سنبھل چلے
اتنا بھی اپنی حد سے نہ باہر نکل چلے — پڑھنے کو شب جو یار غزل در غزل چلے
بحرِ رجز میں ڈال کے بحرِ رمل چلے

افسوس ہے کہ اس مخمس کے اور بند نہیں ملتے مگر اسی زمین میں مرزا عظیم بیگ نے جو گھر جاکر
اپنے دل کا بخار نکالا۔ اس کے سات بند آب حیات میں موجود ہیں۔ اور دو بند ایک اور
تذکرہ سے یہاں نقل کئے جاتے ہیں۔ آب حیات کے سات بندوں سے پانچ بند بطور نمونے
کے دیئے جاتے ہیں ؎

وہ فاضلِ زمانہ ہو تم جامع علوم — تحصیل صرف و نحو سے جن کی مچی ہے دھوم
رمل و ریاضی حکمت و ہیئت جفر نجوم — منطق بیاں معانی کہیں سب زمیں کو چوم
تیری زباں کے آگے نہ دہقاں کا ہل چلے

اک دو غزل کے کہنے سے بن بیٹھے ایسے طاق — دیوان شاعروں کے نظر سے رہے بطاق
ناصر علی نظیری کی طاقت ہوئی ہے طاق — ہر چند ابھی نہ آئی ہے فہمید جفت و طاق

ٹنگڑی تلے سے عرفی و قدسی نکل چلے

تھا زور فکر میں کہ کہوں معنی و مثال — تجنیس و ہم رعایت لفظی و ہم خیال
فرق رجز، رمل نہ لیا میں نے گو سنبھال — نادانی کا مری نہ ہو دانا کو احتمال
گو تم بقدر فکر یہی کر حل چلے

موزونی و معانی میں پایا نہ تم نے فرق — تبدیل بحر سے ہوئے بحر خوشی میں غرق
روشن ہے مثل مہر یہ از غرب تا بہ شرق — شہ زور اپنے زور میں گرتا ہے مثل برق
وہ طفل کیا گرے گا جو گھٹنے کے بل چلے

کیوں جنگ گفتگو کو تم اُٹھ دوڑے اس قماش — کرتے جو بھاری پاچہ ہوتا نہ پردہ فاش
پھر سمجھیں کب یہ بات جو کُندے ہوں ناتراش — تیغ زباں کو میان میں رکھتے تم اپنی کاش
ناحق جو تم ازار سے باہر نکل چلے

باقی دو بند یہ ہیں ؎

ہے امتحانِ زور تو یہ پیشِ عقل مند — میرے سے تم قصیدے کہو یا کہ قطعہ بند
گو ہجو میری اُس میں ہو لیکن ہو دل پسند — یہ بات ہے نرالی کہ دروازہ کر کے بند
دشنام دینے گھر میں محل بے محل چلے

میرا سا شعر کب ہو، پڑھے گو کہ نحو و صرف — ہوئے بیاں معانی سے میرا بیاں نہ حرف
منطق سے کیا ہو نطق کا پایہ نہ ہو جو ظرف — منقول کی بھی عمر کی معقول ہے نہ صرف (؟)
ہیئت پڑھے سے اور رہی ہیئت بدل چلے

غرضکہ یہ مشاعرہ مرزا عظیم بیگ کی شکست اور انشا کی فتح پر ختم ہوا۔ اور بقول مصنف آب حیات "اب انشا کے طائر فخر کی بلند پروازی اور زیادہ ہوئی۔ ہر غزل میں مضامین فخریہ کا جوش ہونے لگا یہاں تک کہا کہ میرا اور ان لوگوں کا کلام ایسا ہے جیسے کلام آلہی اور مسیلمہ کذاب کا "الفیل ما الفیل"۔ اس کے بعد جو مشاعرہ انھیں مرزا مینڈو کے یہاں ہوا اُس میں سب شاعر کمریں باندھ باندھ کر آئے، یعنی لڑنے مرنے کو تیار تھے۔ آزاد کہتے ہیں کہ "یہ مشاعرہ ایک خطرناک معرکہ تھا۔ حریفوں نے تیغ و تفنگ اور اسلحہ جنگ سنبھالے تھے۔ بھائی بند

اور دوستوں کو ساتھ لیا تھا۔ بعض کو اِدھر اُدھر لگا رکھا تھا اور بزرگان دین کی نیازیں مان مان کر مشاعرے میں گئے تھے" (آبحیات) مرزا عظیم بیگ نے جو یہ رنگ دیکھا تو صرف ایک بند پر کفایت کی اور کہا کہ مَیں نے اپنے اُستاد کے ایک شعر پر قناعت کی ہے جو ابھی تضمین ہو گیا۔

وہ بند ملاحظہ ہو ؎

عظیم اب گو ہمیشہ سے ہے یہ شعر کہنا شعار اپنا — طرف ہر اک سے ہو بحث کرنا نہیں ہے کچھ افتخار اپنا
کہیں سخن باز کھنڈ گویوں میں ہو نہ ہو اعتبار اپنا — جنھوں کی نظروں میں ہم سبک ہیں دیا اُنھیں کو وقار اپنا
عجب طرح کی ہوئی فراغت گدھوں پہ ڈالا جو بار اپنا

انشا نے بھی اپنی وہ معرکۃ الآرا غزل پڑھی، جس کا مطلع ہے ؎

اک طفلِ دبستاں ہے فلاطوں مرے آگے — کیا مُنہ ہے ارسطو جو کرے چوں مرے آگے

اس کے بعد حکیم میر قدرت اللہ خاں قاسم کے آگے جو شمع آئی تو اُنھوں نے کہا کہ سیّد صاحب ذرا اِس "الفیل ما الفیل" کو بھی ملاحظہ فرمایئے۔ اِس سے لوگوں کو خیال ہوا کہ شاید سخت ہجو ہو گی بے لطفی سے ڈرے اور میر مشاعرہ نے بڑھ کر دونوں آدمیوں کو گلے ملوا دیا۔ غرضکہ صلح پر خاتمہ ہوا۔

بیکس عظیم آبادی سے چھیڑ چھاڑ

قیاس کہتا ہے کہ انشا کو روزانہ اس قسم کے جھگڑوں بکھیڑوں سے کام پڑتا ہو گا یہ بات کچھ دلی ہی کے لئے مخصوص نہ تھی بلکہ جب وہ اپنے والد کے ساتھ مرشد آباد میں تھے وہاں بھی ایسے معاملات پیش آ چکے تھے۔ چنانچہ مرزا محمد متخلص بہ بیکس ایک عظیم آباد کے رہنے والے شاعر تھے۔ ان سے اور اِنشا سے نہ معلوم کب اور کس بات پر چل گئی تھی۔ وہ قصّہ تو معلوم نہیں مگر بیکس نے جو اُن کی ہجو میں ایک رُباعی کہی تھی وہ اب تک تذکروں میں موجود ہے۔ تعجب اور افسوس ہے کہ انشا کی طرف سے جو چھیڑ ہوئی ہو گی اُس کا ذکر کسی تذکرے میں نہیں ہے۔

بیکس کی رُباعی یہ ہے ؎

ظاہر میں تو ایسے ہیں کہ ماشاء اللہ — سب کہتے ہیں زیادہ ہوں گے اِنشاء اللہ
باطن میں جو دیکھا اِنھیں، اِتنے ہیں پوچ — لاحَولَ وَلا قُوَّۃَ اِلّا بِاللہ

حکیم ماشاء اللہ خاں کا انتقال

انشا دلی ہی میں تھے اور اُن کے یہاں رہنے کی مدت کا کوئی صحیح اندازہ نہیں کیا جا سکتا۔ نہ وہ سب واقعات دستیاب ہوتے ہیں جو یہاں رہنے کی مدت میں پیش آئے ہوں گے۔ مگر جب سلطنت کو زیادہ تنزل ہوا اور بادشاہ فقط بادشاہ شطرنج ہو کر رہ گئے تو انشا اپنے والد کے ساتھ دلی سے دل برداشتہ ہو کر فرخ آباد چلے گئے اور وہیں اقامت گزیں ہو گئے۔ اب وہ اُن کی خاندانی امارت اور اگلی حشمت ختم ہو چکی تھی۔ صرف نواب مظفر جنگ بقدر مایحتاج اُن کی مدد کرتے تھے یا اُن کے کمال طبی سے شاید کچھ مل رہتا ہو اِس کے علاوہ کوئی آمدنی نہ تھی۔ اسی عالم میں حکیم ماشاء اللہ خاں کا انتقال ہوا اور وہ فرخ آباد ہی میں مدفون ہوئے۔ غالباً اِسی زمانے میں انشا بھی کئی مرتبہ فرخ آباد گئے ہوں گے "میر انشاء اللہ خاں ولد ارشد حکیم ماشاء اللہ خاں دو سہ بار وارد بلدہ فرخ آباد شد۔"

(تاریخ فرخ آباد از میر ولی اللہ)

اِنشا لکھنؤ آتے ہیں

دلی چھوڑ کر لکھنؤ آنے کی وجہ "آب حیات" میں بہت معقول بیان کی گئی ہے۔ یہاں ہم اس کو ذرا تفصیل سے اور آبحیات ہی کے لفظوں میں بیان کرتے ہیں۔

انشا کی تعجب خیز خود غرضی

"انشا اپنا مطلب ہزار طرح سے نکال لیتے تھے مثلاً جمعرات کا دن ہوتا تو باتیں کرتے کرتے دفعتاً خاموش ہوتے اور کہتے کہ پیر و مرشد غلام کو اجازت ہے بادشاہ کہتے خیر باشد؟ کہاں؟ کہاں؟ یہ کہتے حضور آج جمعرات ہے۔ غلام نبی کریم جائے۔ شاہ دین و دنیا کا دربار ہے کچھ عرض کرے۔ شاہ عالم بہ ادب کہتے کہ ہاں ہاں بھئی ضرور جائیے۔ سید انشا خاں ہمارے لیے بھی کچھ عرض کرنا۔ یہ عرض کرتے کہ حضور! غلام کی اور آرزو کون سی ہے؟ یہی دین کی آرزو وہی دنیا کی مراد! یہ کہہ کر پھر خاموش ہو جاتے۔ بادشاہ کچھ اور بات کرنے لگتے ایک لمحہ کے بعد پھر یہ کہتے کہ پیر و مرشد! پھر غلام کو اجازت ہو۔ بادشاہ کہتے کہ ہیں۔ لے

بھئی! میر انشا اللہ خاں ابھی تم گئے نہیں؟ یہ کہتے ہیں کہ حضور بادشاہ عالی جاہ کے دربار میں غلام خالی ہاتھ کیونکر جائے۔ کچھ نذر و نیاز کچھ چراغی تو مرحمت ہو! بادشاہ کہتے ہاں بھئی درست، درست؟ مجھے تو خیال ہی نہیں رہا۔ جیب میں ہاتھ ڈالتے۔ اور کچھ روپے نکال کر دیتے۔ میر انشاء اللہ خاں لے لیتے، اور ایک دو فقرے دعائیہ کہہ کر پھر کہتے، کہ حضور دوسری جیب میں دست مبارک جائے تو فدوی کا کام چلے، کیونکہ وہاں سے پھر کر بھی آنا ہے۔ بادشاہ کہتے کہ ہاں ہاں بھئی سچ ہے سچ ہے بھلا وہاں سے دو دو کھجوریں تو کسی کو لاکر دو۔ بال بچے کیا جانیں گے، کہ تم آج کہاں گئے تھے۔ اگرچہ ان فقروں سے کام نکال لیتے تھے۔ لیکن پھر کب تک، آخر دلّی سے دل اُچاٹ ہوا۔

خود غرضی کی دوسری مثال

"سعادت علی خاں کے ہاتھوں سیّد انشا کا انجام اچھا نہ ہوا اس کے مختلف سبب ہیں۔ اوّل تو یہ کہ اگرچہ اپنی ہمہ رنگ طبیعت کے زور سے انھوں نے انھیں پرچا لیا۔ مگر درحقیقت اِن کے اور اُن کے معاملے کا مصداق اِن کا مطلع تھا ؎

رات وہ بولی مجھ سے ہنس کر چاہ میاں کچھ کھیل نہیں
میں ہوں ہنسوڑ اور تو ہے مقطع، تیرا میرا میل نہیں۔

مثلاً اکثر میلوں تماشوں میں چلنے کے لیے کچھ احباب کا تقاضا کچھ اُن کی طبیعت اصلی کا تقاضا۔ غرض انھیں جانا ضرور۔ اور یہ سعادت علی خاں کی طبع کے بالکل مخالف۔ اکثر ایسا ہوا کہ وہ اپنے کاغذات دیکھ رہے ہیں۔ مصاحبوں کے ساتھ یہ بھی حاضر ہیں، اس میں ایک آدھ لطیفہ بھی ہوتا جاتا ہے انھوں نے عرض کی کہ حضور غلام کو اجازت ہے؟ وہ بولے کہ ہوں! کہاں؟ انھوں نے کہا حضور آج آٹھوں کا میلا ہے۔ اُنھوں نے کہا لاحول ولا قوۃ۔ سیّد انشا بولے کہ مناسب تو یہ تھا کہ حضور بھی تشریف لے چلتے۔ نواب نے کہا۔ انشا ایسے ناروا مقاموں میں جانا تمھیں کس نے بتایا ہے! عرض کی حضور! وہاں تو جانا ایک اعتبار سے فرض عین ہے۔ اور ایک نظر سے واجب کفائی ہے۔ اور ایک لحاظ سے سنت ہے۔ پھر سب کی توجیہیں الگ الگ بیان کیں آخر اسی عالم مصروفیت میں

سنتے سنتے دق ہو کر نواب نے کہہ دیا۔ قصّہ مختصر کرو۔ اور جلدی سدھارو۔ اُسی وقت موچھوں پر تاؤ دے کر بولے۔ کون ہے آج سوا سیّد انشا کے کہ جو کچھ کہے اُسے عقل سے، نقل سے، آیت سے، اور روایت سے ثابت کر دے۔ ایسی باتیں بعض موقع پر نواب کو موجب تفریح ہوتی تھیں۔ بعض دفعہ بمقتضائے طبیعت اصلی مکدّر ہو جاتے تھے۔ خصوصاً جب کہ رخصت کے وقت خرچ مانگتے تھے، کیونکہ وہ شاہ عالم نہ تھا سعادت علی خاں تھا۔"

گر جاں طلبی مضائقہ نیست زر می طلبی سخن درین است

اِن دونوں واقعوں سے جو اُوپر بیان ہوئے انشا کے کیریکٹر پر ایک خاص روشنی پڑتی ہے۔ اگر اِن کو غور سے پڑھیے تو معلوم ہوگا کہ انشا جوانی اور بڑھاپے میں بھی ایک عجیب طفلانہ مزاج لالچی اور خود غرض آدمی تھے جن کو سیر سپاٹے اور میلوں ٹھیلوں میں جانے کا ازحد شوق تھا۔ اور جب ایسے موقعوں پر جاتے تو خالی ہاتھ نہ جاتے بلکہ جیبیں روپیوں سے بھری ہوتیں۔ یہ بھی تعجب معلوم ہوتا ہے کہ ایسے مقامات پر جانے کے واسطے جلبِ زر کی غرض سے کسی کی اجازت ضرور طلب کرتے گو وہ بادشاہ ہی کیوں نہ ہو۔ لکھنؤ کے آٹھوں کے میلے میں جانے سے پیشتر تو اُنھوں نے غضب کیا کہ خود سعادت علی خاں سے کہا "مناسب تو یہ تھا کہ خود حضور بھی تشریف لے چلتے" اور جب اُنھوں نے جانے سے اِنکار کیا اور اس کو ایک فعل عبث اور لغو بتایا تو انشا نے میلوں میں جانا فرضِ عین، واجب کفائی اور سنت قرار دیدیا۔ اِن واقعات کو پڑھ کر ہم کو انشا ایسے ادا شناس درباری اور بوڑھے قابل شاعر سے باوجود مزاج کی وارفتگی کے بہت بعید معلوم ہوتا ہے کہ وہ اس قسم کی طفلانہ حرکتیں جوانی اور بڑھاپے میں کرے، اور اس کا بھی مطلق خیال نہ کرے کہ ہم کس سے تخاطب کر رہے ہیں۔ غالباً یہ روایات مولانا آزاد نے کسی شخص یا کئی اشخاص سے سنی ہوں گی یا ممکن ہے کہ کسی تذکرے میں دیکھی ہوں، مگر ہم کو کمال ادب اور افسوس کے ساتھ کہنا پڑتا ہے کہ اُنھوں نے نقد و درایت سے بالکل کام نہ لیا۔ اور جو کچھ سنا سنایا تھا

بے تکلف وہی لکھ دیا۔

لفظ انجب کا واقعہ اور اُس پر تنقید

اس سے آگے چل کر وہ واقعہ بھی کہ جب انشا نے سعادت علی خاں کو مُنہ در منہ انجب (یعنی ولد الجاریہ) کہا، نہایت تعجب خیز ہے۔ انشا عربی کے جید عالم تھے، لفظ انجب کے معنی ضرور جانتے تھے۔ سعادت علی خاں بھی کوئی اَن پڑھ جاہل نہ تھے۔ علّامہ تفضل حسین خاں کی شاگردی کا فخر اُن کو حاصل تھا۔ درباری لوگ بھی کوئی جاہل اَن پڑھ گنوار نہ تھے کہ لفظ انجب کے معنی سے ناواقف ہوں۔ غرضکہ جب ان تمام چیزوں کو ہم ملاتے ہیں تو یہ واقعہ بالکل غلط معلوم ہوتا ہے۔ انشا سے کبھی اِس کی اُمید نہیں کی جاسکتی کہ وہ ایک حاکم با اختیار کو رُو در رُو "لونڈی بچہ" بنائیں گے۔ اگر یہ واقعہ صحیح ہوتا تو اُسی وقت اُن کی زبان کھنچوا دی جاتی۔

آصف الدولہ کے زمانے میں لکھنؤ کی ادبی سوسائٹی!

غرضکہ دلّی کی حالت جب بدل گئی تو انشا لکھنؤ کے عازم ہوئے۔ یہ زمانہ آصف الدولہ کا تھا اور گو آصف الدولہ کے دربار کو اُن کے والد نے پسند نہ کیا تھا مگر وہ زمانہ اور تھا اب لکھنؤ مستقل طور پر اودھ کا دارالریاست ہوگیا تھا۔ آصف الدولہ کی سخاوتوں کے ڈنکے بج رہے تھے۔ دلی سے جو اِدھر آتا وہ یہیں کا ہو رہتا تھا۔ گو سوداؔ اور میر سوزؔ وغیرہ موجود نہ تھے مگر پھر بھی لکھنؤ میں شاعروں کی ایک اچھی خاصی جماعت موجود تھی، جن میں مصحفیؔ، جرأتؔ اور مرزا قتیلؔ خاص طور پر قابلِ ذکر ہیں۔ ان سے اور اِن کے شاگردوں اور شہر کے شعر فہموں سے رات دن شعر و شاعری کی محفل گرم رہتی تھی۔ اسی فضا میں انشا دلّی سے لکھنؤ میں وارد ہوئے۔ لکھنؤ میں اس وقت مرزا سلیمان شکوہ (شاہ عالم کے بیٹے) بڑے تکلف سے رہتے تھے۔ وزیر الممالک آصف الدولہ اِن کے ساتھ بڑے ادب آداب سے پیش آتے اور چھ ہزار روپیہ ماہوار اُن کو دیا کرتے تھے۔

شاہزادہ مرزا سلیمان شکوہ اور اُن کا دربار

شاہزادہ مذکور کو شعر و شاعری کا

بڑا ذوق تھا۔ ولی اللہ محبؔ، جراَتؔ، سعادت یار خاں رنگینؔ اور مصحفیؔ انھیں کی سرکار سے وابستہ اور انھیں کے نمک خوار و مصاحب تھے اور قرینے سے معلوم ہوتا ہے کہ مصحفیؔ کو یہ اپنا کلام دکھاتے اور انھیں سے اصلاح لیتے تھے۔ جب سید انشاؔ اس دربار میں پہونچے تو بقولِ آزاد "مصحفیؔ کا مصحف طاق پر رکھا گیا اور اب اصلاح سخن انشاؔ ہی کے متعلق ہوگئی" اور یہ کوئی تعجب کی بات نہیں، اس لیے کہ انشاؔ کی تیزی وطراری، شوخی و شیریں زبانی کے آگے بڈھے مصحفیؔ کی سیدھی سادھی باتیں شاہزادے کو کیا پسند آتیں۔ غرضکہ مصحفیؔ کی تنخواہ جو پہلے پچیس۲۵ تھی اب گھٹ کے پانچ رہ گئی۔ اس تخفیف سے شاہزادے کا یہی مطلب ہوگا کہ وہ بددل ہوکر نوکری چھوڑ دیں مگر اس زمانے کی وضع داری بھلا اس کو کب گوارا کرسکتی تھی۔ مصحفیؔ بددل تو ضرور ہوئے لیکن نوکری سے کنارہ کش نہ ہوئے اور کمی تنخواہ پر یہ بامذاق مگر دل جلا قطعہ کہہ کر شاہزادے کو سنایا ؎

چالیس۴۰ برس کا ہی ہو چالیس۴۰ کے لائق	تھا مردِ معمر کہیں دس۱۰ بیس۲۰ کے لائق
اے وائے کہ پچیس سے اب پانچ ہیں اپنے	ہم بھی تھے کئی روزوں میں پچیس۲۵ کے لائق
اُستاد کا کرتے ہیں امیر اب کے مقرر	ہوتا ہی جو درماہہ کہ سائیس کے لائق

عبرت! یہ اشعار عبرت سے خالی نہیں مصحفیؔ اتنا بڑا زبردست شاعر پچیس۲۵ روپیہ ماہانہ پر خوش اور مطمئن اور اس وقت کے شعرا کی ماہوار آمدنی صرف مشاعرے کی فیسوں سے سیکڑوں سے متجاوز اور پھر غیر مطمئن!

مصحفیؔ کا معرکہ مصحفیؔ لکھنؤ کے کسی محلّے احمد نگر میں رہتے تھے۔ تخفیفِ تنخواہ اور شاہزادے کی کج ادائیوں سے بد دل ہو رہے تھے اگر وضعداری کو ہاتھ سے نہ دیا تھا۔ زیادہ وقت شاہزادے کے یہاں حاضر باشی میں صرف ہوتا تھا ایک مرتبہ جلسے میں یہ غزل پڑھی ؎

سرِ مُشک کا ہے نیرا نو کافور کی گردن	نے موے پری ایسے، نہ یہ حور کی گردن
مچھلی نہیں ساعد میں ترے بلکہ نہاں ہے	وہ ہاتھ میں ماہیِ سقنقور کی گردن
یوں مرغِ دل اُس زلف کے پھندے میں پھنسا ہے	جوں رشتۂ صیاد میں عصفور کی گردن

دل کیونکے پری ہور کا پھر اس پہ نہ پھسلے
صانع نے بنائی تری بلّور کی گردن

اک ہاتھ میں گردن ہو صراحی کی مزا ہے
اور دوسرے میں ساقی مخمور کی گردن

ہر چند میں جھک جھک کے کیے سیکڑوں مجرے
پر خم نہ ہوئی اُس بُتِ مغرور کی گردن

کیا جانیئے کیا حال ہوا صبح کو اُس کا
ڈھلکی ہوئی تھی شب تِرے رنجور کی گردن

یوں زلف کے حلقے میں پھنسا مصحفی، اے وائے
جوں طوق میں ہووے کسی مخمور کی گردن

اس غزل پر انشا نے اعتراضات کا ایک قطعہ اور جواب میں ایک غزل بھی لکھی۔ قطعہ میں پہلے تو اعتراض کیے اور آخر میں یہ رائے دی کہ لکھنؤ کو آپ ایسے شاعروں کی ضرورت نہیں ہے بہتر تو یہ ہے کہ آپ شعر کہنا ہی چھوڑ دیجیے اور اگر نہیں مانتے تو پنجاب تشریف لے جائیے، اور وہاں کے لوگوں کو اپنے اشعار سے بیوقوف بنائیے غرضکہ قطعہ نہایت دلچسپ اور سننے کے لائق ہے ؎

سُن لیجے گوشِ دل سے مری مشفقا یہ عرض
مانندِ بید غصّے سے مت تھرتھرائیے

بلّور گو درست ہو، لیکن ضرور کیا
خواہی نخواہی اُس کو غزل میں کھپائیے

دستور، دلور، وطور، یہ ہیں قافیے بہت
اس میں جو چاہیے تو قصیدہ سنائیے

یہ تو غضب ہے کیجیے غزل آٹھ بیت کی
اور اُس میں حرف ایسے انوکھے دکھائیے

کیا لطف ہے کہ گردنِ کافور باندھ کر
مُردے کی باس زندوں کو لا کر سنگھائیے

یوں خاطرِ شریف میں گذرا کہ بزم میں
کُھلا ہوا شریفہ غزل کو بنائیے

ایسے نجس کثیف توافی سے نظم میں
دندانِ ریختہ پہ پھپھوندی جمائیے

بخرے میں آپ ہی کے یہ آئی ہے شاعری
بس منہ ہی منہ میں رکھیے اسے مت سراہیے

گردن کا دخل کیا ہے سقنقور میں بھلا
سانڈے کی طرح آپ نہ گردن ہلائیے

مشفق کڑی کمان کو کرڑی نہ بولیے
چلّا کے مفت تیر ملامت نہ کھائیے

اُردو کی بولی ہے یہ، بھلا کھائیے قسم
اِس بات پر اب آپ ہی مصحف اُٹھائیے

اُستاد گرچہ ٹھہرے ہیں صاحب، یوں ہی سہی
لیکن ڈھکی ہی رکھیے بس اس کو چھپائیے

جھٹ لکھیے روپ رام کٹارا کو ایک خط
بھلو کی مہر سے سند اُس کی منگائیے
اپنی کمک کے واسطے جا بھرت پور میں
رنجیت سنگھ جاٹ کو ہمراہ لائیے
یا گرد و پیش کے قصباتی جو لوگ ہیں
ایک بلوا باندھیے انھیں جلدی بلائیے
مخلص کا التماس پذیرا ہو سوچ کر
کہنے سے ایسے ریختہ کے باز آئیے
سرکار کی یہاں نہیں گلنے کی دال کچھ
روٹی جو کھانی ہووے تو پنجاب جائیے
ستلج، بیاس، راوی، و جہلم کی سیر کر
چناب والے لوگوں کو یہ کچھ سنائیے
خشکا گدھوں کو دیجیے لوزینہ گاؤ کو
وہاں جا کے بین بھینس کے آگے بجائیے

اس رمز کا یہاں شنوا کون ہے بھلا
اب بھیرویں کا ٹپہ کوئی آپ گائیے

(غزل چونکہ دیوان میں موجود ہے اس لیے اُس کا دینا غیر ضروری سمجھا گیا)

مصحفی نے جب یہ قطعہ اور غزل سُنی تو اس کا جواب اُسی غزل کی طرح میں دیا اور خود انشا کی غزل پر بیسیوں اعتراض کر دیے ؎

اے آنکہ معارض ہو میری تیغ زباں سے
تو نے سپرِ عذر میں مستور کی گردن
ہے آدم خاکی کا بنا خاک کا پُتلا
گر نور کا سر ہووے تو ہو نور کی گردن
میں لفظِ سقنقور مجرّد نہیں دیکھا
ایجاد ہے تیرا یہ سقنقور کی گردن
لنگور کو شاعر تو نہ باندھے گا غزل میں
کس واسطے باندھے کوئی لنگور کی گردن
گردن تو صراحی کے لیے وضع ہے ناداں
بیجا ہے خُمِ بادۂ انگور کی گردن
اِس سے بھی میں گذرا غلطی اور یہ سُنیے
باندھے ہے کوئی خوشۂ انگور کی گردن
کافور سے مطلب ہے مرا اُس کی سفیدی
ٹھنڈی تو میں باندھی نہیں کافور کی گردن
یہ لفظ مشدد بھی درست آیا ہے تجھ سے
خَم ہوتی ہے کوئی میرے بلور کی گردن
اتنی نہ تمیز آئی تجھے ربط بھی کچھ ہے
ہر قافیے میں تو نے جو منظور کی گردن
یوں سیکڑوں گردن تو گیا باندھ تو کیا ہے
سوجھی نہ تجھے حیف کہ مزدور کی گردن
جو گردنیں باندھی ہیں میں لا تجھ کو دکھاؤں
تو مجھ کو دکھا دے شبِ دیجور کی گردن

گردن کے تئیں چاہیئے اک شکلِ کشیدہ
خم کرکے سمجھ ٹک سرِ مغرور کی گردن

مضمون تو میرا یہی ہے گو اور طرح سے
باندھے تو گمان اپنے میں رنجور کی گردن

گر قافیہ پیمائی ہی منظور تھی تجھ کو
تو باندھی نہ کس واسطے مقدور کی گردن

لاکھوں ہی معانی کو کیا قتل پر افسوس
سوجھی نہ تجھے دشنہ و ساطور کی گردن

منصف ہو تو پھر نام نہ لے دعوے کا ہرگز
یہ بوجھ اُٹھا سکتی نہیں مور کی گردن

منظور ہے کی ۔ ۔ ۔ ۔ ۔ ۔ تو باللہ
باندھی نہ گر اب خانۂ زنبور کی گردن

ٹوٹے ہوئے پنجے کی طرح میرے قلم سے
جاتی ہے چٹک شاعرِ مغرور کی گردن

انصاف تو کر دل میں کہ ایک تیغ میں کیسی
میں کاٹ دی دعوے کی ترے زور کی گردن

کھڑ اگ یہ گایا پہ ترے ہاتھ نہ آئی
افسوس کہ اس نان پہ تنبور کی گردن

سوجھا نہ تجھے ورنہ بناتا تو اسی دم
ناسور کی پٹی کو بھی ناسور کی گردن

انصاف کیا اس کا میں اب شہ کے حوالے
جھکتی ہے جہاں مارسے لے مور کی گردن

وہ شاہِ سلیماں کہ اگر تیغِ عدالت
ٹک کھینچے تو دو ہو وہیں فغفور کی گردن

جس سر پہ ٹک اپنا وہ رکھے دستِ نوازش
اُس سر کے لیے تکیہ ہو پھر حور کی گردن

اِس در کا جو سجدہ انھیں منظور نہ ہوتا
ملتی نہ فرشتوں کو کبھی نور کی گردن

اے مصحفی خامُش بسخن طول نہ کھینچ جائے
یہاں کو نہ ہی بہتر سرِ پُر شور کی گردن

حیدر علی گرم شاگرد مصحفی نے اسی طرح میں غزل کہی۔ اُستاد پر جو اعتراضات ہوئے تھے اُن کے جواب دیے اور کچھ اور اعتراضات انشا پر کیے۔

غزل یہ ہے

کل شمع نے دیکھی تھی جو اُس حور کی گردن
دی آگ میں رکھ اپنی وہ کافور کی گردن

زانو پہ جھکائے ہوئے بیٹھا ہوں سر اپنا
دیکھی ہے جو اک شاہدِ مستور کی گردن

ماہی کی اضافت میں جنھیں ہووے تامّل
بے سر ہے وہ پھر اُن کی سقنقور کی گردن

جامی کی "زلیخا" میں ہے بلّور کی گردن
کس نسخے میں ہے خوشۂ انگور کی گردن

سمجھے نہ کوئی شعر کو ہو بازیٔ طفلاں ۔۔۔ یہ مور کی گردن ہو نہ زنبور کی گردن
سر کاٹ کے اُس کا ابھی لنکا میں چڑھادوں ۔۔۔ لگ جائے مرے ہاتھ جو لنگور کی گردن

منتظر مصحفی کے دوسرے شاگرد نے بھی اسی زمانے میں غزل کہی تھی افسوس ہو کہ اُس کا صرف ایک مصرع آبحیات میں ملتا ہو ع

باندھی دُم لنگور میں لنگور کی گردن

یہ چوٹ سید انشا پر ہو کیونکہ وہ اکثر ایک دُپٹّا گلے میں ڈالے رہتے تھے جس کا ایک سرا آگے اور دوسرا پیچھے پڑا رہتا تھا۔

دوسرا معرکہ

ایک معرکہ تو یہ ہوا۔ دوسرا اس طرح بیان کیا جاتا ہو کہ مصحفی نے شاہزادے کے یہاں کسی جلسے میں اپنی یہ نو تصنیف غزل پڑھی ؎

زہرہ کی جو آئی کفِ ہاروت میں اُنگلی ۔۔۔ کی رشک نے جا دیدۂ ماروت میں اُنگلی
بن دودھ انگوٹھے کی طرح چوسے ہو کودک ۔۔۔ رکھتی ہو تصرّف عجب اِک قوت میں اُنگلی
غرقہ کے ترے حال پہ از بہرِ تاسّف ۔۔۔ ہر موج سے تھی کل دہن حوت میں اُنگلی
مہندی کے یہ چھلّے نہیں پوروں پہ بنائے ۔۔۔ ہو اُس کی ہر اک حلقۂ یاقوت میں اُنگلی
. . . . ۔۔۔ ناچی ہو تری عالم لاہوت میں اُنگلی
شہتوت ہو یا صانع عالم نے لگادی ۔۔۔ شیریں کی یہ شاخِ شجر توت میں اُنگلی
. . . . ۔۔۔ عاشق کی گرفتار رہو جوں سوت میں اُنگلی
تھا مصحفی یہ مائل گریہ کہ پس از مرگ ۔۔۔ تھی اُس کی دھری چشم پہ تابوت میں اُنگلی

انشا نے پھر اس غزل پر غزل کہی (پوری غزل دیوان میں دیکھنا چاہیے) مصحفی کے مقطع کو خود انشا نے یا اُن کے اشارے سے کسی دوسرے نے یوں بگاڑا ؎

تھا مصحفی کا ناجو چھپانے کو پس از مرگ ۔۔۔ رکھے ہوئے تھا آنکھ پہ تابوت میں اُنگلی

آزاد کے بیان سے معلوم ہوتا ہو کہ معرکہ کی ابتدا اِسی اُنگلی والی غزل سے ہوئی تھی مگر تذکرۂ ”معرکہ خوش زیبا“ سے پایا جاتا ہو کہ گردن والی غزل سے قصّہ چلا تھا العلم عند اللّٰہ۔

اس کے بعد دونوں شاعروں میں ملاپ ہوگیا، یہاں تک کہ انشا بذاتِ خود مصحفی کے

پاس عذر خواہی کے لیے گیے اور پورے واقعات سے مطّلع کیا اور اپنی بری الذمگی چاہی۔ مصحفی نے بے پروائی سے جواب دیا کہ بھئی مجھ کو اس کا کچھ خیال نہیں۔ بفرض محال اگر تم بھی اس میں شریک ہوتے تو کیا ہوتا۔ یہ طنز کا جملہ سید انشا کو سخت ناگوار ہوا اور ہجویں کہنا اور طرح طرح سے تنگ کرنا شروع کیا۔

"مصحفی ریختہ گو راآں قدر رسوائے کوچہ و بازار کرد کہ اگر غیرت میداشت خود رامی کشت ہمی برخر سوار کردن باقی ماندہ بود۔ دیگر ہیچ ذلتے نبود کہ نصیب آں بیچارہ نشد۔ شرحش طول دارد (مخزن الغرائب)

غرضکہ ہجوؤں کی یہ کیچڑ اُچھلا کی کبھی انشا کی طرف سے کبھی مصحفی کی طرف سے کوئی سخت ہجو لکھی جاتی تھی اور لطف یہ کہ ہر ایک دوسرے کو الزام دیتا اور اپنے کو بری الذمہ سمجھتا تھا۔ انشا نے بحر طویل میں ایک ہجو لکھی جس کے چند مصرعے آبحیات میں دیے گئے ہیں۔ مطلب یہ ہے کہ مجھ کو تمھاری ہجو سے کچھ سروکار نہ تھا، اور یہ سب لغو باتیں تمھاری طرف سے شروع ہوئیں۔ تمھاری لغو غزلیں اور مثنوی وغیرہ جس میں گالیاں بھری ہیں میری نظر سے گذری اور اسی بنا پر میں نے تمھاری ہجو کہی اگر تم نطفۂ ابلیس نہ ہوتے تو مجھ سید نجیب الطرفین سے نہ بھڑتے۔ اور میں تو ہر شخص سے تمھاری تعریفیں ہی کرتا تھا وغیرہ وغیرہ

انوکھا سوانگ

اس کا جواب مصحفی کے شاگرد منتظر نے اسی بحر میں لکھا اور یہ جھگڑا بڑھتا ہی گیا نوبت یہاں تک پہونچی کہ منتظر و گرم (شاگردانِ مصحفی) نے شہدوں کا سوانگ بھرا اور انشا کی ایک ہجو کہہ کر سر بازار پڑھتے چلے انشا نے بجائے ناراض ہونے کے ان سب لوگوں کو اپنے گھر بلا کر خوب خاطر تواضع کی۔ "بہت اچھلے کودے، شیرینیاں کھلائیں، شربت پلائے، پان کھلائے، ہار پنہائے ہنس بول کر عزت و احترام سے رخصت کیا" (آب حیات) اور اس واقعے کو ہنسی میں اڑا دیا مگر بدلہ ایسا لیا کہ خدا کی پناہ۔ ایک مصنوعی برات بنائی جس میں سیکڑوں آدمی ساتھ طرح طرح کی ہجویں پڑھتے جاتے تھے۔ کچھ لوگ ڈنڈے بجا کر پڑھتے۔ کچھ ہاتھیوں پر سوار ایک ہاتھ میں گڈا ایک ہاتھ میں گڑیا دونوں کو لڑاتے اور یہ شعر پڑھتے جاتے تھے ؂

سوانگ نیا لایا ہر دیکھنا چرخ کہن　　　　لڑتے ہوئے آئے ہیں مصحفی و مصحفن

ان معرکوں میں مرزا سلیمان شکوہ بلکہ اکثر امرا نے سید انشا کا ساتھ دیا جس سے مصحفی بہت شکستہ خاطر ہوگئے یہاں تک کہ ایک غزل کے ان دو شعروں سے معلوم ہوتا ہی کہ لکھنؤ چھوڑ دینا چاہتے تھے ؎

جانا ہوں ترے در سے کہ توقیر نہیں یاں　　　　کچھ اس کے سوا اب مری تدبیر نہیں یاں

اے مصحفی بے لطف ہی اس شہر میں رہنا　　　　سچ ہی کہ کچھ انسان کی توقیر نہیں یاں

ان جھگڑوں میں بعض شعروں پر (غالباً انشا کے اشارے سے) سلیمان شکوہ کو شبہ ہوا تھا کہ ہم پر بھی شیخ مصحفی نے چوٹ کی جس کے عذر میں مصحفی نے یہ ایک طویل قصیدہ لکھا۔ مطلع میں کہتے ہیں ؎

قسم بذات خدائے کہ ہی سمیع و بصیر　　　　کہ مجھ سے حضرتِ شہ میں ہوئی نہیں تقصیر

مولف "تذکرہ گل رعنا" نے اپنے تذکرے میں سید میرن جان الہ آبادی کے تذکرہ "خازن الشعرا" کا یہ اقتباس دیا ہی کہ وزیر الممالک آصف الدولہ نے مصحفی کا ساتھ دیا اور انشا کو اس جرم کی پاداش میں شہر سے چلے جانے کا حکم دیا تھا۔

"ہنگامیکہ فی مابین میر و میاں مصحفی مناقشہ واقع شدہ و نوبت ہجو یک دیگر کشید وزیر الممالک میر را رخصت انصراف داد والیشان بہ حیدرآباد رفتند۔ از اثنائے راہ عریضۂ بخدمت جد امجدم (شاہ اجمل) ارسال نمودند و در آن یک بیت ہم بود ؎

یونہی بے شغل ہمارا کوئی دل رہتا ہی　　　　ایک قاتل اسے ہر حال میں مل رہتا ہی

حضرت بجوابش تحریر فرمودند "خوش باش ولت چرا خراشد۔ انشاء اللہ خیر باشد و چیزے از اعمال مجرب بحسب طلب میر نیز ارسال فرمودند۔ بعد عرصۂ قلیلے نواب وزیر الممالک میر را بہ لکھنؤ طلب فرمودند۔ . . . . (خازن الشعرا)

مگر اس واقعہ کا ذکر کسی دوسرے تذکرے میں نہیں ملتا۔

انشا الماس علی خاں کی مصاحبت میں | انشا ایک عرصے تک مرزا سلیمان شکوہ کے

دربار میں رہے۔ اس کے بعد الماس خاں خواجہ سرا (میاں الماس) کے مصاحبین میں شریک ہوگئے۔

"تنہا از مخصوصانِ حضور اقدس مرشد زادۂ آفاق مرزا سلیمان شکوہ بہادر بود۔
ازبسکہ پُرنازک مزاج است از انجا ہم دمغ شدہ برخاست در رفاقت الماس علی
خاں بہادر گزید" (مخزن الغرائب)

انشا سعادت علی خاں کے دربار میں

اب انشا کی زندگی کا چھٹا دور شروع ہوتا ہے جو گذشتہ تمام دوروں سے زیادہ دلچسپ، طویل اور عبرتناک ہے یعنی انشا وزیر الممالک نواب سعادت علی خاں کے دربار میں داخل ہوتے ہیں۔ یہ دور دلچسپ اِس وجہ سے ہے کہ اِس کے تمام واقعات تفصیل کے ساتھ تاریخ کی روشنی میں آگئے ہیں۔ آزاد نے اپنی الہامی کتاب لاجواب میں اُن تمام واقعات کا بالتفصیل ذکر کر دیا ہے جو انشا اور سعادت علی خاں، اور دیگر درباریانِ سعادت علی خاں کے درمیان واقع ہوئے تھے۔ سب سے پہلے انشا کے اُس دربار میں داخل ہونے کا دلچسپ واقعہ آزاد کی زبان سے سنیے وہ فرماتے ہیں۔

دربار میں جانے کی تقریب

"وہاں تفضل حسین خاں ایک شخص تھے۔ کہ بعد ابوالفضل اور سعد اللہ خاں شاہجہانی کے علامہ کا خطاب اگر ہوا تو اُن کے لیے تسلیم ہوا ہے۔ وہ اپنے علم اور حسنِ تدبیر سے ادھر معتمد سرکار انگریزی کے، اُدھر رکن سلطنت لکھنؤ کے، اور مشیر تدبیر سعادت علی خاں کے تھے۔ ان کی صحبت ایک مجموعہ فضل و کمال کا تھا۔ وہاں سید انشا بھی جایا کرتے تھے۔ وہ بھی اِن کی لیاقت اور خاندان کے لحاظ سے پہلوے عزت میں جگہ دیتے تھے۔ اور فکر میں تھے کہ کوئی مناسب صورت حال نکالیں۔ ایک دن جوشِ تقریر میں سید انشا ایک لفظ بول گئے کہ اُس کے دو معنی تھے۔ مگر اُردو میں جو معنی ہیں، وہ اِس قابل نہیں کہ ایسے جلسوں میں ذکر آئے۔ چونکہ یہ خود بھی مزاج شناسی کے ارسطو تھے۔ اِس لیے کہنے کو تو کہہ گئے، مگر خان علامہ کی نظر تاڑ کر بولے کہ زبان مارواڑی میں بیوقوف کو کہتے ہیں۔ انھوں نے کچھ سوچ کر کہا" کہ خیر خان صاحب! انداز معلوم ہو گیا۔ جلد کچھ صورت

ہو جائے گی۔ انشاء اللہ تعالیٰ"۔ دوسرے ہی دن سعادت علی خاں سے ان کے خاندان کی بزرگی اور ان کے ذاتی کمال کا ذکر کر کے کہا کہ "آپ کی صحبت میں ان کا ہونا شغل صغریٰ و کبریٰ سے بہتر ہوگا۔ وہ سُن کر مشتاق ہوئے۔ دوسرے دن خاں صاحب سید انشا کو لے گئے، اور ملازمت ہوتے ہی ایسے شیر و شکر ہوئے کہ پھر نواب کو اُن کے سوا کسی کی بات میں مزا ہی نہ آتا تھا"۔

اس روایت کو پڑھ کر نہایت ادب اور افسوس کے ساتھ کہنا پڑتا ہے کہ ہم کو اس کی صحت میں کلام ہے بوجہ ذیل :۔

(۱) انشا تقریباً سولہ سترہ برس کے سن میں اپنے والد کے ہمراہ نواب شجاع الدولہ کے دربار میں آئے تھے اور کچھ دن قیام بھی کیا تھا، جیسا شروع میں مذکور ہوا۔ اس کے بعد آصف الدولہ کے زمانے میں مرزا سلیمان شکوہ کی سرکار سے وابستہ تھے۔ پس کوئی وجہ نہیں معلوم ہوتی کہ سعادت علی خاں ان سے اس قدر ناآشنا ہوں کہ اُن کے خاندان کی بزرگی اور اُن کے ذاتی کمالات کا ذکر کر کے اُنھیں پہچنوایا جائے۔

(۲) تفضل حسین خاں عربی کے عالم متبحر، نہایت ثقہ آدمی تھے۔ انشا بھی عربی خوب جانتے تھے اور تلاش روزگار کے لیے خاں صاحب کے پاس گئے تھے، یہ عقل میں نہیں آتا کہ ایسے ثقہ کی صحبت میں جن سے کام بھی نکالنا ہو، ایسے ذو معنیین الفاظ استعمال کریں جن میں مذاق یا فحش کا کوئی پہلو ہو۔

(۳) خانِ علامہ، سعادت علی خاں کے اُستاد تھے اور ظاہر ہے کہ شاگرد اور اُستاد کے درمیان کبھی ایسی بے تکلفی نہیں ہو سکتی کہ استاد شاگرد سے رنڈی منڈی کا ذکر کرے۔ اب خان علامہ کے اس جملے پر غور کیجیے جو اُنھوں نے سعادت علی خاں سے کہا کہ "آپ کی صحبت میں اُن کا (یعنی انشا کا) ہونا شغل صغریٰ و کبریٰ سے بہتر ہوگا"۔ ظاہر ہے کہ صغریٰ و کبریٰ سے مختلف سنوں کی رنڈیاں مراد ہیں جو دربار میں آتی ہوں گی۔ ہماری سمجھ میں بالکل نہیں آتا کہ ایک ثقہ عالم اپنے ایک معزز شاگرد سے کسی کی تقریب اس طرح کرے کہ اُس کی صحبت رنڈیوں کی صحبت سے بہتر ہے۔

الغرض انشا دربار میں داخل ہوتے ہی نواب کے بڑے مزاج داں، اور ندیم خاص ہوگئے اُس زمانے میں ندیموں کی کوئی خاص خدمت یا ڈیوٹی تو تھی نہیں صرف ہر وقت کی حاضر باشی اور ہر دم کی مصاحبت ہی سب سے بڑی ڈیوٹی تھی۔ آزاد لکھتے ہیں کہ

"اس عالم میں اُنھوں نے عامۂ خلائق خصوصاً اہل کمال اور اہل خاندان کی کاربراری سے نیکی اور نیک نامی کی دولت کمائی کہ جس سے زیادہ کوئی خزانہ نہیں ہوسکتا۔ ہزاروں کو مراتب اعلیٰ پر پہونچا دیا مگر آپ شاعر ہی رہے۔" (آب حیات)

اِس سے انشا کا کیرکٹر یعنی لوگوں کو فائدہ پہنچانا اور آپ متمتع نہ ہونا کس قدر بلند معلوم ہوتا ہے۔

دربار میں انشا کا طوطی بولتا تھا سعادت علی خاں کی اثنائے ملازمت میں انشا کے صدہا لطیفے اور چٹکلے "آب حیات" میں درج ہیں۔ یہاں اُن کے نقل کرنے کی ضرورت نہیں سمجھی گئی۔ اکثر کے پڑھنے سے معلوم ہوتا ہے کہ تحقیقِ الفاظ کے بارے میں سعادت علی خاں اور تمام امرائے وقت کے نزدیک انشا گویا ایک عدالتِ اپیل تھے کہ جن کا فیصلہ بالکل قطعی مانا جاتا تھا۔ سُنا گیا ہے کہ انشا نے اس زمانے کے واقعات کو ایک کتاب کی صورت میں جس کا نام "لطائف السعادت" ہے جمع کیا تھا، افسوس کہ وہ ہماری نظر سے نہیں گذری مگر معلوم ہوا ہے کہ اُس کا ایک نسخہ کتب خانۂ جامعہ دہلی میں موجود ہے۔

انشا بحیثیت ندیم کے فن ندیمی میں انشا نے وہ کمال حاصل کیا تھا کہ اُن کا کوئی مقابل ہم کو نظر نہیں آتا۔ ہرچند کہ اُن کے اور سعادت علی خاں کے مزاج اور طبیعت میں بڑا فرق تھا۔ خود اُن کا مصرع۔

"میں ہوں ہنسوڑ اور تو ہے منقطع میرا تیرا میل نہیں"

حسب حال تھا۔ مگر اُنھوں نے فنِ مصاحبت کو اِتنی ترقی دی کہ گویا ایک سائنس بنادیا۔ بعض لوگ اس شبہے میں پڑگئے کہ انشا شاعر اچھے تھے یا مصاحب۔ مولوی عبدالقادر رام پوری اپنے

روزنامچۂ سفر لکھنؤ میں لکھتے ہیں:

"اگرچہ شعر و شاعری مشہور است لیکن بدانست من فن ہمنشینی بجائے رسانیدہ بود کہ یکتائے زمانہ اش دریں کار او را تواں گفت"۔

ان سے اور انشا سے ملاقاتیں بھی ہوئی تھیں۔ پھر انشا کی زباندانی کے متعلق لکھتے ہیں۔

"بہ زبان اردو و فارسی و عربی و بنگلہ و پوربی و مرہٹی و کشمیری و ترکی و افغانی بلہجۂ آن تواں سخن گفتن و نثر فارسی رواں و بے تکلف خوب نوشتے"۔

انشا کا آخری زمانہ انشا کا انجام اچھا نہیں ہوا۔ جوان بیٹا تعالی اللہ خاں مرگیا جس سے اُن کی کمر ٹوٹ گئی۔ نواب سے خدا کو معلوم کس وجہ سے اَن بن ہوگئی جس سے نظر بند کر دیے گئے اور آخر عمر بہت تلخیوں میں بسر ہوئی۔ صحت خراب ہوگئی مزاج کی وہ خوش طبعی و شگفتگی رخصت ہوگئی۔ مشہور ہے کہ آخر آخر کچھ جنون کی بھی شکایت ہوگئی تھی۔ غرضکہ اسی عالم یاس و پریشانی میں۔

"وہ چہکتا ہوا بلبل اپنے گھر کے پنجرے میں بند کیا گیا اور وہاں سے گمنامی کے ساتھ زمین کا پیوند ہوا کہ کسی کو خبر نہ ہوئی"۔ (آب حیات)

انشا کا سنہ و جائے وفات قبر ہیں لکھنؤ میں ہے آغا باقر کے امام باڑے میں مدفون ہوئے جس کا کچھ حصہ اب بھی باقی ہے۔ سنہ وفات ۱۲۳۳ھ

بسنت سنگھ نشاط نے تاریخ کہی ؎

خبر انتقال میر انشا   دل غم دیدہ تا نشاط شنفت

سال تاریخ او ز جان اجل   "عرفی وقت بود انشا" گفت

"عرفی وقت بود انشا" مادۂ تاریخ ہے جس سے بارہ سو تیس نکلتے ہیں۔ اسی سے بلوم ہارٹ کو دھوکا ہوا اور صرف آخر کا مصرع لے کر سنہ ۱۲۳۰ھ مطابق ۱۸۱۵ء سال وفات قرار دیا ہے۔ مؤلف طبقات الشعرا نے بھی ابتاعاً یہی غلطی کی ہے۔ اصل میں یہ تاریخ تعمیہ میں کہی گئی ہے۔ یعنی پہلے مصرع میں لفظ "اجل" کی "د ج" کے تین عدد کو بھی شامل کرنا چاہیے تو بارہ سو تینتیس ۱۲۳۳ مطابق ۱۸۱۸ء ہو جاتے ہیں۔

انشا کی اولاد ٹھیک معلوم نہیں کہ اُن کی اولاد میں کون کون باقی رہا، مگر یہ پتا چلتا ہے کہ اُن کی دو بیویاں تھیں۔ تاریخ اودھ مصنفہ مولوی نجم الغنی کے دیکھنے سے معلوم ہوتا ہو کہ اُن کی ایک نواسی نُنھی بیگم سے واجد علی شاہ نے بھی عقد کیا تھا اور وہ اُن کی محبوبہ محل تھیں۔ ایک شخص تقی علی خاں نامی انشا کے نواسے تھے اِن کے بیٹے کا تخلص سبا دتھا جو غالباً صاحب دیوان بھی تھے۔ آجکل چوک لکھنؤ میں ماشاء اللہ خاں اور نوشا اللہ خاں دو بھائی جو ٹوپیوں کے "تاجر ہیں" اِسی خاندان کی ذریات میں سے ہیں اُنھوں نے اپنے دادا تک کے حالات جو انشاء اللہ خاں کے پوتے یعنی تعالی اللہ خاں کے بیٹے تھے مجھ سے بیان کیے جس سے اُن کے خاندان کی قدیمی شان وشوکت اور دولت کا پتا چلتا ہو۔ اِنشا کے جنون کے متعلق بھی میں نے دریافت کیا لیکن انھوں نے اِس سے لاعلمی ظاہر کی۔

انشا کے شاگرد حسب ذیل شاگردوں کا حال معلوم ہو۔

(۱) بہادر سنگھ بہادر کشمیری برہمن۔ لکھنؤ میں قیام تھا۔

(۲) شاہزادہ مرزا سلیمان شکوہ، عرصے تک لکھنؤ میں رہے، اکبر آباد میں انتقال کیا اور وہیں مدفون ہوئے "رحمت خدا" تاریخ ہو۔ نمونۂ کلام ؎

لبوں پہ آکے جو نالہ نہ ہٹ گیا ہوتا   تو آسمان و زمیں سب اُلٹ گیا ہوتا

(۳) صادق علی خاں صادق یہ دلّی کے رہنے والے، شاہزادہ سلیمان شکوہ کے متوسلین میں سے تھے۔ لکھنؤ میں آرہے تھے۔ نمونۂ کلام ؎

جس نے دیکھا ہو تری جلوہ گری کا نقشا
اُس کو بھاتا ہو کب اے یار پری کا نقشا

(۴) ایسری سنگھ (عرف بسنت سنگھ) نشاط پسر لالہ سندر داس، انشا اور رنگین کے شاگرد تھے۔ انشا کی تاریخ وفات انھیں کی کہی ہوئی ہو۔

(۵) لچھمن لال آرام۔ دلّی کے رہنے والے قوم کایستھ سے تھے نمونۂ کلام ؎

ہمدموں مجھ سے یہ کہتے ہو نہ تو یار سے مِل   اُس کو سمجھاؤ ذرا یہ کہ نہ اغیار سے مِل

(۶) طالب حسین، کشمیری الاصل تھے مگر دلی میں پیدا ہوئے۔

وضع قطع اور لباس

انشا حسین، وضع دار، مائل بہ فربہی تھے رنگ گورا، اور قد میانہ تھا۔ میر حسن اُن کی خوبصورتی کو اُن کی خوش گوئی پر مقدم کرتے ہیں۔ علاء الدولہ نے اپنے تذکرۃ الشعرا میں مصدر کا ذکر کرتے ہوئے لکھا ہے۔

"پسرِ ایشان، کہ جوانِ وجیہ بدل نزدیک نزاست، با مؤلفِ تذکرہ، فقیر اشرف علی خاں آشناست"۔

بی نورن والے میر صاحب سید انشا کے حسن کو اس طرح جانچتے ہیں "یہ میر انشاء اللہ خاں بچارے میر ماشاء اللہ خاں کے بیٹے آگے پری زاد تھے ہم بھی گھورنے کو جاتے تھے۔ اب چند روز سے شاعر بن گئے"۔ (آب حیات)

خود انشا نے جب وہ مرزا جان جاناں مظہر سے ملنے گئے ہیں تو اپنی تصویر یوں کھینچی ہے۔

"خط را تراش دادہ جامۂ ململ ڈھاکہ پوشیدہ دستار سرخ باندھنو برسر گذاشتم و دیگر لباس ہم ازین قبیل۔ واز سلاح کٹار خوبے بود کہ بکمر زدہ بودم"

اس وقت ان کی عمر تقریباً تیس برس کی تھی۔ مشہور ہے کہ ایک مشاعرے میں جب انھوں نے یہ شعر پڑھا ؎

گر نازنیں کے کہنے سے مانا برا ہو کچھ ۔۔۔ میری طرف تو دیکھیے میں نازنیں سہی

تو کسی نظر باز نے چپکے سے کہا " درین چہ شک " کپڑے صاف اور قیمتی پہنتے تھے اکثر پگڑی باندھتے اور شملے کی دم کو تحت الحنک کے طور پر لپیٹ لیتے۔ شوق رامپوری تکملۃ الشعرا میں لکھتے ہیں:۔

"آزاد مشرب، آزاد مذہب، وارفتہ مزاج بطورِ آزادان بصفائے چہار ابرماند"۔

اخلاق و عادات

یار باش، ہنساش بشاش، مگر قدرے متکبر و خود بیں بھی تھے اُن کی عادتیں بھی ویسی ہی تھیں جیسی ان کی ظاہری وضع تھی یوں تو نہایت بھنور، بذلہ سنج، لطیفہ گو۔ راہ چلتوں سے چھیڑ کر ہنستے اور گالیاں کھا کر خوش ہوتے، مگر باوجود اس کے اپنی بات پر

کسی دوسرے کی بات کو بالا نہ ہونے دیتے، اور نہایت لیے دیے رہتے۔ مرنجاں و مرنج
غیر متعصب آدمی تھے۔ ہر شخص سے محبت اور شگفتگی سے ملتے تھے ؎

بندگی ہر اپنی سب سے مہرباں ہیں اپنے سب — شیعہ و سُنّی و صوفی، رند، دُرد آشام بھی

شہسواری، تیر اندازی، اور شمشیر زنی کے بھی ماہر تھے۔ مختلف زبانیں جانتے تھے اور
اُن میں شعر کہتے تھے۔ میر ولی اللہ تاریخ فرخ آباد میں لکھتے ہیں کہ :۔

"وقت جلوسِ نواب سعادت علی خاں برمسندِ وزارت بہ سی وچہار
زبان قصیدہ گفت"

شعر خوانی کا طریقہ

اُن کا پڑھنا بھی ایک خاص انداز رکھتا تھا جس سے شعر کی
شان اور لطفِ کلام دوبالا ہو جاتا تھا۔ یہاں تک کہ اکثر
اشخاص مشاعرے میں اپنی غزل اُن سے پڑھوایا کرتے تھے، کیونکہ اُن کی زبان آتشِ تاثیر
کی چقماق تھی۔ اُس سے نکل کر گرمیٔ سخن دوچند بلکہ دہ چند ہو جاتی تھی (آبِ حیات)

مشاعروں میں سج دھج

"جب وہ مشاعرے میں آتے تھے یا دربار کو جاتے تھے
ایک طرف آداب معقولیت سے سلام کیا۔ اور ایک طرف
مسکرا دیے ایک طرف منہ چڑھا دیا۔ کبھی مقطّع مردِ معقول۔ کبھی دلّی کے بانکے جوان۔
کبھی آدھی داڑھی اُڑا دی۔ کبھی چار ابرو کی صفائی بنا دی، جلسے میں اُن کا آنا بھانڈ کے
آنے سے کم نہ تھا۔ پس مصحفی نے جو یہ کہا تو کچھ جھوٹ نہیں کہا۔ ع

"واللہ کہ شاعر نہیں تو بھانڈ ہے بھڑوے"

جب وہ یاروں کے جلسے میں یا مشاعرے کے معرکے میں آکر فانوسِ جادو
روشن کرتے تھے تو تحسین اور واہ واہ سے دھواں دھار بن کر محفل بلون
ہو جاتی تھی۔ حق یہ ہے کہ وہ اپنی طرز کے آپ بانی تھے اور آپ ہی اُس کا
خاتمہ کر گئے"۔ (آبِ حیات)

اُن کی شاعرانہ صنّاعیوں کا موافق و مخالف، دوست و دشمن سب کو اقرار ہے مگر
ایک شاعری ہی نہیں بلکہ اُن کے فضل و کمال، علم و ہنر، تمام چیزوں پر اُن کی ظرافت

حاوی تھی۔ لوگ کہتے ہیں کہ سعادت علی خاں کی مصاحبت نے اُن کو زندہ دل اور ہنسوڑ بنایا۔ ہم اس کے قائل نہیں، اس واسطے کہ جب وہ دلی میں تھے اس وقت بھی ایسے ہی تھے جیسا کہ ان کے مناقشوں اور مناظروں سے پتا چلتا ہے۔ ہاں یہ دوسری بات ہے کہ لکھنؤ میں بوجہ طولِ قیام کے اُن کے لطائف و ظرائف اور چٹکلوں کی تعداد دوچند ہو اور وہ زیادہ مشہور ہوگئے ہوں۔

انشا کے متعلق اہلِ تذکرہ کی رائیں

اب ہم انشا کو دوسرے لوگوں کی نگاہوں سے دکھانا چاہتے ہیں یعنی مختصراً وہ رائیں قلم بند کریں گے جو تذکرہ نویسوں نے اُن کے متعلق قائم کی ہیں۔

"چوں بشانزدہ سال رسید بحضورِ نواب وزیر الممالک شجاع الدولہ داخل جلسہا شد۔ درآں وقت دیوانِ ہندی بطورِ خود و بطرز نوے باسناد ردیف وار تمام نمودہ بود۔" (مخزن الغرائب)

"ولے بقدرِ کفایت از علومِ متعارفہ بہرہ اندوز است و در فنِ شریفِ طبابت ہم مہارتے دارد۔ طرزِ گفتارش بشاعرِ فصاحت افروز محمد میر سوز مانا است۔ وایں طرز اگرچہ مرغوب الطبع وے افتادہ اما بہر گونہ سخن طرازی دستے دارد۔ از مثنویات و قصائدِ وے خاصۃً قصیدہ کہ در تہنیت مرشد زادۂ شوکت پژوہ میرزا سلیمان شکوہ بہادر در ایام ملازمِ سرکار دولت مدار آں والا تبار در بلدۂ لکھنؤ گفتہ زورِ طبعش معلوم می شود۔ بنابر بضاعتے کہ از علومِ شریفہ دارد کلامش صحت نظام است۔ شعرِ فارسی ہم میگوید و الفاظِ عربی فراہم آوردہ موزون میتواند کرد۔" (مجموعۂ نغز حکیم قدرت اللہ قاسم)

"از خوبانِ جہان و خوش فکرانِ زبان سخن آگاہ میر انشاء اللہ طبعِ تازہ و ذوقِ بے اندازہ شرابِ معانی و ذوقِ جوانی فرح بخش و مسرت افزا است۔ خلفِ حکیم الحکما، میر ماشاء اللہ دام افضالہ انشا تخلص می نماید۔ نو مشق است۔ اکثر طرزِ او بطرزِ میر سوز می ماند۔ اصل وے از نجف است۔ و مولدِ او بہ طرف

بنگالہ۔ خدایش سلامت دارد۔" (تذکرہ شعرائے اُردو۔ میر حسن)

"انشا تخلص سید انشاءاللہ خاں نام دارد۔ خلف الرشید میر ماشاءاللہ خاں وطن بزرگانش نجفِ اشرف وخودش در مرشد آباد تولد یافتہ تحصیل کتب عربیہ و فارسیہ وطب بقدر حال ہمہ دارد از ابتدائے عمر بحکم موزونی طبع شعر در ہر سہ زبان می گوید و زورطبیعت می نماید۔ اما میلان طبعش بطرف ریختہ بیشتر است۔ دیوانش از نظر فقیر گذشت۔ اگرچہ ہمہ کلامش در عالم ظرافت خالی از کیفیتے نیست۔" (تذکرہ ہندی۔ مصحفی)

"انشا تخلص، میر انشاءاللہ خاں خلفِ حکیم میر ماشاءاللہ خاں مصدر تخلص نجفی الاصل مرشد آباد مولدست از مقربان خدمت نواب وزیرالممالک نواب سعادت علی خاں بہادر بود لختے در فنون رسمیہ مہارتے داشت و در ہر فن کوسِ لمن الملکی بہ آوازۂ تمام می نواخت۔ بر موزونانِ معاصر از اعتراضات ومطاعن قافیہ تنگ نمودے۔ دیوانے دارد، مشتمل اصناف سخن و ہیچ سخن را بطریقۂ راسخۂ شاعرانہ نہ گفتہ۔ اما در شوخیِ طبع وجودتِ ذہن او سخنے نیست۔" (گلشن بے خار۔ نواب مصطفیٰ خاں شیفتہ)

"میر انشاءاللہ خاں، انشا تخلص، پسر حکیم ماشاءاللہ خاں متوطن شاہجہان آباد اکنون در بلدۂ لکھنؤ اقامت دارد۔ کوس سخنوری می نوازد۔ جوانے است قابل۔ صاحب استعداد کامل در فنون عربی و فارسی وہندی مہارتے تمام دارد۔" (تکملۃ الشعراء شوق رام پوری۔ غیر مطبوعہ)

"انشا نامش، انشاءاللہ خاں، ولدِ حکیم میر ماشاءاللہ خاں مصدر تخلص است۔ راقم حروف وے را در صغر سن ہنگام دولت نواب میر محمد جعفر خاں بہادر دیدہ بود۔ و با والدِ ایشان آشنا بود۔ درین ولا مسموع شدہ کہ مرد مستعد بحلیۂ خوبی ہا مزین است و گاہے شعر می گفت۔" (گلشن سخن مبتلا غیر مطبوعہ)

انشا اور قتیل کا معرکہ

انشا اور قتیل کی دوستی اسی طرح ضرب المثل ہے جس طرح انشا اور سعادت یار خاں رنگین کی دوستی، مگر جیسا ہم اوپر دیکھ آئے ہیں، انشا کے مزاج میں ایک خاص طرح کی ضد اور دوسرے کو بدلائل قائل کرنے کی عادت بہت تھی۔ اِس کا ثبوت ذیل کے واقعے سے ملتا ہے۔ ہمارے سامنے دیوانِ انشا کا ایک قلمی نسخہ ہے جس کی کتابت ۲۲ ذی الحجہ سنہ ۱۲۴۰ھ کو (انشا کے انتقال کے ۷ برس بعد) تمام ہوئی۔ اُس کے اوّل میں مالک کتاب نے یہ عبارت بھی لکھی ہے کہ:-

"بہ قیمت دہ روپیہ خرید ہ شد چرا کہ ہنوز بسیار رائج نیست۔"

اِس کتاب میں جہاں کہ اور چیزیں دیوانِ مروجہ مطبوعہ سے زیادہ ہیں وہاں صفحہ اوّل پر غزلیات شروع ہونے سے پہلے قتیل کا یہ واقعہ بھی لکھا ہے جس کی عبارت غالباً خود انشا کی لکھی ہوئی ہے، وہ بجنسہٖ نقل کی جاتی ہے:-

"یک روز بعدِ نمازِ ظہر تلاوتِ قرآنِ مجید مشغول بودم۔ آں روز مرزا قتیل ہم در خانۂ من مہمان بود۔ چونکہ تلاوت کردہ بودم لفظ "مَعنا" را خواندم۔ مرزا قتیل لفظ "مَعنا" را شنید و گفت مَعْنا یعنی بسکون عین خوب است کہ قاعدۂ عربی معناست۔ فوراً کبت گفتم۔"

کبت

کہے جو کہ قتیل صحیح ہے وہ کہ وہ کھتری ہے، اور گدھے کی ہے دُم
کہے وہ جو خُدا مَعْنا سو غلط۔ نہ طریق رشاد کو کیجے گُم
مَعَ ہو جو مضاف تو عین کو جزم اجی کیوں ہو بھلا وہ کہو مجھے تم
تو مثالیں غلط ہوں یہ سب مَعَہُ مَعَہا مَعَ مَن مَعَنا مَعَکُم

اِسی کے ساتھ اِس کتاب میں قتیل کے نام ایک منظوم خط ہے جس میں لفظ "ہجر" مفتوح و مکسور پر بحث کی گئی ہے۔ وہ دلچسپ خط ملاحظہ ہو ؎

انیسا مشفقا بندہ نوازا   لِمَ حَرَّرْتَنِی قولاً ثقیلا

وہ خط لکھا کہ بس پڑھتے ہی میرا | ہوا غصّے کے مارے رنگ نیلا
بمعنی چست اور چالاک ہے تو | نظر آیا ولیکن سخت ڈھیلا
تجھے کہنی تھی دنیا قافِ معنی | تو کیونکر بن گیا مجنوں کا ٹیلا
وہ چھو منتر تھا تجھ کو یاد جس سے | بہت سے اژدھوں کو تو نے کیلا
بہت سی اور ڈھب کی بخت و پز کا | دیا تھا جھونک چولھے میں پتیلا
بلا تحقیق لفظِ ہجر میں کل | لیا کیوں جاے حُطّی کا وسیلا
جواب اِس شبہے کا تو مجھ سے سُن لے | نہ کالا بن، نہ نیلا ہو، نہ پیلا
وہ "ہجراً" ہے جو مجوراً[1] کے ہمراہ | سو ہے حُطّی ہی، ہاں مرزا قتیلا
دلے جو اِنّ قومی کے ہے آخر | وہ "مہجوراً" ہے ہوّز سے خلیلا
نہ چٹکی دل میں لے "واصبر علےٰ ما | یقولون" آیہ ہے تیرا دلیلا
ذرا تو سورہ مزّمّل میں تو دیکھ | کہ ہے بالفتح وہاں "ہجراً جمیلا"
یہی تو فتح کا باعث ہوا ہے | مجھے کیونکر کرے گا تو ذلیلا
بھلا آ تو سہی میں بھی پڑھوں گا | یہی آیت "ومھّلھم قلیلا"[2]
جواب اِس کا جو کچھ خاطر میں گذرے | تو بسم اللہ، حاضر کر ابھی لا
پھر او شاخِ نباتِ اٹکھیل سے کہہ | اٹھا دیوان حافظ تو ذری لا
"شبِ وصل است وطے شد نامہ ہجر" | پڑھے گا یہاں ہر اک گل سے رنگیلا
سلامٌ ہی حتّیٰ مطلعِ الفجر[3] | یہی مصراع ہے اِس کا سجیلا

ہو الغالب ہے انشاء اللہ انشا
ترا کیوں اشک سے دامن ہو گیلا

---

[1] ہجراً محجوراً (سورۂ فرقان آیۃ ۲۴، نیز ۵۵)

[2] دیکھو سورۂ مزّمّل: واصبر علےٰ ما یقولون واھجرھم ہجراً جمیلاً ۰ وذرنی والمکذبین اولی النعمۃ و مھّلھم قلیلاً ۰

[3] سورہ قدر کی آخری آیۃ۔

فائق کا معرکہ ایک دوسرا دل لگی کا واقعہ یہ ہے کہ مولانا فائق ایک شاعر تھے جو غالباً امیٹھی مضافات لکھنؤ کے رہنے والے تھے۔ ان کا ایک دیوان بھی محفوظ ہے۔ اُنھوں نے لفظ "ید" کو غلطی سے مشدّد لکھ دیا۔ اس پر انشا کی نظر جو پڑی تو پھر کیا تھا۔ دل لگی کا مسالا ہاتھ لگا جھٹ ایک ہجو لکھی جس میں الفاظ غیر مشدّد کو بھی مشدّد کر دیا ہے ؎

چہ خوش گفت فائقؔ شاعرّ غرّا — کہ چوں ذہن او ذہنِ رسّا نباشد

یکے شعرِ نادر کہ درچپند وزّن — شود خوانده وشک بہ معنٰی نباشد

درآن لفظِ "ید" را بہ دالِ مشدّد — نوشتہ است واین غلط اصلا نباشد

شنید ایں سخن را، چو گسترد سُخّن — زانشا کہ ہمسرّش اصلا نباشد

بہ گفتا کہ من شاعرِ خوش فکرّم — چو من ہیچ مغّل گویّا نباشد

تو گلّستان را ندانی دُرّست — ترا ہیچ شعوّر و ذکّا نباشد

سند یاد از اوستادست مارا — بہ کلاّم او ہیچ خطّا نباشد

چو تشدید در شعر ضرّورت اُفتد
تشدّید صحّیح چرّا نباشد

انھیں فائق نے انشا کی ہجو کہی تھی اور خود ہی اُن کو سنائی تھی۔ انشا بہت خوش ہوئے اور پانچ روپئے انعام دے کر یہ قطعہ اُن کے حوالے کیا ؎

فائقِ بے حیا چو ہجوم گفت — دلِ من سوخت، سوخت، سوختہ بہ

صلہ اش پنج روپیہ دادم — دہنِ سگ بہ لقمہ دوختہ بہ

تصانیف انشا کی تصانیف حسب ذیل ہیں:-
ا کلیات جس میں یہ چیزیں شامل ہیں: (۱) اُردو غزلوں کا دیوان۔ (۲) دیوان ریختی۔ (۳) قصائد اُردو (۴) قصائد فارسی (۵) دیوان فارسی (۶) مثنوی شیر برنج بزبان فارسی (۷) مثنوی فارسی بے نقط (۸) شکار نامہ نواب سعادت علی خاں بزبان فارسی (۹) مختلف ہجویں۔ کھٹملوں، پسّوؤں وغیرہ کی

(۱۰) مثنوی عاشقانہ۔ (۱۱) چنچل پیاری ہتنی کی شادی (۱۲) متفرق اشعار، معمّے پہیلیاں رباعیات وغیرہ۔ (۱۳) دیوان بے نقط۔ (۱۴) مأۃ عامل عربی کا ترجمہ فارسی میں۔

۲۔ دریائے لطافت، اردو صرف ونحو اور معانی و بیان کی ایک کتاب اِس کی تصنیف میں مرزا قتیلؔ بھی برابر کے حصّے دار رہے۔

۳۔ داستان رانی کیتکی، ایک چھوٹی سی داستان ہے جس میں عربی اور فارسی کا کوئی لفظ آنے نہیں دیا ہے۔ آج کل جو لوگ زبان ہندوستانی کے بڑے طرفدار ہیں، اُن کے ڈھب کی کتاب ہے۔

۴۔ لطائف السعادت۔ ایک مختصر رسالہ، جس میں وہ لطائف ہیں جو اُن کے اور سعادت علی خاں کے درمیان خلوت میں ہوتے تھے۔

کلام پر اعتراضات اور اُن کے جواب

سیّد انشا کے کلام پر دو خاص اعتراضات وارد ہوتے ہیں:۔

(۱) اُن کا کلام بوجہ بے اعتدالیوں کے ہر ایک مقام پر قابلِ سند نہیں ہے۔

اِس اعتراض کا جواب مولانا آزادؔ یہ دیتے ہیں:۔

"یہ بات درست ہے مگر اُن کی بے اعتدالیاں کچھ جہالت کے سبب سے نہ تھیں بلکہ عمداً تھیں یا بے پروائی کے سبب سے تھیں کہ اپنے طبعِ وقّاد اور جامعیتِ استعداد کے سامنے قواعد اور اہل قواعد کو خاطر میں نہ لاتے تھے۔" (آبِ حیات)

(۲) دوسرا اعتراض یہ ہے کہ اُن کا کلام رندانہ یا شہدانہ ہے۔ جو اُن کے کلام میں ہزل ہے نہ بقدرِ نمک ہے بلکہ غذا کی مقدار سے بڑھی ہوئی ہے۔

اِس کا جواب بھی آزاد ہی کی زبان سے سنیے:۔

"یہ بات بھی درست ہے مگر اِس کا سبب یہ ہے کہ وقت حاکمِ جابر ہے اور پسندِ عام اُس کا واضعِ قانون ہے۔ اُس وقت شاہ و اُمرا سے لے کر گدا و غربا تک اِنھیں باتوں سے خوش ہوتے تھے اور قدر دانی یہ کہ ادنیٰ ادنیٰ

نظموں پر وہ کچھ دیتے تھے جو آجکل کے مصنفوں کی کتابوں پر نصیب نہیں ہوتا۔ سیّد انشا اگر یہ نہ کرتے تو کیا کرتے پیٹ کو کاٹ کر کہاں پھینک دیتے..... انصاف کی آنکھیں دیکھ رہی ہیں کہ جو کچھ وہ کامل ہزار فن کر گیا ہر ایک کا کام نہ تھا" (آب حیات)

اِس عبارت کا ماحصل یہ ہے کہ ہر شاعر اپنی سوسائٹی کے رسم و رواج اور اپنے زمانے کے عادات و خصائل اور تخیلات کی نقل کرتا ہے بلکہ نقل کرنے پر وہ مجبور ہے۔ اگر وہ ایسا نہ کریگا تو اُس کے کلام کو کان دھر کے کون سنے گا۔ لہٰذا وہ بیچارہ فاقے مرے گا۔ اِسی وجہ سے کوئی بڑے سے بڑا اور جواں مرد سے جواں مرد شاعر بھی یہ نہیں کر سکتا کہ وقت کی ترازو سے اپنے کلام کو نکال کر سَو برس قبل یا سو برس بعد کی ترازو میں تولے۔ انشا نے بھی یہی کیا اور جو کچھ کیا وہ بجا کیا۔ اِس پر کسی کو اعتراض کا موقع کیا ہو سکتا ہے۔

دیوان کی تدوین و ترتیب

برخلاف اکثر شعرا کے انشا کے دیوان کی ترتیب خود انھیں کے ہاتھوں ابتداے عمر میں ہی میں ہوئی تھی۔ مؤلف تذکرہ مخزن الغرائب کا قول لکھا جا چکا ہے کہ سولہ برس کی عمر میں جب انشا نواب شجاع الدولہ کے ملازم ہو کر عہدہ مصاحبت سے سرفراز ہوئے اُسی وقت اُن کا دیوان اُردو لطف وار نئے طرز سے تیار تھا۔ اُس کے بعد جو کچھ وہ کہتے رہے سب اُس میں شامل ہوتا رہا۔

تمام تذکرہ نویس اُن کی قدرت نظم کے قائل ہیں۔ اکثر یہ بھی لکھتے ہیں کہ وہ اپنے رنگ میں فرد ہیں۔ دو ایسے بھی ہیں جن کو تھوڑا سا اختلاف ہے۔ ایک حکیم قدرت اللہ خاں قاسم، دوسرے نواب مصطفےٰ خاں شیفتہ مگر ان کی جودت طبع کے دونوں مقر ہیں۔ قاسم کہتے ہیں "اما از راستی نباید گذشت و حق نتواند پوشید کہ میر موصوف شاعریست زبردست و سخن سنجیست قوی بازو" شیفتہ باوجود اختلاف کے قائل ہیں کہ "در شوخیِ طبع و جودتِ ذہنِ او سخنے نیست" بلکہ اُن کے اِس شعر پر جھوم جھوم جاتے ہیں ؎

اُس سے خلوت کی ٹھہر جاتی، تو میں اللہ سے
واسطے دو دن کے عرشِ کبریائی مانگتا

کلام پر تفصیلی رائے

انشا کے کلام پر یعنی اُن تمام اصنافِ سخن پر جن پر انشا نے خامہ فرسائی کی ہے نمبر وار الگ الگ اجمالاً رائے زنی کی جاتی ہے:-

جامعیت

(۱) اُردو اور فارسی شاعری میں جس قدر اصنافِ سخن مروّج ہیں اُن سب پر انشا نے طبع آزمائی کی، بلکہ وہ چیزیں بھی جو عام طور پر شاعری میں داخل نہیں ہیں، اُن پر بھی اپنی طبعی ذہانت کی وجہ سے کچھ نہ کچھ لکھا ہے یعنی طلسم، معمّے، پہیلیاں وغیرہ۔ صنائع کو بھی نہیں بھولے۔ علاوہ معمولی اور مروجہ صنعتوں کے صنعتِ مہملہ (غیر منقوط) پر دل کھول کے طبع آزمائی کی۔ علاوہ ایک مختصر دیوان غیر منقوطہ کے ایک زور دار قصیدہ "طور الکلام" بھی اِسی صنعت میں لکھا۔ اُن کے زمانے میں ریختی کا بھی رَواج ہو چلا تھا۔ یہ دلچسپ چیز اُن کی نظر سے کیونکر بچ سکتی تھی۔ لہٰذا اس پر بھی دل کھول کے لکھا۔ اور اپنی تیزی و طرّاری اور مضمون آفرینی سے اِس لغو صنف کو بھی اعلیٰ درجے پر پہنچا دیا، چنانچہ اُن کے زمانے میں اور نیز اُن کے بعد بھی کسی ریختی گو کا کلام انشا کے برابر نہیں پہنچ سکا۔

انبساطی رنگ

(۲) اِنشا کی شاعری کا یہ خاص تخصّص ہے کہ اُس کا رنگ انبساطی ہے، یعنی انشا کے کلام کو پڑھ کر دل کو انبساط اور خوشی حاصل ہوتی ہے اور یہی وہ چیز ہے جو انشا کے کلام کا ایک مایۂ ناز جوہر ہے، اور اُن کی شاعری کو تمام دوسرے شعرا کی شاعری سے ممیّز کر دیتی ہے۔ اُردو شاعری میں فارسی شاعری کے تتبع میں چار رنگ خاص طور پر متمایز ہیں۔

(۱) عاشقانہ، (۲) صوفیانہ، (۳) تخیلی، (۴) خارجی رنگ، جو سلاست زبان اور برجستگی محاورے سے پیدا ہوتا ہے۔ ممکن ہے اِن چار رنگوں کے علاوہ اور بھی رنگ ہوں مگر اس میں کوئی شک نہیں کہ انھیں چار مختلف رنگوں پر شاعری کا دارومدار ہے۔ ہماری شاعری زیادہ تر عاشقانہ ہے جس کا غالب عنصر یا جزو لاینفک حزن و ملال ہے۔ اس کے علم بردار میر تقی میر ہیں۔ اور اس رنگ کو اُنھوں نے اتنا اور ایسا برتا کہ کوئی شاعر اُن کے پاسنگ کو بھی نہیں پہونچ سکا۔ اور کسی شاعر کو اُن کا انداز کلام نصیب نہ ہوا۔

اس کے بعد صوفیانہ یعنی تصوف آمیز شاعری ہے۔ اس کے علم بردار خواجہ میر درؔد ہیں افسوس سے کہنا پڑتا ہے کہ اس صنف پر ہمارا چھوٹا بڑا ہر شاعر طبع آزمائی کرتا ہے مگر تصوف کا اصلی رنگ واثر پیدا نہیں کر سکتا۔ داؔغ۔ امیؔر۔ جلاؔل وغیرہ اور اُن کے علاوہ بیسیوں شاعروں نے تصوّف کے رنگ میں کچھ نہ کچھ ضرور لکھا مگر خواجہ میر درؔد کی زبان اور اثر نہ پیدا کر سکے۔

فارسی کے تتبع میں اُردو شاعری میں بھی تخیّل کا بڑا مرتبہ اور زور ہے۔ اُردو شاعری میں اِس صنفِ خاص کے علم بردار میرے نزدیک سوؔدا اور غالبؔ ہیں۔

خارجی یا بیانیہ رنگ جو سلاستِ الفاظ اور صحت محاورات سے پیدا ہوتا ہے اس کے علم بردار استاد ذوقؔ ہیں۔ اب ان چاروں اصنافِ سخن پر نظر ڈالنے سے یہ پتا چلتا ہے کہ ہماری شاعری میں انبساطی رنگ یعنی خوشی وشادابی اور ہنسنے ہنسانے کا نہ کہیں ذکر ہے اور نہ اُس کے فائدے اور مرتبے کے ہمارے شعرا قائل ہیں۔ پس اس صنفِ خاص کو اگر اِنشؔا نے اپنا مخصوص رنگ قرار دیا تو اُردو شاعری کو ایک بہت بڑے الزام سے بچا لیا۔

ہجو اور ہیومر میں فرق

(۳) کہا جا سکتا ہے کہ اِنشؔا کے قبل بھی یہ رنگ کسی نہ کسی حد تک اور کسی نہ کسی صورت میں ضرور تھا مثلاً سوؔدا کی ہجویات وغیرہ۔ مگر سوؔدا کی ہجو اور انشؔا کے خالص ہیومر میں زمین وآسمان کا فرق ہے۔ سوؔدا اپنی خوش طبعی کے لیے کسی نہ کسی شخص یا چیز کو ڈھونڈھتے اور اُس کو اپنا زیرِ مشق بناتے تھے۔ برخلاف اِس کے اِنشؔا کے لیے کسی ایسے زیرِ مشق کی ضرورت نہ تھی۔ وہ معمولی سے معمولی باتوں میں مذاق کا پہلو اِس خوبصورتی سے نکالتے جس کو پڑھ کے دل خوش ہو جاتا اور ہنسی کے مارے پیٹ میں بل پڑ جاتے ہیں۔ اُن کو ہمارے ہنسانے کے لیے کہیں دور جانا نہیں پڑتا۔ قریب ہی کی پیش پا اُفتادہ باتوں سے ایسی مذاق کی چیزیں پیدا کر لیتے ہیں کہ دل خوش ہو جاتا ہے اور یہ سمجھ میں نہیں آتا کہ معمولی معمولی چیزوں میں اس قدر شگفتگی اور مذاق کیوں کر بھرا جا سکتا ہے۔ یہ انشؔا کا کمال اور زبان پر پوری قدرت حاصل ہونے کا نتیجہ تھا کہ محض ردیف وقافیہ کے الفاظ انتہا درجے کا

ہیومر پیدا کرنے کے لیے کافی تھے مثلاً وہ غزل لیجیے جس کی ردیف "لڑے" اور قافیہ بھی "کڑے، بڑے" وغیرہ ہے۔ ردیف و قافیہ کے الفاظ ایسے معمولی ہیں کہ جن سے کوئی ہنسی مذاق کا مضمون نکالنا مشکل معلوم ہوتا ہے مگر الفاظ کی در و بست اس انداز کی ہے جس سے اشعار بے انتہا بامذاق ہو گئے ہیں۔ مثلاً ؎

کل ایک گھر میں خوب سے چھوٹے بڑے لڑے
ہاتھوں سے ہاتھ اور کڑوں سے کڑے لڑے

چھلنی سے چھاج، چھاج سے چھلنی الجھ گئی
مٹکوں سے مٹکے ٹوٹے گھڑوں سے گھڑے لڑے

لڑکوں سے لڑکے چمٹے جوانوں سے سب جوان
بڈھوں سے بڈھے کُڑ بڑوں سے کُڑ بڑے لڑے

چھوٹوں سے چھوٹے گتھ پڑے چوٹوں سے چوٹیاں
بیٹھوں سے بیٹھے لیٹے کھڑوں سے کھڑے لڑے

حُقّوں سے حُقّے چلموں سے چلمیں بھی ٹوٹیاں
نیچوں سے نیچے گُڑ گُڑوں سے گُڑ گُڑے لڑے

جب تُل گئی لڑائی ترازو کی تول میں
بانٹوں سے بانٹ ٹوٹے دھڑوں سے دھڑ لڑے

انشاؔ یہ دیدے اپنے بھی اس دھوم دھام میں
دیدوں سے ایک شخص کے ہو کر کڑے لڑے

میں سوچتا ہوں کہ اس غزل میں انبساطی عنصر کس وجہ سے پیدا ہوا، تو جواب ملتا ہے کہ سیکالوجی کا اصول ہے کہ غیر متوقع چیز کے ظاہر ہونے سے مذاق پیدا ہو جاتا ہے اور اس غزل میں غیر متوقع چیزوں کے بیان کرنے کا خاص طور پر التزام کیا گیا ہے۔

دوسرے شعرا کا رنگ (۴) اُن کے کلام میں اکثر مشہور شعرا کا خاص رنگ بلکہ صحیح نقشہ اور صحیح اتباع موجود ہے جہاں وہ جذباتی شعر کہتے ہیں تو صاف معلوم ہوتا ہے کہ میر تقی میرؔ کا کلام ہے مثلاً ؎

جھوٹا نکلا قرار تیرا
اب کس کو ہے اعتبار تیرا

دل میں سو لاکھ چٹکیاں لیں
دیکھا بس ہم نے پیار تیرا

لپٹوں ہوں گلے سے آپ اپنے
سمجھوں ہوں کہ ہے کنار تیرا

انشاؔ سے نہ روٹھ، مت خفا ہو
ہے بندۂ جاں نثار تیرا

کہیں سودا کی، کہیں میر سوز کی اور کہیں جرأت کی پیروی معلوم ہوتی ہے۔ اسی مضمون کو وہ اس طرح ادا کرتے ہیں ؎

بو باس نکلتی ہے کچھ شعر میں اِنشا کے جامی کی نظامی کی سعدی کی سحابی کی

پھر کہتے ہیں ؎

میر و قتیل و مصحفی و جرأت و مکیں ہیں شاعروں میں یہ جو نمود اچار پانچ
سو خوب جانتے ہیں کہ ہر ایک رنگ کے اِنشا کی ہر غزل میں ہیں اشعار چار پانچ

مشکل زمینیں (۵) سخت سے سخت زمینوں میں غزلیں کہتے اور اُن دشواریوں سے جو ایسی زمینیں اختیار کرنے سے پیدا ہوتی ہیں، نہایت آسانی سے عہدہ برا ہو جاتے ہیں۔ ایسے ایسے صاف شعر کہہ جاتے ہیں کہ معلوم ہی نہیں ہوتا کہ کوئی مشکل ردیف و قافیہ تھا ؎

آیا وہ خود فروش جو بازارِ حسن میں سودے میں اس کے سیکڑوں مفلس نے غش کیا
غفلت تو آ گئی تھی نشے میں ہمیں و لے چیتے تو پھر بھی شکوۂ فرطِ عطش کیا

رہیں گے خلد میں دائم اگر سوزِ دروں والے تو پھونکیں گے وہاں بھی سُندُس و اعراف کا جوڑا

خرابات کی جب سے عادت پڑی ہے چھٹا بیٹھنا مسجد و خانقہ کا

لچک سی آ گئی ہر شاخِ گل کے شانے میں خدا کے واسطے اپنی کمر تو مت لچکا

ایک ہی زمین میں متعدد غزلیں (۶) ایک ایک زمین میں کئی کئی غزلیں کہتے چلے جاتے ہیں اور کہیں دماغ کو تھکن نہیں معلوم ہوتی۔ کبھی ایک ہی ردیف قائم رکھتے ہیں اور قافیے تبدیل کر کر کے کئی کئی غزلیں کہہ جاتے ہیں اور روانیِ طبع پر کسلمندی کے آثار معلوم نہیں ہوتے۔ مثلاً اُن کی "غش کیا"

اور " جوڑا " ردیف والی غزلیں دیکھ لیجیے معلوم ہوتا ہے کہ کسی دریا کا بند ٹوٹ گیا ہے اور پانی کا سیلاب ساری زمین کو تہ آب کیے دیتا ہے۔

محاورات کا صحیح اور برمحل استعمال

(۷) چونکہ وہ زبان پر عبور کامل رکھتے ہیں اس لیے محاورات اور ضرب الامثال برمحل اور نہایت بے تکلفی کے ساتھ استعمال کرتے ہیں ؎

غلام میں تو ہوں اُن صاحبوں کی کھڑ پیچ کا ستری تو صاحبی اس پر جو ترا گچ گا

ہوں کشتہ اُن کے گجھے اشاروں کی چوٹ کا تھا جن کے سر دُپٹا تمامی کی گوٹ کا

ٹک قیس کو چھوڑ جھاڑ کر عشق لپٹا مجھے پنجے جھاڑ کر عشق

فحش کی طرف گجھے اشارے

(۸) وہ باتوں باتوں میں ایسے اشارے کر جاتے ہیں جو حدودِ غزل گوئی کے اندر تو ہوتے ہیں مگر مزاح و ہزل کو فحش کی حدود سے ملا دیتے ہیں، ایسی استادی کے ساتھ کہ کوئی اُن کو کھلا ہوا فحش کہنے کی جرأت نہیں کر سکتا۔ اِس قسم کے شعر اُن کے دیوان میں چالیس پچاس فی صدی سے کم نہ ہوں گے ؎

یہ بھی قسمت نہ کھلا قفلِ در اور بہتیری اس نے شب دیر تلک زیر و زبر کی کنجی

چل نہ امریوں میں جھولیں لیں درختوں کی ہوا

چھا گئی کالی گھٹا ہے تیرہ بختوں کی ہوا

منظور اور بات جو کچھ ہو تو آ یئے گلشن میں اک کنارے ہے جھپا کا جھاڑ خوب

کب چاہوں ہوں میں صرف ملاقات کی ٹھہرے تب خوش ہو مرا دل کہ جب اُس بات کی ٹھہرے

صحبت مری اور آپ کی گر رات کی ٹھہرے ۔۔۔ تو باتیں کروں عرض میں خدمت میں تمھاری

لیجے ایسے مکان میں چٹکی ۔۔۔ جس جگہ لینے سے تو چونک پڑے

مانگا جو میں نے بوسہ اُن سے چمن کے اندر
بولے کہ یاں نہیں، چل مچّھی بھَوَن کے اندر

فیروز شہ کی لاٹ کے اُس چوتھے کھنڈ پر ۔۔۔ دو تین دن تو ہو چکے اب پھر وہیں چلو

کبوتر کا باہم جو جوڑا لگا ۔۔۔ بھلا آپ شرمائے کس واسطے

اُس نے محرم کو سنبھال اور ہی تیاّر کی گیند ۔۔۔ نہ لگی مجھ کو جب اُس شوخِ طرحدار کی گیند

معاملہ ابھی مطلق وہ روبراہ نہیں ۔۔۔ تفضّلات نہیں، لُطف کی نگاہ نہیں

شیخ وزاہد سے مذاق

(۹) شیخ وزاہد وغیرہ سے جو مذاق کرتے ہیں وہ بھی اپنا جواب نہیں رکھتا، باوجود اِس کے کہ اِس قسم کی چیزوں سے ہمارے شعرا کے دیوان بھرے پڑے ہیں مگر اِنشا کا رنگ سب سے الگ ہی جس کے وہ موجد بھی ہیں اور خاتم بھی ۔ اس مزاحیہ رنگ کو وہ مختلف طریقوں سے پیدا کرتے ہیں ۔ مثلاً ؎

مزے خوب لوٹو گے کیوں شیخ صاحب ۔۔۔ ملیں گے بہشت بریں میں اگر پر
زمرد کی ایک چونچ ہوگی بڑی سی ۔۔۔ کہ مار و گے ٹھونگ اس سے ہر اک ثمر پر
پڑے اُڑتے پھریے گا، جوں کالا کوّا ۔۔۔ کبھی اِس شجر پر کبھی اُس شجر پر

ا۔ کہیں ردیف و قافیہ کے زور پر ؎

طوافِ حرم تجھ کو، زاہد مبارک | مرا اور تیرا نہیں ساتھ رہ کا
صنم خانے جاتا ہوں مجھ کو تو ناحق | نہ بہکا، نہ بہکا، نہ بہکا، نہ بہکا

۲۔ کہیں پر لطف پھبتیوں کے ذریعے سے

اِس مٹھو سے پن پہ میٹھے کس قدر ہیں شیخ جی
توندتم اِن کی نہ سمجھو ہر یہ مٹکا راب کا

کیوں نہ لڑکے سب کہیں ہتوا تمھیں، اے شیخ جیو!
ہر تھمورے کی سی صورت ہی ڈرانی آپ کی
گول پگڑی، نیلی لنگی، موچھ منڈی، ننگہ ریش
پھر وہ رومال اور وہ اخ تھو ناس دانی آپ کی

کل شیخ پوپلے کو اِک ٹوٹے پُل کے نیچے
میں نے کہا کہ تم نے اِس پل کا منہ چڑایا

شیخ دراز قد نے جو مجلس میں ڈگ بھرے | پھبتی کہی سبھوں نے کہ آیا کلنگ فرش

مختلف فرقوں کی زبان کی صحیح نقالی (۱۰) وہ مختلف فرقوں، مختلف مذہبوں اور مختلف قوموں کی زبان کی ایسی نقّالی کرتے ہیں کہ اصل و نقل میں فرق نہیں معلوم ہوتا (آزاد فقیر) ؎

گر حکم ہو تو سائیں سلفے کا دم لگا کر | پھنکاروں ورھبی میں سبزی کا ایک کوڑا

کھینچتا ہوں نعرہ حق کھیلتا دھمّال ہوں | اے مرے سائیں مدد، داتا مدد، مولے مدد
اب کسی موذی کو جڑتا ہوں پھر اک بھنگ گھوٹتا | ہو مدد، حق ہو مدد، ہو ہو مدد، ہا ہا مدد
نام پر سالار ولی کے عشق کوڑا ابھرے کوئی | گاجنا دولھا مدد، جھلوا مدد، سہرا مدد

یورپین لہجہ ؎

کرچ لے کر آہ کی کہتا ہے یوں دِل چرخ سے | تم سے ول بو گر بڑا صاحب لڑا ئی مانگتا

گنواری بولی ؎

ٹھکری میں پھکربھی منہ آ سے ئے سے کے | جھاؤ میاں کو بھویں پہ جو ٹیکس گھمائے کے

انساکہ کھاں میاں بڑے پھاجل جہین ہیں | صدرا پڑھیں ہیں جن ستی طلبلم آئے کے

آغاؤں کی بولی ؎

سن کر اسیر باد، بس آغا نے ایک جریب | دی پشتِ برہمن پہ بزورِ تمام چھوڑ

کہنے لگا "چہ رنجی چہ رنجی" تو بولے آپ | کر دی تو بد دعا، چرا رام رام چھوڑ

ایں مردمانِ ہند مرا می کنند اسیر | ام بابا بھاگ جاویں گے بس این مقام چھوڑ

اِن اشعار کا مطلب یہ ہے کہ ایک آغا کو ایک برہمن نے "اسیر باد" کہہ کر دعا دی۔ آغا صاحب بجائے دعا کے اِس کو بد دعا سمجھے یعنی "تو قید ہو" اور بگڑ کے برہمن کو ایک ڈنڈا رسید کیا، برہمن ڈر گیا اور "چہ رنجی چہ رنجی" کہہ کر عذر خواہی کی اور معافی مانگی۔ آغا صاحب لفظ "چہ رنجی چہ رنجی" سے رنجیدہ ہو گئے اور اِس کو بھی ایک کوسنا سمجھے اور غصے سے کہنے لگے کہ "رام رام" کی جگہ تو نے مجھ کو "چہ رنجی چہ رنجی" کیوں کہا۔ آخر میں یہ فرمایا کہ ہندوستان کے آدمی عجیب ہیں کہ مجھ کو اسیر کرنا چاہتے ہیں۔ ہم بابا اس ملک سے بھاگ جاویں گے۔

عورتوں کی زبان ؎

لگی کہنے انشا کو شب وہ پری | مجھے بھوت ہو، یہ نگوڑا لگا

ہندو عورتوں کی بول چال ؎

کیڑے کا پر انگیا میں لگا، رادھکا بولی | ہر کشن! یہ کاٹن کو مورے انگ میں کیڑا

مارواڑی بولی۔ (مثنوی ہجو گیان چند ساہوکار دیکھیے)

ظرافت برائے ظرافت

(۱۱) کہیں ظرافت سے سوائے ظرافت کے اُن کا کوئی دوسرا مطلب نہیں ہوتا۔ اس طرح کے اشعار بھی اِنشا کے یہاں بکثرت ہیں اور ان کا یہ رنگ دوسروں کے لیے ناقابلِ اتباع ہے ؎

دیوار پھاندنے میں دیکھو گے کام میرا جب دھم سے آ کہوں گا "صاحب سلام میرا"

خیال کیجیے کیا آج کام میں نے کیا جب اُن نے دی مجھے گالی سلام میں نے کیا

حبابِ بادہ کو کیونکر کرے نہ پیار اِنشا کہ ہر یہ شیشے کا بیٹا ایاغ کا پوتا

دوسرے مذہبوں کی تلمیحات

(۱۲) چونکہ وہ دوسروں کے مذہبی رسم و رواج سے بخوبی واقف ہیں اس لیے ان کی تلمیحات بہت صحیح اور بے تکلف ہوتی ہیں اور ایک نیا لطف پیدا کرتی ہیں ؎

جہاں کے تھے راجہ بھرتری جی، کنواں بنانے کو واں کسی نے
زمین کھودی تو ایک جوگی دھرے ہوئے سر پہ ناند نکلا

راجہ نل اور دمن کیوں نہ ہوں صدقے دونوں
کھیلے جس بزم میں معشوق سے چوپڑ عاشق

مہاراجا، جہاں چگتے تھے موتی ہنس کے جوڑے
وہاں کا اب شنری ٹھاکر بنا ہر کاگ کا جوڑا

مسائل تصوّف و فلسفہ

(۱۳) شوخیِ کلام کے ساتھ تصوّف اور فلسفے کے مسائل بھی نہایت خوبصورتی سے موثر پیرائے میں بیان

کرتے ہیں ؎

کیوں شہر چھوڑ عابد غارِ جبل میں بیٹھا
تو ڈھونڈتا ہی جس کو ہر وہ بغل میں بیٹھا

جمعیت اجزا کا "کل" نام ہر اے انشا
ہر چند کہ جز ہیں پر موجد ہیں ہمیں کل کے
یاں جام و صراحی سے اب دورِ تسلسل ہر
منکر حکما سب ہیں گو دورِ تسلسل کے

تجھے انشا اور تو کیا کہوں دو جہاں میں کوئی بھی طرف ہر
جو خدا کے نور سے پُر نہ ہو کہ محال دہر میں ہر خلا

اشعار میں عربی جملوں و فقروں کی تضمین (۱۴) عربی فقروں اور جملوں اور آیاتِ قرآنی کو نہایت خوبصورتی سے نظم میں بٹھاتے ہیں ؎

اے عشق مجھے شاہد اصلی کو دکھا لا
قُم خُذ بِیَدِی وَفَّقَکَ اللہُ تعالیٰ

صنماً بربِ کریم یاں ترسے ہیں ہر ایک یہ مبتلا
کہ اگر الستُ بِربِکُم تو ابھی کہے تو کہیں "بلیٰ"

عجیب حمد و نعت (۱۵) حمد و نعت دونوں ایسی چیزیں ہیں جہاں تمسخر اور شوخیوں کی مطلق گنجائش نہیں مگر انشا اِس میدان میں بھی اپنی چال نہیں بھولتے اور اُسی طرح اکڑ کر چلتے ہیں ؎

ہی یاد میں تمھاری بیٹھا ہوا مُراقب
چارم فلک پہ عیسیٰ کھینچے ہوئے اُداسا

کرّوبیاں تمھیں اب کیوں پیشوا نہ سمجھیں
رُوحُ القُدُس ہی ادنیٰ اِک بالکا تمھارا

تم نے سکھا دیا کیا جبریل کو، نہ جانے　　جھٹ زیرِ سدرہ اُن نے جو بستر اجما یا

جھمکا جمک کا نزے اِس نمک کا　　نہ لیتا جو مکا تو تھا بن کمک کا
شتر بے مہار اس میں کفتار رہتے　　دیا بوتے دانہ جوار اور مکا

لفظی صنائع (۱۶) اُن کے کلام میں لفظی صنائع بکثرت ہیں۔ یہ چیز اگرچہ ان کے زمانے میں متروک ہو چکی تھی، اور اہلِ ذوق اس سے کچھ دلچسپی نہ لیتے تھے، مگر انشا نے اُنھیں صنعتوں میں کچھ ایسا مزہ پیدا کیا کہ سامعہ کو پھر اِدھر توجہ دینی پڑی ؎

سحر ایک ماش پھینکا مجھے جو دکھا کے اُن نے　　تو اشارہ میں نے تاڑا کہ ہے لفظ شام اُلٹا
لگے کہنے آپ "مانع" تجھے ہم کہا کریں گے　　کہیں اُن کے گھر سے بڑھ کر جو پھرا غلام اُلٹا
فقط اِس لفافے پر ہے کہ خط آشنا کو پہونچے
تو لکھا ہے اُن نے انشا یہ ترا ہی نام اُلٹا

ان اشعار میں الفاظ ماش و شام، مانع و غلام، آشنا و انشا، ایک دوسرے کے مقلوب ہیں۔

اُن کے معاشیق (۱۷) اُن کے معاشیق اکثر عورتیں ہیں ؎

نہ لگی مجھ کو جب اُس شوخِ طرحدار کی گیند　　اُس نے محرم کو سنبھال اور ہی تیار کی گیند

اُس پریزاد کے جی صدقے کہا یوں جن نے　　میری ڈولی میں لگا دیجیو مہرا پردا

دھم سے ہم دونوں گرے فرش پہ اِس روپ کہ رات
رہ گیا اُن کا دوپٹا بھی چھپر کھٹ سے لپٹ

آہٹ کو میری تاڑ کے چوکھٹ سے جھٹ اُچک
جھٹ پٹ وہ ہٹ کواڑ کے پٹ سے چمٹ گئی

شب میں نے جوں ہی ہاتھ لگایا، تو وہ پری
بے اختیار شرم کے مارے سمٹ گئی

انشا اور دیگر شعرا کے کلام میں ایک مابہ الامتیاز فرق

(۱۸) انشا اور اُن کے معاصرین کے کلام میں ایک مابہ الامتیاز فرق یہ ہے کہ انشا کے یہاں نہ قدیم و فرسودہ زبان ہے اور نہ قدما کی طرح اُلجھی ہوئی ترکیبیں۔ ڈیڑھ سو برس گذر گئے ہیں مگر انشا کی زبان پُرانی نہیں معلوم ہوتی اور بہت کم چیزیں ایسی ہیں جو بدل کر آج کچھ سے کچھ نہ ہو گئی ہوں۔ اصل یہ ہے کہ اُن کی قادر الکلامی اور جودتِ طبع کی عینک نے اِتنی دور کی چیزوں کو کس صفائی سے دیکھ لیا تھا۔

بہت ممکن ہے کہ غور کرنے پر اُن کے کلام میں اور بھی خوبیاں ملیں، مگر فی الحال ہم اسی پر اکتفا کرتے ہیں۔

دیوان اِنشا عرصے سے ختم ہو کر نایاب تھا اور یہ کمی ادب اُردو میں ایک بہت بڑی کمی سمجھی جاتی تھی۔ انھیں ضرورتوں پر نظر کر کے اس کو ایک جدید طرز سے شائع کیا جا رہا ہے۔ اُمید ہے کہ قدر دانانِ ادب کے لیے یہ ایک گراں مایہ تحفہ ہوگا۔

لکھنؤ، ۲۸ اپریل ۱۹۴۵ء   مرزا محمد عسکری عفی عنہ

کلامِ انشا

(اُردو)

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

غزلیات

(۱)

یہ سر دیوان غزل حمد میں ہے، اِس کے بعد والی غزل نعت میں ہے اِنشا نے قدما کے تتبع میں اپنے دیوان کی ابتدا حمد و نعت سے کی ہے زبان بہت سلیس و بامحاورہ، مطالب بلند، مگر غالب کی سی بلند پروازی اِس میں نہیں، ان کی خاص خصوصیت ظرافت بھی غائب ہے، کیونکہ ظرافت اور تمسخر کا موقع خدا و رسولؐ کی تعریف میں کیا ہو سکتا ہے، اِنشا ایسا ظریف و پھکڑ شخص یہاں ہمارے سامنے نہایت مؤدب و مقطع بن کر اور سنجیدہ صورت بنا کر آتا ہے، اُس کی بناوٹی سنجیدگی بھی ہم کو پسند ہے اور ہم زیر لب مسکراتے ہیں چونکہ حمد کی غزلیں عموماً زوردار ہوتی ہیں، اِنشا نے بھی اس غزل میں لفظاً اور معناً دونوں اعتبار سے حتی المقدور اپنا زورِ قلم دکھایا ہے، بحر بھی ایسی اختیار کی ہے جس میں ایک موسیقیت اور ترنم ہے، چھٹے اور ساتویں شعر میں تصوّت کا بھی ایک رنگ ہے، جو اِنشا پر کھپتا نہیں، مقطع میں فلسفے کا مشہور مقولہ 'خلا محال ہے'، صحیح مانا ہے، اس لیے کہ جب نور آلہی دونوں جہان میں بھرا ہوا ہو، تو پھر خلا کہاں۔

صنما برب کریم یاں ترسے ہیں ہر ایک یہ مبتلا[۱]   کہ اگر "الست بربکم" تو ابھی کہے تو کہیں "بلےٰ"[۲]

---

[۱] "یہ مبتلا" یعنی اس قدر عاشق ہیں۔   [۲] اشارہ ہے آیہ کریمہ "الست بربکم قالو بلےٰ" کی طرف۔

ہوسِ جمالِ حبیب ہو تجھے کچھ دلا تو کلیم وش — نہ وہ لن ترانی اُدھر کی سُن ارنی ہی کہنے پہ جی چلا[1]

وہ جو محو و مستِ نظارہ ہیں یہی آہ بھر کے کہیں ہیں وہ — کہ اسی تجلیٔ نور نے ہمیں مثلِ طور دیا جلا

یہ محمدِ عربیؐ تو دے دو سہ جام بادۂ نور وہ — کہ نہ سوجھے سُکر میں ساقیا ہمیں کچھ جہاں کا بُرا بھلا

یہ روانِ ساقیٔ کوثرا[2]، سرِ خم کو پیرِ مغاں ہلا — سبھی اہلِ وجد کو مے پلا کے تو شیخ و شاب کو دے صلا[3]

یہ جو کہیے کعبے میں ہے فقط، یہ غلط ہے محض اسی نمط — جدھر آنکھ اُٹھا کے نظر کروں نظر آئے مجھ کو وہ برملا[4]

تجھے انشاؔ اور تو کیا کہوں و جہاں میں کوئی بھی ظرف ہے،
جو خدا کے نور سے پُر نہ ہو کہ محال دہر میں ہے خلا

۲

یہ غزل ایک مشہور طرحی زمین میں ہے، جس میں میرؔ، سوداؔ، مصحفیؔ وغیرہ یہاں تک کہ نظیرؔ اکبر آبادی نے بھی طبع آزمائی کی ہے سوداؔ کا مطلع اور سب کے مطلعوں سے بہتر اور بہت اعلیٰ درجے کا ہے فرماتے ہیں ؎

میں دشمنِ جاں ڈھونڈ کے اپنا جو نکالا — سو حضرتِ دل سلمہ اللہ تعالےٰ

یہ تعجب کی بات ہے کہ ہر شاعر نے اس غزل میں کوئی عربی جملہ موقعے سے ضرور نظم کیا ہے۔ چنانچہ انشاؔ کے مطلع کا دوسرا مصرع بھی اسی انداز کا ہے، غزل کے آخری چار شعر قطعہ بند ہیں جس میں شاعر ساقیٔ کوثر حضرت علیؑ علیہ السلام سے عرض کرتا ہے کہ "دیکھیے حضور عذاب کے فرشتے مجھ کو پکڑ کر دوزخ میں لیے جا رہے ہیں حضور اپنے غلام "قنبر" کو حکم دیں کہ وہ جلدی سے میری خبر لے، اور اولادِ نبی کے سایے میں مجھ کو لے آئے" یہ طلبِ مغفرت بھی نہایت دلچسپ ہے۔

---

[1] جی چلا یعنی ہمت کر۔

[2] کوثرا میں الف زائد ہے، سجع کی غرض سے بڑھایا گیا ہے

[3] صلا "آواز" دعوت، یعنی شراب پینے کی دعوت۔

[4] برملا = صاف صاف، کھلم کھلا۔

اے عشق مجھے شاہدِ اصلی کو دکھا لا[1] | قُم خذ بیدی وفّقک اللہ تعالیٰ[2]
ہے تجھ کو جنوں کی قسم اے جذبِ محبت | اُس نورِ تجلّی کی جھلک مجھ کو جھکا لا[3]
اِتنا تو پھرا وادیِ وحشت میں کہ میرے | ہے پائے نظر میں بھی پڑا اشک کا چھالا[4]
سُوجھے ہے مجھے عالمِ اطلاق کی منزل[5] | اُلفت نے تو تقئید کے جھگڑے سے نکالا
ہر چند کہ عاصی ہوں پر اُمت میں ہوں اسکی | جس کا ہے قدم عرشِ مُعلّیٰ سے بھی بالا
مولائے جہاں رہبرِ عشاق، محمدؐ | سب عقدۂ مشکل کا مرے کھولنے والا
اُمید مجھے ساقیِ کوثر سے ہے جس کے (ق) | ہے جامِ تولّا[6] سے مرا نشّہ دوبالا
قنبر کو کرے حکم کہ جلدی سے خبر لے | اِنشاؔ ہے غلاموں میں مرے اُس کو چھڑا لا
زنہار نہ پہونچے کہیں آسیبِ[7] جہنم | اولادِ نبی کے اُسے سایے میں بُلا لا

سب اُس کے تصدق سے حسین ابن علیؑ کے
بخشا کے غفور اپنے سے تو جرم و خطا لا[8]

۳

لاہوت پہ نہ دیکھیں جو قدسیاں تماشا[9] | سو ہم کو ہے دکھاتا عشقِ بُتاں تماشا

---

[1] شاہد اصلی، شاہد حقیقی یعنی خدا۔

[2] یعنی تو کھڑا ہو اور میرا ہاتھ پکڑ خدا تجھ کو اس کی توفیق دے۔

[3] جھکانا، جھانکنے کا متعدی ہے۔ یعنی دُور سے، یا جلدی سے چھپ کے کسی کو دیکھنا۔

[4] مطلب یہ ہے کہ وادیِ وحشت میں پھرنے سے میرے پاؤں میں تو چھالے پڑ ہی گئے ہیں۔ آنکھوں میں بھی آنسوؤں کے چھالے پڑ گئے ہیں۔

[5] عالم تجرّد و عالم تنزیہ یعنی وہ عالم جہاں مادہ سے کوئی تعلق نہ ہو، تقئید سے مراد عالم مادہ ہے۔

[6] تولّا۔ محبت۔

[7] آسیب، تکلیف۔ عذاب۔

[8] اس شعر میں سخت تعقید ہے، نثر میں اسکی صورت یہ ہوگی: "حسین ابن علی کے تصدق سے اپنے غفور سے تو اس کے سب جرم و خطا بخشا کے لا"۔

[9] لاہوت، یعنی مقام فنا فی الذات، یا عالم ارواح بمقابلہ ناسوت کہ جو عالم اجساد ہے۔ قدسیاں (جمع قدسی کی) یعنی پاک مقدس ارواح یا فرشتے۔

ٹک کیجے چشمِ دل سے یاں سیرِ میکدے کی — ساقی عجب مزے کا، پیرِ مغاں تماشا[۱]

جس نے سُنے یہ میرے اشعار سن کے بولا (ق) — نامِ خدا ہے تو کچھ، اے نوجواں تماشا[۲]

اللہ ری فصاحت، اللہ ری بلاغت — ایسا کہاں جھمکڑا[۳]، ایسا کہاں تماشا

شوخی ادا سو ایسی جوشش و خروش اتنا — بندش دھواں[۴] سو یہ اور طرز بیاں تماشا

دیوان سیکڑوں ہی دیکھے ہیں ہم نے لیکن — اُن میں نظر پڑا کب، پایا جو یاں تماشا

کیا خوب واہ ماشاء اللہ، ہے عجب کچھ
دیوان میرا، انشاء اللہ خاں، تماشا

(۴)

کیوں شہر چھوڑ، عابد، غارِ جبل میں بیٹھا — تو ڈھونڈھتا ہے جس کو وہ ہے بغل میں بیٹھا[۵]

دل میں سما رہا ہے یوں داغِ عشق اپنے — جس طرح سے کہ بھونرا ہووے کنول میں بیٹھا[۶]

سب یار تیرے دم کا ہے یہ شمار، جو مَیں (ق) — یاں ایک کل میں اُٹھا اور ایک کل میں بیٹھا[۷]

نارِ نفس ترے ہاتھ، اے یار، مجھ کو تو نے — کھینچا تو پل میں اُٹھا، چھوڑا تو پل میں بیٹھا

رحمت خدا کی، انشا صد آفریں کہ تجھ سے
ہر ایک قافیہ کیا گرم اس غزل میں بیٹھا[۸]

---

[۱] اس مصرع کے دو معنی ہو سکتے ہیں ایک یہ کہ پیرِ مغان سے مخاطب ہو کر کہتے ہیں کہ میکدے کی سیر چشمِ دل سے کر، یہاں عجیب تماشا ہے یعنی دیکھنے کے قابل چیزیں ہیں (میکدے سے مراد دنیا ہے) اور دوسرے معنی مذاق کے پیرائے میں یہ بھی ہو سکتے ہیں کہ میکدے کی سیر کرو اور وہاں پیرِ مغاں کو دیکھو کہ یہ بھی عجیب چیز ہیں، ایک تماشا ہیں۔

[۲] تماشا، عجیب لائق و فائق آدمی (ق ۴ میں یہ شعر نہیں ہے)

[۳] جھمکڑا، حسین چیزوں کا مجمع یا جگھٹا۔

[۴] دھواں۔ دھواں دھار یعنی پُر زور۔

[۵] بغل میں یعنی بہت نزدیک نحن اقرب الیہ من حبل الورید کی طرف اشارہ ہے۔

[۶] کنول ایک خوبصورت پھول، بھونرا اس کا عاشق ہے جب بھونرا پھول کے اندر رس چوسنے جاتا ہے تب پھول بند ہو جاتا ہے گویا اپنے عاشق کو اپنے اندر چھپا لیتا ہے تشبیہ نہایت شاعرانہ اور پر لطف ہے۔

[۷] کل سے مراد یہاں اشارہ ہے۔ مطلب یہ ہے کہ انسان خدا کے ہاتھ میں ایک کھلونا یا کٹھ پتلی ہے جس کو وہ جس طرح چاہتا ہے اُٹھاتا ہے اور بٹھاتا ہے۔

[۸] قافیہ گرم بیٹھنا = ردیف کے ساتھ قافیے کا چسپاں ہونا۔

۵

اگر نہ مجھ سے تو آکر لپٹ گیا ہوتا
تو رات تجھ سے مزاجی ہی پھٹ گیا ہوتا
کُھلے ہے خندۂ قلقل تبسّمِ گل دیکھ
ہنسی کے مارے مرا دل اُلٹ گیا ہوتا
ہزار حیف، ملا چاندنی میں ہم سے وہ ماہ
وگرنہ رات کو ڈول، اُس سے پٹ گیا ہوتا
دلِ رمیدہ، لگاوٹ نے تیری تھر کیا
جفائے یار سے تو کاش ہٹ گیا ہوتا
بہ شدت آپ سے انشاؔ خفا ہوا تھا رات
تم اُس کو گر نہ مناتے، تو چٹ گیا ہوتا

۶

جگر کی آگ بجھے جلد جس میں وہ شے لا*
لگا کے برف میں ساقی صراحیِ مے لا
قدم کو ہاتھ لگاتا ہوں، اٹھ کہیں گھر چل
خدا کے واسطے اتنے تو پانو مت پھیلا
نکل کے وادیِ وحشت سے دیکھ اے مجنوں†
کہ زور دھن میں اب آتا ہے ناقۂ لیلا
گرا جو ہاتھ سے فرہاد کے کہیں تیشہ
درونِ کوہ سے نکلی صدائے واویلا
نزاکت اُس کے یہ مکھڑے کی دیکھیو انشاؔ
نسیمِ صبح جو چھو جائے رنگ ہو میلا

۷

تم جو کہتے ہو "مجھے تو نے بہت رسوا کیا"
کیا گنہ، کیا جرم، کیا تقصیر، میں نے کیا کیا
واسطہ، باعث، سبب، موجب، جہت، کچھ بات بھی
راز وہ کم بخت کیا تھا میں نے جو افشا کیا

ق ۲ = "پھٹ"

* ق ۲ = "بجھے جس میں جلد وہ شے لا"۔ ق ۳ = "بجھے جس میں اب تو وہ شے لا"

† ق ۲ = "تو مجنوں"۔

کیا کہا؟ کس سے کہا؟ کن نے سنا؟ کب؟ کس گھڑی
کس جگہ؟ کس نت؟ کس دم؟ آپ کا چرچا کیا

کچھ پتا بھی؟ نام اس کا؟ شکل کیسی؟ وضع کیا؟
جس کسی نے آن کر مذکور اس ڈھب کا کیا

گبر ہے وہ، یا مسلماں، یا نصاریٰ یا یہود*؟
اس طرح کا تذکرہ جس شخص نے میرا کیا

شیخ ہے وہ یا کہ سید، یا مغل ہے، یا پٹھان؟
مونچھ داڑھی ہے کہ مولا نے اسے کھوسا کیا

ہے جواں سا، یا وہ امرد، یا کہ بوڑھا یا ادھیڑ؟
مرد ہے؟ یا حق تعالیٰ نے اسے خنثا کیا

نوکری پیشوں میں ہے، یا اہل حرفہ وہ عزیز؟
کون ہے جس نے تمھیں جا سے اجی ابے جا کیا

کس محلے میں رہے ہے، ہے کہاں کا وہ خبیث؟
کوئی شیطاں ہوئے گا جس نے کہ ذکر ایسا کیا

کذب، بہتاں، افترا، طوفاں، غلط، محض دروغ
میں تمھارا نام لے کب بھلا رویا کیا

مرحبا، شاباش، اے رحمت خدا کی، آفریں
میرے حق میں تم نے باور اور کا کہنا کیا

نقش دنداں ....
.... حب نیلا کیا

کچ کچا کر .... بھلا
.... اچھا کیا

چودھویں تاریخ اک ابر تنک سا تھا جو رات
(ق) صحن گلشن میں عجائب سیر میں دیکھا کیا

جھلملی سی چادر مہتاب اوپر، برق کا
وہ دوپٹا بادلے کا سا جو لہرایا کیا

یوں لگا معلوم ہونے، ہیں یہ دو پریاں بہم
ایک نے گویا کہ سایا دوسری پر آ کیا

بولے گل بولی کہ "آج آپس میں بدلی اوڑھنی
چاندنی خانم نے بی چیلا[1] سے بہنا پا کیا

خود بدولت تو نہ آئے اور انشا رات بھر
آپ بن رویا کیا، لوٹا کیا، تڑپا کیا

لہ اس کے بعد کے دو شعر مطبوعہ نسخوں میں غالباً بوجہ ابتذال اور فحش کے حذف کر دیے گئے جن کا ہم نے بھی حذف رہنا ہی مناسب سمجھا ۱۲

[تینوں قلمی نسخوں میں سے کسی قلمی نسخے میں ایسے کوئی شعر نہیں ہیں]

* ق ۲ = "جھود"۔

[1] ن ۔ل خیلا سب نسخے "چیلا"

۸

ہو یہ کھر کھوج مٹے[1] چاہ نصیب اعدا — کرے اِس ڈکھڑے[2] کو اللہ نصیب اعدا

ایک دل خستہ یہ رستے میں کھڑا کہتا تھا — مرضِ عشق نہ ہو آہ نصیبِ اعدا

حیف تم چاند سا مکھڑا نہ دکھاؤ ہم کو — اور یوں ہو یہ شب ماہ نصیبِ اعدا

میں کہا حق کرے اب تم بھی کسی کو چاہو (ق) — لگے فرمانے کہ "اے واہ، نصیبِ اعدا

خاک منہ میں ترے[3] اس منہ کو لگے آگ، مجھے — نہ جھکاوے[4] یہ خدا راہ، نصیبِ اعدا

دال، فے، عین ہو، رے واو زبر "رو" ہو، ارے — سخت یہ درد ہے جاں کاہ، نصیبِ اعدا

کوستا ہے مجھے چل دور ہو بد فال نہ بول — میرے بیری مرے بدخواہ، نصیبِ اعدا

خوبی خلطے[5] کی دوانا[6] نہ ہو بس منہ کو سنبھال — میں کروں غیر کی پرواہ، نصیبِ اعدا

عشق صاحب کو مبارک رہے انشاءاللہ
عشق اور بندۂ درگاہ، نصیب اعدا

۹

اکڑ کے پنجوں کے بل یہ چلنا، کیوں کے کشتہ[7] ہوں اِس ادا کا
سجا سجایا کسا کسایا، یہ دھج تو دیکھو، غضب خدا کا

بُروں ہے وہم و قیاس سے بھی، کروں جو تعریف اُس صنم کی
جوانِ رعنا بہ حسن و خوبی، پری کا عالم غرض، گدا کا

---

(۱) ق: کھر کھوج : اصطلاح، خانہ خراب اور ستیاناس ہو جائے۔ (۲) م: "ڈھگڑے"۔ (۳) ق ۳: "ترے"

(۴) ق ۲، ۳ = "جھکاوے"۔ (۵) ق "خلطہ" (۶) ق: دیوانا ق ۲، ۳: دلوانہ

م: دوانہ۔ (۷) ق ۳ "کشتہ کیوں کر۔"

نگہ یہ ظلم و کرشمہ آفت، قیامت اُس پر یہ قامت اُس کی[1]
ملاحت ایسی بلا کی توبہ! یہ عالم اپنے ہر دل رُبا کا

یہ رنگ گل کے بھلا میں کیوں کر کر دل نہ جیبِ شکیب ٹکڑے
کنار میں اس کو تنگ کھینچے، ہوا یہ مقدور اب قبا کا[2]

گھٹا یہ کالی، گلوں کی یہ بو، خروشِ رعد اور برق ایسا
پلا[3] نہ بھر بھر کے جام، ساقی! سمجھ تو اندازِ تک ہوا کا

شب انکھڑیوں کا تری تصوّر خیال میں مجھ کو اس قدر تھا
کہ بوئے نرگس سے پُر ہوا اب تک کنارِ دامن مری دعا کا

جو شخص طالب حسین کا ہو، تصدّق اُس کے نہ کس طرح ہوں؛
غلامِ فدوی ہوں جی سے **انشا** شہیدِ میدانِ کربلا کا

۱۰

کیوں جی کیوں، آپ کی خاطر میں بھلا کیا آیا
کہ خفا ہو گئے کل ذکر جو میرا آیا

اُس کی بِن پوچھی جو ہونٹوں کی مسی یاد آئی
سامنے آنکھوں کے اک بار اندھیرا آیا

غیر کے ملنے کا طعنہ جو دیا میں تو کہا
تمھیں اِس بات کا کاہے کو مسوسا آیا

پیار سے اُس نے پکارا جو مجھے منہ سے مرے
یہی نکلا کہ یہ آیا' اجی آیا، آیا

میں خفا ہو کے دو بارا جو گیا اُن نے کہا:
ابھی تو روٹھ گیا تھا، ابھی دوڑا آیا

آج بے ساختہ کچھ یوں ہی[4] جو وہ آ نکلے؛
اُن کے آنے کا بڑا مجھ کو اچنبھا آیا

ناقہ رک رک کے لگا چلنے تو لیلیٰ بولی
جس میں مجنوں ہو یہ شاید وہی صحرا آیا

مستعد اُٹھنے پہ بیٹھے تھے مرے گھر سے[5] کہ رات
بوندیں پڑنے لگیں اور ابر سا اِک چھا آیا

تب لگے کوٹ کے ماتھے کو یہ کہنے ہی ہی
مجھے رہنا ہی پڑا قہر یہ کیسا آیا

(۱) ق ۲ و ۳: "کا" (۲) ق، ق ۳ – م: "کہ" (۳) ق ۳: "کب" (۴) ق ۳: "پلانا" (۵) ق: "یونہیں" ق ۲: "یونہی" ق ۳: "یوہیں" (۶) م: "میں"

کیا برسنا تھا اِسے میرے ہی گھر جاتے وقت
اِس گھڑی کس لیے بادل یہ نگوڑا آیا

ہم نشینوں نے کہا اُن کے جو قاصد پہنچا:
لو مبارک ہو، اجی نامۂ **انشا** آیا

(۱۱)

برق چشمک زن ہے ساقی ابر ہے چھایا ہوا
جامِ مے دے تو کدھر جاتا ہے مچلایا ہوا

اُس کی سادی وضع کی تعریف، تم سے کیا کروں
ٹپکے ہی[1] پڑتا ہے واں جوبن وہ گدرایا ہوا

مرتسم ہے دل کے آئینے میں شبہِ ذوالجلال[2]
اب یہ صورت ہے خیال اپنے میں جو آیا ہوا

بس خیال دور ہیں، لاہوت کی تو سیر کر
اور بھی آگے چلے گا تو یہیں کا یا ہوا[3]

دل لگایا ہے کہیں **انشا** نے شاید دوستو!
اِن دنوں آتا نظر ہے سخت گھبرایا ہوا

(۱۲)

بُت کافر، مسیحا دم، فرنگی ملت اے ترسا
نصارا کر تو مجھ مومن کو یا مجھ پاس بے ترس آ

نہ طفل اشک کے منہ چڑھ تجھے کہتا ہوں اے ناصح
کہ ہے یہ شوخِ ناداں ناقباحت فہم ابتر سا

شعاعِ آفتابِ روزِ محشر سے سُکھا لیں گے
اگر دامانِ رندانِ سبوکش کچھ ہوا تر سا

لگا تیرِ نگہ سینے میں ایک ایسا ہی، اے قاتل
کہ لوٹے دل ہمارا نیم بسمل ہو، کبوتر سا

تری خاطر حرم سے آ ہوا راہب کلیسا کا
قسم عیسیٰ مریم[4] کی تجھے، **انشا** کو مت ترسا

(۱۳)

دل کے نالوں سے جگر دُکھنے لگا
یاں تلک روئے کہ سر دُکھنے لگا

---

(۱) ق ۲: "نکلے ہی" (۲) ق ۲: "یہ نقش ذوالجلال" (۳) ق ۳: میں یہ بیت نہیں ہے -

(۴) ق ۲، ۳: "عیسیٰ و مریم"

دور تھی از بسکہ راہِ انتظار — تھک کے ہر پائے نظر دکھنے لگا
روتے روتے چشم کا ہر گوشہ یاں — تجھ بن اے نور بصر دکھنے لگا
درد یہ ہے[1] ہاتھ گر رکھا اُدھر — واں سے تب سرکا، اِدھر دکھنے لگا
مت کر آہ، انشاؔ، نہ کر افشائے راز
دل کو دکھنے دے، اگر دکھنے لگا

۱۴

گرا جو آنکھ سے اپنی دل بے صبر کا ٹکڑا — ہوائے آسماں پر جا ہوا وہ ابر کا ٹکڑا
کسی اچھے مصوّر سے کھداؤں صورتِ لیلیٰ — جو ہاتھ آوے کوئی مجنوں کے سنگِ قبر کا ٹکڑا

۱۵ +

جوں ہی[2] کعبے سے فقیروں نے اُٹھایا بسترا — جھٹ درِ بیت الصنم پر جا بچھایا بسترا
کیا تعین ہم کو منزل کا کہ ہیں آزاد لوگ — دن جہاں آخر ہوا بس واں لگایا بسترا
منکا ٹھنکا[3] سیلی تاگا ہو گیا بھسمنت سب — آہ کی دھونی نے جب[4] اپنا جلا یا بسترا
پھر تعویذ اُس پری رو کو لگا لایا فقیر — یعنی اِس تقریب سے اپنا دکھایا بسترا
بالکوں بالوں نے اکثر اپنے بھی اے جبرئیل — سدرہ کے سائے تلے جا کر جمایا بسترا
مرشد اللہ، شب مراقب ہو یہ روئے کل کہ صبح — بالکوں نے دھوپ میں اُن کا سکھایا بسترا
دشت میں اپنے جو آیا قیس، وحشت نے کہا — چل بے، بے وحدت* پرے، کیوں یاں لگایا[5] بسترا

---

(۱) ق ۲: "جب" ہم: "ٹک"۔ * یہ ناتمام غزل صرف ق اور ق ۲ میں ہے۔ + یہ غزل ق اور ق ۲ میں نہیں ہے۔
(۲) ق ۳: "جونہیں"۔ (۳) منکا ٹھنکا: اصطلاح یعنی عقیق و بلولہ اور سلیمانی دانوں کی تسبیح اور سمرن جسے آزاد اور بے نوا فقیر ہاتھ اور گلے میں پہنتے ہیں اور ڈالے رہتے ہیں۔

منکا ٹھنکا سیلی تاگا ہو گیا بھسمنت سب
آہ کی دھونی سے اپنا جب جلایا بسترا
(مخزن فوائد از نکہت شاہجہاں آبادی)

ق ۳: "منکا منکا"
(۴) م: "سب" (۵) م: "یاں تو لایا"
*: بے وحدت = بے شرم، بے ادب۔

جب لگے کسنے اُداسا رک کے ہم آزاد لوگ — دوڑ اک بابو نے ہاتھوں سے چھٹایا بسترا*

اُن قلندر مشربوں کا وقت خوش انشاؔ جنھیں
خاکِ صحرائے قناعت پر خوش آیا بسترا

(۱۶)

یہاں سے غزلوں کا ایک چمن زار شروع ہوتا ہے جن کو پڑھ کر دل باغ باغ ہو جاتا ہے، اکثر غزلیں ایسی ہیں جو ایک ہی ردیف میں بہ تبدیل بحر و قافیہ کہی ہیں۔ بحریں نہایت دلچسپ اور موسیقیت سے بھری ہوئی، ردیف قافیے عجیب اور بہت مشکل، انشاؔ کا یہ کمال ہے کہ ایسے غیر مانوس اور مشکل قافیوں کو ایسی خوبصورتی اور اُستادی سے بٹھایا ہے کہ وصل ہو گئے ہیں۔ اور عجیب عجیب مضمون پیدا کرتے ہیں، بعض قافیے تو ایسے چھانٹ کر لائے ہیں کہ اُن کا خیال بھی ہمارے دل میں نہیں گذرتا اور وہ لفظ آموجود ہوتا ہے، مضامین مختلف ہیں بعض نہایت بلند اور اعلیٰ تخیل کے، جن میں کہیں تصوف کا رنگ ہے، کہیں فلسفہ و نفسیات کا کوئی بیش بہا نکتہ بنایا ہے، کہیں کوئی مخش اشارہ، کہیں وہی معمولی سی باتیں، جن کو ہم آپ سب جانتے ہیں۔

کچھ یہ مجھی کو یوں نہیں اُس کی پھبن نے غش کیا — غنچے بھی چٹ سے فق ہوئے سارے چمن نے غش کیا[1]
نالہ بھرا جو یاد میں، میں نے شمیم یار کی — نبضیں گلوں کی چھٹ گئیں، بوئے سمن نے غش کیا
میرے تمہارے رابطے دیکھے بھم تو رشک سے — نل تو پچھاڑیں کھا گرا اُس کی دمن نے غش کیا[2]
میں نے دوپٹا جب ترا آنکھوں سے اپنی مل لیا — اُس کی شمیم ناز سے بادِ یمن نے غش کیا

اچھی غزل پڑھ اور ایک انشاؔ بدل کے بحر اب*
سنتے ہی تیری گفتگو اہلِ سخن نے غش کیا

---

*: یہ شعر ق میں نہیں ہے۔

[1] پھبن = ایسا حسن جو لباس و زیور یعنی ظاہری زینت کی وجہ سے عورتوں میں پیدا ہوتا ہے۔ فق ہونا = چہرے کا رنگ سفید ہو جانا بوجہ بیماری یا شدتِ رنج یا حیرت کے۔

[2] نل اور دمن = (نل اور دمینتی) ہندی افسانوں کے مشہور ہیرو اور ہیروئن ان کا عشق مثل لیلیٰ مجنوں و شیریں فرہاد کے مشہور ہے۔

* ن: ''اور تو انشا''۔ ق ۳: پڑھ انشا تو اور ی بدل۔

۱۷

مجھے بیخودی جو کچھ آگئی تو لپٹ کے یار نے غش کیا
سو کچھ ایسے ڈھب سے کہ تو کہے ابھی آ بہار نے غش کیا

گھڑی ایک میں جو جھجک مٹی تو کہا زباں سے یہی اجی
ارے لوگو جلدی سے دوڑیو مرے بے قرار نے غش کیا

ابھی سیر گل کو یہ آیا تھا اسے ہم نے خوب ہنسا یا تھا
(ق) کسی اور ہی کا یہ سایہ تھا کہ ہمارے یار نے غش کیا

یہ بہار لالہ کو کچھ کڈھب بری آنکھوں دیکھ رہا تھا جب[۱]
تبھی ہم تو سمجھے تھے اس کے اب دلِ داغدار نے غش کیا

مرے دل میں سانپ سا پھر گیا مرے جی سے چین بچھڑ گیا
مری بھاویں باغ اجڑ گیا مری جاں نثار نے غش کیا[۲]

ارے بید مشک و گلاب دو، نہ گلاب ہووے تو آب دو
غرض اب جو ہو سو شتاب دو کہ امید دار نے غش کیا[۳]

مجھے جھانک پھر تو ہو سرنگوں لگی کہنے ہائے رے کیا کروں
ارے کچھ تو بول کہ میں سنوں تجھے کس خمار نے غش کیا

تجھے دور پار، نہ ہو غشی، یہ کچھ اس طرح سے ادا ہوئی
کہ یہ میں نے چپکے سے عرض کی اسی "دور پار" نے غش کیا[۴]

غزل اور بحر میں انشا اب تو بدل کے قافیہ کوئی پڑھ
کہ جہاں کے اہل سخن کو ہر ترے اشتہار نے غش کیا[۵]

۱۸

میں نے جو وجد میں یہاں جیب کو پھاڑ غش کیا
کہتے ہیں اس نے بھی وہاں موند کواڑ غش کیا

سیر کناں جو گذرے کل ریگ رواں کی وضع سے
وادیٔ قیس دیکھ کر ہم نے اجاڑ غش کیا

تم نہ پے عیادت آئے، زخمی تیر غمزہ نے
مفت میں اپنے سینے کے پھائے اکھاڑ غش کیا

آہ کدھر ہے کوہکن ہم نے تو اس کے دھیان میں
دیکھ کے سن پڑے ہوئے جھاڑ و پہاڑ غش کیا[۶]

کس کی یہ جھانک تاک کی باس سما رہی تھی یاں
دل نے جو اس کو آڑ کی ناڑ ورا آڑ غش کیا

---

[۱] کڈھب دیکھنا یعنی خاص طور سے یا غیر معمولی طریقے سے نظر گڑو کے دیکھنا۔

[۲] [ق ۳: "مرے دل میں نیل سا پڑ گیا"] مری بھاویں: میرے نزدیک۔ [۳] امید دار: عاشق۔

[۴] "دور پار"۔ عورتیں "خدانخواستہ" کی جگہ یہ لفظ بولتی ہیں۔

[۵] اِشتہار: شہرت یعنی شہرت شاعری۔

[۶] جھاڑ و پہاڑ: بڑے بڑے جھاڑی دار درخت اور پہاڑ۔ سن: سنسان۔

لے جو گئی نسیمِ صبح وادیِ نجد کی شمیم　　شاہدِ حَی نے ایک بار کھا کے پچھاڑ غش کیا[1]

اور بھی ایک اب غزل انشاؔ لکھ اور بحر میں
تیری تو گفتگو کو خوب یاروں نے تاڑ غش کیا[2]

۱۹

واں جھوٹ موٹ تم نے بناوٹ سے غش کیا　　ہم سچ مچ ایسے رُوٹھے کہ یاں چٹ سے غش کیا
دروازے سے جو آپ نہ نکلے تو ہم نے آہ　　سر کو پٹک کے رات کو چوکھٹ سے غش کیا
ساقی نہیں صراحیِ مے کی کچھ احتیاج　　آگے ہی ہم نے اُس کی تو غٹ غٹ[3] سے غش کیا
ہو کر دو چار، بات وہ کیا کر سکے بھلا　　ہو جس نے تیرے پاؤں کی آہٹ سے غش کیا
اِتنی رچی ہوئی تھی یہ پردوں میں کس کی باس　　یوں میں نے گر کے شب جو چھپرکھٹ سے غش کیا
ہوتی تھی دل کو یوں تو سدا بیخودی ولے　　کچھ اُس نے آج اور ہی کروٹ[4] سے غش کیا
انشاؔ غزل جو طرح ہوئی ہر سو اب وہ پڑھ
اِس کی تو ہم نے خوب سجاوٹ سے غش کیا

۲۰

مکھڑے پہ اُس کے صرف نہ بلبل نے غش کیا　　چٹ چٹ بلائیں غنچوں نے لیں گل نے غش کیا
صحنِ چمن میں ہیں گل و سنبل نڈھال سے　　یاں کس کے عاشقِ رُخ و کاکل نے غش کیا
اللہ رے اثر مرے نالے کا جس پہ رات　　اِن دلبرانِ اہلِ تغافل نے غش کیا
گیسو کی کس کے لٹ نظر آئی، جو باغ میں　　مارِ سیاہ طرۂ سنبل نے غش کیا

---

[1] حَی، عربی میں قبیلے کو کہتے ہیں۔ شاہدِ حی سے مراد لیلیٰ ہے

[2] تاڑ = تاڑ کر۔

[3] غٹ غٹ = صراحی سے پانی نکلنے کی آواز۔

[4] کروٹ = انداز، طریقہ۔

چل نکلی خُلطے میں یہ بطِ مے کہ اِس پہ رات[1] | سو بار کبکِ خندۂ قلقل نے غش کیا
عالم کو میری خانہ بدوشی کے سوچ سوچ | خلوت میں صاحبانِ توکّل نے غش کیا
تنہا نہ کاظمین کے کچھ زائرین کو | (ق) میرے اِن آنسوؤں کے تسلسل نے غش کیا
روتا ہوا جو میں شط[2] بغداد تک گیا | واں کے بھی ساکنانِ سرِ پُل نے غش کیا

انشا بدل کے قافیہ اِک اور لکھ غزل
تیرے سخن پہ بلبلِ آمُل نے غش کیا[3]

۲۱

تنہا نہ اُس کو دیکھ کے محفل نے غش کیا | اپنی بھی جان لوٹ ہوئی، دل نے غش کیا
موجِ نسیم سر پہ اُڑاتی ہے آج خاک | شاید کسی اسیرِ سلاسل نے غش کیا
صدقے مَیں اِس جگر کے کہ کشتے کی نعش سے | خوں بہہ چلا، تو دیکھ کے قاتل نے غش کیا
آیا جو میرے گھر تو بناوٹ کو سوچیو | رکھ دل پہ ہاتھ، اُس بُتِ عاقل نے غش کیا*
مجنوں پہنچ شتاب کہ آتے ہی نجد میں | تنہا نشینِ پردۂ محمل نے غش کیا[4]
دریائے معرفت کے تموّج کی شان پر | معمورۂ خراب کے ساحل نے غش کیا
سرِ جھاڑ موہنہ پہاڑ، جو وحشت نظر پڑی[5] | حضرتِ جنوں سے مرشدِ کامل نے غش کیا

یہ تیسری غزل بھی بہ تبدیلِ قافیہ
انشا نے ایسی لکھی کہ بس دل نے غش کیا

---

[1] خُلط (خ مضموم) = اختلاط، شرکت۔

[2] شط = کنارۂ دریا۔

[3] "بلبلِ آمُل" (م مضموم) سے مراد مشہور شاعر طالب آملی ہے

* ق س: "کافر"، م: "قاتل"۔

[4] "تنہا نشینِ پردۂ محمل" سے مراد لیلیٰ ہے

[5] سرِ جھاڑ موہنہ پہاڑ = وحشت ناک صورت۔

[سرِ جھاڑ موہنہ پہاڑ لیے اپنے ہاتھ میں
عاشق کہے شامیانۂ تابوت کی شبیہ] (انشا)

۲۲

گو اُس کی جھانک تاک پہ سب تس نے غش کیا
لیکن نہ اُس کو سُوجھ پڑی کس نے غش کیا

دیکھ اُس کی کل چمن میں خماری وہ انکھڑیاں
بے اختیار ہو گُل، نرگس نے غش کیا

بیٹھے ہیں ہم تو دل کو مسوسے ہوئے میاں
تو جان اُس کو دے کہ تجھے جس نے غش کیا +

آیا وہ خود فروش جو بازارِ حُسن میں
سودے میں اُس کے سیکڑوں مفلس نے غش کیا

گھائل کو تیرے تھا تو افاقہ سا کچھ و لے
پھر زخمِ سینہ تک جو لگا رِسنے، غش کیا

تیرے مریضِ عشق کی پتھرا گئی جو آنکھ
اُس کے ہر ایک ہمدم و مونس نے غش کیا

دانتوں کے نیچے داب کے انگلی وہ شوخ و شنگ
بولا، جب اُس کے عاشقِ بے حِس نے غش کیا:

چپ چاپ کیا پڑا ہے مگر ہائے بول بھی
ایسے جی کوئی جانے کہ بیچ اِس نے غش کیا ‡

ایسی ہی وضع سے تو لکھ اب چار میں غزل
اِنشا ترے سخن پہ تو مجلس نے غش کیا

۲۳

ایسا ہی ایک* رندِ سُبو کش نے غش کیا
جس کی ادا پہ ساقیِ مہوش نے غش کیا

افشانِ رُخ پہ اُس کی جو زلفیں بکھر گئیں
بل کھا ہر ایک مارِ منقش نے غش کیا

مکھڑا اترا نشے میں دھواں دھار دیکھ کر
ہو اک پری کے بھیس میں آتش نے غش کیا

تھا صیدِ کشتہ کون وہ جس کے لہو کو سونگھ
تھنے پُھلا پُھلا ترے ابرش[۱] نے غش کیا

اِس پانچویں غزل کی نئی وضع مست دیکھ
اِنشا سے شاربِ مے بےغش[۲] نے غش کیا

+ قلمی نسخے : " تو جان اُس کی دیکھ تجھے "۔

‡ ق، ق ۲ : " ایسے جی "۔ ق ۳ : " ایسے کر "۔ [ایسی جے یعنی واہ وا کیا خوب ۔ ایک مست کو جو کھینچا زاہد نے تو وہ بولا
ایسی جے ملک ٹھہری گویا کسی کی مسجد] (انشا)

* ق ۳ : " ایسا کل ایک "۔

[۱] ابرش : وہ گھوڑا جس کی جلد پر مختلف رنگ کے چھوٹے چھوٹے نشان یا بنکیاں ہوں ہندی میں " کمہیارا "

[۲] بے غِش (غ مکسور) : بے میل، صاف۔

٢٤

ساقی کی انکھڑیوں نے جسے بادہ کش کیا
چتون کو اُس کی دیکھ کے نرگس نے غش کیا

غفلت تو آگئی تھی نشے میں ہمیں وے
چیتے تو پھر بھی شکوۂ فرطِ عطش[1] کیا

پنجہ اُٹھا کے پیار سے اُنگلی اُٹھائی اور
صد شکر پانچ بوسوں کو آج اُس نے بخشش کیا

تعویذ و نقش سے جو نہ آیا تو اپنے ہاتھ
صفحے پہ دل کے نام ترا منتقش کیا

یہ لوٹنے کی جا ہر گدھے پر سوار ہو
زاہد نے عزمِ کعبہ بہ ایں ریش و فش کیا

اِنصاف تیرے ہاتھ، میاں خود خدا
طرزِ سخن کو تو ہی مرے سوچ، رش کیا!

اِنشاؔ اب اور بحر میں لکھ اِک غزل کہ، یار!
جامِ سخن کا حق نے تجھے جُرعہ چش کیا

٢٥

جس دم کہ ترے محوِ تجلّی کو غش آیا
لوگوں نے کہا حضرتِ موسیٰ کو غش آیا

عکسِ رخِ ساقی* سے ہوا جام جو روشن
خورشید یہ کانپا کہ مسیحا کو غش آیا

دیکھا جو ہم آغوش ہمیں اور تمھیں کل
بے خود ہو گرا وامق و عذرا کو غش آیا

کوچے میں ترے آج جو ہے بھیڑ بہت سی
شاید کہ کسی عاشقِ رسوا کو غش آیا

نظارے کی تاب اپنے نہ لایا نہ، یہ دیکھو
دیکھ آئینہ اُس شوخِ خود آرا کو غش آیا

جب وادیِ مجنوں سے چلا قافلہ آگے
بے ساختہ واں ناقۂ لیلیٰ کو غش آیا

جس وقت وہ یوسف سے ہم آغوش تھی اُس وقت
سنتے ہی ترا نام زلیخا کو غش آیا

بالیں پہ سمٹ کر کے، جو لوگ آئے ہیں اُس کے
شاید ترے بیمارِ تمنّا کو غش آیا

گرنے نہ دیا اُس کو ملائک نے زمیں پر
جس دم ترے دُردی کشِ صہبا کو غش آیا

---

[1] عطش = پیاس۔

* ق، ق ۲، ق ۳: عکسِ لبِ ساقی

اک مست نے انجیل کے چھیڑے جو مقامات بس سنتے ہی رُہبانِ[1] کلیسا کو غش آیا
بے خود ہو گرا بزم میں انشاؔ، تو وہ بولا
آغا کو غش آیا، مرے مرزا کو غش آیا

(۲۶)

رہا ہو ہوش کچھ باقی، اسے بھی اب نبیڑے جا[2] یہی آہنگ، اے مطرب لپیٹ اور چھیڑے جا
مجھے اِس درد میں لذت ہے، اے جوشِ جنوں اچھا مرے زخمِ جگر کے ہر گھڑی ٹانکے اُدھیڑے جا[†]
پڑے ہیں آشنا اپنے جو گردابِ محبت میں کنارے کب لگیں گے دیکھیے اُن سب کے بیڑے جا
کہیں اے صبر جلدی بھاگ اپنی خیر چاہے تو یہ دیکھ آئے ہیں فوج اشک کے ہیم دڑیڑے جا[3]
سوالِ بوسہ سُن کہنے لگا وہ شوخ غصہ ہو بہت اچھا سمجھ لوں گا، بھلا تو مجھ کو چھیڑے جا
وفورِ مے سے حالت غش کی ہے انشاؔ کو، اے ساقی
شراب پرتگالی کے، دیے مُنہ پر تڑیڑے جا[3]

(۲۷)

خواص اعجاز عیسوی کیوں نہ رکھے ساقی ایاغ[4] اپنا کہ مثلِ خورشید چرخ چارم پہ اِس گھڑی ہے دماغ اپنا
خدا ہی جانے کدھر سدھارے شکیب و صبر و قرار و طاقت ہر ایک اُن میں سے دے گئے ہیں ہمارے سینے کو داغ اپنا
جو لوگ تشریف لے سدھارے عدم کو اُن کی ملے خبر کیا سنو اچنبھا کہ جیتے جی ہی ملا نہ ہم کو سُراغ اپنا

---

[1] رُہبان یا راہب = وہ تارک دنیا پادری جو کسی خانقاہ (موناسٹری) میں زندگی بسر کرتا ہو (رہبان جمع ہے راہب کی، مگر خود واحد بھی ہے جس کی جمع رہابین اور رہابنہ ہے)

[2] نبیڑنا = ختم کرنا † یہ شعر ق ۲ میں نہیں ہے

[3] دڑیڑے اور تڑیڑے = کے قریب قریب ایک ہی معنی ہیں، فرق صرف یہ ہے کہ جب دھار بہت موٹی اور زیادہ زور سے گرے تو وہ دڑیڑا ہے

[4] ایاغ = پیالۂ شراب۔

* ق: "گیا ہے"۔

شگون کا اعتماد کیا ہے، خموش ہو یہ زبان رازی ہمارے رونے پہ مت ہنسا کر سنبھال منہ، اے چراغ اپنا[1]

نہ ٹوک الفت کے داغ کو اب نظر لگا مت کہیں تو انشا

ٹکا اس پہ الحمد پھونک پڑھ کر کہ ہے یہ چشم و چراغ اپنا[2]

(۲۸)

دیکھنا جب مجھے، کرشان یہ گالی دینا — کس سے تم سیکھے ہو ہر آن یہ گالی دینا

اختلاط آپ سے اور مجھ سے کہاں کا ایسا — واہ جی، جان نہ پہچان، یہ گالی دینا

اب تو ناداں ہو، سنا چاہو سو پیارے کہہ لو — پر تمھیں ہووے گا نقصان یہ گالی دینا

آخرش ہو گے جواں، پھر تو کسے بھاوے گا؟ — چند روز اور ہے مہمان یہ گالی دینا

تہمتِ بوسہ عبث دیتے ہو منظور جو ہو — کر کے بے فائدہ بہتان یہ گالی دینا

دیجیے دیجیے ہے عین سعادت اپنی — عاشقوں پر تو ہے احسان یہ گالی دینا

تیرے غصے سے جو انشا ہو خفا ناحق ہے

ہاں، تجھے چاہیے، نادان، یہ گالی دینا

(۲۹)

خیال[3] کیجیے کیا آج کام میں نے کیا — جب اُن نے دی مجھے گالی سلام میں نے کیا

---

[1] چراغ = بعض وقت چراغ سے کچھ روشن ذرے نکلنے لگتے ہیں جن کو پھول کہتے ہیں، اس وقت کہا جاتا ہے کہ چراغ ہنس رہا ہے اور یہ ایک شگون نیک سمجھا جاتا ہے۔

[2] چشم و چراغ = یعنی بہت عزیز۔

[3] یہ مطلع اور اس کے دس پانچ غزلوں کے بعد ایک دوسرا مطلع ہے

دیوار پھاندنے میں دیکھو گے کام میرا — جب دھم سے آکہوں گا صاحب سلام میرا

یہ دونوں شعر اپنی صنعت میں بے مثل ہیں، میرے ایک عزیز نے یہ شعر سنکر خوب کہا کہ یہ شعر سوائے خود انشا اور چودھری محمد علی صاحب تعلقدار ابھرپور ردولی کے کوئی دوسرا نہیں کہہ سکتا واقعی عجیب تخئیل ہے اور عجیب مضمون باندھا ہے، اس زمانے میں جس طرح لوگ کسی نئے خطاب یا افزونی جاہ و مرتبہ پر لاٹ صاحب کو جھک جھک کر سلام کرتے ہیں، اسی طرح ہمارا بامذاق شاعر ہر گالی کے بعد نہایت مودب ہو کر تسلیم بجا لاتا ہے۔

کہا یہ صبر نے دل سے کہ لو خدا حافظ — حقوقِ بندگی اپنا تمام میں نے کیا
جنوں یہ آپ کے دولت[1] ہوا نصیب مجھے* — کہ ننگ و نام کو چھوڑا یہ نام میں نے کیا
لگا یہ کہنے کہ خیر اختلاط کی خو بی — حوالے یار کے خالی جو جام میں نے کیا
جھڑک کے کہنے لگے لگ چلے[2] بہت اب تم — کبھی جو بھول کے اُن سے کلام میں نے کیا
کیا زبانِ دل گربیاں کہ کہتا ہے: (ق) — صنم کو اپنے غرض اب تو رام میں نے کیا
کہیں نہ مانیو بہتان ہے یہ سب اُس پر — ہنسی کے واسطے یہ اتّہام میں نے کیا
تمھارے واسطے ٹک دل میں اپنے غور کرو — کبھی کسی سے نہ ہو، سو مدام میں نے کیا
مقیم کعبۂ دل جب ہوا تو زاہد کو — روانہ جانبِ بیت الحرام میں نے کیا
عجب طرح کے مزے چاندنی میں دیکھے رات — قرار جا کے جو بر پشتِ بام میں نے کیا

ہوس یہ رہ گئی صاحب نے پر کبھی نہ کہا
کہ آج سے تجھے انشاؔ غلام میں نے کیا

(۳۰)

ذیل کی غزل صنعت ایہام میں میر سجاد کے طور پر ہے جیسا کہ مقطع میں اشارہ کیا گیا ہے، ایہام گوئی سے یہ مطلب ہے کہ کلام میں ذو معنین الفاظ اور لفظی تلازمے استعمال کرنا جو آج کل صنعت مراعات النظیر یا ضلع جگت کہلاتے ہیں مثلاً ؎

تو جو دریا کے پار جاتا ہے — دل مرا وار وار جاتا ہے
کنجی اس کی زبان شیریں ہے — دل مرا قفل ہے بتاشے کا
گندمی چہرے کو اپنے لطف میں پنہاں نہ کر — ہندواں سن کر مبادا شور ڈالیں کال کا

یہ طرز اب بالکل متروک ہے، اور قدیم دوروں کی ایک یادگار رہ گئی ہے، میر سجاد جو ایہام گو

---

[1] دولت = بدولت،

* ق ۲، ق ۳ = "حصول مجھے"

[2] لگ چلے = بے تکلف ہو گئے۔

مشہور تھے میر تقی میر کے معاصر، شاہ نجم الدین آبرو کے شاگرد تھے، اکبر آباد کے رہنے والے تھے اکثر تذکروں میں اُن کا ذکر ہے۔

جھمکّا چمک کا ترے اس نمک کا[1] ۔۔۔ نہ لیتا جو مکّا تو تھا بن کمک کا

شتر بے مہار اُس میں کفتار[2] رہتے ۔۔۔ دیا بوتے دانہ جوار، اور مکّا

بھلا اُس کے اوصاف کس سے بیاں ہوں ۔۔۔ جو مسجود ہووے سما اور سمک[3] کا

جڑی لات و عزّا[4] کے وہ لات سر پر ۔۔۔ کہ مُکّا نہ ہو رعد کا اِس گھمک[5] کا

یہ ہے میر سجّاد کا طور، اِنشا
دوانا ہوں میں تو غرض اِس چمک[6] کا

(۲۱)

پرتو سے چاندنی کے ہے صحنِ باغ ٹھنڈا ۔۔۔ پھولوں کی سیج پر آ، کر دے چراغ ٹھنڈا

شفقت سے ہاتھ تو دھر ٹک دل پہ میرے تا ہو ۔۔۔ یہ آگ سا دہکتا سینے کا داغ ٹھنڈا

مے کی صراحی ایسی لا برف میں لگا کر ۔۔۔ جس کے دھویں سے* ہووے ساقی دماغ ٹھنڈا

---

[1] یہ غزل صنعت ایہام میں بظاہر ظریفانہ رنگ میں ہے مگر حقیقت میں دیکھیے تو نعت میں ہے اس کے اشعار کا مطلب الگ الگ بیان کرتے ہیں۔ تیرے حسن ملاحت کی چمک اور جھمک سے اگر مکّا (مکہ) تیرے قبضے میں نہ آجاتا تو وہ بے کمک یعنی بے یار و مددگار کے رہ جاتا۔ اور وہاں جنگلی جانور مثل کفتار وغیرہ کے ادھر اُدھر شتر بے مہار کی طرح پھرتے یا اُسکی زمین میں سوائے جوار اور مکّا کے کوئی دوسرا غلّہ نہ بویا جاسکتا رسالت مآب صلی اللہ علیہ وسلم کے اوصاف کس سے بیان ہوں وہ تو زمین و آسمان دونوں کے مسجود ہیں۔ اُنھوں نے عرب کے پرانے بتوں لات و عزّا کے سر پر ایسی لات جڑی (یعنی بت پرستی کا قلع قمع کیا) کہ رعد کا مُکّا (گھونسہ) اتنے زور کا نہیں ہوتا۔

[2] کفتار = لکڑبگھا، چرغ [ق: "اعراب"، ق ۲: "کفتار"، ق ۳: "گفتار"۔]

[3] سمک = مچھلی، یہاں وہ مچھلی جس پر زمین ٹھہری ہوئی ہے۔

[4] لات و عزّا = عرب قدیم کے دو بتوں کے نام۔

[5] گھمک یا کمک: زور کی گونج دار آواز۔

[6] چمک: تڑپ (طرز)

* ق: "پیے سے"

تجنیس جس دنی کی ہے جوشِ چشم، یارو ہم نے مدام پایا اُس کا اوجاغ[1] ٹھنڈا ۱۵۰

ہیں ایک شخص لاتے خس کی شراب اِنشا

دھو دھا گلاب سے تو، کر رکھ ایاغ ٹھنڈا

(۲۲)

اِس بندے کی جاہ دیکھیے گا — اور اُس کا نباہ[†] دیکھیے گا

میں کیسے نباہتا ہوں تم سے — اِن شاء اللہ دیکھیے گا

فوجیں اشکوں کی تُل رہی ہیں — یہ حشمت و جاہ دیکھیے گا

عاشق مجھے جان، کرتے ہیں قتل — تقصیر و گناہ دیکھیے گا

اِنشا سے اب آپ کیوں خفا ہیں

یوں بھر کے نگاہ دیکھیے گا

(۲۳)

جھوٹا نکلا قرار تیرا — اب کس کو ہے اِعتبار تیرا

دل میں سَو لاکھ چٹکیاں لیں — دیکھا بس ہم نے پیار تیرا

دم ناک میں آ رہا تھا اپنی — تھا رات یہ اِنتظار تیرا

واللہ کہ کام آ رہے گا — مجھ سا یک رنگ یار تیرا

کر جبر جہاں تلک تو چاہے — میرا کیا، اِختیار تیرا

لپٹوں ہوں گلے سے آپ اپنے — سمجھوں ہوں کہ ہے کنار تیرا

اِنشا سے نہ روٹھ، مت خفا ہو

ہے بندۂ جاں نثار تیرا

---

[1] اوجاغ = دیگ دان، تنور وغیرہ، مصرعِ اول میں اِنشا نے اپنے زمانے کے کسی دنی اور کنجوس آدمی کا نام بطور معما کے لکھا ہے جو سمجھ میں نہیں آتا۔ مطلب یہ ہے کہ اُس شخص کا چولھا یا تنور ہم نے ہمیشہ ٹھنڈا پایا، اس کی دنائت اور کنجوسی کی یہ حالت ہے۔

† ق، ق ۲، ق ۳: اس کی نباہ۔

(۳۴)

ہے ترا گال مال بوسے کا[1] | کیوں نہ کیجے سوال بوسے کا
منہ لگاتے ہی ہونٹھ پر تیرے | پڑ گیا نقش لال بوسے کا
زلف کہتی ہے اُس کے مکھڑے پر | ہم نے مارا ہے جال بوسے کا
صبح رخسار اُس کے نیلے تھے، | شب جو گذرا خیال بوسے کا
انکھڑیاں سُرخ ہو گئیں چٹ سے | دیکھ لیجے کمال بوسے کا
جان نکلے ہے، او میاں، دے ڈال | آج وعدہ نہ ٹال بوسے کا
گالیاں آپ شوق سے دیجے | رفع کیجے ملال بوسے کا
ہے یہ تازہ شگوفہ، اور سنو | پھول لایا نہال بوسے کا
عکس سے آئنے میں کہتا ہے (ن) | کھینچ کر انفعال بوسے کا
برگ گل سے جو چیز نازک ہے | واں کہاں احتمال بوسے کا!

دیکھ، انشاؔ نے کیا کیا ہے تہر؟
متحمل یہ گال بوسے کا!

(۳۵)

زلف کو تھا خیال بوسے کا | خط نے لکھا سوال بوسے کا[2]
دوہرے پتوں[3] کے زیر سایہ ہوا | سب قلم بند حال بوسے کا
چشمکِ خالِ رُخ نے صاف کہا | ہے تبسم مآل* بوسے کا

---

[1] مال: یعنی ملکیت، مطلب یہ ہے کہ تیرا گال بوسے کی ملکیت ہے۔

[2] یعنی زلف کو بوسے کا خیال پیدا ہوا تو سبزۂ خط نے عدالت حُسن میں یہ سوال دے دیا کہ زلف اپنے اس خیال سے باز رکھی جائے کیونکہ بوسے کا حق تو میرا ہے۔

[3] دوہرے پتے: کان کا ایک زیور۔

* ق، ق ۲، ق ۳: "تبسم یہ مال"۔

سبزۂ نو دمیدہ نے مارا — گردِ رخسار، جال بوسے کا
رہ گیا تیرے مکھڑے پر باقی — اب مکاں خال خال بوسے کا
ہو غضب اپنے بال نوچ لیے — ہے یہ سارا دبال بوسے کا
تیرے غصے سے اب کوئی انشا
چھوڑتا ہے خیال بوسے کا

(۳۶)

دستِ جنوں سے لے واویلا — سونے نہ پائے ٹک پاؤں پھیلا
جامِ مے عشق موند آنکھ پی جا — ہے ایک ہی گھونٹ کڑوا کسیلا
ابر و ہوا ہے، چمکے ہے بجلی — مت روٹھ ساقی، لا جامِ مے لا
کرتے تھے مذکور میرا تمھارا — فرہاد و شیریں، مجنون و لیلا
وہ صاف مکھڑا ہے قہر انشا
کیوں کر نہ اپنا دل ہووے میلا

(۳۷)

فقیرانہ ہے دل مُقیم اُس کی رہ کا — غرض کیا کہ محتاج ہو بادشہ کا
خدنگ آہ کا، اے فلک، بے طرح ہے — بھروسا تو تاروں کی مت کر زرہ کا
خرابات کی جب سے لذّت پڑی ہے — چھٹا بیٹھنا مسجد و خانقہ کا
طوافِ حرم تجھ کو، زاہد، مبارک — مرا اور تیرا نہیں ساتھ رہ کا
صنم خانے جاتا ہوں، تو مجھ کو ناحق — نہ بہکا، نہ بہکا، نہ بہکا، نہ بہکا
ترے مُنہ سے کچھ بو جو آتی ہے مے کی — دماغِ دل اُس بو سے جاتا ہے مہکا
رقیبوں کے دل چاک مثلِ کتاں ہوں — گزر اس طرف ہو اگر اپنے مہ کا
تری آشنائی میں کیا میں نے پایا — دیا نقد دل اور اپنی گرہ کا

چمک کر تو اے برق مت مار چشمک تو مستوں کی آتش کو مت اور دہکا
تبھی* لطف ہے ساقیا، مے کشی کا کہ تو بھی بہک اور مجھ کو بھی بہکا

کبھی تجھ سے انشا نے بوسہ بھی مانگا؟
گنہ گار ہے وہ فقط اِک نگہ کا

(۳۸)

اچھا جو خفا ہم سے ہو تم، اے صنم، اچھا لو ہم بھی نہ بولیں گے، خدا کی قسم، اچھا
مشغول کیا چاہیے اِس دل کو کسی طور لے لیویں گے ڈھونڈھ اور کوئی یار ہم اچھا
گرمی نے کچھ آگ اور ہی سینے میں لگائی ہر طور غرض آپ سے ملنا ہے کم اچھا
اغیار سے کرتے ہو مرے سامنے باتیں مجھ پر یہ لگے کرنے نیا تم ستم اچھا
ہم معتکفِ خلوت بت خانہ ہیں، اے شیخ جاتا ہے تو جا تو، پے طوفِ حرم اچھا
جو شخص مقیمِ رہ دلدار ہیں، زاہد فردوس لگے اُن کو، نہ باغِ ارم اچھا
کہہ کر گئے آتا ہوں، کوئی دم میں ابھی میں پھر دے چلے کل کی سی طرح مجھ کو دم اچھا

اس ہستیِ موہوم سے میں تنگ ہوں، انشا
واللہ کہ اِس سے بمراتب عدم اچھا

(۳۹)

ہر ظلم اُس کو یار کیا ہم نے کیا کیا کیا جبر اختیار کیا، ہم نے کیا کیا
داغوں سے اپنے سینۂ سوزاں کو، اے نسیم یاں رشک نو بہار کیا، ہم نے کیا کیا
اُس رشک گل کی خواہش بوس و کنار کو اپنے گلے کا ہار کیا، ہم نے کیا کیا
دست جنوں سے اپنے گریبانِ صبر کو اے عشق، تار تار کیا، ہم نے کیا کیا
اُس سنگ دل کے ہجر میں چشموں کو اپنی آہ! مانندِ آبشار کیا، ہم نے کیا کیا

* ق، ق ۲، ق ۳: "یہی"

وحشت یہ دیکھ، ناصحِ مشفق نے جو کہا
ہرگز نہ زینہار کیا، ہم نے کیا کیا
جاگے تمام رات عبث منت، آپ کے
کہنے کو اعتبار کیا، ہم نے کیا کیا
پھیلائے اُن نے پانو، تو شب ہاتھ جوڑ کر
پھر عجز و انکسار کیا، ہم نے کیا کیا
باہم دگر جو تھی خفگی سب گئی اُسے
بے اختیار پیار کیا، ہم نے کیا کیا
آزادگی کو سلطنتِ ملکِ عشق کا
مختارِ کاروبار کیا، ہم نے کیا کیا
رہ رہ کے دل میں آوے ہے انشاؔ یہی کہ کیوں
اِس دل کو بے قرار کیا، ہم نے کیا کیا

(۴۰)

ٹک آنکھ ملاتے ہی کیا کام ہمارا
تس پر یہ غضب پوچھتے ہو نام ہمارا
تم نے تو نہیں خیر، یہ فرمائیے بارے
پھر کن نے لیا راحت و آرام ہمارا
میں نے جو کہا آیئے مجھ پاس، تو بولے
کیوں کس لیے کس واسطے، کیا کام ہمارا؟
رکھتے ہیں کہیں پانو تو پڑتے ہیں کہیں اور
ساقی، تو ذرا ہاتھ تو لے تھام ہمارا
ٹک دیکھ اِدھر، غور کر انصاف یہ ہے واہ!
ہو جرم وگنہ غیر سے، اور نام ہمارا
اے بادِ صبا محفلِ احباب میں کہیو
دیکھا ہے جو کچھ حال تہِ دام ہمارا
گر وقتِ سحر جایئے ہوتا ہے یہ ارشاد
ق
ہے وقت ملاقات سرِ شام ہمارا
پھر شام کو آئے تو کہا صبح کو، یوں نہیں
رہتا ہے سدا آپ پر الزام ہمارا
سرگشتگی مرحلۂ* شوق میں، اے عشق
پڑتا ہے نئی وضع سے ہر گام ہمارا
اے برہمنِ دیرِ محبت میں صنم کی
اللہ ہی باقی رکھے اسلام ہمارا
ہم کوچۂ دلدار کے ہوتے ہیں تصدق
اے شیخ حرم ہے یہی احرام ہمارا
بیتابیِ دل کے سبب اُس شوخ تک انشاؔ
پہونچے ہے بلا واسطہ پیغام ہمارا

---

* ق: "راحلہ"۔ ق ۲: "وراحلہ"۔ راحلہ = سواری۔

۴۱

اگر ہمارے کرے کوئی بند بند جدا
تو یہ قبول نہ ہو، ہو وہ خود پسند جدا

کدھر سے آکے دکھائی تجھے میں دل کہ ترے
دریچے بند جدا ہیں، جھروکے بند جدا

ہمیشہ پانوؤں تلے دل کو میرے روندے ہے
وہ رخشِ حسن جدا، ناز کا سمند جدا

مرے اور اس کے یہ صحبت ہوئی بروزِ وداع
کہ دردمند سے ہو جیسے دردمند جدا

رقیب نے تو مری جان ہی کھپا ڈالی
خدا کرے کہیں ہو تجھ سے یہ لوند[1] جدا

نہ کہہ تو شیخ مجھے زہد سیکھ مستی چھوڑ
تری پسند جدا ہے، مری پسند جدا

خجل ہے آپ کی دیوار کی بلندی سے
ہماری آہ جدا، ریشمی کمند جدا

ترے شہید کی بالیں پہ صبح تک شبِ دفن
اگر کی بتی جدا جلتی ہے، سپند جدا

دہائی دیتے ہیں عاشق جو تیرے کوچے میں
فغاں بلند جدا، ہاتھ ہیں بلند جدا

نمک فشاں ہیں مرے زخمِ دل پہ اے انشا
سبھوں کے طعنے جدا، ناصحوں کی پند جدا

۴۲

رہروانِ عشق نے جس دم عَلم آگے دھرا
سدرہ[2] کے سائے میں دم لے پھر قدم آگے دھرا

تجھ بن اے ساقی شرابِ سبز کا ساغر نہیں
ہے میری آنکھوں میں گویا جامِ سم آگے دھرا

دیکھتے ہی کچھ لگا تیوری چڑھانے کل وہ شوخ
پھولوں کا دونا جو میں نے کرکے دم آگے دھرا

سائیں اللہ[3] ڈہڈہا سبزہ نہیں درکار یاں
ہو نہ یہ افیوں کا گھولا بیش و کم آگے دھرا

جس نے یارو مجھ سے دعویٰ شعر کے فن میں کیا
میں نے لے کر اس کے کاغذ اور قلم آگے دھرا

---

[1] لوند: لفنگا، شہدا۔

[2] سدرہ: یعنی سدرۃ المنتہیٰ۔

[3] سائیں اللہ: یہ آزاد فقیروں کی بولی ہے۔ ڈہڈہا: بہت شوخ رنگ۔

بیٹھتا ہے جب تُندیلا شیخ آ کر بزم میں — اِک بڑا مٹکا سا رہتا ہے شکم آگے دھرا

سید اِنشا واں کریں ہیں سیرِ بامِ عرش کا*
یاں کمندِ آہ کا ہے پیچ و خم آگے دھرا

(۴۳)

مجھے کیوں نہ آوے ساقی نظر آفتاب اُلٹا[1] — کہ پڑا ہے آج خُم میں قدحِ شراب اُلٹا

عجب اُلٹے ملک کے ہیں اجی آپ بھی کہ تم سے — کبھی بات کی جو سیدھی تو ملا جواب اُلٹا

چلے تھے حرم کو، رہ میں ہوئے اِک صنم کے عاشق — نہ ہوا ثواب حاصل، یہ لیا عذاب اُلٹا

یہ شبِ گذشتہ دیکھا، وہ خفا سے کچھ ہیں گویا — کہیں حق کرے کہ ہووے یہ ہمارا خواب اُلٹا

ابھی جھڑ لگا دے بارش، کوئی مست بھر کے نعرہ — جو زمیں پہ پھینک مارے قدحِ شراب اُلٹا

ہوے وعدے پر جو جھوٹے تو نہیں ملاتے تیور — اے لو اور بھی تماشا یہ سُنو جواب اُلٹا

کھڑے چپ ہو دیکھتے کیا مرے دل اُجڑ گئے کو — وہ گنہ تو کہہ دو جس سے یہ دہِ خراب اُلٹا*

غزل اور قافیوں میں نہ کہے سو کیوں کر اِنشا
کہ ہوا نے خود بخود آ، ورقِ کتاب اُلٹا

(۴۴)

مجھے چھیڑنے کو ساقی نے دیا جو جام اُلٹا[2] — تو کیا بہک کے میں نے بھی اُسے سلام اُلٹا

---

* ق ۲، ق ۳؛ "عرش اور"

[1] یہ غزل طرحی ہے، اس میں مصحفی اور جرأت کی غزلیں بھی ہیں مطبوعہ نسخوں اور "آبِ حیات" آزاد میں اس غزل میں ایک یہ شعر بھی ہے جو انشا کا نہیں مصحفی کا ہے: "یہ عجیب ماجرا ..... تو اب اُلٹا" انشا کے دیوان کے کسی قلمی نسخے میں یہ شعر نہیں ملتا۔

[2] اس غزل میں انشا نے بطور صنعت بعض الفاظ مقلوب استعمال کیے ہیں یعنی ایسے الفاظ جن کو اُلٹ کر بھی کوئی دوسرا معنی دار لفظ بنجائے جیسے کہ۔ ماش و شام، مار و رام، کلام و مالک و آشنا و انشا۔

* یہ شعر ق ۳ میں نہیں ہے۔

سحر اک ماش پھینکا مجھے جو دکھا کے اُن نے — تو اشارہ میں نے تاڑا کہ ہے لفظ شام اُلٹا
یہ بلا دھواں نشا ہے[1] مجھے اِس گھڑی تو ساقی — کہ نظر پڑے ہے سارا در و صحن و بام اُلٹا
بڑھوں اُس گلی سے کیوں کر کہ وہاں تو میرے دل کو — کوئی کھینچتا ہے ایسا کہ پڑے ہے گام اُلٹا
درِ میکدہ سے آئی مہک ایسی ہے مزے کی — کہ پچھاڑ کھا گرا واں دلِ تشنہ کام اُلٹا
نہیں اب جو دیتے بوسہ، تو سلام کیوں لیا تھا؟ — مجھے آپ پھیر دیجے وہ مرا سلام اُلٹا
لگے کہنے آپ: "نانغ" تجھے ہم کہا کریں گے![2] — کہیں اُن کے گھر سے بڑھ کر جو پھرا غلام اُلٹا
مجھے کیوں نہ مار ڈالے تری زلف اُلٹ کے کافر — کہ سکھا رکھا ہے تو نے اُسے لفظ رام اُلٹا
ترے سیدھے سادھے ہم تو بھلے آدمی ہیں، یارو — ہمیں کج جو سمجھے سو خود ولدالحرام اُلٹا
تو جو باتوں میں رُکے گا، تو یہ جانوں گا کہ سمجھا — مرے جان و دل کے مالک نے مرا کلام اُلٹا

فقط اِس لفافے پر ہے کہ "خط آشنا کو پہنچے"
تو لکھا ہے اُس نے انشاؔ یہ ترا ہی نام اُلٹا

(۷۵)

ہے بندھا مینہ کے تار کا جھولا — کیوں نہ لے جھونٹے[3] یار کا جھولا
گا نہ، اے مطرب آ کے، ہے مشتاق — میگھ[4] کا اور ملار کا جھولا
اے صبا باغ میں ہلا یا کر — تو مرے گل عذار کا جھولا
رونق افزا ہے عکس سے تیرے — نہر اور آبشار کا جھولا
تیرے ہاتھوں میں یہ کہیں نہ گرے — رسنِ تاب دار کا جھولا
تجھ سی نازک پری کو چاہیے، ہو — صرف پھولوں کے ہار کا جھولا

---

[1] بلا دھواں نشا = یعنی سخت دھوئیں دار نشا۔

[2] یعنی انھوں نے مجھے غلام سے الٹ کر "نانغ" کا خطاب دیا (نانغ بر وزن جاہل) = احمق، بیہودہ بکنے والا۔ ن ۳: "لگے آپ کہنے"

[3] جھونٹے لینا = پینگ لینا۔

[4] میگھ اور ملار = ساون میں گائے جانے کی چیزیں ہیں۔

نکہت گل کے جھولنے کے لیے — ہے نسیم بہار کا جھولا
ہوگی کس دن کو قطرہ افشانی — منتظر ہے پھوار کا جھولا

چاہیے طفل اشک کو، انشا
مژۂ قطرہ بار کا جھولا

(۴۶)

دیوار پھاندنے میں دیکھو گے کام میرا — جب دھم سے آکہوں گا، صاحب سلام میرا
ہمسائے آپ کے میں لیتا ہوں اک حویلی — اس شہر میں ہوا جو چندے قیام میرا
جو کچھ کہ عرض کی ہے سو کر دکھاؤں گا میں — واہی نہ بات سمجھو یونہیں کلام میرا
اچھا مجھے ستاؤ جتنا کہ چاہو، میں بھی — سمجھوں گا، گر ہے انشا اللہ نام میرا
میں غش ہوا کہا جوں ساقی نے مجھ سے ہنس کر — یہ سبز جام تیرا، اور سرخ جام میرا
پوچھا کسی نے مجھ کو اُن سے کہ کون ہے یہ — تو بولے ہنس کے: یہ بھی ہے اک غلام میرا

محشر کی تشنگی سے کیا خوف، سید انشا
کوثر کا جام دے گا مجھ کو امام میرا

(۴۷)

لیا گر عقل نے منہ میں دل بیتاب کا گٹکا[1] — تو جوگی جی دھارا جائے گا سیماب کا گٹکا
گرو جی کوئی اڑ سکتے ہیں کھل جاوے ابھی قلعی — جو ہم ترکیب دیویں نقرۂ مہتاب کا گٹکا
ترے لب چوستے ہی چشمۂ کوثر پر اڑ لاگا — تو گویا حق میں میرے بن گیا عناب کا گٹکا
بہت پرواز پر ہے شیخ اُس نے گھونٹ پانی سے — کوئی پڑھ کر غلیلہ کر لیا سرخاب کا گٹکا*

---

[1] گٹکا وید ک میں گولی یا جوب کو کہتے ہیں، گٹکے کی صورت ایک بڑی گولی کی سی ہوتی ہے۔ مشہور ہے کہ اس کی صنعت میں خاص دوائیں اور جڑیں استعمال کئے جاتے ہیں اور اس کا مافوق العادت اثر یہ سمجھا جاتا ہے کہ جو شخص اِس کو منہ میں دبا یستادہ ہوا پر اُڑ سکتا ہے۔

* ق ۲ میں یہ شعر نہیں ہے

عمل "یا حیّ یا قیّوم" کا رکھتا ہوں میں انشا
پر اُس کو کوئی سمجھے "یا اولی الالباب" کا گٹکا[+]

(۴۸)

اے عشق جلوہ گر ہے خود تجھ میں ذاتِ مولا — والسّابحاتِ سبحاً فالسّابقاتِ سبقاً[۵۱]
تم نے سکھا دیا کیا جبرئیل کو نہ جانے — جھٹ زیرِ سدرہ اُن نے جو بسترا جمایا
جو شخص جبہ سا ہو خدمت میں یاں تمھاری — کیوں کر نہ پھر وہ دیکھے لاہوت کا تماشا
فرمادیں آپ جو کچھ حقّا کہ وہ ہی سچ ہے — اے میرے پیر و مرشد، ہاں بادشاہِ داتا
گر حکم ہو تو سائیں سلفے کا دم لگا کر — پھٹکاروں اور بھی میں سبزے کو ایک کوڑا
سبزا اگر چڑھانا منظور، صبح دم، ہو — تو لیجے برگ کوئی والنّاشطاتِ نشطاً[۵۲]
ہے یاد میں تمھاری بیٹھا ہوا مراقب — چارم فلک پہ عیسیٰ کھینچے ہوئے اُداسا[۵۳]
کرّوبیاں[۵۴] تمھیں سب کیوں پیشوا نہ سمجھیں — روح القدس ہے ادنیٰ ایک بالکا تمھارا

اتنا نہ چھٹکے پھریے تشریف لائیے بھی
حضرت سلامت انشا ہے آپ ہی کا چیلا

(۴۹)

جس وقت ہم کو بنگ کا صاف نظر پڑا — ساقی کا اُس میں صاف قیافہ نظر پڑا
دو گالیاں تھی روز کی اک بار دس ملیں[*] — بے ڈول کچھ یہاں کا اضافہ نظر پڑا

---

[۵۱] یہ آیت قرانی ہے جس میں قسم کھائی گئی ہے یعنی شاعر قسم کھا کر کہتا ہے کہ عشق میں ذات مولا جلوہ گر ہے۔

[+] ق ۲: "سمجھے کیا اولی" (کذا)

[۵۲] یہ بھی اسی سورۃ کا ایک جز ہے اس کو "برگ" مذکورہ کی صفت سمجھنا چاہیے۔
[۵۳] اُداسا = (سنسکرت میں "پرانا یام") ایک آسن ہے جس میں جوگی اور رشی حبس دم کرتے ہیں۔
[۵۴] = کروبیاں = خدا کے مقرب فرشتے۔ بالکا = کمسن لڑکا یا چیلا۔
[*] ق ۳: "دہ"۔

مجنوں تو کیا کرے ہے یہاں بید کے تلے	لیلیٰ کا دیکھ لے وہ محافہ نظر پڑا
قاصد سے خط کے لیتے ہی بس آگ ہو گیا
انشا کی مُہر کا جو لفافہ نظر پڑا

(۵۰)

میں نے جو آ نشے میں بلبل کا منہ چڑایا	ساقی نے کھِل کے قہقہہ قلقل[۱] کا منہ چڑایا
اللہ، حضرت آدم کس کل کا جز تھا ہم میں	جس جز[۲] نے اپنے آخر اُس کل کا منہ چڑایا
باس اُس کی زلف کی جو آئی مجھے، تو میں نے	سَو کر کے شاختشانے[۳] سنبل کا منہ چڑایا
یہ لال لال ڈورے دکھلا کے فصل گل میں	نرگس نے تیری، ساقی، یاں گل کا منہ چڑایا
کل شیخ پوپلے[۴] کو اک ٹوٹے پل کے نیچے	میں نے کہا کہ تم نے اِس پل کا منہ چڑایا
دو باتیں فارسی کی سیکھ اُس نے میر انشا
بس لکھنؤ سے سارے کابل کا منہ چڑایا

(۵۱)

کیا خدا سے عشق کی میں رہنمائی مانگتا	مانگنا بھی اُس سے تو ساری خدائی مانگتا
کر تیج لے کر آہ کی کہتا ہے یوں دل چرخ سے	تم سے "دُل بوگر"[۵] بڑا صاحب لڑائی مانگتا
یوں کہا رندوں نے جھٹ پٹ شیخ کی پگڑی اُتار	دو بڑائی ہے یہ سر اِس کا بڑائی مانگتا

۱؎ قلقل = بوتل سے شراب نکلنے کی آواز

۲؎ جز سے مراد انسان اور کل سے مراد خدا ہے۔

۳؎ "سَو کر کے شاختشانے": سو سو طرح سے۔

۴؎ پوپلے آدمی پر ٹوٹے پل کے منہ چڑھانے کی کیا خوب پھبتی کہی ہے۔

۵؎ دُل بوگر = یہ کرشانوں کی بولی ہے۔ صحیح لفظ "ڈیل بگر" ہے جس کے معنی انگریزی میں "اچھارہ بدمعاش" کے ہیں۔ مطلب یہ ہے کہ دل چرخ سے کہتا ہے کہ اے کمبخت ٹھہر میں تجھ سے مقابلہ کروں گا۔ تعجب ہے کہ انشا کے زمانے میں بھی انگریزی کی ایسی بول چال کے الفاظ لوگوں کی زبان زد ہو گئے تھے۔

اُس سے خلوت کی ٹھہر جاتی تو میں اللہ سے واسطے دو دن کے عرشِ کبریائی مانگتا
دادرس کوئی جو مل جاتا تو انشاؔ عشق سے
الاماں میں بادشہ کی دے دہائی مانگتا

(۵۲)

عشق نے مجھ پر اٹھایا ایک تازہ اُنشقلا[۵۱] لے گیا دل چھین اِک میلا کچیلا چلبلا
ران پر دھر ہاتھ میری آگ سی اِک پھونک دی گدگدی آمیز چٹکی کا بنا تھا چٹکلا
دیکھ کر مجھ کو رو ہاندا سا، لگے فرمانے آپ "ٹھیسرا یہ میری چڑھ ناک اپنی مت پھلا"[۵۲]
اُس پری کے رشک سے لیلیٰ نہ کیونکر تپ کرے سوکھے ٹھہے قیس کا میں نے مٹایا غلغلا[۵۳]
دھیان کر انشاؔ ٹک اُس کے غرفۂ منظر کی سمت
عرش کا در وا ہوا، چلون اُٹھی، پردا کھلا

(۵۳)

جو ہاتھ اپنے سبزے کا گھوڑا لگا تو سلفے کا اور اُس کو کوڑا لگا[۵۴]
مرے ہر جو بازو میں اک نیل سا سو تیرے ہی پانوؤں کا توڑا لگا
اجی چشم بد دور نام خدا تمھیں کیا بھلا سرخ جوڑا لگا
بھلا آپ شرمائے کس واسطے کبوتر کا باہم جو جوڑا لگا
یہ دیکھتی نگاہوں سے دیکھا مجھے* کہ دُکھنے مرے دل کا پھوڑا لگا

---

۵۱ انشقلا = شگوفہ، چٹکلا۔

۵۲ روہاندا اور ٹھیسرا = دونوں کے معنی ہیں "رونی صورت"

۵۳ غلغلا = شہرت۔ (مطلب یہ کہ میری معشوقہ کے رشک سے لیلیٰ بیمار ہوگئی اور میں نے اپنی عاشقانہ شوریدہ سری سے قیس کی شہرت کو مٹا دیا۔

۵۴ سلفے کا کوڑا = یعنی دھواں دھار چرس۔

* ق ۳ : "دگھورا مجھے"۔

لگی کہنے انشاؔ کو تب وہ پری
مجھے بھوت ہو یہ نگوڑا لگا[1]

(۵۴)

پیدا ہوا جی، عشق سے جب سنگ میں کیڑا
پھر کیوں نہ پڑے زخم دل تنگ میں کیڑا

عکسِ لبِ جاں بخش سے جوں بیر بہوٹی
پھرتا ہی پڑا اِک قدحِ بنگ میں کیڑا

کیڑے کے پَرَ انگیا میں لگا، ادھکا بولی
ہر کشن یہ کاٹن کو مورے انگ[2] میں کیڑا

مُنہ چنگی نے فنکاری کی یہ لی، کہ جھجک کر
کیڑے نے کہا ہی تری منہ چنگ[3] میں کیڑا

جگنو کو نہ رکھ محرمِ شبنم[4] میں، اری چھوڑ
اِک زہر بھرا میرے دل تنگ میں کیڑا

جھینگر کی سُن آواز، مراقب ہو کہ ہی یہ
مشغولِ عبادت عجب آہنگ میں کیڑا

لچھے ہیں یہ ریشم کے نہ یہ خطِ شعاعی
ہی مہر بھی اِک عالمِ نیرنگ میں کیڑا

ڈورے تری آنکھوں کے اگر دیکھے تو دیں ہیں
ریشم کا لگے آئنہ زنگ میں کیڑا

بوسیدہ لغت[5] چھانٹے ہی، اللہ کرے پڑ جائے
اے شیخ عمل کی تری فرہنگ میں کیڑا

وہ مور و ملخ فوج مضامیں ہی مرے پاس
جس کے نہ مقابل ہو کسی ڈھنگ میں کیڑا

شُدہ شدہ دستے شدہ پائی جو پڑھو تو
موذی نہ رہے سیکڑوں فرسنگ میں کیڑا[+]

چونکے گرہ بند سے سمجھے کہ در آیا
دارائی[6] کے اک نیفۂ خوش رنگ میں کیڑا

اس دور میں، افسوس، اگر خواجوی کرماں[7]
ہوتا تو بٹھاتا وہ ہر اک سنگ میں کیڑا

---

[1] لگا - یعنی میرے ساتھ ہی کسی طرح جان نہیں چھوڑتا - [2] انگ : بدن -

[3] منہ چنگ = ایک منہ سے بجانے کا باجا -

[4] محرم = کُرتی کو کہتے ہیں - شبنم ایک نرم و نازک بہت باریک کپڑے کا نام -

[5] بوسیدہ لغت = غیر مانوس متروک لغات

[6] دارائی = ایک کپڑے کا نام ہی - گرہ بند = ازار بند - سب نسخوں میں اسی طرح ہی "چونکے یہ" ہو تو وزن درست ہوتا ہی

[7] خواجوی کرمانی خواجہ حافظ کا معاصر ایک مشہور شاعر - کرم فارسی میں کیڑے کو کہتے ہیں اور کرمان ایک شہر کا نام ایران میں نسبت ظاہر ہی -

[+] ق اور ق ۲ میں اسی طرح - ق ۳ میں یہ شعر نہیں ہی - "شدہ ... پائی" منتر کے الفاظ ہیں -

من بعد فنا ناک سے اک ناگ ہو نکلا تھا کبر کا وہ جو سر ہوشنگ میں کیڑا[۱]
سائل ہو جگت بولنے پر مجھ سے تو وہ میں پڑ جائے تھی گاہ جگت جنگ میں کیڑا[۲]
انشاؔ نے چھوا آبلۂ دل کو تو آیا
جاں دار سمندر[۳] نمط ایک چنگ میں کیڑا

(۵۵)

انھیں بھوک پیاس سے کام کیا وہ جو قید تن سے ہوئے رہا
ثمر جناں انھیں دیویں گے وأُتوا بہٖ متشابھا[۴]
کہ وہ مہ سے عقدہ کشائیاں نہیں ہوتیں کچھ بھی بجز خدا
کبھی میں نے کر کے رجوع کچھ نہ کہا "کہا" نہ کہا "کہا"
الفِ ندا کی تو دُم عبث یہ لگائی ہر کہ دم سر تلے
نہ تو کاہ اوگاؤ گے تم کہا! نہ تو مہ بناؤ گے تم کہا!
ہر امام شاہی[۵] اگر دلا! تو بس آکے عشق کی کر صدا
کہیں اس مقام سے پھر نہ جا نہ ہو اس طریق سے کارہ آ
مجھے ورد مصرعِ فارسی یہی انشاؔ آٹھ پہر ہر اب
نبود ز حالتِ دل خبر کہ برو گذشت چہا چہا

(۵۶)

کیا جو کھیت آج چاندنی نے مراد اپنی یہ چاند نکلا تو ایک ساقی بھی گھر سے اپنے شراب کی بھر کے ناند نکلا

---

[۱] ہوشنگ ایک قدیم ایرانی بادشاہ

[۲] سائل ہو = یعنی مقابلہ پر آمادہ ہو۔ جگت جنگ = غالباً کسی آدمی کا نام ہے [یا وہی مقابل جو جگت کا دعویٰ کرتا ہے] اور جیسے جگت جنگ' خطاب ہونا چاہیے یہ شعر ق ۲ میں نہیں ہے

[۳] سمندر = آگ کا کیڑا۔ چنگ = چنگل' ہاتھ۔

[۴] آیت قرآنی ہے جس میں جنت کے پھلوں کے متعلق بتایا گیا ہے کہ متشابہ ہوں گے۔

[۵] امام شاہی = فقیروں کا ایک فرقہ۔

جو گھر سے گاڈر لیس روہ کپڑوں کو ناندے میں سو ندھ ساندے نکلا ۔۔۔ تو بولے سب اہلِ دید دیکھو نیا یہ بدلی سے چاند نکلا
یہاں جو تشریف آپ لائے کدھر سے یہ آج چاند نکلا ۔۔۔ کہ ماہِ کنعاں بھی جس کے آگے جو خوب سوچا تو ماند نکلا
جہاں کے تھے راجہ بھبھر نرنجی کنواں بنانے کو واں کسی نے ۔۔۔ زمین کھودی تو ایک جوگی دھرے ہوئے سر پہ ناند نکلا
جو ٹھنڈے ٹھنڈے چلے ہوا ے آہ چھانو تاروں کی چل نکل تو ۔۔۔ گلوں کی نکہت کا قافلہ بھی چمن سے اب لاد پھاند نکلا
بہت سنبھالا کہ نالہ اپنا بڑھے نہ چرخِ بریں سے لیکن ۔۔۔ ستارے جتنے چھٹک رہے تھے سبھوں کو وہ روندھ پھاند نکلا

خیال تھا اُن کو ماہِ نو کا تو کس مزے سے وہ کہہ رہے تھے
ٹک اپنے کوٹھے پہ دیکھ انشا کہیں بھی ہے آج چاند نکلا

۵۷

چل نہ امریوں میں جھولیں[1] لیں درختوں کی ہوا ۔۔۔ چھا گئی کالی گھٹا، ہے تیرہ بختوں کی ہوا
رات دی تھی اس کی چوکی[2] سو مرے دامن میں آج ۔۔۔ رچ رہی ہے سیکڑوں پریوں کے تختوں کی ہوا
سرو قد جو لوگ ہوں نچ کھیل اے دل اُن سے تو ۔۔۔ سخت کرتی ہے دلوں کو ان کرختوں کی ہوا
شیخ یہ برسات ہے مجھ سے پرے ٹک ہو کے بیٹھ ۔۔۔ آدمی کو جن کرے ہے تیرے[3] رختوں کی ہوا

پھر پھر آتا ہے انشا وہی مصرع مجھ کو یاد
"چل نہ امریوں میں جھولیں لیں درختوں کی ہوا"

۵۸

ہوں کشتہ اُن کے گُتھے[4] اشاروں کی چوٹ کا ۔۔۔ تھا جن کے سر دوپٹا تمامی کی گوٹ کا
کیا جانے لوٹ پوٹ کیا کس کی پھوٹ نے ۔۔۔ ہے درد سا جو ایک ہمیں پھوٹ پھوٹ[5] کا

---

[1] امریوں میں عموماً جھولے ڈالے جاتے ہیں اسی وجہ سے اکثر ساون کے گیتوں میں ان کا ذکر ہے۔
[2] چوکی دینا = پہرہ دینا۔ لفظ چوکی "پریوں" اور "تختوں" میں مناسبت ہے
[3] تیرے رختوں یعنی تیرے کپڑوں کی ہوا۔
[4] گتھے اشارے = یعنی بہت گہرے اشارے، رمز و کنایہ کی باتیں۔ تمامی ہشل ململ کے ایک نہایت قیمتی باریک کپڑا۔
[5] پھوٹ = جدائی۔ پھوٹ۔ پھوٹ، پور پور۔

ہیں گین باز[1] ایک کھلاڑی بڑے ہی قہ[1] — آساں نہیں ہے مارنا کچھ ان کی گوٹ کا

اے قرصِ آفتاب نہ للچا مجھے کہ مَیں — بس معتقد ہوں اپنے ہی سائیں کے روٹ[2] کا

گزرے عمل سے حُب کے، بتاوے کوئی ہمیں — کچھ جھاڑ پھونک، نقش کوئی، کوئی لوٹکا

اِنشا گہر فشانی اِن آنکھوں کی کیا کہوں

اِک عالم اِن میں صاف ہے پانی کے پوٹ کا

۵۹

زاہد میرے مولا کے اسرار نہیں پاتا — غافل اسے کیا پاوے ہُشیار نہیں پاتا

ہرچند کہ تیور تو لڑ جائیں ہیں آپس میں — پر اپنا کچھ اگلا سا میں پیار نہیں پاتا

خوں کرنے پہ اپنے ہوں ہاتھوں سے نرے ہی تُرے — پر کیا کروں اِس دم میں تلوا*ر نہیں پاتا

چلنے کو تو حاضر ہوں میں وادیٔ وحشت میں — یاں قافلہ، پر کوئی تیّار نہیں پاتا

گو وعدہ کیا تم نے اور کھائی قسم لیکن — تسکین، دل اپنا کچھ، اے یار نہیں پاتا

اللہ یہ دشمن ہے! اے شوخ تو میرا اب — جب مجھ کو تو پاتا ہے ہتھیار نہیں پاتا

اے حضرتِ دل تجھ میں اک لہر تو ہے اِس کی — پر تجھ کو نشے میں کچھ سرشار نہیں پاتا

گو روپ بدلتا ہے ہر روز نئے اِنشا

صحبت میں کبھی اُس کی پر بار نہیں پاتا

۶۰

غلام میں تو ہوں اُن صاحبوں کی کھڑپیچ[3] کا — سڑی تو صاحبی، اُس پر چبوترہ گچ کا[4]

---

[1] گین باز: چینہ باز کھیل میں بے ایمانی کرنے والے۔ قہ: بڑے استاد۔ بہت گہرے۔

[2] سائیں کا روٹ = اللہ کی دی ہوئی روٹی۔

* ق، ق ۲: تروار

[3] کھڑپیچ = اُلٹی باتیں۔ اینچ۔

[4] یہ ایک مثل ہے جس کا مطلب یہ ہے کہ "ٹھکانو پاس نہیں مگر ظاہری بناوٹ اور تصنع بہت کرتے ہیں"۔ بدن پہ لتّا پان کھائیں البتہ"۔

جو لوگ پچکے ہوئے ہوں اُنھوں کی بیچ کیجے[۱] | کہ وصف کرتے ہیں ایسی ہی وضع کی بیچ کا
عبث نہ اپنی تو بک بک سے مغز کھا ناصح | کہ آشنا نہیں میں اِس طرح کی کچ کچ[۲] کا
سمندِ ناز پہ وہ شہسوار جو نکلا | تو غل سا مچ گیا بازار بیچ "بچ بچ" کا
لچک سی آگئی ہر شاخِ گل کے شانے میں | خدا کے واسطے اپنی کمر کو مت لچکا[۳]
نہ جھوٹ موٹ گواہی دلایئے مجھ سے | کہ کہنے والا ہوں مکھ پھاٹ[۴] میں تو سچ سچ کا

جو خوب سوچو تو ہے نام جس کا اِستغنا
وہی تو اصل ہے اِنشا ہزار لالچ کا

(۶۱)

ہوا جب اشک دلِ با فراغ کا بیٹا | تو کیوں نہ کہیے پھپولے کو داغ کا بیٹا
نہ جھونک آہ کے شعلے کو بھاڑ میں اے عشق | کہ ہے بڑے ہی یہ صاحب اوجاغ[۵] کا بیٹا
مثالِ عیسیِ مریم، مقابلے نے کیا | لباسِ عشق میں پیدا چراغ کا بیٹا
نہ پنبۂ سرِ مینا[۶] کو چھیڑ شائد ہو | خفیف قاضیِ عالی دماغ کا بیٹا

حبابِ بادہ کو کیوں کر کرے نہ پیار اِنشا
کہ ہے یہ شیشے کا پوتا ایاغ کا بیٹا

---

[۱] پچکے ہوئے = یعنی جن کو زمانے نے دبا دیا ہے، مصیبت زدہ "بیچ کیجے" یعنی طرفداری کیجیے، ہمدردی کیجیے۔

[۲] کچ کچ = بک بک، فضول بیکار باتیں۔

[۳] لچک اور لچکا میں صنعت تجنیس زائد ہے۔

[۴] مکھ پھاٹ = مُنہ پھٹ

[۵] صاحب اوجاغ = بڑے چولھے یا تنور کا مالک یعنی امیر و سخی۔

[۶] پنبۂ سرمینا = وہ روئی جو شراب کی بوتل کے منہ پر بطور ڈاٹ کے لگائی جائے۔ اس کو فارسی میں "ریشِ قاضی" کہتے ہیں
اسی مناسبت سے دوسرے مصرعے میں "قاضیِ عالی دماغ" کہا۔

۶۲

مجھے کیا ملائکِ عرش سے، مجھے عشق ہے ترا اے خدا
بہت اُن کو لکھوں تو والسّلامُ علیٰ مَنِ اتّبعَ الھدیٰ[1]

ارے اے جنونِ جہاں کشا مجھے اس کی ٹاپ سے مت ڈرا
یہ ترا جو توسنِ شوق ہے، اُسے اپنے اور کہیں کُدا

دلِ قیس کیوں کے نہ غش کرے، سُنے آہ جب کہ وہ مہ کش
کہ وہ اُس کی لیلیٰ ماہ وش ہوئی اور شخص سے کدخدا

تری آنکھ سے ہے مجھے خطر، نہ کر اس طرف سے لب اب گذر
ارے عشق کچھ تو خدا سے ڈر، مرے دل کو اب تو نہ گدگدا

نہ کسی کے ساتھ دلا اٹک، حرم اور دیر میں مت بھٹک
درِ میکدہ سے ہی سر ٹپک نہیں تجھ کو ہووے گی واشُدا[2]

مجھے آفت آکے نہ گھیر لے کہ گناہ بھی ہیں بہت کیے
مجھے ایک کشتی بادہ دے، ارے اے جہاز کے ناخدا

رہِ اتّقا سے بھلا ہو کیا کہ ریا سے ہیں نہیں آشنا
کہیں انشا اُن کی نہ مے پلا مجھے اُن کے زمرے سے کر جُدا

۶۳

دلِ ستم زدہ بیتابیوں نے لوٹ لیا
ہمارے قبلہ کو وہابیوں نے لوٹ لیا

کہانی ایک سُنائی جو ہیر رانجھا کی[3]
تو اہلِ درد کو پنجابیوں نے لوٹ لیا

یہ موجِ لالۂ خودرُو نسیم سے بولی
کہ کوہ و دشت کو سیرابیوں نے لوٹ لیا

صبا! قبیلۂ لیلیٰ میں اُڑ گئی یہ خبر
کہ ناقہ نجد کے اعرابیوں نے لوٹ لیا

کسی طرح سے نہیں نیند آتی انشا کو
اُسے خیال میں بے خوابیوں نے لوٹ لیا

---

[1] یعنی سلام ہو اُس پر جو راہ ہدایت کی پیروی کرے، جب آپ مخاطب کو اپنے نقطۂ خیال پر لانا چاہیں۔ مگر وہ مخالفت کرتا ہے اور آپ کا ہم خیال نہیں ہوتا، تو آپ اس کو لکھتے ہیں کہ سلام تم کو اسی وقت ہے جب تم راہ ہدایت اختیار کرو۔ ملاحظہ کیجیے کہ انشا ملائک عرش سے جو مقربانِ الٰہی ہیں یہی خیال ظاہر کرتا ہے۔

[2] واشد = نجات، کامیابی۔

[3] پنجاب میں دو مشہور عاشق و معشوق گذرے ہیں۔

(۶۴)

اب تو اگلی سی طرح کا نہیں گہرا پردا — رہ گیا آپ میں اور ہم میں اکہرا پردا
ہر یہ دالان پری حکم جو ہو تو اس میں — ایک روپہرا لگے اور ایک سنہرا پردا
باد کے صدمے سے کھڑکا ہی کرے ہر دن رات — یاں تلنگوں کی طرح دیوے ہے پہرا پردا
گر پڑا اُٹھا جو دو شالہ بھی پڑا اچلون پر — ٹانگ جو تم نے دیا تھا، سو نہ ٹھہرا پردا
اُس پری زاد کے صدقے کہ کہا یوں جن نے — "میری ڈولی میں لگا دیجیو دُہرا پردا"

ہر زمانہ یہ بُرا، اپنے غلام اِنشا کا
آپ رکھ لیجے یا حضرتِ زہرا پردا

(۶۵)

اب یہاں سے ایسی غزلوں کا سلسلہ شروع ہوتا ہے جن کی ردیف جوڑا ہے، مگر بحریں اور قافیہ بدلتے جاتے ہیں۔ ہر شاعر کو اپنا زورِ طبیعت اور قادر الکلامی دکھانا مقصود ہے لیکن انشا بھی اپنی اُستادی کا ثبوت جا بجا ایسی ہی غزلوں میں دیتے ہیں اور ہم کو ماننا پڑتا ہے کہ واقعی یہ شخص الفاظ کا بادشاہ تھا جس لفظ کو جی چاہتا کسی دوسری لفظ سے جو بظاہر بے میل معلوم ہوتی اس خوبصورتی سے پیوند کر دیتا کہ دل وجد کرنے لگتا۔ خیال کیجیے کہ اٹھارہ غزلیں جن میں کم سے کم تقریباً ڈیڑھ سو شعر ہیں اور ان میں بظاہر کوئی ربط وتعلق ردیف اور قافیہ میں نہیں معلوم ہوتا مگر انشا کی سحر کاری سے یہ سب ایک سانچے میں ڈھل جاتے ہیں اور جہاں کہیں ظرافت وتمسخر کی چاشنی ہے یا کوئی نفسیاتی نکتہ بیان کیا ہے وہاں شعر کہیں سے کہیں پہنچ گیا ہے۔ البتہ یہ کہنا پڑتا ہے کہ اکثر جگہ یہ گوئی فضول و بے مزہ ہو گئی ہے۔

ہوا پیدا یہ دودِ دل سے کوہِ قاف کا جوڑا — کہ واں پریوں نے اِک قصہ مرے اوصاف کا جوڑا

ؔ دالان پری = بہت خوبصورت دالان۔

رہیں گے جا کے جنت میں اگر سوزِ دروں والے
تو پھونکیں گے وہاں بھی سندسِ اعراف کا جوڑا

مزا دیکھو کہ اُس چاہِ ذقن کا عکس تھا وہ تو
عبث طوفان اُن لوگوں نے جس پر ناف کا جوڑا

کہا سب دیکھنے والوں نے دشمن زیرِ پا صاحب
نیا پہنا جب اُن نے مخملِ زر باف کا جوڑا

پتھورا کے جو محلوں کی ہو کوئی آکھ کی بڑھیا
بنے وہ آکے اس بوڑھے بڑے نداف کا جوڑا

مہابھارت کے قصوں کے سوایاں اور تو کچھ بھی
نہیں ہم پاس صاحب کے گزاف و لاف کا جوڑا

کہوں کیا اُس کی میں باتیں غرض میری تو جانب میں
زمانے میں نہ ہوگا کوئی اُس حراف کا جوڑا

بہت ڈھونڈھا نہ پایا راج میں ہر پونگ کے لیکن
کہیں حضرت سلامت آپ کے انصاف کا جوڑا

مشابہ ہو اُسی گڈّے سے اے لیلیٰ ترا مجنوں
بنا جس کے لیے اک تاش کے مو باف کا جوڑا

کہاں یہ بال پیڑو پر سمجھ چوٹی کی پرچھائیں
کہ ہو لشیتِ شکم آئینۂ شفاف کا جوڑا

بغیر از چہرۂ یوسف کہ تھا وہ ماہ کنعاں کا
نہیں کوئی جہاں میں تیرے روئے صاف کا جوڑا

پیتنی ہو جو بڑکنی اگر چڑھ جائے ڈھب پر تو
گیٹھے کس روپ سے گنیش جی صراف کا جوڑا

رہے گا چار سو ستر برس انشا زمانے میں
کہ اس پر سج رہا ہے عین و شین و قاف کا جوڑا

جو بھیجا ابر کو دریا نے نادر پاٹ کا جوڑا
تو واں بجلی نے طوفاں اور ہی گھر گھاٹ کا جوڑا

۱ سندس = قدیم زمانے میں ایک نہایت قیمتی ریشمی کپڑا ہوتا تھا۔

۲ آکھ کی بڑھیا = ایک نہایت ملائم سفید پر کی طرح کی چیز جو ہوا میں اڑتی پھرتی ہے اور مدار کے پھل سے نکلتی ہے جب قریب آتی ہے تو بچے اسے پھونک کے پھر اڑا دیتے ہیں بچے اُسے (بڈھا یا بڑھیا) کہتے ہیں آکھ۔ اور آکھا مدار کا درخت۔ پتھورا یعنی رائے پرتھی راج جو ہندوستان کا مشہور راجہ گذرا ہے۔ نداف = یعنی دھنیا۔ ایک بوڑھے دھنیے پر جس کے سر اور داڑھی کے بال دھنکی ہوئی روئی سے بھرے ہوتے ہیں آکھ کی بڑھیا کی ایک عمدہ پھبتی کہی ہے۔

۳ [جانب یا جانس عوام کا لفظ ہے علم یا دانست کے مفہوم میں]

۴ حراف۔ مکار۔ دغا باز ۵ تاش اور تامی دو قیمتی مہین کپڑے ہوتے تھے جو چوٹی کے موباف میں لگائے جاتے تھے۔

۶ گنیش جی کسی صراف کا نام ہوگا۔

۷ لفظ عشق کے عدد چار سو ستر ہوتے ہیں

پکھیرو کوئی جھڑ بدلی میں دکھلائی نہیں پڑتا ــــ مگر آتا نظر ہے تو گھٹولی گھاٹ کا جوڑا
نہ ہاتھ آیا جو جوتا ٹاٹ بافی اور چکّی کا ــــ تو پہنا ایک صاحب نے فرنگی ٹاٹ کا جوڑا
مُڑ وڑی[1] فوجِ انگریزی نے دی اک ایسے ہوا کی ــــ کہ رسّی کٹ گئی ہلکرکی، ٹوٹا جاٹ کا جوڑا
کسو ہندو بچے کی یاد میں آنکھوں سے اے انشا
نکلتا ہے پڑا جو الاکھی کی لاٹ کا جوڑا

(۶۷)

چمک کر رات کو گرجا یہ برق و رعد کا جوڑا ــــ کہ بچھڑا اہم گر سے ہوش قبل و بعد کا جوڑا
گریباں سے کہیں جو چِس[2] گیا تھا جامۂ کہنہ ــــ تو واں قیتون کر موباف اُن کی جعد کا جوڑا
وہی بچھڑوں کو بھی ذی الحج تک شاید ملا دیوے ــــ ملایا جن نے ہے شوال سے ذیقعد کا جوڑا
معاذ اللہ دشمن جو کوئی سادات کا ہووے ــــ یقیناً آوہ تو ہے دنیا میں ابنِ سعد کا جوڑا
فقط اُمید ہی رکھیے نہ خالی یاس ہی انشا[3]
کیا پیدا خدا نے ہے وعید و وعد کا جوڑا

(۶۸)

نہ کیوں ہو جزمِ[×] مدّ آہ اہلِ عزم[+] کا جوڑا ــــ الف کے ساتھ ہی واں گٹھ رہا ہے جزم کا جوڑا[4]
نکال آوازہ ایسی گڑگڑا کر، اے میاں ساقی ــــ کہ ہو ابرِ سیہ سلفے کی تیری بزم کا جوڑا
جو کچھ یاں ٹھانیے دل میں سو لبس کر بیٹھیے وہ ہیں ــــ کہ ہے مشہور یہ باتوں میں عزم و جزم کا جوڑا

---

[1] مڑوڑی سے مراد فاش شکست ہے مطلب یہ کہ جب ہلکر اور جاٹوں سے اور انگریزی فوج سے لڑائی ہوئی تو اِن دونوں کو انگریزی فوج نے سخت شکست دی۔ جاٹ کے جوڑے سے غالباً دپ رام کشارا اور رنجیت سنگھ راجہ بھرت پور مراد ہیں جن کا ذکر ایک قطعہ میں انشا نے کیا ہے

[2] چِس گیا، پسک گیا یا پھٹ گیا۔

[3] مطلب یہ ہے کہ انسان کو نہ صرف اُمید ہی اُمید چاہیے اور نہ خالی یاس ہی یاس۔

[4] یعنی آہ میں الف کو مد ہے اور ہ کو جزم ×ل چتر۔ + ل بزم

صبا نے چادرِ گل کے بدل اک گورِ مجنوں پر بنا کر رکھ دیا گلہائے شمعِ بزم کا جوڑا

زرہ[1] داؤدی، انشاؔ خود بکتر داستانے، ہاں!

یہی مردوں کو اترا عرش پر سے رزم کا جوڑا!

۶۹

ملا آپس میں اِس دھج سے سحاب و برق کا جوڑا کہ کرّا کا رعد نے اقسامِ غرق و حرق کا جوڑا

نہیں ہر صوفیوں کی بات خالی خرقِ عادت سے انھیں پر سج گیا ہر التیام[2] و خرق کا جوڑا

یمین الدولہ[3] کو رکھیو الٰہی تا ابد قائم ق یہی اک رہ گیا ہر شاہِ غرب و شرق کا جوڑا

کیا اِسپند تاروں کا فلک نے آتشِ گل پر پہن کر جب وہ آیا خوب زرق و برق کا جوڑا!

ہمارے سر پہ انشاؔ سایہ ہر ایسے شہِ دیں کا

نہ ہو طاؤس گردوں[4] جس کے تاجِ فرق کا جوڑا

۷۰

ہوئی جب لیلۃُ القدر اُس پری کی جعد[5] کا جوڑا چھپا بالوں کے جا پڑوں میں قبل و بعد کا جوڑا

ہوا و آبر نے کل تیسویں کا چاند دکھلایا! بڑا طوفان یہ شوال پر ذیقعد کا جوڑا

زحل طالع رقیب، اور آپ اُس کے مشتری ہر دم بندھا یہ بے طرح دو نجمِ نحس و سعد[6] کا جوڑا

پڑا پھرتا ہر ان آنکھوں کی کابک کے تلے اپنے ہمیشہ طائرِ قدسِ وعید و وعد کا جوڑا

---

[1] زرہ، خود، بکتر، داستانے، یہی چاروں چیزیں مرد کے واسطے سامانِ حرب ہیں۔ [فارسی "دستانہ" کو اُردو والے عموماً داستانا بولتے ہیں]

[2] خرق والتیام فلسفہ کی اصطلاح ہر خرق پھٹنے کو اور التیام مل جانے کو کہتے ہیں۔ پانی اور ہوا میں خرق والتیام کی کیفیت موجود ہر۔ مگر ٹھوس چیزوں میں نہیں پائی جاتی۔

[3] یعنی نواب سعادت علی خاں جن کے دربار میں انشا تھے۔

[4] طاؤس گردوں سے مراد آفتاب ہر۔ تاجِ فرق یعنی سر کا تاج۔

[5] جعد = چوٹی۔

[6] زحل طالع یعنی منحوس۔ مشتری = خریدار، اور مشہور سیارے کا نام۔ نجم نحس و سعد یعنی منحوس و مبارک ستارے۔

کہیں ہو شال باف[1] ایسا جو جاڑوں تک بنا دیوے ہمیں ایک اس صنم کے مو بہائے جعد کا جوڑا

ہمیں اور اُن کو رات انشاؔ بہم دیکھا تو شرما کر
رہا چھپ ابر کے دامن میں برق و رعد کا جوڑا

(۷۱)

یہن مت مانگ کے ایسے کسی کم ظرف کا جوڑا
کرے یخ تجھے[*] کی صورت بن رہا ہو برف کا جوڑا

بندھی خونِ سر فرہاد کی ڈکری+ تھی یاں جن پر
عبث لوگوں نے قصہ سرخیٔ شنجرف کا جوڑا؟

ہوا تحصیل فارغ شیخ اُس کے دام میں آیا
جہاں جس قسم کا تھا اسم و فعل و حرف کا جوڑا (ق)

تو اپنے جی میں یہ ہو جوڑ جوڑ آٹے کی لیئی سے
اُسے پہناویں ایک اوراقِ نحو و صرف کا جوڑا

کمی کیا صیدِ معنی کی کہ اپنے پاس ہے انشاؔ
قیامت ایک شاہینِ[2] نگاہِ ژرف کا جوڑا

(۷۲)

لیا جنہیں ابرو و مژگاں نے عام و خاص کا جوڑا
بنی وہ چشم سعد ابن ابی وقاص[3] کا جوڑا

تامل کیجیے تو گوہر شب تاب ہاتھ آوے
یہاں موجود ہو ہر غوطۂ غوّاص کا جوڑا

نکلتے ہیں صوفی حال کرتے واں جو مل جاتا
بہم سیمرغ قاف و ققنسِ[4] رقّاص کا جوڑا

نہیں ہم فن کو باہم دیکھ سکتے لوگ یہ سچ ہو
لگا القاص سے ہو لایحبُّ القاص[5] کا جوڑا

---

[1] شال باف = شال بنانے والا۔ [2] شاہین = باز

* [تجھے] شاید چھچھے کے قیاس پر بنایا ہوگا بجدان کے مفہوم میں؟ + (ممکن ہو یہ لفظ "پگڑی" کی تصحیف ہو) ن۔ دکرٹی۔

[3] سعد ابن ابی وقاص مشہور فاتح ایران کے چشم معشوق کو فتوحات سعد ابن ابی وقاص سے تشبیہ دی ہو۔

[4] سیمرغ اور ققنس دو مشہور خیالی چڑیاں ہمارے اصنامیات میں ہیں "سیمرغ (تیس مرغ)" "تیس صوفی" کی رعایت قابل ملاحظہ ہو۔

[5] یہ "القاص لایحب القاص" (قصہ کہنے والا دوسرے قصہ گو کا دوست نہیں ہوتا) یعنی ع

بود ہم پیشہ باہم پیشہ دشمن

ابھی دیکھو گے جب تم آرسی مصحف تو واں انشا
پڑھے گا سورۂ الحمد اور اخلاص کا جوڑا

۷۳

جواہر[1] سے ملاتا کون یہاں اَعراض کا جوڑا
یہ ہر باندھا ہوا خود مبدأ فیّاض کا جوڑا

حفاظت بحر و بر کی تب تو سونپی جائے قدرت سے
بندھے جب خضر اور الیاس سے مرتاض[2] کا جوڑا

تفضانے خارجی کے واسطے بنوا کے بھیجا ہے
عجب اک ریسمانِ پنبۂ امراض کا جوڑا

غرض کے حرف کی تکرار کی جن نے تو وہ بولے
پہن آئے ہو تم تو اطلسِ اغراض کا جوڑا

کتر اور[3] بیونت یاں تک ہے کہ میری کاٹ پر اُن نے
مجھے بھیجا تو کلکتے سے ایک مقراض کا جوڑا

۷۴

وہ دو زلفیں نہیں ہیں ایک کالے ناگ کا جوڑا
بنایا جن کی فُنکاری* کو حق نے آگ کا جوڑا

نہ کیوں کر بن کے بن ٹیسو کے پھولوں کے نظر آویں
جو جنگل جی سے جوگی آپ پہنے بھاگ کا جوڑا

اُنھیں کیا نعمت الواں سے جن کو عرش سے اُترا
یہی ایک جو کی روٹی اور اُبلے ساگ کا جوڑا

مہاراجا جہاں چُگتے تھے موتی ہنس کے جوڑے
وہاں کا اب تری ٹھاکر بنا ہے کاگ[4] کا جوڑا

لگادی دَون[5] سی اس جنگل کو بس اک وہی آہوں میں
یہ دُھرپت تہرکچھ انشا نے دیپک راگ کا جوڑا

---

[1] جواہر اور اعراض فلسفہ کی اصطلاحیں ہیں۔ جوہر سے قائم بالذات مراد ہے۔ مثلاً انسان فرس وغیرہ۔ اور عرض سے قائم بالغیر مراد ہے۔ جیسے رنگ و بو، وغیرہ۔ مبدأ فیاض یعنی خدائے تعالیٰ۔

[2] مرتاض یعنی ریاضت کرنے والا۔

[3] کتر بیونت، کاٹ، مقراض یہ ضلع جگت ہیں۔ * [فُنکاری = پُھنکاری]

[4] کاگ = کوّا

[5] دَون لگانا = یعنی آگ لگا دینا۔ دَون اس آگ کو کہتے ہیں جو جنگل میں آپ ہی آپ لگ جاتی ہے۔ دیپک راگ وہ راگ ہے جس کی نسبت مشہور ہے کہ اس کے گانے سے آگ لگ جاتی ہے۔

۷۵

ہوا پھٹ[1] جس گھڑی قیس بیاباں گرد کا جوڑا — تو ٹکرایا بہم دونوں کی آہِ سرد کا جوڑا

شعاعِ مہر اگر زعفران کے کھیت پر جاوے — نہ ہووے تو بھی وہ عاشق کے روئے زرد کا جوڑا

سیا ہے سوزنِ مژگاں سے تیری قیس نے لے لے — گلابی ریشم رگ ہائے برگِ ورد کا جوڑا

مبارکباد گائی خوب سی ٹکرا کے تیشے نے — شہانا جب ہوا فرہادِ غم پرورد کا جوڑا

لباسِ خاک میں جو دو بگولے لڑ گئے شاید — یہ دو رو حیں تھیں پہنا تھا جنھوں نے گرد کا جوڑا

لکھا رکھی ہیں حسب المدعا دو عرضیاں انشا
ملا گر وقت تو موجود ہے یہ فرد کا جوڑا

۷۶

نہ اے زاہد پہن بنوا کے موٹے سوت کا جوڑا — کہ اترے گا تجھے استبرقِ[2] لاہوت کا جوڑا

مرصّع پوشیٔ گردوں کے ستاروں سے عبث ٹھہری — نہ نکلا واں تو تیرے حقۂ[3] یاقوت کا جوڑا

غزالانِ حرم کی فوج کا سرخیل[4] ہو لیکن — کہاں قیسِ بنی عامر ترے مبہوت کا جوڑا

تمھارے بلخی اور بلخ کے غل کرنے کو سن لیوے — نہ دیکھا جن نے ہو پیپل تلے کے بھوت کا جوڑا

نظر آئے ترے، انشا اگر وہ نرگسِ جادو
تو باہم لڑ پڑے ہاروت[5] اور ماروت کا جوڑا

۷۷

صنم خانے میں جب بولا بُت ناقوس کا جوڑا — لگا ٹھاکر کے آگے ناچنے طاؤس کا جوڑا

---

[1] پھٹ ہونا - اکیلا یا تنہا رہ جانا۔
[2] ایک قیمتی ریشمی کپڑا جو قدیم زمانے میں پہنا جاتا تھا۔
[3] حقہ = ڈبیا۔
[4] سرخیل یعنی سردار - مبہوت = بے حواس - دیوانہ یعنی عاشق۔
[5] ہاروت اور ماروت دو فرشتے تھے جو دنیا میں عبادت کے زعم میں آئے مگر یہاں آکر گناہوں میں ایسے آلودہ ہو گئے کہ بس ہیں کے ہو کر رہ گئے۔

جو سوتے ہیں وہ راتوں کو تو کیا کیا سیر کرتا ہوں — سرھانے رکھ کے تموری کوئی فانوس کا جوڑا
یہ سمجھو کہکشاں کا عکس دریا میں، اِدھر دیکھو — کہ ہر مارِ سیاہِ نالۂ مایوس کا جوڑا
کرامٌ کاتبیں کی شکل کا اُن کی طرف سے یاں — لگا پھرتا ہے اپنے ساتھ اِک جاسوس کا جوڑا
رصد جو طارمِ تاکِ دلِ انگور سے باندھے — ستارے جانتے ہیں اُس کو بطلیموس[1] کا جوڑا
ہما کی مورچھل پر نورتن باندھے تو انشا نے
کہی پھبتی کہ ہے یہ چترِ کیکاؤس[2] کا جوڑا

(۷۸)

نہیں مجھ پاس اے قمری ترے کھٹراگ[3] کا جوڑا — ترے میں گھونسلے میں چھوڑ دوں گا ناگ کا جوڑا
یہ خاصیت ہے اُن کی آنکھوں کی جوں آتشی شیشہ — کسی نے ہے کہیں دیکھا بھی اِس کی لاگ* کا جوڑا
ازلسیل[4] کوئی گینڈا ہو، وہی لے آپ سے ٹکر — کہ جوگی جی یہ جوڑا ہے اُسی کے کھاگ[5] کا جوڑا
مہادیو اُترے جو کیلاش سے اپنی جٹا کھولے — تو شاید بن سکے اِس جوگ کے بیراگ کا جوڑا
پھنکا جاتا ہوں سوزِ عشق کی گرمی سے اے انشا
خدا نے کیا بَلا یہ دل بنایا آگ کا جوڑا

(۷۹)

تڑاقے[6] کا یہ پہنا اُس پری نے تاش کا جوڑا — کہ اُڑ لاگا فلک پر طائرِ شاباش کا جوڑا

---

[1] بطلیموس ایک یونانی مہندس تھا جس کا نظام بطلیموسی مشہور ہے۔
[2] کیکاؤس قدیم ایران کا ایک بہت مشہور بادشاہ گزرا ہے۔
[3] کھٹراگ ایک پیچیدہ اور مشکل راگ کا نام ہے۔
[4] ازلسیل = اڑیل۔ لڑاک
[5] کھاگ۔ گینڈے کا سینگ
* م = "اوڑ لاگ"
[6] تڑاقے کا یعنی زرق برق۔

رلائی آپ نے چتون تو ہم بھی دل کی کہہ بیٹھے
یہی تھا پاس اپنے اِس نگاہِ فاش کا جوڑا

پڑھا کرتا ہے ہَشْش بَشْش آئینے کو جب دیکھے
کہاں ہے کوئی تیرے عاشقِ ہشّاش[1] کا جوڑا

ہوئی ہے روحِ قیس و کوہکن باہم دگر اک جا
قضارا[2] ہو گیا ہے مفلس و قلّاش کا جوڑا

بھلا جو مردِ افیونی ہو اُس کو بھوک کیا معنی
کفایت می کند یک دانۂ خشخاش کا جوڑا

جو دَل بادل کے ہاتھی سے بڑا اگر گت میں ہو کوئی[3]
تو ٹھہرے رائے گینڈا مل تمھاری لاش کا جوڑا

وہ قمری سرو پر جو بولتی ہے اِن دنوں اُن سے
پنواڑا[4] ایک جھاؤ لال کے فراش کا جوڑا

کسی جوگی نے جو منتر سکھایا ہے مجھے انشا
لیے پھرتا ہوں میں چٹکی میں اپنی ماش کا جوڑا

(۸۰)

کہیں بچھڑا ہوا دیکھا جو اک سُرخاب کا جوڑا
تو ڈالیں ھیں مار کر دیا لبِ گرداب کا جوڑا

نہ آنکھیں تر ہوئیں فرہاد بے کس پر جو شیریں کی
تو نکلا بیتنوں سے پھوٹ کر سیلاب کا جوڑا

گھٹا ٹوپ[5] اُس پری کی نالکی کا کچھ ہوا اوچھا
تو پایا اک اُس میں نے کہ چادرِ مہتاب کا جوڑا

بہت پرواز پر ایک دنبکی سنتے ہیں آیا ہے
پڑا اپنی دُم میں کیا اُن نے کوئی سرخاب کا جوڑا

دہی سوزش ز دوے یکبارگی جو چاہ میں ڈوبے
جنھوں کو لے گیا وہ مارِ موجِ آب کا جوڑا

اُنھیں فریادیوں کی ہیں یہ آنکھیں اشک آلود وہ
پری زادوں نے جن پر تو تیا[6] دولاب کا جوڑا

نہ لگا کھائے ہر گز آپ کی گدڑی سے ہاں سائیں
پڑا چمکا کرے گو مہرِ عالم تاب کا جوڑا

---

[1] ہَشْش اور بَشْش دونوں کے معنی خوش و خرم ہونے کے ہیں مگر ہش کے دُبلے اور ضعیف ہونے کے معنی بھی ہیں عاشق ہشاش یعنی نحیف و لاغر عاشق۔

[2] قضارا یعنی اتفاق سے۔

[3] دل بادل کا ہاتھی یعنی وہ ہاتھی جو قد و جسامت میں سب سے بڑا ہو۔ گرگت (= گجگت) یعنی قد و جسامت گینڈا مل (یا گینڈا مل) کوئی موٹا شخص ہوگا جس پر دل بادل کے ہاتھی کی پھبتی کہی گئی ہے۔

[4] پنواڑا طولانی قصہ جھاؤ ایک مشہور درخت راجہ جھاؤ لال ایک مشہور بخشی جو نواب آصف الدولہ میں تھے ان کا بنایا ہوا پل اور بلند ار اب بھی لکھنؤ میں ہے۔

[5] گھٹا ٹوپ = پالکی کا پردہ۔ نالکی شاہی زمانے میں ایک قسم کی پالکی ہوتی تھی۔

[6] تو تیا = بہتان۔ اتہام۔ الزام۔ (عربی لفظ "توطئہ" سے ماخوذ) دولاب = چرخی یا رہٹ جس سے کنویں سے پانی کھینچا جاتا ہے۔

کہیں تو شال کا بوٹا، کہیں زربفت کا ٹکڑا ق کہیں اطلس کہیں پیوند ہے کمخاب کا جوڑا
لیے اِنشا نے بوسے دو ہزار اُن کے لبوں سے گل
دوگانہ[1] دے کے سیدھے ہاتھ میں عناب کا جوڑا

(۸۱)

چمن[2] سے کیا بندھے تیرے رخِ نم ناک کا جوڑا — کہ ہے واں کان آنکھ اور مُنہ نہ ناک کا جوڑا
سحر کے مُنہ سے مل دیں گے بھبوت اکسیر کا آ کر — بگولا کر جو آتے ہیں یہ پہنے خاک کا جوڑا
سجا ہے دخترِ رز سے پری نے آج، اے ساقی — عجب ابریشم رنگہائے برگِ تاک کا جوڑا
ہزاروں ڈھب کے باسن اِس سے یہم ڈھلتے جاتے ہیں — نہ ہو کیوں چرخِ گردوں لے کلال اِس چاک کا جوڑا
نکلیں ایک افیونی کی آنکھیں گور سے باہر — کہ لالاجی نے دیکھا کاسۂ تریاک کا جوڑا
اُٹھا دُم ہنہناتی ہے نسیم صبح کی گھوڑی — اسے کر بیچے اپنے توسنِ چالاک کا جوڑا
قیامت بے ادب ہیں جو ٹلوں سمجھیں لے اِنشا!
کہیں وہ دونوں آنکھیں گردشِ افلاک کا جوڑا

(۸۲)

ملے پارے سے جو ہڑتال کر کے راکھ کا جوڑا — تو تا میسر جی انگلیں کوئی نوسے لاکھ کا جوڑا
تصوّر نے ترے ایک دھوپ سی سوتوں کو کھلائی — ہوا ساون بھی اُن کو جیٹھ اور بیساکھ کا جوڑا
نہیں کچھ بھید سے خالی یہ تلسی داس جی صاحب — لگا یا ہے جو اِک بھونرے سے تم نے آنکھ کا جوڑا
لپٹ کر کشن جی سے رادھکا یونہیں لگی کہنے — ملا ہے چاند سے اے لو اندھیرے پاکھ کا جوڑا
یہ سچ سمجھو کہ اِنشا ہے جگت سیٹھ اِس زمانے کا
نہیں شعر و سخن میں کوئی اُس کی ساکھ کا جوڑا

---

[1] دگانہ جڑا ہوا پھل کسی کو بھلا وا دے کر دیتے ہیں اور پھر لفظ فراموش۔ اور اس کے بدلے میں وہ ہی چیز دو ہزار مانگتے ہیں۔ عناب کا جوڑا یعنی دہرا عناب۔

[2] یعنی چمن کو تیرے چہرے سے کیا نسبت ہے کیونکہ اس میں صرف (گل)، آنکھ (نرگس)، ناک (گل زنبق)، ہے مگر منہ نہیں ہے۔

(۸۳)

جس شخص نے کہ اپنی نخوت کے بل کو توڑا
راہ خدا میں اُن نے گویا جبل کو توڑا

اپنا دلِ شگفتہ تالاب کا کنول تھا
افسوس تو نے ظالم ایسے کنول کو توڑا

کولے تلے کھڑا تھا، دیکھا جو مجھ کو آتے
ہاتھ اُن نے کرکے اونچا جھٹ ایک پل کو توڑا

تھا ساعتِ[۱] فرنگی، دل چپ جو ہو رہا ہے
کیا جانیے کہ کس نے اب اِس کی کل کو توڑا

دارا و جم نے کیا کیا تجھ سے شکست پائی
اے چرخ تو نے کس کس اہلِ دول کو توڑا

مفلس کے بر میں یارو وہ لالچی کب آیا
رکھتا ہے گرم زر کا جس کی بغل کو[۲] توڑا

آنکھوں سے اپنی آنسو کچھ ایسے پھوٹ نکلے
فوارے کے کسو نے جیسے ہو نل کو توڑا

لینی ہے جنسِ دل تو ظالم تو آج لے چک
پڑ جائے گا وگرنہ پھر اُس کا کل کو، توڑا[۳]

احوال خوش اُنھوں کا اِنشا میاں جنھوں نے
اُس ذاتِ بحت[۴] سے مِل بندِ اجل کو توڑا

(۸۴)

کیا کہوں احوال تیرے عاشقِ بیتاب کا
اشک جو ٹپکا سو گویا قطرہ تھا سیماب کا

دیکھیے آکر جھمکڑا چادرِ مہتاب کا
لہریں لیتا ہے سمندر عالمِ سیماب کا

تھے جو کمبل پوش اُن کے سامنے کیا تذکرہ
صاحبِ شال و سمور و قاقم و سنجاب کا

سوزنِ عیسیٰ سے رم کرنے لگے قدوسیاں
یہ ضمیمہ رہ گیا تھا عالمِ اسباب کا[۵]

---

[۱] گھڑی (فرنگ کی بنی ہوئی)۔

[۲] یہ مصرع تعقید سے صاف ہو کر اس طرح ہو گا۔ "جس کی بغل کو زر کا توڑا گرم رکھتا ہے" یعنی جس کو روپیہ کی کمی نہیں ہے۔

[۳] توڑا ۔ توڑا پڑنا یعنی نایابی ۔

[۴] ذات بحت : ذات مطلق ذات محض یعنی ذات الٰہی ۔

[۵] سوزن عیسیٰ: مشہور ہے کہ حضرت عیسیٰ جب آسمان پر اُٹھا لئے گئے تو انکے دامن میں ایک سوئی رہ گئی ۔ اسی وجہ سے وہ چوتھے آسمان سے بالاتر نہ جاسکے کیوں کہ یہ چیز علائق دنیوی کی یادگار تھی ۔

کوئی سفلہ بڑھ چلا حد سے تو یاروں نے کہا
ایک یہ بھی جوش تھا برسات کے سیلاب کا

لطف وہ شامِ اودھ کا دیکھیے جا کر دوستو
ہو جو فیضِ آباد میں نوکر میاں داراب[۱] کا

نعرہ ہو سے کسی کے زلزلہ سا ہو گیا
حال کرنا[۲] ہم نے دیکھا مسجد و محراب کا

اس مٹھو سے پن پہ بیٹھے کس قدر ہیں شیخ جیو
تو ندتم اُن کی نہ سمجھو ہے یہ مٹکا راب کا

اور بھی پرواز اگر منظور ہو، تو زاہدا!
گانٹھ لیجے دُم میں اپنی پَر کوئی سرخاب کا

دیکھ لیجے ہاتھ دھر کر اس مرے سینے پہ آپ
گر نہ دیکھا ہو تڑپنا ماہیِ بے آب کا

کیا ہی پھبتا ہے یہ صاحب رینگ[عسہ] کا کرتا تمھیں
اور اے ظالم یہ ڈھیلا پائنچہ کمخاب کا

نالہ و آہ و فغاں سے ربط ہے جن کو مدام
غل مچانا کیوں نہ خوش آوے انھیں دولاب کا

مانگتا ہے یہ دعا آٹھوں پہر انشا سدا
یا الٰہی بول بالا ہو مرے نواب کا

(۸۵)

اَب کے یہ سردی پڑی ہر ایک تارا جم گیا
کاسۂ چرخِ بریں سارے کا سارا جم گیا

چاند سے مکھڑے کو اُس کے دیکھ گرد اگرد سے
چار چار انگشت سورج کا کنارا جم گیا

کیمیا کا شوق تھا جن کو اکڑ کے بُت ہوئے
تھا جہاں تک شہر میں موجود پارا جم گیا

سرد مہری سے زمانے کی نہ پوچھو حال کچھ
اوس میں جو آہ سے نکلا شرارا جم گیا

آبخورے برف کے انشا کو بھیجے آپ نے
اس کے یہ معنی کہ لو نقشا[۳] تمھارا جم گیا

عسہ رینگ ایک مہین کپڑا مثل تنزیب یا ململ کے۔

۱ہ میاں داراب = بہو بیگم صاحبہ کے مشہور امیر کبیر خواجہ سرا تھے۔

۲ہ حال کرنا = یعنی وجد میں آنا۔ جھومنا۔

۳ہ نقشا جمنا = مستقل نوکری ہو جانا۔

ردیف (ب و پ)

۸۶

مل گئے سینے سے وہ پھر ہے یہ کیسا اضطراب
کیوں رے دل جاتا نہیں ہے پھر بھی تیرا اضطراب

کیوں پڑی تھلکیں[۱] نہ آنکھیں آنسوؤں کے بوجھ سے
ہے دل صد پارہ کو سیماب کا سا اضطراب

قیس† کا یہ حال ہے یاں قافلے سے پڑ کے دور
کر رہی ہے جس طرح محمل میں لیلا اضطراب

پوچھتے کیا ہو کہ تیرے دل میں کیا ہے مجھ سے کہہ
اور کیا یاں خاک ہو گی جوش ہے یا اضطراب

دم لگا گھٹنے اجی میں کیا کہوں کل رات کو
تم نہ آئے تو کیا یاں جی نے کیا کیا اضطراب

کیا غضب تھا پھاند کر دیوار آدھی رات کو (ق)
دھم سے میرا کودنا اور وہ تمھارا اضطراب

پر وہ دھڑکا تھا مزے کے ساتھ صدقے اس کے جی
پھر کرے اپنے نصیب اللہ ویسا اضطراب

اس کی چاہت میں جوانی اپنی تھی سو چل بسی
ہے پر اب تک جی کو اک جیسے کا تیسا اضطراب

پیر و مرشد کا یہ مصرع حسب حال انشا کے ہے
"مر مٹے پر بھی گیا اپنے نہ دل کا اضطراب"

۸۷

زلزلہ لایا ہے جسم مضمحل کا اضطراب
مر مٹے پر بھی گیا اپنے نہ دل کا اضطراب

نکہت گل سی پری کو کونے کونے لے پھری
تھا انوکھا یہ ہوائے معتدل کا اضطراب

کر کے کچھ تقصیر اُن کی بڑھ چلا جو میں، تو وہ
بولے ٹک دیکھو تو اس نا منفعل کا اضطراب

عشق وہ پھل ہے کہ جس کے تخم ہیں یہ اشک سرخ
بیخودی ہے مغز اُس کا اُس کا چھلکا اضطراب

اُس کے ہم صدقے مٹایا جس نے باہم کر کے خلط
آتش تیز و ہوا و آب و گل کا اضطراب

---

[۱] آنکھیں تھلکنا یعنی آنکھوں میں آنسو بھر آنا۔ [نبز ن: "روس" (یعنی رنج و غم)] † یہ اور اس کے آگے کی غزل حسب الحکم نواب مصرع طرح لکھی گئی تھی مگر تینوں قلمی نسخوں میں نہیں۔ مطبوعہ نسخوں میں مصرع یوں ہے۔ مل گئے سینے سے سینے پھر یہ کیسا اضطراب۔

یاد ہیں انشاؔ وہ شرمائی ہوئی آنکھیں تجھے
اور تنہائی میں اُس پیماں گُسل کا اضطراب

(۸۸)

جھٹ پٹ جھپٹ[۱] کے تم نے جو مونڈے کواڑ خوب
چوکھٹ پہ گر کے رات میں کھائی پچھاڑ خوب

اک سنگ پر جو صورتِ شیریں نظر پڑی
ہم بیستوں کا دیکھ کے روئے پہاڑ خوب

منظور اور بات جو کچھ ہو تو آیئے
گلشن میں اک کنارے ہر چمپے کا جھاڑ خوب

لیلیٰ نے آکے نجد میں مجنوں سے یوں کہا
کیا آپ نے پسند کیا ہر اُجاڑ خوب!

ایسا نہ ہو کہ خون کسی کا ہو اِن دنوں
رہنے لگی ہر در پہ ترے بھیڑ بھاڑ خوب

جلدی خبر لو میری کہ ہر زخم دل کے آج
دستِ جنوں نے ڈالے ہیں ٹانکے اُکھاڑ خوب

دیوانہ تو کہو ہو مجھے میں بھی اب کے سال
لاتا ہوں کیا ہی سوانگ گریباں کو پھاڑ خوب

پھولوں کی گیند[۲] مجھ کو تو جھٹ مار بیٹھنی
کر کر نشانہ دور سے نظروں میں تاڑ خوب

اور اپنی باری چوٹ بچا جانی واچھڑے[۳]!
کیا آپ نے نکالی ہر تکیے کی آڑ خوب!

انشاؔ جو اُس سے بگڑا تو کہنے لگا وہ خوب
اچھا جی اچھا جایئے ٹھیرا بگاڑ خوب

(۸۹)

پھر آیا یہ آنکھوں میں اُس زلفِ عنبریں کا سانپ
کہ موجِ اشک ہوئی اپنی آستیں کا سانپ

کھجوری[۴] چوٹی یہ کس کی تھی جس کے دھوکے میں
جگر کو کاٹ گیا شاخِ یاسمیں کا سانپ

۱؎ ان الفاظ کی تجنیس صوتی قابلِ ملاحظہ ہے۔

۲؎ گیند دلی میں مونث ہے

۳؎ واچھڑے: کیا خوب، سبحان اللہ

۴؎ کھجوری چوٹی: وہ چوٹی جس میں بالوں کی تین لڑیں ملاکے گوندھی جاتی ہیں۔

ہلا کے زلف "نہیں" کس نے کی تھی بوسے پر — کہ پھر گیا مری چھاتی پہ اُس "نہیں" کا سانپ
تک اُس کے سرمۂ دُنبالہ دار پر کر دھیان — کہ ہے یہ نرگسِ شہلائے نازنیں کا سانپ
لٹ اُس کے بالوں کی غصے میں تک جبیں پر دیکھ — نہ ایسا ہووے گا صحرائے مُلکِ چیں کا سانپ
مگر وہ زلف مددگارِ چشم تھی، کہ مرا — ڈسے ہے دل نگہِ سحر آفریں کا سانپ
عمامے والوں سے اے دل تو بیچ کے نکلا کر — کہ ہے یہ شملۂ زُہّادِ راہِ دیں کا سانپ
شبِ فراق تو اک تھی ہی اژدہا تمثال — (ق) کہ تھا خیال میں اُس جعدِ عنبریں کا سانپ
صباح کفچۂ[1] زرینِ آفتاب کو دیکھ — کہا یہ میں نے یہ کافر نہیں زمیں کا سانپ
نگل ہی لینے کو نکلا ہے غارِ مشرق سے — وہ پھن نکالے ہوئے چرخِ چارمیں کا سانپ
پھر اُس پہ ایسی ہی مطرب نے جوگیا گائی[2] — کہ بن کھڑا ہوا فوں آہِ آتشیں کا سانپ

عصائے حضرتِ موسیٰ ہوا نہی آہ انشا
کبھی کرے جو کہیں قصد میرے کیں کا سانپ

(۹۰)

بنا کے چھوڑوں جو افیون کا شراب میں سانپ — تو صاف آوے نظر جرمِ آفتاب میں سانپ
ہماری آنکھوں میں ساقی بغیر برق نہیں — یہ کھینچے ہر نفسِ آتشیں سحاب میں سانپ
اُلٹ کے چوٹی جو کنگھی سے اُس نے اٹکا دی — پٹک کے پھن کو پڑا سخت پیچ و تاب میں سانپ*
ہلے ہے آئنے میں اس طرح وہ زلفِ سیاہ — کہ لہریں لیوے پڑا جیسے سطحِ آب میں سانپ
یہ بال دھوئے ہیں کس نے کہ عکسِ موجۂ آب — مجھے دکھائے ہے ہر کاسۂ حباب میں سانپ
سمجھ نہ حلقۂ کاکل میں کان کا موتی — یہ مَن نکال کے بیٹھا ہے ماہتاب میں سانپ
ولا نہ اہلِ زمانہ سے تو معانقہ کر — کہ ہے نہفتہ گریبانِ شیخ و شاب میں سانپ

---

[1] سانپ کے پھن کو بھی کفچہ کہتے ہیں۔ * ق ۳: "... کنگھی شب اُس نے لٹکا دی + تو سر پٹک کے پڑا سخت پیچ تاب میں سانپ
[2] جوگیا: ایک راگنی جو آخرِ شب میں گائی جاتی ہے۔

خیال اُس کی لٹوں کا نہ کیوں بسے دل میں　　پھرا کریں ہیں ہزاروں وہ خراب میں سانپ
کسی کی زلف سیہ کی جسے چڑھی ہو لہر　　نہ کیوں وہ چونک پڑے دیکھ دیکھ خواب میں سانپ
ہزاروں ڈھب سے مضامین باندھ ڈالے ہیں +
پڑے ہیں ہاتھ سے انشاؔ کے اک عذاب میں سانپ

ردیف (ت)

۹۱ ×

نہیں چاہیے شرم اتنی بہت　　کہ مجلس میں بن بیٹھیے جیسے بُت
بناتے ہیں ہم تم کو کیا، شیخ جیو[۵۱]　　ذرا آنے دیجے تو ہولی کی رُت
بہم صبر و شورش کے کیوں کر بنے　　کہ یہ کم سے کم وہ بہت سے بہت
کنور جی بھی ٹھاکر کے ایسے ہی ہیں　　ہنومان جی جیسے پتھر کے سُت[۵۲]
غزل لکھ اب انشاؔ کوئی اور بھی
کہ یہ قافیے ہیں انوکھے اچھوت

۹۲

ہمیں اُس صنم سے ہے الفت بہت　　جھکے جس کے سجدے کو پتھر کے بُت
نہ لہرائے کیوں کر ہوا سے جنوں　　کہ ہر شورش افزا یہ ساون کی رُت
مہاراج جی تم نے یہ سچ کہا　　جنھیں درشن اِت ہیں انھیں درشن اُت[۵۳]

+ ق ۳ : ’’مضامیں میں باندھ ڈالے ہیں‘‘۔

× یہ غزل قلمی نسخوں میں نہیں۔

[۵۱] شیخ جیو = یعنی شیخ جی ’’شیخ جیو‘‘ بہت پرانا لفظ ہے۔ اکبر شیخ فیضی کو شیخ جیو کہا کرتے تھے۔

[۵۲] سُت = یعنی پوت، بیٹا۔

[۵۳] اِت = یہاں۔ اُت = وہاں۔ یعنی جو اللہ کے درشن اس دنیا میں کرتے ہیں وہی اُس دنیا میں بھی کریں گے۔

کیے ہے انھیں دیکھ کر راجہ اِندر — یہ لجیات ہیں تھمتیں دامن کے وٹ [۱]
کوئی بھونکے ناحق جو کتے کی طرح — تو دُتکار دینا اُسے کہہ کے ”دُت“

بیادِ خلیلِ خدا سے ودود
جڑالات و عُزّا کو اِنشا نے بُت [۲]

(۹۳)

کعبے [۳] سے کیا ہم نے جو آہنگِ خرابات — کیا جانے خوش آیا ہمیں کیا رنگِ خرابات
آتشکدہ ہے ہر شررِ سنگِ خرابات — جھلکے ہے غرض اور ہی کچھ رنگِ خرابات
ربِّ ارنی کیوں نہ کہوں مثلِ کلیم اب — ہر طور تجلّی سے پھرے آہنگِ خرابات
سب ٹوٹ گئے جام و خُم و ساغر و مینا — تھا گرم یہ شب معرکۂ جنگِ خرابات
اے پیرِ مغاں اینڈیے گا شوق سے دن رات — مستانہ ہو پی کر قدحِ بنگِ خرابات
گر شیخ سُنے نغمۂ لبیک کو بھولے — آوازِ نَے و بین و دف و چنگِ خرابات

لے سلطنتِ عشق مبارک ہے تجھے، اِنشا
ہو زیب دہِ شاہی اورنگِ خرابات

(۹۴)

کچھ [۴] اشارا جو کیا ہم نے ملاقات کے وقت — ٹال کر کہنے لگا: دن ہے ابھی، رات کے وقت
سرسری آپ کے تشریف لے آنے سے حصول؟ — میں تو تب جانوں کہ آجاؤ کبھی گھات کے وقت
غیر سے کرتے تھے آنکھوں میں ابھی باتیں تم — ہم بھی آپہونچے ہیں کیا عینِ اشارات کے وقت

---

[۱] لجیانا: لاج کرنا۔ شرمانا۔ لجیات ہیں شرماتے ہیں۔ یعنی دامن کی آڑ کرکے تم سے شرماتے ہیں۔

[۲] بُت گھونسا۔ مُکّا۔

[۳] یہ غزل سودا کے طرز پر کہی ہے [یہ غزل ق ۳ میں نہیں ہے۔]

[۴] یہ غزل جرأت کے رنگ میں کہی ہے۔

گرچہ مے پینے سے کی توبہ ہے میں نے ساقی ‏ بھول جاتا ہوں و لے تیری مدارات کے وقت
آوے خاطر میں جہاں آپ پھر ایسے یوں ‏ پاس اِس بندے کے آرہیے پر اُس بات کے وقت
کیا کروں پاسِ ادب سے ہوں نہایت لاچار ‏ ورنہ کچھ اور ہی سوجھے ہے مجھے لات کے وقت
موسمِ عیش ہے یہ عہدِ جوانی اِنشاؔ
دور رہیں تیرے ابھی زہد و عبادات کے وقت

۹۵

مدّت کے بعد آئے نظر، خیر و عافیت؟ ‏ کیسے مزاج کی تو خبر، خیر و عافیت؟
گر نکہتِ بہار سے مل جائے پوچھیو ‏ میری طرف سے بادِ سحر، خیر و عافیت
اوصاف ہیں زیادہ ز حد اپنی آہ میں ‏ لیکن جو پوچھیے، تو اثر، خیر و عافیت
اے اہلِ درد حسرت و حرماں کے جور سے ‏ کی رات کس طرح سے بسر، خیر و عافیت
اللہ کیا سُرور رہے، انشاؔ سے بزم میں
اِک بار یار پوچھے اگر، خیر و عافیت

۹۶

جمال و عظمتِ دادارِ خالقِ ملکوت ‏ خیال کر کے یہ کہتا ہوں بھلّے رے[1] جبروت
نمودِ سطوتِ پروردگار ہے، دیکھو ‏ جہاں تلک کہ کرے کام یہ نظر کا سوت[2]
محیط اس میں ہے تمثالِ جلوۂ واجب ‏ اگرچہ آئنۂ ممکنات ہے ناسوت[3]
زہے کریم کہ کروبیوں کو جن نے دیا ‏ مدام مشغلۂ سیرِ گلشنِ لاہوت

---

[1] بھلّے رے = اللہ اکبر!

[2] نظر کا سوت = تارِ نظر۔

[[3] واجب یعنی واجب الوجود = ذاتِ باری۔ ممکن یعنی ممکن الوجود = مخلوق۔ ناسوت یہ عالمِ انسانی، انسان۔ مطلب یہ کہ انسان اگرچہ ممکنات میں سے ہے، پھر بھی ذاتِ باری کا جلوہ اُس میں دکھائی دیتا ہے]

حسنؑ حسینؑ کی خاطر جو بخشش دیوے گا (ق) — گناہ گاروں کو قصرِ زمرد و یاقوت
کہ جس میں سینکڑوں حوریں ہزار ہا غلماں — ہر ایک مثلِ قمر گے بدون لیتؑ و بروت
یہ ہیں سبحۂ سبحانَ ربیَّ الاعلیٰ — عطا کرے جو تفضّل سے قدسیوں کا قوت
بغیر اُس کے کرم کے نہیں بن آتی بات — ہزار گرچہ پڑھا کیجیے دعائے قنوت

بیان ذات کے اوصاف کس سے ہو اِنشا
صفات جس کی ہیں حمّالِ عرش ہیں مبہوت

۹۷

تو نے لگائی آکے یہ کیا آگ، اے بسنت — جس سے کہ دل کی آگ اُٹھی جاگ، اے بسنت
کیفیت بہار کی اُس کو تو دے خبر* — موجِ نسیم کی طرح اُڑ لاگ، اے بسنت
ہر شاخِ زرد و سرخ و سیہ ہجر یار میں — ڈستے ہیں دل کو آن کے جوں ناگ، اے بسنت
منہ دیکھو عاشقوں کے مقابل ہو رنگ میں (ق) — باندھے ہر مجھ سے کس لیے تو لاگ، اے بسنت
تجھ میں کہاں یہ بوقلمونی، کہاں یہ رنگ؟ — دشت و جبل کو خیر سے اب بھاگ، اے بسنت
نظارہ نگار کرے ہر چمن میں تو — بے طرح کچھ لگے ہیں تجھے بھاگ، اے بسنت

جوں تارِ چنگ چھیڑ نہ اِنشا کو، بات مان
تیرا سُنا ہوا ہر یہ کھڑاگ[۱]، اے بسنت

۹۸

صد برگ[۲] گہ دکھائے ہر گہ ارغواں بسنت — لا دے ہر ایک تازہ شگوفہ یہاں بسنت
بھر بھر کے گلستاں میں مے عیش و جشن سے — دیتی ہر ہر گھڑی مجھے رطلِ گراں بسنت
تو اٹھ چلا تو زرد ہوئے سب کے رنگِ رو — کل آ گئی بہار میں کچھ ناگہاں بسنت

---

* ق ۳: ''کی اُس گل کو دے خبر''۔
[۱] چنگ اور کھڑاگ میں ایک رعایت ہر چنگ ایک باجا ہر اور کھٹ ایک راگ۔
[۲] صد برگ اور ارغواں پھولوں کے نام ہیں۔

آتے نظر ہیں دشت و جبل زرد ہر طرف — ہو اب کے سال ایسی ہی اے دوستاں بسنت
شادابیِ نسیم سے بحرِ سُرور کو — کرتی ہو جوش مار کے اب بیکراں بسنت
گر فی المثل ملائکہ ہوں اہلِ زہد سب — لے آوے بہرِ سیر اُنھیں موکشاں بسنت
بنتی نہیں چمن میں کھڑکتی ترے بغیر — کرتی ہو اِس لباس میں ہر دم فغاں بسنت
گر شاخِ زعفراں اِسے کہیے تو ہو روا — ہو فرح بخش واقعی اِس حد کو ہاں بسنت
گڑوا بنا کے رِیشِ مخضّب سے محتسِب — جاتا ہو اُس مقام میں جاوے جہاں بسنت

اِنشا سے شیخ پوچھتے ہیں آج کیا صلاح
ترغیبِ بادہ دے ہو مجھے اے جواں بسنت

۹۹

آؤ مولیٰ فقیر کی صورت — "کُل شیءٍ قدیر" کی صورت
چھپی رہتی ہو خاک میں کوئی — تم سے روشن ضمیر کی صورت
فقرا کو کوئی خوشی آتی ہو — بادشاہ و وزیر کی صورت

۱۰۰

اس کے آگے تین طویل مستزاد ہیں یعنی ایسی غزلیں جن کے ہر مصرع کے آخر میں ایک رکن بطور مستزاد کے اضافہ کیا جاتا ہو۔ معلوم نہیں اس صنف کا ایجاد کس زمانے میں ہوا۔ اُردو شاعری کے قدیم دوروں میں اِس کا رواج نہیں تھا یا اگر ہو گا بھی تو بہت کم۔ مگر انشا کے زمانے میں یہ چیز بہت مرغوب و دل پسند تھی۔ چنانچہ شعرائے ثلثہ انشا مصحفی جرأت نے خوب مستزاد کہے ہیں اور ایک دوسرے کی چوٹ پر کہے ہیں اگر کسی کو اس صنف سے شوق ہو تو چاہیے کہ انشا کے ساتھ جرأت و مصحفی کے بھی مستزاد پڑھے۔

کو صولتِ اسکندر و کو حشمتِ دارا اے صاحبِ فطرت — پڑھ "فاعتبروا یا اُولی الابصار" کا آیا، تا ہو تجھے عبرت

٭ یہ تین شعر ق سے میں نہیں ہیں۔

مستانہ جو میں نے قدحِ بنگ چڑھایا، در عالمِ وحشت
یوں خضر لگا کہنے ہنیئاً و مریئاً[1] اب دیکھ حلاوت

ہر جی میں فقیروں کی طرح کھینچ لنگوٹا، اور باندھ کے ہمت
جا کنجِ خرابات میں ٹک گھونٹیے سبزا، یوں کیجے عبادت

اے حضرتِ عشق آیئے سائیں اجی مولا، یاں کیجے عنایت
مرشد مرے، مالک مرے، ہادی مرے، داتا، دیجے مجھے نعمت

ماتھے پہ مرے[2] خطِ الف اللہ کا کھینچو، سونپو مجھے بستر
تم تو نا گرو پیر، بنو بندہ ہو چیلا، جی سے کرے خدمت

میں خاک نشیں ہوں جو گروہِ فقرا سے، کیا سمجھو ہو مجھ کو
رومال، چھڑی لے کے جو ٹک کھینچوں او واسا، دکھلاؤں کرامت

گر سیر کناں دیر میں جا نکلوں تو بولوں ناقوس کو سن کر
ای برہمن بت کدۂ عشق خدارا[+] ہے تجھ سے بھی الفت

خوش رہتے ہیں چادر ابرو کی تبلا کے صفائی، مانندِ قلندر
نے ہم کو غمِ دزد نہ اندیشہ کالا، ہے خوب فراغت

درویش بلا نوش بلا چٹ ہیں میاں دوست پینک میں جو آویں
افعی کو مسل کر کریں افیون کا گھولا، ہیں ایسے ہی آفت

گاڑھے ہیں ہم اس سے بھی جو خنکے[3] کو ہلا کر للکارے تھا یوں ہیں
دیتا ہوں ہلا کنگرۂ عرشِ معلا، رکھتا ہوں یہ طاقت

آزادوں کے لہجے میں غزل یہ تو سنائی، از بہرِ تفنن
اب اپنی تو بولی میں کچھ اشعار کہہ انشا ہو جس میں ظرافت

۱۰۱

ہے نامِ خدا، واچھڑے کچھ زور تماشا، یہ آپ کی رنگت
گات ایسی غضب، قہر پھبن اور جھمکڑا، اللہ کی قدرت

میں نے جو کہا ہوں میں ترا عاشقِ شیدا، اے کانِ ملاحت
فرمانے لگے ہنس کے سنو اور تماشا، یہ شکل یہ صورت!

---

[1] ہنیئاً و مریئاً = رچے پچے، مبارک ہو۔

[2] آزاد فقیر اپنے ماتھے پر ایک کھڑا خط کھینچا کرتے تھے جس کو وہ "الف اللہ" کہتے تھے۔ یہ ساری غزل آزاد فقیروں کی اصطلاحات و محاورات سے بھری ہوئی ہو جس کا اشارہ مقطع میں بھی ہو [بنؤ ق: "تم بھی نہ گرو پیر و بنو"۔ ق ۳: تم تو جی گرو پیر د بنو۔]

+ ق ق ۲: "صدارا" جو "خدارا" کی تصحیف ہو۔ ق ۳: "ای برہمن بتکدہ عشق است شمارا"۔

[3] خنکا = بھنگ گھونٹنے کا سونٹا۔ "گاڑھے ہیں ہم اس سے بھی" یعنی ہم اس سے بھی طاقت میں بڑھ کر ہیں۔

(ق، ق ۲: "سونٹے کو ہلا کر" دوسرا مصرع: "دیتا ہوں گرا کنگرۂ عرشِ معلا، ہے یہاں بھی یہ قدرت" ق ۳ میں یہ شعر نہیں ہو۔

الحاد و تصوّف میں جو تھا فرق بہم یاں اصلا نہ رہا کچھ
پردا جو تعیّن کا محبت نے اُٹھایا* ، کثرت ہوئی وحدت

تاثیر ہر کیا خاک نہیں اُس نجد کی کہہ دے تو مجھ کو تو بارے
ہر پھر کے جو آ نکلے ہر یاں ناقۂ لیلیٰ ، اے جذبِ محبّت

کعبے کا کروں طوف کہ بُت خانے کو جاؤں ، کیا حکم ہے مجھ کو
ارشاد مرے حق میں بھی کچھ ہووے گا آیا ، اے پیرِ طریقت

ہوں پرتوِ روح القدس اِس عہد میں میں بھی عیسیٰ کی طرح سے
یوں چاہیے بیساختہ رہبانِ کلیسا ، میری کرے بیعت

آئے جو میرے گھر میں وہ شب راہِ کرم سے میں ہونے دی کُنڈی
مُنہ پھیر لگے کہنے تعجب سے کہ یہ کیا ! ایں ! تیری یہ طاقت

لوٹا کریں اس طرح مزے غیر ہمیشہ ٹک سوچو تو دل میں
ترسا کرے ہر وقت یہ بندہ ہی تمھارا ، اللہ کی قدرت

دیوار چمن پھاند کے پہونچے جو ہم اُن تک ، ایک تاک کی اوجھل[۱]
ترساں ہو یہ فرمانے لگے کوٹ کے ماتھا ، اے وائے فضیحت

خورشید چھپا سانجھ ہوئی شیخ جی صاحب ، اب دیکھیے کیا ہو
چڑیوں نے لیا آکے درختوں پہ بسیرا ، چوں چوں کر وحضرت[۲]

لے برق کی زنجیر کو ٹک سونڈ میں اپنی ، اے ابر کے ہاتھی
سیندور لگا ماتھے پہ اِس رنگِ شفق کا ، با عظمت و شوکت

چل آٹھوں کے میلے کی ذرا دید کریں ہم ، ہر سیر کی جا گہ
سم بیٹھ چڑھا یاروں کو پھر مسل رکد دا ، مت رعد کی سُن وھت[۳]

---

* ن " پردا جو محبت نے درِ دل سے اٹھایا"۔

[۱] تاک کی اوجھل = یعنی درخت انگور کی ٹٹی کی آڑ میں۔

[۲] [ق ، ق ۲ : " سانجھ ... جی" ۔ ق ۴ : " شام .... جیو"] چوں چوں کر وحضرت یعنی جناب شیخ جی صاحب خوش فعلیاں کیجیے ۔ گائیے ناچیے ۔

[۳] مَیل ، وھت ، رکد دا ، فیل بانوں کی اصطلاحات ہیں ۔ [ق : " اکدا " ۔ ق ۲ : " اکدّا " ۔ ق ۳ : " اگد دا "] ۔

شب مجلس ہولی میں جو وارد ہوا زاہد، رندوں نے لپٹ کر
داڑھی کو دیا اُس کی لگا بذرِ قطونا[۱]، اور بجنے لگی گت
تب مغبچے کہنے لگے ٹک پر لو[۲] ناچو، رکھو ناک پہ انگلی
اور "آئے جی آئے" سے بُرا مانے سو بھڑوا ہی موسمِ عشرت
کشمیری معلم کو جو ایک طفل نے ناگہ، انگور کے دانے
لا کر دیے اور اُن سے کہا کھائیے میوا، ہر قسم ولایت
بھے میں تکشمر کے مقطّع ہو یہ بولے، اشاگرد سے اپنے:
"چل سامنے میرے سے اُٹھا کر انھیں لے جا اِن میں نہیں لذت"[۳]
لے ساتھ اگر ناک ہو بَر رُو جیسی تجھ کو، سو کوڑی کو دس ہو
بابا یہ تہ کیا ہو یہ چھٹا رانٹ ہو اس کا، کانا تو پسے مت[+]
اب اور ردیف اور قوافی میں غزل پڑھ لیکن اسی ڈھب کی
تا شاعروں کے آگے ہو اس بزم میں انشا ظاہر تری شوکت

(۱۰۲)

چرخ اِسے کہہ مت یہ ہو نسجِ لعابِ[۴] عنکبوت
ہر ستارے کو سمجھ چشمِ ذُبابِ عنکبوت
مکھیاں مکڑی کے جالے میں نہ جس دم آپھنسیں
ہو دہی دن فی المثل یوم الحساب[۵] عنکبوت
مست ہو کے پھول جاویں کیوں نہ مستسقی نمط
سُرخیِ خونِ مگس ہو ہی شرابِ عنکبوت
مرحبا جرأت کو تیری اے مگس، صد آفریں
بل بے بھنّاٹے ترے اور پیچ و تابِ عنکبوت
عالمِ تزویر میں ہو شیخ جو صاحب کی ذات
مقتدای و مرشدِ عالی جنابِ عنکبوت

---

[۱] بذرِ قطونا = اسپغول۔

[۲] پرلو = ایک قسم کا ناچ ہو۔ [ق ۲ میں یہ اور اس کے آگے کے دو شعر نہیں ہیں اور ق ۳ میں ان کے علاوہ مقطع بھی نہیں ہو]۔

[۳] یعنی اِنھیں اُٹھا کر لے جا۔ اِن میں لذت نہیں ہو (ق، ق ۲: اٹھا کر انھیں لے جا اِن "۔) + یعنی اسے تو مت کھانا۔

[۴] یعنی مکڑی کا جالا۔ چشم ذباب یعنی مکھی کی آنکھ۔

[۵] یوم الحساب = یعنی قیامت کا دن، موت کا دن۔

مکھیاں[۱] ماری پڑیں جالے لگے ڈاڑھی کے بیچ ہو بڑے جی آپ پر یہ سب عذابِ عنکبوت

بیکلی انشاؔ کو یہ ہو دھیان میں اُس خال کے

بے مگس ہو جس طرح سے اضطرابِ عنکبوت †

(۱۰۳)

کیوں میاں، بلند رتبہ سرِ راہ کے درخت ہیں کیسے سایہ دار میری آہ کے درخت

جو چھوٹے چھوٹے پودے لگائے تھے خیر سے نامِ خدا ہوئے وہ سرِ راہ کے درخت

کیوں چتر دار سایہ ہو اُن کا نہ اے نسیم بوٹے ہوئے جو ہو ویں کسی شاہ کے درخت

الفت نہ کس طرح سے بہم ہو کہ ہم غریب اللہ کے فقیر، یہ اللہ کے درخت

انشاؔ غزل یہ میں نے پڑھی جس مکان پر

واں سے بھرے بھبھوتے[۲] اُگے واہ کے درخت #

ردیف (ٹ) ٭

(۱۰۴)

لینے جو بلائیں لگے ہم آپ کی چٹ چٹ، تو بول اُٹھے جھٹ

چل جا ابے، رے واؤ زبر زُد، ہو پرے ہٹ، ہے سب یہ بناوٹ

اِن آنکھوں کو میں حلقۂ زنجیر کروں گا، ایسا ہی بلا ہوں

چھوڑوں ہوں کوئی آپ کے دروازے کی چوکھٹ، جب تک نہ کھلیں پٹ

---

[۱] ان دو شعروں میں "شیخ جیو صاحب" سے بہت مذاق کیا ہے۔ شاعر کہتا ہے کہ دیکھو لمبی داڑھی والے شیخ صاحب جو اپنی داڑھی کے جال میں لوگوں کو پھانسا کرتے ہیں انھیں کی تقلید میں مکڑی بھی اپنے جالے میں کر زر مکھیوں کو پھانستی ہے تو گویا شیخ صاحب مکڑی کے مقتدا پیر و مرشد ٹھہرے۔ † یہ غزل قلمی نسخوں میں نہیں ہے۔ بڑے جی یہ جناب من۔

[۲] بھرے بھبھوتے۔ کثرت سے، بہتات سے۔ واہ کی پھلیاں مشہور ہیں۔ # یہ غزل قلمی نسخوں میں نہیں ہے۔
٭ [ن ۳ میں ٹ کی ردیف نہیں ہے]۔

مرجائے لہو چاٹ[1]، نہ گونگا ہو وہ کیوں کر، جو شخص کہ دیکھے
سرخی تری آنکھوں کی، اور ابرو کی کھنچاوٹ، سرمے کی گھلاوٹ

ہے معدنِ انوارِ الٰہی دلِ عاشق، سوچو تو عزیزو
اس چھوٹی سی جاگہ میں یہ وسعت، یہ سماوٹ[2]، اللہ رے جگمٹ

کیا پھبتی ہے اے نام خدا دا چھڑے آہا، ہونٹوں پہ تمھارے
اک بوسے کے صدمے سے دھواں دھار، نہلاہٹ مسّی کی ادا، ہے سٹ

میں روپ بدل اور ہی چپکے سے جو پہنچا بیٹھے تھے جہاں وہ
سن کہنے لگے میرے دبے پانوں کی آہٹ، ہے ایک تو نٹ کھٹ

تھی گرم یہ کچھ مجلسِ مے رات کہ ساقی، سب کہتے تھے زاہد
ہے توبہ شکن آج صراحی کی غٹا غٹ، بھلّا رے جماوٹ

اے واہ رے بالیدگی اور چپئی رنگت، یہ گات، یہ سج دھج
اور جامۂ شبنم کی یہ چولی کی پھنساوٹ، بازو کی گولاوٹ[3]

مت چھیڑ و مجھے دیکھو ابھی کہنے لگو گے، اچھا کیا تم نے
چولی مری ٹکڑے ہوئی دامن بھی گیا پھٹ، لگ جائے گی پھر رٹ

ہے نورِ بصر مردمکِ دیدہ میں پنہاں، یوں جیسے کنھیّا
سو اشک کے قطروں سے پڑا کھیلے ہے جھرمٹ، اور آنکھوں میں پنگھٹ[4]

اے عشق اجی آؤ، مہاراجوں کے راجا، ڈنڈوت ہے تم کو
کر بیٹھے ہو تم لاکھوں کروڑ دل ہی کے سر جٹ، اک آن میں جھٹ پٹ

پھرتا ہے سماں آنکھوں میں اب تک وہی انشاؔ ہے ظالم، ارے کیوں
باہم وہ لپٹ سونے میں آجاوے رکاوٹ، وہ پیار کی کروٹ

---

[1] ق، ق ۲ ٭ لہو چاٹ ۔ (گونگا ہونے اور سرمے کی گھلاوٹ میں اور آنکھوں کی سرخی اور لہو چاٹنے میں رعایتیں ظاہر ہیں۔
[2] سماوٹ یعنی سما جانے کی قوت یہ لفظ نیا ہے۔ جگمٹ : یعنی حسن و خوبصورتی کا مجمع۔
[3] شبنم مثل ململ کے ایک مہین کپڑا۔ گولاوٹ : یعنی گول اور پُر گوشت ہونا۔
[4] نورِ بصر کو کنھیا سے، آنکھوں کو پنگھٹ سے کیا خوب تشبیہ دی ہے۔

وہ سیج بھری پھولوں کی مخمل کے وہ تکیے کمخاب کی پوشش[۵۱]
پردے وہ تمامی کے وہ سونے کے چھپر کھٹ، اور اُس کی سجاوٹ

(۱۰۵)

کھول آغوش نک اجسادِ اسیراں سے لپٹ | کہ اسی دھن میں موئے ہیں درِ زنداں سے لپٹ
یوں گئے لختِ جگر دیدۂ گریاں سے لپٹ | جوں پتنگے رہیں بارش میں چراغاں سے لپٹ
تب تجھے جانیں ہم اے مردُمکِ دیدہ، کہ تو | خال کے روپ سے جائے لبِ جاناں سے لپٹ
گر یہ چھٹنے کی خبر سچ ہو تو قیدی تیرے | خوب سے روویں گے دروازۂ زنداں سے لپٹ
دسترس ہو دلِ صد چاک کو اپنے تو ابھی | جاوے جوں شانہ جھٹ اُس کاکلِ پیچاں سے لپٹ
لہر کھانا یہ کناری[۵۲] کا نہیں رقص کے وقت | کوندتی ہر پڑی بجلی ترے داماں سے لپٹ
بابِ پنجم کی حکایت جو خوش آئی تو وہ طفل | کھول آغوش گیا اپنی، گلستاں سے لپٹ
لے گئی وادیٔ مجنوں میں جو وحشت ناگاہ | خوب سا روئے ہم اشجارِ بیاباں سے لپٹ
اب تلک دَو[*] میں وہ بانگِ انا لیلیٰ، گویا | لہر لیتی ہے پڑی دشتِ مغیلاں سے لپٹ

غزل ایک اور بھی کہنی ہے[+] تو کہہ ڈال انشاؔ
سر جھکا فکر میں جا اپنے گریباں سے لپٹ

(۱۰۶)

اُٹھ نہ اے دودِ جگر ابرِ بہاراں سے لپٹ | رعد ہو، صاعقہ ہو، برقِ درخشاں سے لپٹ
یاد میں اُس قدِ رعنا کی بھری میں نے جو آہ | وہیں وہ آہ گئی سروِ گلستاں سے لپٹ

---

[۵۱] پوشش = پلنگ پوش ۔ (ق ۲: "کا چھپر کھٹ")

[۵۲] کناری = زر تار مہین کپڑا جس کی پشواز رقص کے وقت پہنی جاتی ہو۔

[*] ق ۱، ق ۲ میں اس طرح ہے: "دَوّ" (دَ کے زبر، وَ کی تشدید سے) عربی میں بیابان یا ریگستان کو کہتے ہیں۔ مطبوعہ نسخوں میں مصرع اس طرح بدل دیا گیا ہے: "قیس کی روح نسیمِ سحری کی صورت"۔ [+] ق ۲: "کہتے ہیں"

دیکھتے ہی اُسے کچھ جی جو بھر آیا، اللہ! — ہم بھی کیا رو دئیے ہیں گل بلبلِ بُستاں سے لپٹ

پاسباں چاند رہا تا بہ سحر چاندنی میں — رات جو سو رہے ہم اُس مہِ تاباں سے لپٹ

وادیِ نجد میں جب ناقۂ لیلیٰ گذرا — اُٹھ کے ایک شعلہ گیا پائے حُدی خواں[1] سے لپٹ

بید ماتم میں نہ کیوں بال بکھیرے اپنے — قیس صحرا میں موا ہو، جو مغیلاں سے لپٹ

سیرِ فردوس جو مطلوب تجھے ہو، اے دل — تو نہ روح القدس و دامنِ رضواں سے لپٹ (ق)

کسوتِ خاک میں تو کھول کے بازو اپنے — دوڑ دروازۂ سلطانِ خراساں[2] سے لپٹ

تیسری اور دھواں دھار پڑھ اِنشاؔ وہ غزل
کہ دھواں جس کا رہے گنبدِ گرداں سے لپٹ

۱۰۷

چٹ گیا ناقۂ لیلیٰ جو مغیلاں سے لپٹ — قیس نے قہر کیا بیدِ بیاباں سے لپٹ

آشنائی ہو کچھ افتادگیِ دل سے، تو آ — اشکِ رخسارۂ طفلانِ یتیماں سے لپٹ*

دیکھ مدفن کو شہیدوں کے ذرا رو تو، پھر — کھول آغوش ٹک اک گورِ غریباں سے لپٹ

شمسِ تبریز ہمارا یہ جگر کا ہے داغ — رہتے ہیں جس سبب اُس مہرِ درخشاں سے لپٹ (ق)

مولوی روم نہ کیوں نعرہ ہوا پنا کہ وہ جھٹ — شعلہ ہوتا ہے دلِ صاحبِ عرفاں سے لپٹ

بُشنو از نے کی اونچ ایسی ہی لی گرما گرم — کہ بس اِک آگ گئی سارے نیستاں سے لپٹ

ہمنشیں اُن کے ہنسانے کا جو ہو قصد، تو اُٹھ — جھاگ سے منہ سے نکال اپنے تو یاراں سے لپٹ

لڑکھڑاتے ہوئے اور منہ کو بناتے ہوئے خوب** — سانگ لا آج تو تو زمرۂ مستاں سے لپٹ

کہ بہ تبدیلِ قوافی غزل، اِنشاؔ، ایک اور
رستمی اپنی دکھا طبعِ سخنداں سے لپٹ

---

[1] حُدی خواں = جب اونٹ پر کوئی طویل سفر کیا جاتا ہے تو ایک شخص راستہ کاٹنے کے لیے کچھ خاص نغمے گاتا جاتا ہے جن کو حدی کہتے ہیں۔

[2] سلطانِ خراساں : یعنی امام رضا علیہ السّلام۔

* ق ۲ میں یہ شعر نہیں ہے۔

** ق، ق ۲ : "اور منہ مرالیوں کرتے ہوئے"

(۱۰۸)

سانپ سی زلف گئی اُس کے جو گھونگھٹ سے لپٹ
پیچ کر میرے گلے شب وہ گیا جھٹ سے لپٹ +

کھول آغوش، نہ لو مجھ سے رُکاوٹ سے لپٹ
اب جو لیٹا ہی تو آ، پیار کی کروٹ سے لپٹ

اُس نے سر اپنا دُھنا، دیکھ شگافِ در سے
کر کے غش رہ گئے ہم اُس کی جو چوکھٹ سے لپٹ

دھوم یہ بادہ کشوں کی ہے کہ مے خانے میں
مست جاتے ہیں صراحی کی غٹاغٹ سے لپٹ

جوں گلی میں مجھے آتے ہوئے دیکھا تو وہ شوخ
اپنی چوکھٹ سے اُچک، جھٹ سے گیا پٹ سے لپٹ

شیخ سے عید کو کیوں آپ ہم آغوش ہوئے
کوئی جاتا ہے بھلا ایسے بھی کھوسٹ سے لپٹ

جس کو کہتے ہیں تڑاقے* کی پھبن، سو ظالم
رہ گئی ہے تری چولی کی پھنساوٹ سے لپٹ

بیس ڈال آج تو میرے بھی پھپھولے دل کے
آ، نہ آ، مجھ سے بھی ٹک ایسی سجاوٹ سے لپٹ

دھم سے ہم دونوں گرے فرش پہ اِس ڈپ کی رات
رہ گیا اُن کا دوپٹا بھی چھپرکھٹ سے لپٹ

چوٹ کھا کر لگے کہنے کہ اگر ایسے ہی
ہو کلّا[۱] کھیلنی تجھ کو، تو کسی نٹ سے لپٹ

رعد کے ساتھ ہے انشاؔ مرے نالے کا وہ روپ
جیسے گتھ جاتے ہیں سم دُون[۲] میں ترِوٹ سے لپٹ

✣ (۱۰۹)

لگی غلیل سے ابرو کی، دل کے داغ کو چوٹ
پڑی ایسی ہے کہ لگے تڑ سے جیسے زاغ کو چوٹ

ہماری آہ سے اغلب کہ لگ گئی ہو گی
کسی کے سینۂ دیوارِ خانہ باغ کو چوٹ

بتا کہ حال ترا کیا ہوا اے نسیمؔ، اگر
خدا نخواستہ پہونچے کسی ایاغ کو چوٹ

+ ق، ق ۲ میں یہ شعر بھی ہے جو مطبوعہ نسخوں میں نہیں۔

* ق: "ظرافت" کے بجائے "تڑاقے"؛ ق ۲: "کس کو کہتے ہیں ظرافت کہ نہیں ہو ظاہر"

[۱] کلّا کھیلنا = سر کے بل کھڑے ہونا جیسے نٹ تماشا کرتے ہیں۔

[۲] سم، دُون، ترِوٹ موسیقی کی اصطلاحیں ہیں۔ سم وہ مقام ہے جہاں لَے ختم ہو، دُون طبلے کی تیز رفتار کو کہتے ہیں۔ ترِوٹ شکل ترانے کے ہے

✣ یہ غزل قلمی نسخوں میں نہیں ہے۔

خروشِ نعرۂ دل سے یہی تو دھڑکا ہے — مبادا جا کے لگے جانِ سیغ و داغ[1] کو چوٹ
کسی کے گھر کو اندھیرا نہ کر، خداوندا! — کسی طرح کی نہ پہونچے کسی چراغ کو چوٹ
گرے جو وجد سے عشرت کے شیخ جیو تو لگی — کمال شانۂ ملا ابوالفراغ[2] کو چوٹ
ہمارے نالے پر اہلِ چمن تو لوٹ گئے — بلا سے گر نہ لگی کلسرے کلاغ[3] کو چوٹ
قصور اس میں میاں تانسین کا کیا ہے — نہ پہنچے اُن کے جو گانے سے کچھ الاغ[4] کو چوٹ

یہ سوچ ہے کہیں انشا نسیم سے نہ لگے
شمیمِ نرگسِ بیمارِ کم دماغ[5] کو چوٹ

ردیف (ٹ)

(۱۱۰)

جس کو کچھ دُھن ہو کرے ہم سے حقیقت کی بحث — کہ ہمیں جانتے ہیں اہلِ طریقت کی بحث
قاضیا! ہاتھ بڑھا، شیشۂ صہبا کو اُتار — طاقِ نسیاں پہ تو رہنے دے شریعت کی بحث
کر دیا مجتہدِ وقت کو قائل جھٹ پٹ — ہم نے مسجد میں کل ایسی ہی قیامت کی بحث
بزمِ رندانہ میں کیا زہد و ورع کا چرچا — شیخ صاحب یہ بہت ہے تو حماقت کی بحث

بو علی ساتھ کوئی بولتے انشا کو سُنے
زور رہوتی ہے بہم اہلِ بلاغت کی بحث

(۱۱۱)

بیٹھے جہاں ہیں غیر سب مجھ کو بلاتے ہو عبث — دل کو کڑھا کر، اور بھی جی کو جلاتے ہو عبث

---

[1] سیغ و داغ = یعنی سیاہ و سفید۔ [2] ملا ابوالفراغ = ایک مذاقیہ اور فرضی نام معلوم ہوتا ہے۔
[3] کلاغ۔ کوا (کلسرا = کالے سر والا) [4] الاغ = بیگاری جانور۔ مراد ہے کسی گھامڑ بےحس آدمی سے۔
[5] کم دماغ = نازک دماغ۔ مغرور۔

شب کو کدھر تھے مہرباں، دیکھو اِدھر تو آنکھ بھر
اپنی نظر میں ہو سُنا ہم سے چھپاتے ہو عبث
سیکھی یہ تم نے وضع ہے پیارے عجب ہی ان دنوں
کیسے کبھی جو بات بھی، غصہ ہو جاتے ہو عبث
آتے ہی کہہ کر اُٹھ چلے، آویں گے ہم پھر اور دن
کن نے بلایا تھا تمھیں، یوں ہی تم آتے ہو عبث
مہر و وفا کے عہد گو تم نے سب انشاؔ سے کیے
جانے ہے وہ تو خوب سا، باتیں بناتے ہو عبث

ردیف (ج)

۱۱۲

ہاتھ آوے کس کے آپ سے عیّار کا مزاج
ہے ان دنوں کچھ اور ہی سرکار کا مزاج
فضل خدا سے خیر، بہر حال شکر ہے
کیا پوچھتے ہو مجھ سے دلِ افگار کا مزاج
اب خیر و عافیت تو لگا مجھ سے پوچھنے
اتنا تو بارے نرم ہوا یار کا مزاج
حضرت سلامت آپ سے میں بولتا نہیں
کیا پوچھتے ہو مجھ سے گنہگار کا مزاج؟
کس طرح دخل پایئے کیا کیجے، کیا نہیں
ملتا نہیں ہے ترکِ ستمگار کا مزاج
چھپ چھپ کے کر نظارہ، خبردار اس طرف
بگڑے نہ تا کہ قاتلِ خونخوار کا مزاج
انشاؔ کہیں تو آنکھ ملا کر نہ دیکھیو
نازک ہے اُس کی نرگسِ بیمار کا مزاج

۱۱۳

(بطرز جرأت)

جو بات تجھ سے چاہے ہے اپنا مزاج آج
قربان تیرے کل ہی نہ ٹال آج آج آج
دہکے ہے آگ دل میں پڑی اشتیاق کی
تیرے سوائے کس سے ہو اس کا علاج آج
ہر نوع نوج غمزہ و انداز تیرے ساتھ
اقلیمِ ناز کا ہے تجھے تخت و تاج آج

تیرا وہ حُسن ہی کہ جو ہوتا تو بھیجتا یوسف زمینِ مصر سے تجھ کو خراج آج
خوبانِ روزگار مقلّد ترے ہیں سب جو چیز تو کرے سو وہ پاوے رواج آج
آبِ زلالِ وصل سے اندوہِ دردِ ہجر ناپید گھل کے ہو ہی گیا مثلِ زاج[1] آج
اِنشاؔ سے اپنے اور یہ اِنکار حیف ہی
لایا ہی وہ کبھی نہ کبھی احتیاج آج

(۱۱۴)

سبز خط میں ترے تل ہیں وہ ظلمات کے بیچ دل گیا جن کے سبب لینے سقرلات کے بیچ
مزرعِ یاس سے حاصل ہوئے ہنگامِ درو داغ کے پھول، پھل افسوس کے، ہیہات کے بیچ
گر سحابِ مژہ اپنا نہ برستا اے ابر تو نہ اُگتے کبھی اقسامِ نباتات کے بیچ
ہنس کے پستے نہیں بخشے مجھے تم نے، گویا بو دیے کشتِ محبّت میں مُدارات کے بیچ
تارے دو چار جو آتے ہیں نظر اوّلِ شام چھِٹکے ہیں کشتِ فلک بیج یہی رات کے بیچ
بوئے جو دانۂ اشک، اُس کی ہری کھیتی ہیں یہی اپنے تو نزدیک عبادات کے بیچ
رو کے اِنشاؔ نے دکھا دی مجھے لاہوت کی سیر
تھے مگر تخمِ سرِ شک اُس کی کرامات کے بیچ

ردیف (ج)

(۱۱۵)

نہ فقیروں کے جان دا ہی خرچ او میاں اُن کے ہیں اِلٰہی خرچ
لے درم ہائے چند داغ ہی ساتھ ہی یہ بس تجھ کو مُزدِ راہی خرچ*

---

[1] زاج = پھٹکری۔

* ق ۲: ”لے درم چند داغ ہیں یہ ساتھ“۔

نہ مُنے ہم، اگرچہ اُن نے بہت — کی سماجت میں عذر خواہی خرچ
تم سے ہم یوں اڑے ہیں بوسے پر — مانگتے جیسے ہوں سپاہی خرچ
ہیں سلیماں[۱] کے نوکر، اے انشا
کیوں نہ اپنے ہوں پادشاہی خرچ

(۱۱۶)

بن کے وہ برقِ نگہ ابروے خم دار کی آنچ — یوں کہے ہے کہ بُری ہوتی ہے تلوار* کی آنچ
اینڈتا کیوں نہ پھرے وادیِ ایمن میں پڑا — جس نے جھیلی ہو+ ترے لمعۂ انوار کی آنچ
دوست دارانِ علی ہوویں جو اشخاص اُن کو — دخل ہے یہ کہ کرے مس لہبِ[۲] نار کی آنچ؟
ہفت دوزخ کو جلا ڈالے غرض ہے وہ شے — آتشِ دوستیِ حیدرِ کرار کی آنچ
لن ترانی بجوابِ ارنی کیسے اُٹھی — ق جب دھواں دھار ترے شعلۂ رخسار کی آنچ
تو مجھے دیکھ کے بیہوش پڑے کیوں نہ بھلا — "خرّ موسیٰ صعقا" آہ شرر بار کی آنچ
پھونک مت مجھ کو، پرے بیٹھ کے رو، اُف انشا
شمع کی لو ہے ترے دیدۂ خونبار کی آنچ

(۱۱۷)

امرد[۳] ہوئے ہیں تیرے خریدار چار پانچ — دے ایسے اور حق مجھے اغیار چار پانچ
جب گدگداتے ہیں تجھے ہم اور ڈھب سے تب — سہتے ہیں گالیاں تری ناچار، چار پانچ
تنہا نہ ہم ہی در سے ترے لگ رہے ہیں، یار! — ہیں اور بھی کھڑے پسِ دیوار چار پانچ

۱ے یعنی شاہزادہ سلیمان شکوہ۔

* ق ۲: "تروار" — + ق ۲: جس نے دیکھی ہو۔

۲ے لہب نار = شعلۂ آتش

۳ے امرد = بے ریش دبروت۔

کل جوں کہا کہ ٹک تو ٹھہرئیے تو بولے آپ ۔۔۔ ہیں منتظر مرے سرِ بازار، چار پانچ
او جانے والے شخص ٹک اک مڑکے دیکھ لے ۔۔۔ یاں پر تڑپ رہے ہیں گنہگار، چار پانچ
صیاد لے خبر کہ دیا چاہتے ہیں جان ۔۔۔ کنجِ قفس میں تازہ گرفتار، چار پانچ
میاں ہم بھی کوئی ٹھہرے ہیں جب دیکھو تب نئے ۔۔۔ بیٹھے ہیں اپنے پاس طرحدار، چار پانچ
جیسے سے تم جو کہتے ہو ہیں اپنے آشنا ۔۔۔ شعلے بھبوکے اور دھواں دھار، چار پانچ
ہر ایک اُن سے شوخ ہو کیا خوب بات ہو ۔۔۔ لگ جائیں تیرے ہاتھ جو یکبار، چار پانچ
تو اُن کو چاہ، چھوڑ مجھے واچھڑے چہ خوش ۔۔۔ رکھتے* ہیں میرے واسطے دلدار، چار پانچ؟
ہر کام ایک ہی سے، وہ چولھے میں سب پڑیں ۔۔۔ صدقے کیے تھے دیئے ہوں نی اتار، چار پانچ
صاحب تمھیں، تمھیں نہیں ہرگز نہیں نہیں ۔۔۔ مجھ کو نہیں نہیں نہیں درکار، چار پانچ
میر و قتیل و مصحفی و جرأت و مکیں ۔۔۔ ق ۔۔۔ ہیں شاعروں میں یہ جو نمودار، چار پانچ

سو خوب جانتے ہیں کہ ہر ایک رنگ کے
انشا کی ہر غزل میں ہیں اشعار، چار پانچ

ردیف (ح)

*

۱۱۸

(بطرزِ مصحفی)

ہر شبِ وصل، کھلے کاش نہ دروازۂ صبح ۔۔۔ کم نہیں شورِ قیامت سے کچھ آوازۂ صبح
دیکھ عارض کو ترے ہو عرقِ شرم میں غرق ۔۔۔ شستہ شبنم سے نہیں روئے تر و تازۂ صبح
جامِ خجلت کنِ خورشید[1] ہمیں دے ساقی ۔۔۔ دیکھ برہم زنِ مستی ہے یہ خمیازۂ صبح

---

* ق: "رکھتے"۔ ق ۲: "رکھتے"۔

* یہ اور اگلی غزل ق ۳ میں نہیں۔

[1] جامِ خجلت کنِ خورشید = یعنی ایسا جام جو چمک میں آفتاب کو بھی شرمندہ کردے۔

کب مقابل ترے مکھڑے کے ہو، گو بادِ سحر | عارضِ گل پہ ملے لاکھ طرح غازۂ صبح
کیوں نہ مجنوں صفت اب روئیے، وہ دیکھ چلا | لے کے لیلائے شبِ وصل کو جمّازۂ صبح [1]

آنہ انشا کہیں اِس رنگ میں تو بھی مل جا
جیبِ گل چاک ہو گلشن میں باندازۂ صبح

۱۱۹

کریم جلد کرم کر ہو مزاج صحیح [2] | برنگِ نرگسِ بیمار ناتواں ہوں صریح
نسیمِ فضل و کرم میں تری وہ ہو بو باس | نہ پہنچے گرد کو جس کی کبھی شمیم مسیح
بسانِ بید مرے بند بند جکڑے ہیں | وفورِ درد یہاں تک کہ ہوں بشکل سطیح [3]
نگرگ کے نمط اب بس گُھلا ہی جاتا ہوں | بوضعِ برگ کے ہوں فرشِ نعش بصد سِیح
نفس کو تنگ کیا ہے حرارتِ دل نے | ہلا دے مروحہ [4] لطف تک سپے ترویح
یہ جانتا ہوں کہ عاصی نہیں کہیں مجھ سا | کیا زمانے میں، واللہ، خوب سا تنقیح
بربِ کعبہ کہ ہضماً لنفسہ [5] یہ بات | نہیں میں اپنے خصائل کو جانتا ہوں صریح
رہا ہمیشہ سروکارِ فسق سے مجھ کو | جو چیز ظاہر و باہر ہو اس کی کیا تصریح
بلہو و لعب کٹی عمر، طبع تھی مائل | کبھی بحسنِ ملیح و کبھی برنگ صبیح

---

[1] جمّازہ = تیز دوڑنے والی اونٹنی۔ جمّازۂ صبح۔ یعنی آفتاب۔

[2] یہ قطعہ بند غزل ایک تاریخی اہمیت رکھتی ہے اس سے انشا کی علالت کا حال جس کے اثنا میں غالباً یہ غزل کہی گئی ہوگی) تیز جولانی کی بسا عتد الیاں اور اُسی کے ساتھ اپنے درس و تدریس اور مشاغل شعر و شاعری کے بھی مختصر حالات بخوبی معلوم ہو جاتے ہیں اور مرض کی بھی پوری کیفیت کا پتا لگتا ہے یعنی (۱) اُن کے بند بند جکڑ گئے تھے (۲) بہت دبلے اور اس قدر کمزور ہو گئے تھے کہ بدن میں رعشے کی سی کیفیت پیدا ہو گئی تھی (۳) حرارتِ قلب سے بہت پریشان تھے (۴) کسی چمکدار درد میں مبتلا تھے جس سے خیال یہ کرتے تھے کہ مفاصل میں پیپ یا کوئی مادّہ فاسد جمع ہو گیا ہے۔
آخر میں واسطے مروے کے صدقِ دل سے دعا کرتے ہیں کہ خداوند مجھے شغلِ کامل جلد عطا کر اور فلاں فلاں دوائیں پینے کی نوبت کبھی نہ آئے۔

[3] (چپٹ لیٹا ہوا تھا۔ یکر زخمی یا بیمار آدمی سطیح ایک کاہن کا نام بھی ہے جس کے بدن میں ہڈی نہ تھی)

[4] مروحہ = پنکھا۔ ترویح = راحت، تسکین۔

[5] ہضماً لنفسہ = نفس کو دھوکا دیکر یعنی کسرِ نفسی یا جھوٹ اور بناوٹ سے۔

ہزار مرتبہ میں کرچکا بتوں کے نثار
یہ دلق و جبّہ و دستار و خرقہ و تسبیح

فراغ اُن سے جو حاصل ہوا تو پیشِ نظر
رہی مطوّل و توضیح و سُلّم و تلویح[1]

گھے تھی زیچ اُلغ بیگ ہاتھ میں میرے
مطالعے میں سطرلاب[2] کی گئے تسطیح

کسی کی ہجو کبھی فارسی میں گر میں نے
قصیدۂ عربی میں کسی کی کی تمدیح

لغاتِ غامضہ[3] وہ بولنے تشخّص ساتھ
کدھر ہیں اب وہ کہاں فہم و علم و نطقِ فصیح

فسادِ لقمۂ تنک سے نہ تھا مجھے پرہیز
علیل اس لیے اب ہوں بہ اکلِ خبزِ شحیح[4]

غرض عمل میں نہ آئی کبھی وہ شے یارب
کہ جس سبب ہو امورات دین کو توشیح

سوائے تیرے وہ کب کسی کو سمجھوں ہوں
محمدی ہوں نہیں تابعِ سطیح و نطیح

طرقِ شفا کے اشارات[5] میں جو ہیں تیرے
کہاں سدیدی و قانون ہیچ یہ توضیح

ہوئے ہیں منتشر اوراقِ نسخۂ صحت
حکیمِ مطلق و شافی ابھی سے ہو تصحیح

چمک یہ وجع میں محسوس ہر مری کہ خیال
کرے ہر یوں کہ مفاصل میں مجتمع ہر قیح[6]

ہوا ہوں ضعف و نقاہت سے اس قدر لاغر
کہ جس طرح سے مصوّر رگوں کی ہو تشریح

رجوع تجھ سے لے آیا ہوں اے مرے مولیٰ
حصول ایسے مشاغل سے کیا بجز تفضیح

طفیلِ چہرۂ نورانیِ رسول اللہ
بہ یُمنِ مہرِ نبوت بہ لمعِ حُسنِ ملیح

بہ سوزِ سینۂ خیر النساء شفیعۂ خلق
ملائک آتے ہیں جس کے پئے طوافِ ضریح

مجھے ائمۂ اثنا عشر کے واسطے بخش
جنھوں کو جملہ خلائق پہ تو نے دی ترجیح

علی الخصوص برائے حسین ابن علیؑ
کہ تیری راہِ رضا میں ہوا قتیل و ذبیح

---

[1] یہ چار عربی کی مشہور درسی کتابیں ہیں۔

[2] سطرلاب یا اسطرلاب = ایک سطح آلہ جس سے ستاروں کی بلندی وغیرہ ناپتے تھے۔

[3] لغاتِ غامضہ = مشکل الفاظ۔

[4] خبز = روٹی۔ شحیح = کنجوس۔ خبزِ شحیح = کنجوس کی روٹی یعنی بہت تھوڑی۔

[5] شفا اور اشارات دو معنین استعمال کئے ہیں۔ شفا، اشارات، سدیدی اور قانون، یہ چار مشہور طبی کتابوں کے نام ہیں۔

[6] قیح = پیپ۔

شفا تصدّقِ بیمارِ کربلا[1] ہو مجھے
سحابِ لطف کو کر حکم تا کرے ترشیح

بروحِ حیدرِ صفدر مجھے نہ کر محتاج
بہ چوبِ چینی و قیصوم و دوج و عشبہ و شیح[2]

مفرح اپنے شفا خانۂ عنایت سے
شتاب بھیج کہ انشاؔ کو جلد ہو تفریح

(۱۲۰)

تجھ سے یوں یکبار توڑوں کس طرح
میں قدم تیرے پہ چھوڑوں کس طرح

گھر سے باہر تو نہ نکلا تا ہنوز
تیرے در پر سر نہ پھوڑوں کس طرح

مے سے تائب تھا، ولیکن آج پی*
ہاتھ لگ جاوے تو چھوڑوں کس طرح

آبروے ابریاں منظور ہے
آہ میں دامن نچوڑوں کس طرح

صاف دل کیونکر کروں تجھ سے بھلا
ٹوٹی اُلفت پھر کے جوڑوں کس طرح

شوق سے تو ہاتھ کو میرے مروڑ
میں ترا پنجہ مروڑوں کس طرح

وقت بوسے کے یہ انشاؔ سے کہا
تجھ سے میں پھر مُنہ نہ موڑوں کس طرح

ردیف (خ)

(۱۲۱)

یوں تری خونخوار آنکھوں کا ہے قاتل رنگ سُرخ
صید کے لوہو سے جوں شاہیں[3] کا ہووے چنگ سُرخ

---

[1] بیمارِ کربلا = یعنی حضرت امام زین العابدین۔

[2] یہ پانچوں دواؤں کے نام ہیں۔

* تینوں قلمی نسخے "ربھی"

[3] شاہیں = باز

رہ نوردانِ جنوں کی دولتِ پابوس سے
ہو گئے دشتِ طلب کے سینکڑوں فرسنگ سرخ

خونچکاں آنکھوں کے گر قطرہ گرے ہو کر بہیں [+]
رودِ نیل و دجلہ و شطِّ فرات و گنگ سرخ

موسمِ ہولی میں دیکھا ہم نے کیا ہی لطف واہ!
رنگ سے تیرا ہوا جب طرّۂ شبرنگ سرخ

فائدہ کیا مے سے بکر ہوویں گے اُس کے رنگ کو
غیرت و خشم و حیا و شرم و عار و ننگ سرخ

بادہ نوشی شب کو کی تھی تو نے شاید غیر ساتھ
ہر ترا چہرہ جو کچھ اے طفلِ شوخ و شنگ سرخ

خونِ عاشق آ چڑھا آنکھوں میں اُس قاتل کی آہ!
کر سکے یوں ورنہ کب، اِنشا خمارِ بنگ سرخ؟

*

(۱۲۲)

ہر یاں وہ نخل عشق میں دیوانہ پن کی شاخ
جس سے اُگے نہالِ اُویسِ قرن کی شاخ

سائے میں اپنے سرو خراماں کے دب گئی
وہ نخلِ حسنِ یوسفِ گل پیرہن کی شاخ

دیوِ سفیدِ صبح کے سر پر نظر پڑی
آج ایک رُپہلی اور سنہری کرن کی شاخ

عکسِ ذقن کو سوچ کے بالیدگی سینے کی
پیوندِ نخلِ سیب سے نازک بدن کی شاخ

ہیں سوکھے ساکھے ہاتھ کچھ ایسے ہی شیخ کے
نکلی ہو جیسے کوئی درختِ کہن کی شاخ

بھینسا سُر اپنے حکم میں ایسے ہی بیر ہیں
جو جھٹ سے توڑ ڈالتے ہیں کرگدن[1] کی شاخ

منھ آئیں کس کی آئی یہ ساچق کہ رات کو
جھک جھک پڑی خوشی سے ہر اک گام بن کی شاخ

سونے کے تھے درخت نئے لاکھوں اُن کے ساتھ [ن]
گوٹوں کے پھل تھے تاروں کے پھول اور کرن کی شاخ

اِنشا لگا دے نخلِ غزل میں تو اور شاخ
لیکن وہ شاخ ہو جو بڑی ہو بھین کی شاخ

(۱۲۳)

پھر کاش پھول بیٹھے[3] ہر اک اُس چمن کی شاخ
پھوٹے حمل[2] کے سر سے طلائی کرن کی شاخ

---

[1] کرگدن: گینڈا۔ * یہ اور اگلی غزل قلمی نسخوں میں نہیں۔ [2] حمل یعنی برج حمل۔ ن: ہیں۔ + ق [3]: "ہووے دیں"۔

لیلیٰ کے جھولنے کی جو اُڑتی سی کچھ سُنی — مجنوں بھی خوب جھولے پکڑ کر ہرن کی شاخ
موتی ہی اُگلے پاوے جو نخل انار کا — پیوند نخل شمعِ مرصّع لگن کی شاخ
کنگھی کرے جہاں وہ پری اُس زمین سے — نکلے بجائے سبزہ غزالِ ختن کی شاخ
بادل بھی آکے شوق سے جھولا کریں جو ہو — اِس آم کے درخت میں ایک لاکھ من کی شاخ
خوبی جو اُس کے ساعدِ سیمیں کی دیکھ پائے — تو پھونک دیوے آتشِ گل یاسمن کی شاخ
جوگی جی آپ گلبنِ اسلام میں عبث — پیوند کچھ نہ کیجیے آواگون[1] کی شاخ

انشا ترے نہال سخن کے گلے لگے
نخلِ بلندِ عیسیٰ معجز سخن کی شاخ

ردیف (د)

(۱۲۴)

نہ لگی مجھ کو جب اُس شوخ طرحدار کی گیند — اُن نے محرم کو سنبھال اور ہی تیار کی گیند
دسترس ہو تو ترے سیبِ ذقن کو* ماروں — قرصِ خورشید کی اور لمعۂ انوار کی گیند
جھٹ پلٹ آ[2] جو لگی بیچ میں چھاتی کے ترے — تھی یہ رو کے ہوئے کس محرم اسرار کی گیند
رکھے ہر ماہِ شبِ چار دہم دل میں ہوس — کہ وہ قالب بنے اور ہو ترے دستار کی گیند
لیجیے اُس کو بدل آپ جرمانے میں — گم ہوئی مجھ سے جو کل رات کو سرکار کی گیند
گر مقیش طلائی کی کرن ٹکوا کر — میں یہ لایا ہوں بنا، اطلس گل دار کی گیند
گوکھرو، لہر، بنت، ڈانک، ستاروں کے سمیت — اور اک پہنچے گی زربفت نمودار کی گیند
گیند بازی میں مہارت ہے یہ تجھ کو کہ تری — گومتی پار تلک پہنچے ہے آب وار کی گیند

---

[1] آواگون = تناسخ جس کے ہندو قائل ہیں۔

[2] پلٹ آ ۔ یعنی پلٹ آکر۔

* ق، ق ۲، ق ۳: "پہ"

شالی رومال کی تو چوٹ مجھے کچھ نہ لگی ‏ ‏ اب بنا پھینکیے کمخاب کی شلوار کی گیند

کھینچ ماروں جو اِس آہِ دلِ سوزاں کا خدنگ ‏ ‏ تو بنا ڈالوں ابھی برقِ شرر بار کی گیند

ہر کھلاڑی وہ بڑا جس نے کہ ٹھہرا رکھی ‏ ‏ پھینک بر روئے ہوا گنبدِ دوّار کی گیند

لگے فرمانے وہ سُن دل غزلِ انشا کو

واہ کیا خوب بنی کاغذِ اشعار کی گیند

(۱۲۵)

لگ جا تو مرے سینے سے دروازے کو کر بند ‏ ‏ دے کھول قبا اپنی کے بے خوف و خطر بند

افسونِ نگہ سے ترے اے ساقیِ بدمست ‏ ‏ شیشے میں ہوئی مثلِ پری اپنی نظر بند

ٹکراتے ہوئے پھرتے ہیں ہم کوچے میں اُس کے ‏ ‏ کیا کیجیے دروازہ اِدھر بند اُدھر بند

یا شاہِ نجف نام اشارے میں ترا لوں ‏ ‏ ہو جائے دمِ نزع زباں میری اگر بند

آوے وہ اگر یارِ سفر کردہ، تو اِنشا

میں دوڑ کے کس لُطف سے کھلواؤں کمر بند

(۱۲۶)٭

حضرتِ عشق اِدھر کیجے کرم، یا معبود ‏ ‏ بال گوپال ہیں یاں آپ کے ہم، یا معبود[۱]

بندہ خانے میں اجی لائیے تشریف شریف ‏ ‏ آکے رکھ دیجے اِن آنکھوں پہ قدم، یا معبود

نفی اِثبات[۲] کے شاغل جو قلندر ہیں سو وہ ‏ ‏ اپنی گردن کو نہیں کرتے ہیں خم، یا معبود

اپنے داتا کی حقیقت کے ہیں جلوے تم میں ‏ ‏ لمعۂ نورِ تجلّی کی قسم، یا معبود

جلد پھٹکارِیے[†] سبزے کو نشے کا کوڑا ‏ ‏ کھینچیے اور کوئی سلفے کا دَم، یا معبود

٭ یہ غزل ق، ق ۲ میں نہیں ہے۔

[۱] یہ غزل آزاد فقیروں کے لہجے میں ہے۔ بال گوپال یعنی چیلے

[۲] نفی اثبات حضرات صوفیہ میں ایک شغل کا نام ہے جس میں "لا الٰہ" اور "الا اللہ" ایک خاص طریقے سے ادا کیا جاتا ہے۔

[†] ق ۳: "پھٹکائیے"۔

آپ ہی آپ ہیں وہ، آپ نے سچ فرمایا
یوں بھی کچھ دھوکے سے تھے نام کو ہم یامعبود

ورنہ یہ عاریتی ہے جو وجود اپنا سو ق
گذراں وہ تو ہے جوں موجۂ یم، یامعبود

واقعی بولتے[۵۱] سے اپنے لڑا بیٹھے جو آنکھ
کیوں خودی سے نہ کرے پھر وہ رم، یامعبود

آنکھ کو کہتے عرب عین ہیں، سو عین، اگر
دم پہ آجائے تو ہو عینِ عدم، یامعبود

رات تریاک کے نشے نے الٹ ڈالا واہ
کوئی گھولا[۵۲] تو وہ تھا کاسۂ سم، یامعبود

مدرہ تک آن تو پہنچا ہوں دلے قصد ہے یہ
کہ بڑھوں اور بھی دو چار قدم، یامعبود

چار زانو ہوا اب انشاؔ بھی زمیں سے اونچا
یک وجب رہنے لگا سادھ کے دم، یامعبود

(۱۲۷)

گر کوئی چاہے کسی کو یہ نہیں کچھ کام بد
رکھ دیا ہے یاں عبث لوگوں نے میرا نام بد

ہر طرح رہتے ہیں خوش ہم فضل مولا سے مدام
خاک منہ میں اُن کے جو کہتے ہیں، ہیں ایام بد

ابتدائے دوستی میں دل کو ہے یہ بے کلی
کچھ نظر آتا ہے اِس آغاز کا انجام بد

ہیں جو عاشق زلف و عارض کے ترے اُن کو مدام
شام سے ہے صبح بد اور صبح سے ہے شام بد

واقعی ہاں[*] شرط بد کر سینکڑوں کی ہار جیت
شغل میں چوپڑ کے ہے سچ اے بتِ خود کام بد

لیک جی لگنے کے خاطر تجھ کو میری ہے قسم
ایک پستہ اک ڈلی، اِک لونگ، ایک بادام بد

روٹھنا اُس سے مناسب ہے نہیں انشاؔ تجھے
مان کہنے کو ارے ہے یہ خیال خام بد

(۱۲۸)

نظر کر علیؑ کو قرین محمدؐ
ہوا نور حق ہمنشین محمدؐ

---

۵۱ "بولتا" : ادفقیروں کی اصطلاح میں روح یا نفس کو کہتے ہیں۔
۵۲ گھولا۔ یعنی پیالۂ بنگ۔
* ق ۲ : "ہے"

ریاض القدس میں یہ بولے ملائک — یہ ہے آفتابِ جبینِ محمدؐ
وہ ہے وحی و معنائے قرآنِ ناطق — وہ ہے جبرئیلِ امینِ محمدؐ
یداللہ کے نام سے ہے جہاں میں — درخشندہ نقشِ نگینِ محمدؐ
نہیں ماسوا اُنکے دنیا میں کوئی — ضیا بخشِ شرعِ متینِ محمدؐ
ائمہ کی تعریف کس سے بیاں ہو — منور ہوا اُن سے دینِ محمدؐ

انھیں بارہوں برج سے میر انشاؔ!
ہوئی زیبِ چرخِ بَرینِ محمدؐ

۱۲۹

یاں سینہ ہے مدینہ، اور دل نبی کی مسجد — کیوں قبلہ ہے پہونچتی اُس کو کسی کی مسجد؟
جن نے وہ تیغ ابرو دیکھی وہ یوں ہی بولا — جوہر سے ہم نے تاڑا ہے یہ پری کی مسجد
متھرا میں جوں کنھیّا وہ بُت جو ہاتھ آوے — تو میں اُسے دکھاؤں عبدالنبی کی مسجد
ہیں جا بجا لٹکتے خفاش جس کی چھت سے — اے زاہد وہی ہے کیا شیخ جی کی مسجد؟
کیا مونچھیں منڈی منڈی اور زنکہ ڈاڑھیوں کی — کی سیر میں جو دیکھی اک ناصبی کی مسجد
اِک مست کو جو کھینچا زاہد نے، تو وہ بولا — ایسی جی ملک ٹھہری گویا کسی کی مسجد
از روے شرع مجھ کو پہلے بتا بھلا یہ — بابا کا گھر ہے تیرے یا کنچنی کی مسجد

انشاؔ کا دل بنایا مہرِ علیؑ سے حق نے
لازم ہے اُس کو کہنا سیّد علی کی مسجد

۱۳۰

بے[1] مددِ حق کے کریں کیا مردمِ دنیا مدد — کب تلک بالا مدد، اے عالمِ بالا مدد

---

[1] یہ غزل بھی آزاد فقیر دل کے طرز میں ہے اور انھیں کی زبان پر

کھینچتا ہوں نعرۂ حق کھیلتا ہوں میں دھمال[1]
اے مرے سائیں مدد، داتا مدد، مولا مدد

اب کسی موذی کو چڑھتا ہوں پھر اک بھنگ گھوٹنا[2]
ہو مدد، حق ہو مدد، ہو، ہو مدد، ہا ہا مدد

فرقۂ یاجوج و ماجوج آ بہم لڑتے ہیں جب
واں کرے ہے عاشقوں کی بھنگ کا سونٹا مدد

جتنے ہیں ناسوت کے ابدھوت[3] بھاگیں ہو کے بھوت
ایک چٹکی بھر جو کر بیٹھے بھبوت اپنا مدد

ہر نگہ مستوں کی جوں رجب بٹیلے[4] کی چھری
حضرتِ وحشت مدد، اے جوششِ سودا مدد

جی میں ہے بن کر رزالے آپ بھی للکاریے
کی نہ مردِ آدمی پن نے گر، اے انشا، مدد

نام پر سالار دل[5] کے عشق کو ٹڑا بھر کوئی
گاجنا دولہا مدد، جلوا مدد سہرا مدد

ردیف (ڈ)

۱۳۱

لوٹیں ہیں مست یوں بسرِ خاک اینڈ اینڈ
انگڑائیاں لیں جوں شجرِ تاک اینڈ اینڈ

گلشن میں بھول جاوے ہے سروِ سہی اکڑ[6]
چلتا ہے جب وہ باقدِ چالاک اینڈ اینڈ

انگورِ زخمِ سینہ کو کیوں کر نہ ہو فشار
مسلے ہے اُس کو یہ دلِ صد چاک اینڈ اینڈ

یہ گنبدِ خمیدہ[7] نہیں جاے اعتماد
اے بے خبر، نہ سو تہِ افلاک اینڈ اینڈ

چولی کو اپنی جامۂ شبنم کی ہر گھڑی
ٹکڑے کرے ہے وہ بتِ بیباک اینڈ اینڈ

بسمل تری نگاہ کا میدانِ قتل میں
لوٹے ہے جیسے مستِ طربناک اینڈ اینڈ

---

[1] دھمال کھیلنا: ملنگ فقیر حلقہ باندھ کر کھڑے ہوتے ہیں اور ایک شخص درمیان میں ڈھول بجاتا ہے جس پر یہ اچھلنے کودتے ہیں۔

[2] بھنگ گھوٹنا: وہ سونٹا جس سے بھنگ گھوٹی جاتی ہے۔ اور اسے خنکا بھی کہتے ہیں۔

[3] ناسوت کے ابدھوت: یعنی دنیا کے شیاطین۔

[4] رجب بٹیلے بھی ان فرضی اشخاص سے ہیں جن کو آزاد فقیر مانتے ہیں۔ رجب بٹیلے کی چھری کا یہ اثر بتاتے ہیں کہ جس کو یہ دکھائیں وہ معاً دیوانہ ہو جاتا ہے۔

[5] سالار دل: آزاد فقیروں کے مذہب میں کسی بزرگ کا نام ہے۔

[6] اکڑ: گھمنڈ۔

[7] صائب کی ایک غزل ایسے ہی مضامین کی ہے جس کا مطلع یہ ہے: درونِ گنبدِ دوار فتنہ بار مخسپ † بزیر سایۂ گل موسم بہار مخسپ۔

اِنشا کا ہے خمار میں یہ حال جس طرح
خمیازہ لے ہے صاحبِ تریاک اینڈ اینڈ

(۱۳۲)

میاں چشمِ جادو پہ اِتنا گھمنڈ
خط و خال و گیسو پہ اِتنا گھمنڈ

اجی سر اُٹھا کر اِدھر دیکھنا
اسی چشم و اَبرو پہ اتنا گھمنڈ

نسیمِ گل اُس زلف میں ہو تو آ
نہ کر اپنی خوشبو پہ اتنا گھمنڈ

شبِ مہ میں کہتا ہے وہ ماہ سے
رکابی سے اِس رو پہ اتنا گھمنڈ

بس اے شمع کر فکر اپنی ذرا
اِنھیں چار آنسو پہ اتنا گھمنڈ

اکڑتا ہے کیا دیکھ دیکھ آئینہ[1]
حسیں گرچہ ہے تو، پر اتنا گھمنڈ

وہ کر پنجہ اِنشا سے بولے کہ واہ
اِسی زور بازو پہ اِتنا گھمنڈ

ردیف (ذ)

(۱۳۳)

کیوں نہ گھبراؤں کہے جب مجھ کو تو مشفق ملاذ[2]
غائبانہ ویسی باتیں رُو برو، مشفِق ملاذ

کون سی یہ وضع ہے سوچو تو اپنے دل میں تم
بے تبے کہنا کبھو مجھ کو، کبھو، مشفق ملاذ

سینکڑوں دشنام دینا بات میں اے واہ واہ
تم نے کچھ یہ زور سیکھی[3] گفتگو، مشفق ملاذ

آپ گر غصہ نہ فرماویں کروں خدمت میں عرض
موجبِ تہمت ہے پھر ناگو بگو، مشفق ملاذ

---

[1] یعنی گول بد قطع چہرہ پر۔

[2] مشفق ملاذ: خط میں ایسے لوگوں کو "مشفق ملاذ" کا لقب لکھتے ہیں جن کا مرتبہ کاتب خط کے نزدیک بلند ہوتا ہے اور وہ اس کے ساتھ محبت و شفقت بھی کرتے ہیں۔

[3] زور سیکھی: کیا خوب سیکھی۔

خوف آتا ہے ہمیں اب بات کہتے آپ سے — اِن دنوں آتے نظر ہو تند خو مشفق ملاذ
باندھ کر تیغ و سپر* چلنے لگے پنجوں[1] کے بل — چشمِ بد دور اِس قدر ہو جنگجو مشفق ملاذ
منحصر کیا آپ پر ہے، دل لگانا گر ہوا — شہر میں ہیں اور لاکھوں خوبرو مشفق ملاذ

مدعا حاصل ہو اِنشاؔ کا کبھو آ جایئے
ہے غرض خواہش یہی، یہ آرزو مشفق ملاذ

(۱۲۴)

چھیڑا نہ کرو میرے قلمدان کے کاغذ — ہیں اِس میں پڑے بندے کے دیوان کے کاغذ
اُس طفل کو بتیوں کا مری شوق ہوا، تو — مخشوش ہوئے سارے گلستان کے کاغذ
ہر وصلی سرکار پہ جدول ہے طلائی — اب آپ لگے لکھنے بڑی شان کے کاغذ
اُس شوخ نے کل ٹکڑے زلیخا کے کیے اور — مارے سرِ اُستاد پہ وہ تان کے کاغذ
دس بیس اِکٹھے ہیں خط اُس پاس، تو قاصد — لے جا کہ یہ ہیں سخت ہی ارمان کے کاغذ

کیا چہرہ اِنشاؔ کا ہوا رنگ، کل اُس کا
یکبار جو قاصد نے دیا آن کے کاغذ

(۱۲۵)

لکھ دو آخونجی[2] صاحب کوئی ایسا تعویذ — کہ مرے مُنہ سے لگے اُس کے گلے کا تعویذ
کچھ تو دے اپنی نشانی مجھے بُندا، بالا — توڑا، زنجیر، کڑا، قول کا چھلّا[3]، تعویذ
دل دھڑکنا ترے عاشق کا نہ جاوے ہرگز — گرچہ سو لاکھ طرح لکھ دے مسیحا تعویذ

---

[1] پنجوں کے بل چلنا = غرور اور تبختر کرنا۔

* ق، ق ۲، ق ۳ : "تیغ و تبر"

[2] آخونجی = اخوند جی ایک قسم کے صوفی جو نقش و تعویذ وغیرہ لکھتے ہیں۔

[3] قول کا چھلّا = وہ چھلّا جو محبت کے اقرار کے ثبوت میں نشانی کے طور پر دیا جاتا ہے۔ مرزا غالب ؎

کافی ہے نشانی ترا چھلّے کا نہ دینا — خالی مجھے دکھلا کے بوقتِ سفر انگشت

غش ہوئے ہم تو اجی تھہرتھا اُس کافر کا — لال نالڑے میں بندھا ہائے وہ نیلا تعویذ
سر کے بالوں سے لٹک جھمکے سے الجھا تو کہا — اب لگا مجھ کو ستانے یہ رنگوڑا تعویذ
گرچہ سیانوں نے پڑھ افسوں بہت اتوار کے دن — ق — خونِ ہُدہُد سے مرے واسطے لکھا تعویذ
جی جلا اپنا سا پھونکا کیے لونگ اور اسپند — مشک، سیندور، اگر، مرچ، فلیتا، تعویذ
جس پری کا مجھے سایہ تھا نہ اُترا، لیکن — کام آیا نہ کسی شخص کا گنڈا تعویذ
حاضرات[1] اب نہ کرو بس نہ پڑھو سورۂ جن — دوستو چپ رہو جانے بھی دو کس کا تعویذ
شیخ جی "چھو" تو سیاں چڑھے نہ گھولا کیجے — آبِ نیساں میں، لے کورا اسکورا، تعویذ

خیر انشاؔ کی جو چاہو تو پلا دو دھو کر
اُس کے بازو کا وہ ننھا سا روپہلا تعویذ

(۱۳۶)

مستی ہی تیری آنکھوں کی ہر جام سے لذیذ — ہر ورنہ کون شے ہے گلفام سے لذیذ
چٹکارے[2] کیوں بھرے نہ زباں تیرے ذکر میں — کوئی مزہ نہیں ہے ترے نام سے لذیذ
گالی وہ اُس کے ہونٹوں کی، آنکھیں دکھاتے وقت — وہ شے ہے، ہے جو پستہ و بادام سے لذیذ
انشاؔ کو لذت اُس کی جوانی کے حُسن کی — ق — ہے اور طفلگی کے بھی ایام سے لذیذ

آجاوے پختگی پہ جو میوہ درخت کا
وہ کیوں نہ ہو بھلا ثمرِ خام سے لذیذ

ردیف (ر)

(۱۳۷)

ہیں زورِ حسن سے وہ بہایت گھمنڈ پر — نامِ خدا نگاہ پڑے کیوں نہ ڈنڈ پر

---

[1] حاضرات کونا "جس شخص پر کوئی آسیب وغیرہ آتا ہے اسکے اتارنے کے لیے کسی بزرگ کو بلاتے ہیں اور چھلبدار وغیرہ گاتے ہیں، اسے بیٹھک بھی کہتے ہیں۔

[2] نسخۂ ق ۱، ق ۲، ق ۳: "چٹکارے" یہ "چٹخارے" مطبوعہ نسخوں میں بھی نہیں۔

تعویذ لعل ہی کے نہ پھر یے گھمنڈ پہ ۔ ایک نیلا ڈورا باندھیے اس گوری ڈنڈ پر

یارب سدا سہاگ کی مہندی رچا کرے ۔ پتے نچیں کچھیں رہے آفت ارنڈ پر

یہ باڑھ میرے کاٹ کی دی کس نے اس قدر ۔ جو تم رگڑ رہے ہو سروہی کرنڈ پر

دو تین دن تو ہو چکے اب پھر چلو وہیں ۔ فیروز شہ کی لاٹ کے اس چوتھے کھنڈ پر

وہ پہلوان سا وہ لب جو پہ ڈنڈ پیل ۔ ہو لاکھ کوئی غش ہو تو ایسے بھسنڈ پر

جو کالے کوئلے سی پہ چھنٹے کے دھن میں ہیں ۔ سو جنس چوب سے جو خفا ہیں تو جنڈ پر

گلبرگ تر سمجھ کے لگا بیٹھی ایک چونچ ۔ بلبل ہمارے زخم جگر کے کھرنڈ پر

انشا بدل کے قافیے رکھ چھیڑ چھاڑ کے
چڑھ بیٹھ ایک اوز پچھیرے اکھنڈ پر

۱۲۸

یہ جو مہنت بیٹھے ہیں رادھا کے کنڈ پر ۔ اوتار بن کے گرتے ہیں پریوں کے جھنڈ پر

اے موسم خزاں لگے اس سر کو تیرے آگ ۔ بلبل اداس بیٹھی ہے اک سوکھے ڈنڈ پر

شیو کے گلے سے پاربتی جی لپٹ گئیں ۔ کیا ہی بہار آج ہے برہما کے رنڈ پر

راجہ جی ایک جوگی کے چیلے پہ غش ہیں آپ ۔ عاشق ہوئے ہیں واہ عجب لنڈ منڈ پر

انشا نے سن کے قصۂ فرہاد یوں کہا
کرتا ہے چوٹ عشق تو ایسے ہی منڈ پر

۱۲۹

کیا بھلا شیخ جی تھے دیر میں تھوڑے پتھر ۔ کہ چلے کعبے کے تم دیکھنے روڑے پتھر

۱؎ کرنڈ ۔ سلی کا پتھر ۲؎ بھسنڈ ۔ موٹا تازہ ڈنڈ پیل ۔ جوان ۳؎ جنڈ ۔ ایک بدقطع جنگلی درخت ۔ ق ق ۲ ق ۳ : بولا کہ کوئی"
۳؎ اکھنڈ پھیرا ۔ وہ پچھیرا جس پر سواری نہ ہوئی ہو ۔
۴؎ رنڈ ۔ جسم بے سر ۔
۵؎ منڈ ۔ سردار ۔ بڑا آدمی ۔

اے بسا کہنہ عماراتِ مقابر جن کے
لوگوں نے چوب و چنگل کے لیے توڑے پتھر

جاؤ اے شیخ و برہمن حرم و دیر کو تم
بھائی بیزار ہیں ہم، ہم نے یہ چھوڑے پتھر

کبھی دہلاے بتاں تجھ سے پسیجیں، اے اشک
تو یہ ہم جانیں کہ بس تو نے نچوڑے پتھر

نہ چرے نوک سے نشتر کے عیاذاً باللہ
کوئی عشاق کے ہتھے چھاتی کے پھوڑے پتھر

کوس بیٹھیں فقرا اہل دول کو، تو ابھی
اُن کے ہاتھی ہوں پہاڑ اور ہوں گھوڑے پتھر

گرسگِ گرسنہ ے شوم کے مطبخ کی باس
تو بھلا ہڈی کی جا کیا وہ بھنبوڑے پتھر؟

نہ ہنسا میں جو ہنسانے سے شب اُن کے تو کہا
تجھے قربان کروں، ہاے نگوڑے[1] پتھر

اِک غزل اور سنا دے ہمیں، انشاؔ ہر چند
تو نے اس میں بھی کسی ڈھب کے یہ جھوڑے پتھر

۱۴۰

ہلکے پھلکے جو ملے دُبر کے روڑے پتھر
چوم اور چاٹ کے میں کعبے کے چھوڑے پتھر

دفن ہر کو کُنِ غمزدہ جس جا اے چرخ
رکھ دے تو ہو بھرے واں لا کے تو تھوڑے پتھر

دوستو صندل سائیدہ سے کیا ہوتا ہے
ہو رہے ہیں مرے سینے کے دو دوڑے پتھر

رقت آئی نہ تجھے حال پہ میرے سچ ہے
ہو جو پتھر اُسے کیا کوئی نچوڑے پتھر

ہاتھ* تک مجھ سے ملاتے ہی یہ فرمانے لگے
تجھ سے پنجہ وہ کرے جو کہ مروڑے پتھر

کانورو دیس[2] میں مت جائیو، اے صاحبِ فوج
زور جادو سے وہاں ہوتے ہیں گھوڑے پتھر

توسنِ فکر عدو اپنی وہ انجام کے ساتھ
پہوچے تب جب کہ چلیں کھانے سے کوڑے پتھر

گھور اُنھیں، آوے صنم میں نے کہا تو بولے:
میں تو انسان ہوں، ہو تو ہی نگوڑے پتھر

بھٹ کٹیا[3] کے ارے کانٹے پڑیں، مٹی خاک
رائی اور نون ترے دیدوں میں تھوڑے پتھر

---

* ق، ق ۳: "اور وہ"۔

[1] یعنی پتھر کی طرح بے حس۔

[2] کانورو دیس یعنی کامروپ (مشرقی بنگالہ) جہاں کا جادو مشہور ہے۔

[3] بھٹ کٹیا کے کانٹے، مٹی خاک، رائی، نون۔ یہ سب چیزیں دفع نظر بد کے لیے ہیں۔

وہ بھری گود دکھا بولے کہ اے دیوانے — پھوڑے سر اپنا تو لے اور بھی توڑے پتھر
سانپ سی تیری مگر زلف کھلی نہر کے بیچ — چادر آب نے ٹکرا کے جو پھوڑے پتھر
لہر ایسی ہی چڑھی موج کو جس سے کہ وہ ہیں — منہ پہ کف جوش سے لا اُس نے جھنجھوڑے پتھر

معرفت کی وہ غزل اب تو سنا دے انشاؔ
جس کو سُن صوفیوں نے سر سے ہوں پھوڑے پتھر

(۱۴۱)

آدمی چیز ہے کیا اُن نے نہ چھوڑے پتھر — پھونکے جس جلوے نے سب طور کے روڑے پتھر
چادرِ آب کا گرنا تو پہاڑوں پر دیکھ — واہ کیا حکم ہے یوں جس نے نچوڑے پتھر
کر نظر لعل و زمرد کی طرف؛ پہنے ہیں — سُرخ اور سبز عجب رنگ کے جوڑے پتھر
آتشِ عشقِ الٰہی سے ہے خالی کیا شے — یہ شرر رکھتے ہیں سب سینے میں روڑے پتھر
آبلے ہیں دل دریا کے حباب ایسے ہی — جس طرح کوہ کی چھاتی پہ دو دوڑے پتھر
تیری دولت پہ پڑے خاک بس اے خواجہ خلیل[۱] — یا الٰہی یہ ترے زر کے ہوں توڑے پتھر
صنعِ معمارِ قضا کر نظر اے دل جس نے — کمر کوہ کے کس وصل سے جوڑے پتھر

کہہ غزل اور بدل قافیہ انشاؔ کہ شرار
نکل آئے ہیں بہت تو نے جو پھوڑے پتھر

(۱۴۲)

کھاویں ہر چند کہ بارش کے تڑیڑے[۲] پتھر — پر سہیں کب مرے اشکوں کے دڑیڑے پتھر
میں دِوانا جو کہیں چڑھ گیا ہاتھ اُن کے تو سب — دامن کوہ کے لڑکوں نے نبیڑے[۳] پتھر

---

[۱] خواجہ خلیل شاید اس وقت کے کوئی مشہور کنجوس ہوں گے۔

[۲] تڑیڑا یا دڑیڑا = دھار باندھ کر پانی ڈالنا۔ تڑیڑا کم زور اور دڑیڑا اس سے زیادہ زور دار دھار۔

[۳] نبیڑنا = ختم کرنا۔

لختِ دل کا ہے یہ روپ ہر کچھ اشکوں میں　　لطمۂ موج سے جوں کھاویں تھپیڑے پتھر

سینہ صد چاک نظر آیا ترے عاشق کا　　اُس کی تربت کے جو میں جا کے اُدھیڑے پتھر

جن پہاڑوں میں مزاریں ہیں ترے کشتوں کی　　لو ہو اُبلے جو کوئی واں کے اُکھیڑے پتھر

اِک غزل اور یہ تبدیلِ قوافی اِنشا!
تو نے آخر تو ہیں اِس بحر کے چھیڑے پتھر

۱۴۳

فوج لڑکوں کی جڑے کیوں نہ تڑا تڑ پتھر　　ایسے خبطی کو جیا جائے جو کڑ کڑ پتھر

پھر پھُریری سی جُنوں کی مجھے آجائے ہے جب　　کرتے ہیں دامنِ اطفال میں کھڑ کھڑ پتھر

کوہکن کھا کے گرا سر پہ جو تیشہ تو وہیں　　بیستوں کے گئے تن اُس کے ہیں گڑ گڑ پتھر*

تربتِ قیس پہ ٹکرائے یہ آ ہو کہ تمام　　گئے شاخوں کی دھڑا دھڑ کے وہ جھڑ جھڑ پتھر

ذکر کچھ سنگ دلی کا جو شب آیا اُس کی　　سانس لیتے مری چھاتی سے گیا اڑ پتھر

سنگ سار اُس نے کیا تجھ کو بست سا اے دل　　شیشۂ چرخ پہ اب تو بھی تو اِک جڑ پتھر

اُن کے ساجھے میں جو ہم ہارے تو یوں کہنے لگے　　لاؤ پالنسے دو اِدھر کھیلو گے چو پڑ[۱] پتھر

بے ادب خدمتِ سادات میں ہوئے جو شخص　　خوک کا آہنی سر اُس کا ہو اور دھڑ پتھر

شیشۂ دل کو بچائے ہوئے رکھنا اِنشا
مار بیٹھے نہ کہیں جھٹ سے وہ اکھڑ[۲] پتھر

۱۴۴

راتوں کو نہ نکلا کرو دروازہ سے باہر　　شوخی میں دھرو پاؤں نہ اندازہ سے باہر

جرّاح نہ رکھ پنبہ و مرہم کہ یہاں آگ　　نکلے ہے ہر اک زخم تر و تازہ سے باہر

---

* ق سو میں یہ شعر نہیں ہے۔

۱ پتھر یعنی کیا خاک پتھر۔ ۲ اکھڑ۔ کھرّا۔ ضدی۔ بدخو۔

اے قیس مبارک ہو کہ لیلیٰ نکل آئی ... پردے کو اُٹھا محمل جمّازہ سے باہر
لیتے وہ جمھائی ہیں، تو گویا کہ نزاکت ... ٹپکی پڑے ہے شوخیٔ خمیازہ سے باہر
گو غیر نے آوازہ کسا اُس کی گلی میں ... پر میں کوئی نکلوں ہوں اِس آوازہ سے باہر
نارنگی کے چھلکے تھے مگر عطر میں ڈوبے ... بو باس یہ تھی ادویۂ غازہ سے باہر

رہتے ہیں سدا خواہشِ احباب سے انشاؔ
اجزا مرے دیوان کے شیرازہ سے باہر

۱۴۵

مانگا جو میں نے بوسہ اُن سے چمن کے اندر ... بولے کہ یاں نہیں چل مچھی[1] بھون کے اندر
شعلے بھڑک رہے ہیں یوں اپنے تن کے اندر ... دَوں[2] لگ رہی ہو جیسے گرمی سے بن کے اندر
ہے خال یوں تمھارے چاہِ ذقن کے اندر ... جس روپ ہو کنھیّا آبِ جمن کے اندر
جو چاہو تم سو کہہ لو چپ چاپ ہیں ہم ایسے ... گویا زباں نہیں ہے اپنے دہن کے اندر
کیا گھات[3] کی جگہ ہے چھپنے کے جھاڑ نیچے ... مہندی کی ٹٹیوں کی اوجھل چمن کے اندر
گُل سے زیادہ نازک جو دلبرانِ رعنا ... ہیں سکلی میں شبنم کے پیرہن کے اندر ق
ہے مجھ کو یہ تعجب سوویں گے پانو پھیلا ... یہ رنگ گورے گورے کیونکر کفن کے اندر
کافر سماں ہاہے سارنگ[*] کا یہ لہرا[4] ... طبلے کی تال وسم کے ہر ہر پرن کے اندر
سو چلونوں کے باہر مطرب جو گا رہا ہے ... آتی ہے کس مزے سے آواز چھن کے اندر
غم نے ترے بٹھایا اے ماہِ مصر خوبی ... یعقوب وار ہم کو بیت الحزن کے اندر
منہ چنگ[5] بیچ تیرے مطرب یہ تاریوں ہے ... کانٹا لگا ہو جیسے کالے کے پھن کے اندر

---

[1] مچھی بھون - یہ لکھنؤ میں قدیم شیخزادگان کا ایک مشہور قلعہ تھا۔ جس کے آثار اب بھی باقی ہیں۔ اس میں مچھی اور بوسے کی رعایت ہے۔

[2] دَون - بالفتح جنگل کی آگ [3] گھات کی جگہ چھپنے کی جگہ۔ جھاڑ درختوں کا جھنڈ۔

[*] ق ۲، ق ۳ = "سارنگی"

[4] لہرا = سارنگ کی وہ آواز جس میں سنگت نہ ہو۔ پَرَن = وہ تال جو بہت تیزی سے ادا ہو۔

[5] منہ چنگ ایک باجا جو منہ سے بجایا جاتا ہے۔

بل بے ترا اکڑنا اے ہاتھ میں کمانچہ† ق اور آکے بیٹھنا یوں مجلس میں تن کے اندر
سوجھی تو دور کی تھی، کہتا نہیں، ولیکن اِتنا تو میں کہوں گا اس انجمن کے اندر:
وہ چیز نام جس کا لینا نہیں مناسب سو تیرے رد کھے سوکھے اِس بانکپن کے اندر
یوں بولتا کہے ہے[1] سنتے ہو میر اِنشا؟
ہیں طرفہ ہم مسافر اپنے وطن کے اندر

(۱۴۶)

آئے نہ آپ رات جو اپنے قرار پر گذری قیامت اِس دلِ اُمیدوار پر
ہے اشتیاقِ بوس و کنار اِس قدر کہ یار جی تک تو ہم لگاتے ہیں اب ایک بار پر
ساقی صراحیِ مے گلفام لا شتاب ہے مجھ کو کچھ خیال بھی ابرِ بہار پر
شادابی ہوا میں یہ کیفیت اب کے ہے سو رنگ کے شگفتہ ہیں گُل شاخسار پر
نظارہ سوے دانۂ شبنم اگر کروں جاتی ہے جھپٹ نگاہ پھسل سبزہ زار پر
اشجار جھومتے ہیں کھڑے صحنِ باغ میں تاک اینڈتے ہیں مست پڑے جوئبار پر
موجِ بہارِ لالۂ خود رو نے اے نسیم کچھ آگ سی لگائی ہے آ کو ہسار پر‡
سو سو طرح کی شکل دکھاتا ہے کیا کہوں عکسِ شگوفہ ہے جو پڑا آبشار پر
ہو کر ترانہ سنج لبِ جو کے پاس بیٹھ کس کس طرح سے جھاڑے ہے اپنے ہزار[2] پر
اِنشا سے اب تو آنکھ چُرا وے یہ قہر ہے
اِس وقت میں تو رحم کر اُس کے خمار پر

(۱۴۷)

ساقیا یہ خوش آئی بوے خانۂ خمار دوڑے ہم سبو لے کر سوے خانۂ خمار

---

† ق ۳ : "طمانچہ" [1] آزاد فقیروں کی اصطلاح میں رد ح - [2] ہزار = بلبل -
‡ یہ شعر ق ۲، ق ۳ میں نہیں ہے

زلزلہ قیامت کا اور صورِ اسرافیل — ہوتے ہیں خجل سُن کر ہُو[1] خانۂ خمّار
ایک بار جو آیا لوٹ پوٹ تھا بس خیر — بھلّہ رے غضب جاہے کوے خانۂ خمّار
زاہدا کسے بھاویں وٌہ* بہشت کی نہریں — نور سے ہر یاں لبریز جوے خانۂ خمّار

چھوڑ کر حرم انشاؔ یک بیک اُٹھ آیا جب
خواب میں نظر آیا روے خانۂ خمّار

(۱۴۸)

لے چلا دامانِ صحرا کو گریباں پھاڑ کر — آخر آ مجھ کو جنوں چمٹا ہے پنجے جھاڑ کر[2]
زلف میں یک دست شانہ ناخن اپنے گاڑ کر — پنجۂ خورشید سے لپٹا ہے پنجے جھاڑ کر
چڑھ گیا جو میکدے میں محتسب رندوں کے ہاتھ — خوب ہی چینگا بنایا سب نے اُس کو جھاڑ کر[3]
سُن خروش نعرہ اپنا ہر عدو تو چیز کیا — کھا کے دہشت بھاگ جاوے دیو بھی چینگھاڑ کر
کیوں نہ دیکھے جلوۂ حق اے دل آ ٹک ایک جا — طور آسا بیٹھ رہ تو پانو اپنا گاڑ کر
چھوڑتے ہیں اب کوئی دو چار بوسے بن لیے — ق — چٹکیاں لے گالیوں کی خواہ تو بوچھاڑ کر
ہم نہیں ڈرنے کے اِن باتوں سے پیارے شوق سے — اور غل کر، اور چلا[4] اور توبہ دھاڑ کر

مختلط غیروں سے دیکھا شب جو انشاؔ نے تمھیں
ہوگیا وہ جان بوجھ انجان سب کچھ تاڑ کر

(۱۴۹)

جو چاہے تو مجھ سے ہنوڑے کی خیر[5] — تو یوں دیکھ اِس گھوڑے جوڑے کی خیر

---

[1] یعنی ہائے ہو = مستانہ نعرے *: ق ۲، ق ۳: "وے"

[2] پنجے جھاڑ کر چمٹنا = پیچھے پڑ جانا۔

[3] جھاڑنا = لتاڑنا۔

[4] توبہ دھاڑ = توبہ تلا۔

[5] یہ غزل آزاد فقیروں کے طرز اور لہجے میں ہے۔

گدا وے نشے کے مرے رخش کو　　میاں ساقی، اِس سلفے کوڑے کی خیر
دکھائی مجھے سیرِ باغِ ارم　　الٰہی ہو اس سبزے[1] گھوڑے کی خیر
ہنسایا جو میں نے تو بولے، نہیں　　نظر آتی کچھ اِس نگوڑے کی خیر
لگا بَبھ انشاؔ کو ٹھوکر تو ایک
ارے اپنے سونے کے توڑے کی خیر

(۱۵۰)

ہے یہ اُس مہ جبین کی تصویر　　یا کسی حورِ عین کی تصویر
بن گئی دودِ آہ مجنوں میں　　ایک محمل نشین کی تصویر
اپنے داغِ جگر میں سوجھے ہے　　مجھ کو اُس نازنین کی تصویر
دیکھ لے اُس کی چینِ پیشانی　　ہے یہ خاقانِ چین کی تصویر
نظر آتی ہے اشکِ انشاؔ میں
جبرئیلِ امین کی تصویر

*

(۱۵۱)

دل کرے کیا تجھ کو لکھ کر خطِ پنہانی پہ مُہر　　داغ کی آگے ہی سے ہے اُس کی پیشانی پہ مُہر
کل ڈرا کر مجھ کو دشمن سے لگے فرمانے آپ　　آج سے رکھنا تو اپنے کھانے اور پانی پہ مہر
داغ دل کے گرد ہیں یوں چھوٹے چھوٹے اور داغ　　ہو اُزک کی جس طرح فرمانِ سلطانی پہ مہر
حُسن کے بدرے کی ڈوری کی سرک[2] پھُندی کو کھول　　آ رہی ہے دیکھ ایسے میں کچھ آسانی پہ مہر
اُس کے ابرو پر نہیں ہے خوشنما چیچک کا داغ　　ہے شاہِ حُسن کی تیغِ خراسانی پہ مُہر
اس غزل نے اک پری پیکر انگوٹھی کو اُتار　　کی دہانِ سعدیِ شیراز و خاقانی پہ مہر

---

[1] سبزہ گھوڑا۔ یعنی بھنگ۔ * ق ۳ میں یہ غزل نہیں ہے۔
[2] سرک پھندی۔ ایک قسم کی گرہ جو آسانی سے کھل جائے۔ اس کو لکھنؤ میں سکر پھندی بھی کہتے ہیں۔

سیّد انشا ہی سلیماں شاہِ کشور[1] کا غلام
اب کھُداتا ہوں یہی سنگِ سلیمانی پہ مہر

*

۱۵۲

اے صبح بخا سارے چمن نذر پکڑ کر
مل ہم سے تو اک غنچہ دہن نذر پکڑ کر

صورت یہ اویس آن کے دیکھے تو چلا جائے
سب رائحۂ بادِ یمن نذر پکڑ کر

اللہ رے صفائی کہ ترے عکس کے آگے
آئینہ ملا صافیٔ تن نذر پکڑ کر

اِس کو نہ سمجھ قرصِ قمر یہ شبِ ہجراں
ہم سے ملی اک سانپ کا مَن† نذر پکڑ کر

ہے جی میں کہ مل جاؤں جوانانِ چمن سے
ایک شیشۂ صہبائے کہن نذر پکڑ کر

ہے قصد کہ اُس نرگسِ جادو سے ملیں ہم
ایک بچۂ آہوے ختن نذر پکڑ کر

زر پاس نہیں عید کے دن اُن سے ملیں گے
ہم اشرفیٔ داغ کہن نذر پکڑ کر

حمّام میں تو آوے تو جاوے شہ خاور
اپنا تجھے زرّینہ لگن، نذر پکڑ کر

کھو اُن کی تو وحشت کو دلا ابن کے قراول[2]
نوکر ہو نہ دو چار ہرن نذر پکڑ کر

اِس دل میں مرے کھنچ گئی تمثال تمھاری
عاشق یہ ملا تم سے پھبن نذر پکڑ کر

ٹھنڈک نہ پڑے کیوں کہ گئی چادرِ مہتاب
زخمی کو ترے ایک کفن نذر پکڑ کر

بکھری ترے رخسار پہ جو زلف، تو مجھ کو
ایک داغ ملا چاندگہن نذر پکڑ کر

گو نذر نہ ہو جی میں ہے مل جائیے اُن سے
اپنا یہی بیساختہ پن نذر پکڑ کر

بُراسپ اگر ہو تو ملیں اُس سے سپاہی
سیلابۂ سُہراب فگن نذر پکڑ کر

جو شخص حسینی ہو، تو ساتھ اُس کے چلا آئے‡
رضوان سندِ خلقِ حسن نذر پکڑ کر

حورانِ بہشتی اُسے مجرا کریں آکر
غلماں ملیں سب سیبِ ذقن نذر پکڑ کر

---

[1] شاہزادہ سلیمان شکوہ مراد ہیں۔

* ق، ق۲ میں یہ غزل نہیں ہے۔ † ق۲: "رہن"

[2] شکار کے منتظم۔

‡ م: "تو اس پاس چلا آئے"

ایسے ہی بڑے قافیے پیش آئے اب انشاؔ
نل جن سے کُھلا اپنی دمن نذر پکڑ کر

(۱۵۳)

سینہ نہ جلا شعر و سخن نذر پکڑ کر
مل اُن سے دلا تھوڑی سی بُن[۵] نذر پکڑ کر

نقاشِ خیال اُس کو اگر پاوے تو جاوے
اپنا ورقِ نقشۂ کُن نذر پکڑ کر

جاوے وہ صنم برج کو، تو آپ کنھیاؔ
جھٹ سامنے ہو مرلی کی دھن نذر پکڑ کر

ہر بجھ کو یہ رتبہ کہ ترے روبرو آوے
جبریلِ امیں علمِ لدُن نذر پکڑ کر

ایسا ہی گُنی میں ہوں کہ سب ناؤوں کے ملاّح
دریا پہ ملیں مجھ سے تو گُن نذر پکڑ کر

گھُن دل کو لگا قصد یہ ہے عید کو اُن سے
میں اب کے ملوں تھوڑا سا گھُن نذر پکڑ کر

دکھن کی بہت چال پسند آئی ہے، انشاؔ
مل بیٹھ نہ تو بھی کئی ہُن نذر پکڑ کر

(۱۵۴)

کیا اُن سے ملوں عید کے دن نذر پکڑ کر
ہوں سامنے ایک بچّۂ جن نذر پکڑ کر

یوں مجھ سے کہا: دس ہی تو ہیں، چاہییں گیارہ
لے اشرفیاں اپنی تو گن نذر پکڑ کر

جس میں کہ خشونت ہو کبھی اُس سے نہ ملیے
ملیے تو کئی حرفِ خشن نذر پکڑ کر

ہوں داغ بدل مرتعش اب یوں ترے آگے
جوں کانپے کوئی مردِ مُسن نذر پکڑ کر

گو بادشہ روم ہوا اے حضرتِ انشاؔ
پر میں نہ ملوں آپ کے بِن نذر پکڑ کر*

---

[۴] ق ۳ : "نل جیسے ملے"۔
[۵] بُن = قہوہ۔

*: اس کے بعد کی دو غزلیں صرف ق ۳ میں ہیں اور کسی مطبوعہ اور قلمی نسخے میں نہیں ہیں۔ باقی اور جتنی غزلیں مطبوعہ نسخوں میں رے کی ردیف کی ہیں وہ ق، ق ۲، ق ۳ میں نہیں ہیں۔

٭

(۱۵۵)

جو ٹک دھونی لگا بیٹھوں زمیں کی ناف کے اُوپر
تو ققنس، ہو چلے سی مُرغ کوہِ قاف کے اوپر

وہ سیلی جیسے سنبل یوں ہر اُس کی ناف کے اُوپر
کہ مرکز جوں لگا ہووے کلی کی ناف کے اوپر

کہوں کیا بات قاضی کی سمجھنا ہیچ ہر اُس کو
جو چڑھتا ہر یہ فخر یہ گزاف[۱] ولاف کے اوپر

بڑی داڑھی بڑا جبّہ ولیکن یاکُلُ الرِّشوہ
یہ طُرّہ اور ہر اُس عمّامہُ اوصاف کے اوپر

لحافِ کہنۂ منصور اُدھیڑا[۲]، خوب دُھن ڈالا
فلک لایا ستم بیچارۂ ندّاف کے اوپر

پڑے عاشق پر ادلے سر منڈاتے ہی محبّت میں
پڑیں اے ابر، پتھر اِس ترے اِنصاف کے اوپر

پھرا کر اُسترا سبزہ زبردستی نکالا ہر
نہ تھا ایک رونگٹا بھی ورنہ روے صاف کے اوپر

مہک سوندھے کی ہر جیسی اجازت ہو کہوں صاحب
ذرا میں ہونٹھ رگڑوں آپ کے موباف کے اُوپر

جلا کر مدد شاہی ایک پیسا کیوں نہ کل کھاؤں
ابھی میں لوٹتا ہوں کشن جی صرّاف کے اُوپر

٭ یہاں سے آخر تک اس ردیف کی غزلیں "ق، ق ۲" میں نہیں ہیں۔ اور یہ دونوں (۱۵۵، ۱۵۶) غزلیں مطبوعہ نسخوں میں بھی نہیں ہیں۔ صرف "ق ۳" میں ہیں۔

[۱] ق ۳؛ "کذاف" لکھا ہر۔ [۲] ق ۳؛ "ادھیڑا"

نظر ذات وصفاتِ قابلیت پر نہیں پڑتی
یہاں ترجیح ہے اَجلافِ کو اشراف کے اوپر

تڑاقے کی غزل ایک اور بھی پڑھ ڈال وہ اِنشا
کہ پریاں اُس کو گاویں جلوہ گر ہو قاف کے اوپر

(۱۵۶)

دھرا جب نقدِ دل ہی کھول، تیری ناف کے اوپر
تو پھیروں کیوں نہ ہاتھ اس سینۂ شفاف کے اوپر

پڑا اِس ڈھب سے میرا ہاتھ[1] تیری ناف کے اوپر
کہ پریاں کھل کھلاتی چڑھ گئیں سب قاف کے اوپر

لا یلاف اُس پہ دم کرتا ہوں جب فرطِ محبت سے
تو آجاتا ہے ابرو دو گزاف، ولاف کے اوپر

گرا میں اُس پہ شب یوں نہیں کہ ڈہ پڑتا ہو جوں کوئی
اُچکا، جیب کترا، بدرۂ صرّاف کے اوپر

بھری ہے خوب روئی کیوں تری شالی رضائی میں
مجھے آتا ہے غصہ بوڑھے سے ندّاف کے اوپر

جگر میں جنترے کی طرح سے سوراخ ہیں لاکھوں
مجھے کیا چین آوے خاک فرشِ صاف کے اوپر

پڑا مقیش جھڑتا آہِ سوزاں سے ہے اے اِنشا
یہ اپنی اِن دنوں حالت ہے اک زرباف کے اوپر

(۱۵۷)

بولے وہ جب ہاتھ رکھا میں نے اُن کی ران پر
خیر ہے تم کو اجی لعنت کرو شیطان پر

میں نے کب کی تھی بھلا کچھ اور ڈھب کی بات[1] یہ
قہر ٹوٹے غیب کا، بہتان اور طوفان پر

ہونے دیتے ہی نہیں ہیں آنکھ سے اوجھل ذرا
غصہ آتا ہے مجھے صاحب کے بادا جان پر

واقعی صاحب نے دل میرا نہیں ہرگز لیا
ہاتھ تو دھر لیجے نہا دھو کر بھلا قرآن پر

ہاتھ سے صاحب کے گو ہم تنگ آویں ہو سو ہو
شکوہ کرنا آپ کا ہم کو نہیں شایان پر

کیا کہیں کہنے کی کچھ منزل نہیں باقی رہی
ہو گئے ہم لوٹ پوٹ اُن کی ادا و آن پر

---

[1] ق ۳: "بات"۔

کون سا ہوگا بنی آدم کہ جس سے ہم کریں
فصد یاں کر بیٹھے ہیں ہم جان ابن الجان پر
ہو پری یا حور یا غلمان ہم کو کیا غرض
آپ بن کوئی گذرتا ہی نہیں کچھ دھیان پر
گھر کیا تھا دل میں اِنشاؔ کے جنھوں نے واہ واہ
دھر گئے وہ آج اپنے ہاتھ دونوں کان پر

(۱۵۸)

کیا ہنسی آتی ہے مجھ کو حضرتِ انسان پر
فعلِ بد تو اُن سے ہو لعنت کریں شیطان پر
کیا بموقع اِس گھڑی تشریف لائے ہیں بجا
مَیں اگر خطِ غلامی لکھ دوں اِس احسان پر
پَر نہ تھے اِس پر بھی پروانوں سے پہنچا کچھ پرے
کیا غضب ہوتا اگر پاتا کہیں اِنسان پر

(۱۵۹)

نگہ جو پڑی تجھ سے رشکِ قمر پر
گئی پھیل بس چاندنی سارے گھر پر
شرر یوں اُبھر آئے داغِ جگر پر
سنہری ہو نادِ علیؓ جوں سپر پر
اِشارا کرے ہے سماں جوگیا[1] کا
کہ ملیے بھبوت آج رُوئے سحر پر
کبھی عمر بھر پھر نہ تلوے جلیں گے
قدم آپ رکھیے مری چشمِ تر پر
میاں بھیجو کچھ، جو توفیقِ حق ہو
کھڑا ایک آزاد ہے تیرے در پر
کہاں تک کروں میں زمانے کا شکوا
مصیبت ہے یوں تو سب اہلِ ہنر پر (ق)
خصوصاً وہ جو وضع داروں میں ہیں یاں
برستا ہے افلاس ہی اُن کے گھر پر
دُرگا رام جانے، رُپیّا دکھیا لو[2]
کھڑا بنیا کہتا ہے اب اُن کے دَر پر
سلیمانی تلوار تو لے چکا ہے
لگائی ہے اب تاک شاید سپر پر

---

[1] جوگیا = ایک راگنی جو آخر شب میں گائی جاتی ہے ۱۲

[2] یہ مارواڑی زبان اور لہجہ ہے ۱۲

پڑا ہنہناتا ہے بن گھاس گھوڑا / ہوئے چار فاقے ہیں پیہم نفر پر

پڑھ انشاؔ غزل اور اک تازہ ایسی
کہ ہو آفریں جس کے ہر شعرِ تر پر

۱۶۰

مجھے رونا آتا ہے شمعِ سحر پر / کہ بیچاری اب مستعد ہے سفر پر
چمک اُس پری وش کی مانندِ نٹ کے / پڑی پھرتی ہے اپنے تارِ نظر پر
مرے دودِ دل نے فقیرانہ دھونی / لگائی ہے جا عرشِ اعظم کے در پر
اجی کیوں رُلاتے ہو مجھ کو تمھیں کیا / نہیں رحم آتا مری چشمِ تر پر
یہی وضع ہے تو مجھے کھو دیئے گا / پڑے پھریے گا ہاتھ رکھّے کمر پر
اجی جی میں ہے اب کہیں بیٹھ رہیے / بس اک باندھ تکیا کسی رہ گذر پر
پھر آئے رہِ کعبہ سے مارے ڈر کے / چڑھے زاہدِ مفتخر مفت خر پر[۵۱]
جنوں سے اگر آشنائی ہوئی تو / مطوّل کو دے مار تو مختصر پر[۵۲]

کچھ اک صاف صاف ایسے لکھ شعر، انشاؔ
کہ وہ ماریں چشمک صفا سے گہر پر

۱۶۱

گیا یار، آفت پڑے اِس سحر پر / اُداسی برسنے لگی بام و در پر
صبا نے بھری دُوں کو ایک آہ ٹھنڈی / قیامت ہوئی یاں دلِ نوحہ گر پر
نہ لہسوے گُلا، دور ہو یاں سے شبنم! / نمک کیوں چھڑکتی ہے زخمِ جگر پر
مرے بھاویں گلشن کو آتش لگی ہے / نظر کیا پڑے خاک گلہائے تر پر

---

[۵۱] مفتخر - اور مفت خر میں تجنیس مرکب ہے۔

[۵۲] مطوّل اور مختصر المعانی - علم معانی و بیان کی دو مشہور داخل درس عربی کتابیں ہیں۔

کوئی دیو تھا یا کہ جن تھا یہ کافر ق مجھے غصہ آتا ہے پچھلے پہر پر
پری زاد تھی اک شبِ وصل اُس کو اُڑا لے گیا چٹ بٹھا اپنے پَر پر
مزے خوب لوٹو گے کیوں، شیخ صاحب ملیں گے بہشت بریں میں اگر پر
زمرد کی ایک چونچ ہو گی بڑی سی کہ مارو گے ٹھونگ اُس سے ہر اک ثمر پر[1]
پڑے اُڑتے پھریے گا جوں کاگا کوّا کبھی اِس شجر پر، کبھی اُس شجر پر
دیا نامۂ سیدِ انشاؔ، تو اُن نے
دوہتّھڑ[2] جڑی اک سرِ نامہ بر پر

(۱۶۲)

یہ جلترنگ نے پھیلا دی آگ پانی پر کہ جل کے گر پڑے خود میگھ راگ پانی پر
بنا ہے اپنی ہوا، خاک، آگ، پانی پر نہیں یہ پھل کھلاڑی کی لاگ پانی پر
سُبک روی سے یقیں ہے کہ سُم نہ ڈوبیں گے جو اپنے لیجیے گھوڑے کی باگ پانی پر
یہ لہریں لیتی ہے آئینے میں وہ زلفِ سیاہ کہ لہریں لیوے پڑا جیسے ناگ پانی پر
ہنوز کہتی ہے حِنا سہاگ[3] دکھلا کر کہ خوب کھیلے مہاراج پھاگ[4] پانی پر
یقیں کہ خواجہ خضر تھے بچھا کے جلے نماز جو بیٹھے جاتے تھے اک بوڑھے گھاگ پانی پر
چلو نہ، تیرے دریا میں بے تکلف ہو کہ ہو دیں خوب سے گہرے سُہاگ پانی پر
بھلا وہ دیوے تنک ظرف کس کو جامِ شراب کہ باندھ بیٹھے جو پیاسوں سے لاگ پانی پر
دلا جو چوکی نواڑے[5] کی اُن کی دینی ہے تو بطّوں کی طرح تو بھی جاگ پانی پر
خیال میں ترے بالے کی گدرے جو مچھلی تو موجیں گانے لگیں سب بہاگ پانی پر
سحاب بن کے سرِ کوہ کون رویا ہے جو ہر طرف نظر آتے ہیں جھاگ پانی پر

---

[1] ن: "جو جا کر کے ٹھونگے گی ہر ایک ثمر پر۔"

[2] دوہتّھڑ۔ دونوں ہاتھوں سے مارنا۔

[3] سہاگ = زینت۔ آرائش و محبت [4] پھاگ کھیلے: مزے اڑائے۔ [5] نواڑا: کشتی۔

نہ چھینٹے اڑ پے عبث مجھ سے خوف ہے کہ مباد — کہیں سہاگ سے ہووے دُہاگ پانی پر [۵۱]

اِدھر تو گنگا، اُدھر جمنا، بیچ تربینی — عجب طرح کا ہے تیرتھ پراگ پانی پر

جو روپ تھا وہ کدارے کا بن گیا سارنگ [۵۲] — کہ چاندنی نے لگا دی ہے آگ پانی پر

عجب طرح کی ہے بیڑے کی سیر دریا میں — کہ ہوتا جاتا ہے سب ناچ راگ پانی پر

کنور جی نیر سے جو سوتے ہیں ساتھ انشا کے
تو جاگے سوتے کے اور اُس کے بھاگ پانی پر

(۱۶۳)

عجب سر چشمۂ مہتاب سے بھی آگ پانی پر — سنایا چاندنی نے آج دیپک راگ پانی پر

نہ جا دریا نہانے کو بجھی ہے آگ پانی پر — کہ سورج دیوتا گاتے ہیں دیپک راگ پانی پر

سُنی ایک ہو گئی بیراگن آ کر گھاٹ پر تب سے — اُداسا چھا رہا ہے اور سب بیراگ پانی پر

پری کی شکل اک راتوں کو یاں دیتی ہے دکھلائی — پڑی پھرتی ہے اکثر دوڑتی اک آگ پانی پر

مجھے جو پیرتے میں دھیان تیری زلف کا آیا — تو موجیں یوں لگیں لہرانے جیسے ناگ پانی پر [۵۳]

تری رانوں تلے یہ گھوڑا دریائی شبک رو ہے — کہ مطلق سُم نہ ڈوبیں جو اُٹھا لے باگ پانی پر

نہ اُڑ پے آپ جوگی جی اجی ہم بھی جو چاہیں تو — بچھا کر مرگ چھالا بیٹھ لیں بے لاگ پانی پر

نہانے والوں نے دریا متھایاں تک کہ یہ دیکھو — نمش کی طرح اُبھر آئے سراسر جھاگ پانی پر

تصدّق کرتے ہیں ہم نعمتِ الواں کو اے انشا
اِسی اِک جو کی روٹی اور اُبالے ساگ پانی پر

---

[۵۱] مطلب یہ ہے کہ محبت سے نوبت شادی پر نہ آئے۔ دوبھاگ = دو قسمتوں کا ملنا۔ مراد ازدواج۔

[۵۲] کدارا۔ اور سارنگ دو راگنیاں ہیں۔ کدارا چاندنی رات میں اور سارنگ دوپہر کو گاتے ہیں۔

[۵۳] یہ شعر مطبوعہ نسخوں میں نہیں ہے۔

ردیف (ڑ)

*

ے اُنھوں نے جو یہ پھولوں کی چھڑی ڈالی توڑ
میں نے بھی آپ کی دو لڑی کی لڑی ڈالی توڑ

پینگیں امرّیوں میں جس وقت چڑھاتا ہوں میں
مجھ سے کہتی ہے یہ ساون کی جھڑی ڈالی توڑ

غل مچایا ترے دیوانے نے ایسا ہی کہ جھٹ
اپنی زنجیر کی ہر ایک کڑی ڈالی توڑ

کہہ کر آئے تھے کہ ہم پانچ گھڑی بیٹھیں گے
میں نے اِس دھڑکے سے کل اُن کی گھڑی ڈالی توڑ

ساتھ پریوں کے یہ ہم جھولے کہ، اِنشاؔ ہم نے
ڈالی جو آم کی تھی سب سے بڑی ڈالی توڑ

+

(۱۶۵)

پیرِ مغاں کسی کو نہ تو تشنہ کام چھوڑ
تحقیقِ خاص و عام برائے عوام چھوڑ

سایے سے اپنے کہتے ہیں نشے کی دھن میں آپ
اے شیدی[1]، اے مرے حبشی! اے غلام چھوڑ

کالی بلا کی شکل بنا کر چمٹ نہ جا
میں نے کہا 'نہ دور ہو' مجھ کو نہ تھام چھوڑ

پیکِ صبا نے آکے یہ فرہاد سے کہا
لے تیشہ اپنے ہاتھ میں، اپنا نہ کام چھوڑ

شبدیز[2] پہ سوار ہو باستانِ خسروی
شیریں نے بیستوں کی طرف دی زمام چھوڑ

ق
سُن کر اسیر باد[3]، بس آغا نے ایک جریب
دی پشتِ برہمن پہ بزورِ تمام چھوڑ

کہنے لگا "چرنجی، چرنجی" تو بولے آپ:
"کردی تو بد دعا م چرا، رام رام چھوڑ؟"

---

* یہ غزل ق، ق ۲، ق ۳ میں نہیں ہے

+ ق، ق ۲ میں ڑ کی ردیف کی صرف ایک غزل ہے: "اے دل سمجھ کے اُس کی تو زلفِ رسا کو چھیڑ"

[1] شیدی بکسر شین معجمہ۔ سیّدی کا بگڑا ہوا لفظ ہے۔ ہندوستان میں حبشی کو کہتے ہیں

[2] شبدیز خسرو پرویز کے گھوڑے کا نام تھا اب عام طور پر کالے گھوڑے کو کہتے ہیں۔

[3] آسیر باد = دعا۔ یہ تینوں شعر مزاحیہ ہیں مطلب یہ ہے کہ ایک آغا کو ایک برہمن نے دعا دی اور لفظ "آشیر باد" = آشیر واد کہا آغا سمجھا اس نے مجھے بد دعا دی کہ "اسیر باد" (تو قید ہو) اور غصے میں اس کو ایک لکڑی رسید کی۔ برہمن نے کہا "چرنجی چرنجی" (چرن جیو) یعنی تم بہت جیو آغا نے سمجھا یہ کہہ رہا ہے "چہ رنجی" یعنی تم کیا بیمار ہو یا تمھیں یہ کیوں برا معلوم ہوا۔

ایں مردمانِ ہند مرا می کنند اسیر   آم بابا، باگ جاویں گے بس این مقام چھوڑ"

اِنشاؔ غزل اک اور ہی عالم کی تو سُنا
اِس قافیے ردیف کو اب لاکلام چھوڑ

(۱۶۶)

اے آہ، اپنی تو کہیں اب آن بان چھوڑ   جاویں کدھر ملائکہ ہفت آسمان چھوڑ
صحرائے لق و دق میں سُلگتا ہوں آپ ہی آپ   وہ آگ ہوں گیا ہو جسے کاروان چھوڑ[1]
اُترے تھے جو جہاز سے اُن کی نہ لی خبر   بے رحم ناخدا نے دیے بادبان چھوڑ
محمل نشیں نے سُن کے حُدی تیری غش کیا   کیا تو نے اُشغلا یہ دیا ساربان، چھوڑ[2]
مجنوں میں کچھ رہا نہیں بس اے تپ فراق   اب اُس کے سوکھے ساکھے تو چند استخوان چھوڑ
دجّال کا معاینہ صدمہ ہو خلق پر   دیو جنوں کا ہاتھ سے میں دوں جو کان چھوڑ
ہاں کس طرح وہ "قصہ صنوبر بہ گل چہ کرد"[3]   اے قصہ خوان، ادھوری نہ یہ داستان چھوڑ
اِنشاؔ تو چل کے وادیِ مجنوں کی سیر دیکھ   ق   ایک آن تو مُصاحبتِ باغبان چھوڑ

بہرِ طوافِ قیسؔ جو آئی تھیں حورِ یاں
سو جا بجا گئی ہیں وہ اب پھول پان چھوڑ[4]

(۱۶۷)

میں نے کہا، کہ بس مجھے اے نازنیں نہ چھیڑ   میں خوش نہیں، نہیں نہیں ہرگز نہیں، نہ چھیڑ
پہنچے اگرچہ سِدرہ تلک، ہر ادب بھی شرط   اے مدِ آہ شہپرِ روح الامیں، نہ چھیڑ

---

[1] مقابلہ کرو ــ آتشے افسردۂ از کارواں واماندہ ام + ہمرہاں رفتند و خاکستر نشیم کردہ اند۔

[2] اُشغلا یا اشقلا چھوڑنا۔ شگوفہ چھوڑنا۔ کوئی ایسی بات کہنا جس سے فتنہ برپا ہو۔

[3] قصۂ گل با صنوبر چہ کرد۔ ایک مشہور قصے کی کتاب ہے۔ * ق ۲ : "قبلہ"

[4] مشہور ہے کہ پریاں جہاں اترا کرتی ہیں وہاں جاتے وقت پھول پان چھوڑ جاتی ہیں۔

اے اثر دہائے آہِ دلِ شعلہ خیز، بس — راس و ذنبؑ[1] کو بانفسِ آتشیں نہ چھیڑ
چیں بر جبیں ہو، اے بتِ چیں، تو غرور سے — اگر کلاہِ گوشۂ خاقانِ چیں نہ چھیڑ

کہہ مرثیے میں شاہدِ حیؑ[2] کے غزل ایک اور
انشاؔ کسی کا تذکرۂ بغض و کیں نہ چھیڑ

۱۶۸

اے دل، تو ذکرِ لیلیِ محمل نشیں نہ چھیڑ — ہے یہ تو سخت قصۂ اندوہ گیں، نہ چھیڑ
مجنوں کی مرگ خواب میں دیکھ اُس نے جان دی — اُس کی حکایتِ نفسِ واپسیں نہ چھیڑ
کی یہ وصیت آہ! کہ جینا جو قیس ہو — تو کہیو اُس سے بس مجھے طاقت نہیں نہ چھیڑ
دن امتحان کے وہ جو تھے سو تو ہو چکے — دوری سے اپنی اب مجھے ہو کر قریں، نہ چھیڑ
دامن سے میرے آکے لپٹ، ہمکتا رہو — اب بات وہ نہیں کہ "مری آستیں نہ چھیڑ"
دنیا کی شرم مانعِ بوس و کنار تھی — کہتا کسی کو کون ہے زیرِ زمیں، نہ چھیڑ
مکتب نہیں کہ کوئی کرے گا یہ تجھ کو منع: — اُس کی ذقن نہ چھیڑ، تو اُس کی جبیں نہ چھیڑ
تیرے سوا دخل ہے آدیں ملک جو پاس، — پھٹکے جو گرد تو کہوں "اے حورِ عیں، نہ چھیڑ"

انشاؔ اب آگے کیا کہے، پہلے ہی کہہ چکا:
"ہے یہ تو سخت قصۂ اندوہ گیں، نہ چھیڑ"

۱۶۹

اے دل سمجھ کے اُس کی تو زلفِ رسا کو چھیڑ — کم بخت کیا کرے ہے نہ کالی[*] بلا کو چھیڑ
غنچوں کو روند، گل کو مسل اور صبا کو چھیڑ — لیکن نہ اُس کے عقدۂ بندِ قبا کو چھیڑ

---

[1] راس و ذنب ستاروں میں ایک صورت سانپ کی سی پیدا ہوتی ہے جس کے ایک سمت کو راس اور دوسری کو ذنب کہتے ہیں۔
"راس" : سر۔ ذَنَب : دُم۔

[2] حَیّ : قبیلہ۔ شاہدِ حی یعنی لیلیٰ۔
[*] ق، ق ۲، ق ۳: "ایسی بلا"

میں فندقیں[1] جو اُن کی بنانے لگا تو وہ
بولے کہ چل پرے ہو، نہ میری حنا کو چھیڑ

کیا گار رہا ہے اپنی اُپج اے مُدی سرا؟
جس سے کہ قیس لوٹ ہوا اُس صدا کو چھیڑ[+]

نالوں سے میرے بجتی جو بلبل، تو بولے آپ
واہ، اے اُجڑ گئی[2]! نہ مرے آشنا کو چھیڑ

شوریدگانِ عشق سے باتوں میں مت اُلجھ
اے بے ادب پرے، نہ گروہِ خدا کو چھیڑ

اے ہمنشیں، یہ موسمِ ہولی ہے ان دنوں
منظور ہے جو سیر تو اُس خوش ادا کو چھیڑ ق

لیکن کچھ اور سوانگ نہ لا، سر پر اپنے ایک
نیلا قصابہ[3] باندھ کے اُن کی ودا کو چھیڑ

چمکا نہ میرے سامنے، اے مہر، آئینہ
کہتا ہوں بات مان، نہ اہلِ صفا کو چھیڑ

ایک بوالہوس نے ان کی جو اُنّا سے کچھ کہا
رستے میں اپنے توسنِ حرص و ہوا کو چھیڑ ق

برقع اُلٹ کے منہ سے وہ کہنے لگی: پچھے!
بیٹا کسی جوان سے سازِ وفا کو چھیڑ

دیکھے بھی ہے کسی کو، دِوانا تو کچھ نہیں؟
میّا کو اپنی چھیڑ، تو اپنی بوا کو چھیڑ

انشا جو ہوئی ہوئے سو ہو دل کہے ہے یوں
تا چند ضبط؟ آج تو اُس دلربا کو چھیڑ ق

لے جا کے چپکے چپکے دوشالے کے نیچے ہاتھ
ناخن گڑو کے چٹکی لے، انگشتِ پا کو چھیڑ

ردیف (ز)

(۱۷۰)

خط ترا فورستہ دیکھ اے یار شوخ و شنگ سبز
زہر کھا اپنا زمرد نے کیا ہے رنگ سبز

اپنی آنکھوں کی جھڑی بھی کم نہیں برسات سے
فیض سے جس کے ہوئے ہیں سیکڑوں فرسنگ سبز

+ ق، ق ۲ میں یہ شعر نہیں ہے۔

[1] فندق ایک سرخ میوہ۔ یہاں انگلی کا پوٹلا یا انگلی پور مراد ہے۔ فندق بنانا = انگلی کے پوٹے پر مہندی لگانا۔

[2] اے اُجڑ گئی (عورتوں کی زبان میں) = اے کم بخت، اے خانہ خراب۔

[3] قصابہ وہ رومال جو عورتیں اپنے سر پر باندھتی ہیں۔

اشک کا قطرہ جو ٹپکا ریزۂ الماس تھا — کیا تعجب گر اثر سے اُس کے ہو ہر سنگ سبز

عشق میں ہونے نہیں پاتے کسی عنوان سے — غیرت و عار و حیا و شرم و نام و ننگ سبز[1]

کیوں نہ ہو سر سبز انشاؔ مثلِ سروِ سبز آج
سبزۂ نوخیز ساقی سبز تِس پر بنگ سبز

ردیف (س)

(۱۷۱)

باغِ امید میں یوں ہر چمنِ یاس کی باس — جوں بہم ہووے گلاب اور انناس کی باس

اے سحر چاکِ گریباں سے ترے آتی ہے — مجھ کو کچھ حضرتِ عیسٰی کے سے انفاس کی باس

کیوں نہ پھر کورے سکورے میں مجھے بھادے شراب — ساقیا اس میں سے آتی ہے چلی پیاس کی باس

چپکے ابلیۂ زاہد نے کہا* بوسے کے وقت — آپ کی ڈاڑھی میں کیا رچ رہی ہے ناس کی باس

بحر و بر[2] سے مجھے آتی ہے مدام، اے انشاؔ
جامۂ خضر کی اور جُبّۂ الیاس کی باس

(۱۷۲)

پھنس گئی عندلیب ہو بیکس — ہائے تنہائی اور کنجِ قفس

قیس لیلیٰ سے مل گیا شاید — نہیں آتی جو آج بانگِ جرس

اُس کے پرتو کے سب یہ جلوے تھے — موسیٰ و نور و نار و طورِ و قبس

آئے وحشت کے پھر بہار کے دن — ہو چکا ہم سے خیر ضبطِ نفس

---

[1] سبز ہونا: یعنی کامیاب ہونا۔

[2] بحر و بر اور خضر و الیاس میں لف و نشر غیر مرتب ہے

* ق ۳: "جھک کے آئینہ نے زاہد سے کہا"

میں جو شب اُن سے راہ میں لپٹا	ہم حالم رہا، نہ خوفِ عسس
ہاتھا پائی ہوئی کچھ ایسی کہ پھر	اُن کی انگلی کی چڑھ گئی جھٹ نس
لگے کہنے کہ میرے دامن کو	نہیں اب تک کیا کسی نے مس
مفت جل جائے گا، پڑے بھی سرک	ارے میں آگ اور تو ہی خس
جب کہ دیکھا کہ چھوڑتا ہی نہیں	تب تو ٹھہری کہ دیں گے بوسے دس
گن کے دس لے لئے گیارہواں نہ سہی	مجھے پیٹے کرے جو اور ہوس

ایک، دو، تین، چار، پانچ، چھ، سات
آٹھ، نو، دس ہوئے، بس، انشا بس

(۱۷۳)

بس نہ دنیا کی کر اے صاحبِ ادراک ہوس	خاک ہی خاک ہے سب، خاک کی کیا خاک ہوس
لے گئے اینڈنے کی وہ جو تہِ خاک ہوس	اب نکالیں گے وہ بن کر شجرِ تاک ہوس
تھوڑی سی عمر میں کس شے کی ہوس کیجے کہ کچھ	کرنے دیتی ہی نہیں گردشِ افلاک ہوس
جھانک کمرے کو دکھاتا نہ رہے باقی اور	تیرے بسمل کو کچھ، اے قاتلِ سفاک، ہوس
روحِ مجنوں سے کوئی پوچھے کہ کیا رکھتی ہے	دشت پیمائے بیابانِ خطرناک ہوس
تک ہم آغوش ہو مجھ سے کہ نکالے تو سہی	کچھ تو اپنی بھی، گریبان کا مرے چاک، ہوس
صید ہونے کی، غزالوں کو نہ آوے کیونکر	لہلہی[1] دیکھ کے دھانی تری پوشاک، ہوس
بھر گئے دامنِ نظارہ میں نرگس کے پھول	اور کیا رکھے ہے اک دیدۂ نمناک، ہوس
میں نکالوں ہوں تصدق ہو بگولے کی طرح،	کوچۂ یار میں باہر خس و خاشاک، ہوس
جب تلک شیشۂ صہبا نہ ہو اے زاہدِ خشک	یہاں بجھا دے ہے کوئی کاسۂ تریاک، ہوس؟

چل مدینے کی زیارت کو تو انشاء اللہ
کر نکالیں گے تری وہاں شہِ لولاک ہوس

---

[1] لہلہی = لہلہاتی۔

١٧٤

زلف و چشمِ یار ہیں دام گرہ گیر و قفس
تھی اسیری اپنی قسمت میں بزنجیر و قفس

ہیں ترے ابرو و مژگان و نگاہ و چشم، آہ
طائرِ دل کو کمان و ناوک و تیر و قفس

پار ہونا بحرِ اُلفت سے نہیں ممکن، کہ ہے
موج و گردابِ حوادث مثلِ زنجیر و قفس

شامِ غربت آن پہونچی ہمصفیرو، ساتھ مل
پھیر[۱] ہم ہیں اور فریادِ بم و زیر و قفس

کر رہا صیاد جلدی سے کہ جاے رحم ہے
دیکھ تو ظالم بھلا یہ صیدِ دلگیر و قفس

بال و پر توڑ ٹک ہلاؤ پنجہ و منقار سے
ہمصفیرو، توڑ ڈالو دام کو، چیر و قفس

مرغِ روح اپنا نہ کر جاوے کہیں پرواز، ہاں
کردو اِس سینے کو اے صیاد کے تیر و قفس

بال و پر اُڑ جائیں گو ہو دام میں مجروح سب
چھوڑیو ہرگز نہ لیکن سُن لو، نخچیر و! قفس

صیدِ دل کی پھر خبر صیاد نے اِنشؔا نہ لی
جرمِ اُلفت کے عوض میں ہے یہ تعزیر و قفس

١٧٥

پھر تو کہہ بھر کے دمِ سرد "مرے ہونٹ نہ چوس"
ہاں وہ کس طرح کہ "بیدرد! مرے ہونٹ نہ چوس"

تھر ہے لعلِ مسی زیب سے تیرا کہنا
"رنگِ یاقوت ہے یاں گرد، مرے ہونٹ نہ چوس"

"رہ فضیحت نہ ہو، چلوں تو مجھے چھوڑنے دے
دیکھ یہ جاگہ ہے بے پرد، مرے ہونٹ نہ چوس"

"مجھ کو حیران نہ کر، چھوڑ تری دہشت سے
دیکھ رخسار ہوئے زرد، مرے ہونٹ نہ چوس"

صدقے اِس ناز کے اِنشؔا سے یہ کہنا "چل بے
چوٹ لگتی ہے، ہو اودر د، مرے ہونٹ نہ چوس"

---

[۱] "پھیر" پرانا لفظ ہے۔ اب "پھر" بولتے ہیں۔

ردیف (ش)

۱۷۶

بہت غنیمت کہ خود بدولت نے یاں جو کی ایک دم نوازش
کمالِ الطاف و مہربانی بڑی توجہ کرم نوازش
غلام بے دام جی سے فدوی محبّ صادق رجوع حاضر
غضب ہے اس پر بھی میرے حق میں جو آپ فرماویں کم نوازش
وہی تفقّد وہی تلطّف جو آپ اگلی طرح سے رکھتے
تو بندہ خانے میں میرے کرتے بھلا یہ کیوں درد و غم نوازش
برہمنانِ کنشت بولے مجھے جو کل راہ میں ملے سب
کبھی تو از بہر سیر کیجے لبوے بیت الصنم نوازش
کسی کے خط میں سلام آ گئے کبھی جو لکھتے تھے وہ بھی چھوٹا
غرض کہ تم ہم کو ایسے بھولے گئی وہ سب یک قلم نوازش
سبھوں سے خلطہ گریز ہم سے، یہی تو ہر بات اپنے ڈھب کی
ستم جو مخصوص ایک پر ہو سمجھ کہ ہر وہ ستم نوازش
تصدّق اپنے خدا کے جاؤں کہ پیار آتا ہے مجھ کو، انشا
اِدھر سے ایسے گناہِ پیہم اُدھر سے وہ دمبدم نوازش

۱۷۷

ہو جائے اگر جہاں فراموش — کب دل سے ہو دلستاں فراموش
جاتے ہو، تو یاد رکھیو مجھ کو — مت کیجیو، مہرباں، فراموش
صد حیف، کیا بچھڑ کے ہم کو — تم نے اے قدرداں، فراموش

اِس طرح بھی دوستوں کو اپنے — کرتے ہیں دوستاں فراموش
سبحان اللہ ہی یہ اِنصاف — یہاں یاد ہی اور وہاں فراموش
تو بولے: یہ دخل کیا ہی، ہم تو — کر بیٹھے ہیں خود کو یہاں فراموش
ایسا تجھے ہو گیا یکایک
اِنشا اللہ خاں فراموش

(۱۷۸)

بہار ہو کے مجسم بوضع بادلہ پوش — ہوئی جو آ کے خیاباں میں مجھ سے ہم آغوش
گلے لپٹ کے یہ کہنے لگی ببب کیا ہی — برنگِ بلبلِ تصویر کیوں ہو تم خاموش
نسیم وار کہا میں نے بھر کے ٹھنڈی سانس — کہ یاں فراق میں یاروں کے کچھ نہیں ہی ہوش
رفیق و ہمدم و ہمراز سب گئے لشکر — شگفتگی نہ رہی طبع کو، نہ جوشش و خروش
کہاں وہ گرمیِ صحبت کہ دل کو ہو واشد[۱] — ہوائے ہجر اُڑا لے گئی سب اپنے ہوش
سنیں بہار نے القصہ جبکہ یہ باتیں — کہا یہ مصلحتہً مجھ سے ہو کے جلوہ فروش
شتاب جا کے ملو تم وزیرِ اعظم[۲] سے — ہلالِ چرخ ہی جس کا غلامِ حلقہ بگوش
کنایہ فہم و لطافت پسند و خوش اخلاق — اُمیدگاہِ عزیزانِ عصر و عُذر نیوش
نگاہِ لُطف سے جس کے جہاں ہی مالا مال — نہفتہ لعل میں جس کے زُلالِ چشمۂ نوش
ہجومِ ماہ وشاں اُس کی بزم میں ہر شب — صدائے بین و دف و چنگ و بانگِ نوشا نوش
یہ سُن کے لائے ہیں تشریف میر اِنشا بھی — پَے مُغانۂ عشرت سے تاکہ ہوں مدہوش
زمامِ توسنِ اقبال ہاتھ ہو تیرے
خوشی رکاب میں اقبالِ غاشیہ بر دوش

---

[۱] واشد = شگفتگی

[۲] یعنی نواب سعادت علی خاں۔ غالباً یہ غزل نوکر ہونے سے پہلے کی ہی۔

(۱۷۹)

کیوں ساقیا نہ لال ہو اپنا یہ رنگِ فرش
شیشے شرابِ سُرخ کے ہیں جائے سنگِ فرش

جوں آئنہ ہے اُس کی جہاں چاندنی بچھی
واں عرشیوں کے پانوں کا سایہ ہے رنگِ فرش

تم نے پلنگ دور بچھایا تو کیا ہوا
تم جانتے ہو مجھ کو کہ میں ہوں پلنگِ فرش[1]

شیخِ دراز قد نے جو مجلس میں ڈگ دھرے[2]
پھبتی کہی سبھوں نے کہ آیا کلنگِ فرش

تک فربہی کو شیخ کی دیکھو کہ ہے زیاد
دریا کے بھی نہنگ سے کچھ یہ نہنگِ فرش

ق

جو مجھ میں اور اُن میں دھما چوکڑی مچی
فرّاش بولے زور ہوئی یہ تو جنگِ فرش

دھبّا پڑا جو پانو سے اِنشاؔ کے بول اُٹھے:
کیا سخت بے لحاظ ہے، ہے ہے! یہ ننگِ فرش

ردیف (ص)

(۱۸۰)

کیوں نہ دل دوں اُسے، دنیا میں نہیں ایسا شخص
یارو دیکھا بھی ہے دنیا میں کہیں ایسا شخص

موجِ دریائے نزاکت میں نہ ڈوبوں کیونکر
جس گھڑی غصّے میں ہو چیں بجبیں ایسا شخص

مقتبس نور سے ہے جس کے حرم کا جلوہ
چڑھ گیا اپنی نظر آج یہیں ایسا شخص

جس کی صورت کی طرف دیکھ بھچک[3] سب رہ جائیں
چاہیے بزم میں ہو صدر نشیں ایسا شخص

کوئی ممکن ہے بھلا جان بچے، دیکھو تو
دوستو! جس سے کہ ہو برسرِ کیں ایسا شخص

کیوں خرابات نہ ہو خانۂ اِسلام بھلا
ہو جو بُت خانے میں غارت گرِ دیں ایسا شخص

---

[1] پلنگ فرش یعنی شیر اور چیتے وغیرہ کی تصویر جو قالین یا فرش پر بناتے ہیں۔

[2] ڈگ دھرنا = لمبے قدم رکھنا۔ کلنگ = ایک دراز قد مرغ۔

[3] بھچک = بھوچکّا، حیران۔

سب مکانات سے پھر کیوں نہ شرف ہو دل کو — دیکھ تو جس میں ہو، اللہ اکمیں ایسا شخص
ساکنِ کوے صنم خانہ ہوں کب رکھتے ہے — ہوسِ گلشنِ فردوسِ بریں ایسا شخص
متصل سوجھتے جاتے ہیں ہزاروں مضموں — آج بیٹھا ہے مرے ہو کے قریں ایسا شخص

یارب، انشاؔ کو سدا عیش و طرب میں خوش رکھ
حیف ہے جورِ فلک سے ہو حزیں ایسا شخص

ردیف (ض)

(۱۸۱)

لے ہی چکا نہ دل کو تو اے بے وفا، غرض — آوے جو میرے پاس، تجھے اب سو کیا غرض
اپنی گلی میں دیکھ کے کہنے لگا[^] مجھے — ق کیا میرے پاس آنے سے تجھ کو بھلا غرض
کیوں، فائدہ بھی، کس لیے کاہے کو واسطہ* — موجب، سبب، حصول بھی کچھ، مدعا، غرض؟
مطلق نہ آشنائیِ دنیا پہ کر گھمنڈ — ظاہر پرست ہوتے ہیں یہ سب آشنا غرض

انشاؔ خیالِ محض ہے اِس پر نہ بھولیو
ہرگز کسی کے ساتھ نہ ڈالے خدا غرض

(۱۸۲)

زہے نسائم[1] فیضانِ مبدءِ فیّاض — نمود جس سے ہوئے سب جواہر و اعراض
مدام ناصیہ سا ہیں حضور میں جس کے — سوادِ چشمِ شب و گردنِ سحر کی بیاض[2]
بدیعِ فطرت و خیّاطِ جامۂ تنویر — وہ جس کے ہاتھ گریبانِ صبح کی مقراض

---

[1] نسائم (صبح نسیم کی)، خوشگوار ہوائیں۔ ن — لگے

[2] بیاض = سفیدی۔ سواد = سیاہی۔

* ق ۳ : "کاہے کے واسطے"۔

حکیم و حاکمِ محکامِ دہر جس سے ہیں | ہمیشہ خلقِ جہاں کو ہزار ہا اَغراض
ریاضی اور طبیعی سے ماحصل یہ ہے | الٰہیات سے تا فہم کو نہ ہو اِعراض[۱]
مجرّداتِ[۲] کو مخلوق بے مواد کیا | سیاستِ بدنی سیکھ جاویں تا مرتاض
شفا اسی نے تصدّق سے اپنے دی مجھ کو | ہزار شکر کہ سب دفع ہو گئے اَمراض

وگرنہ دیکھ کے، انشاؔ یہ نبض ہوتا تھا
غریقِ بحرِ تحیّر مسیح سا نبّاض

ردیف (ط)

۱۸۳ +

میں بہانے جو لگا لے کے مےِ ناب کی بط | چیخ کر دوڑ پڑی باغ کے تالاب کی بط
سن کے پانوں کی آہٹ بھی کر اٹھے ہے شور | ہے غضب دشمنِ جاں عاشقِ بےخواب کی بط
وار سے پار تو آ جاوے کسی رات اے کاش | بن کھڑی ہو جو صدائے دلِ سرخاب کی بط
شغل کے واسطے طاؤس بناؤ تو سہی | پر نہیں بننے کی پاجامۂ کمخاب کی بط

جوش پر دیکھ کے کل چشمۂ مہتاب انشاؔ
بن گئی غیب سے اک طائرِ سیماب کی بط

۱۸۴

کیا دخل تیرے غم میں رہے تن میں جاں غلط | حاشا غلط، غلط غلط، اے مہرباں، غلط
دو چار دن جو تم سے نہ بولے تو کیا ہوا | پر چاہیے ہمیشہ سمجھے، یہ کہاں، غلط

---

[۱] اِعراض = روگردانی۔

[۲] مجرّدات = عقول عشرہ۔ مواد جمع مادّہ۔ مرتاض۔ ریاضت کرنے والے۔

+ ق، ق ۲، ق ۳ میں یہ غزل نہیں ہے۔

میں اور ترکِ عشق بھلا کچھ بھی ربط ہے — اے مہرباں، غلط غلط، اے قدرداں، غلط
تصمیم عزمِ کعبہ نہ ہو تو بھی، زاہدا! — گو ہم نے کی بھی ہو رہِ کوئے بتاں، غلط
اے میرِ حاج، چپ ہو، خدا کا بھی نام لے — مجھ سے ہو ترکِ صحبتِ پیرِ مغاں، غلط
آوارہ دشتِ شوق میں مانندِ گرد باد — بھٹکا پھرا ہوں کرکے رہِ کارواں، غلط

اِنشاؔ سے اب خیال ہے اِفشائے راز کا
ہے وہ جو کچھ کہ آپ کے خاطر نشاں، غلط

۱۸۵

کس طرح سے مجھ سے تم سے ہووے باہم اختلاط — میں تو بے جرأت یہاں تک، تم سو یہ کم اِختلاط
آپ کی خدمت میں جُز عرضِ نیاز و بندگی — ہے مجال اپنی بھلا کچھ کرسکیں ہم اِختلاط
مُنہ سنبھالو، گالیاں مت دو، بس اب چپکے رہو — اپنی چڑ ہے اِس طرح کا، یار، ہر دم اِختلاط
نیند سے غنچوں کو چونکاتی ہے چھینٹے منہ پہ دے — کر رہی ہے گلستاں میں زورِ شبنم اِختلاط

جو خصوصیت کہ اِنشاؔ کو ہے اوروں کو کہاں
گرچہ رکھتا آپ سے ہے ایک عالم اِختلاط۔

۱۸۶

مجھ سے فسردہ طبع کو کیا سیرِ باغ شرط — یارو، معاف رکھیو، اِسے ہے دماغ شرط
گو خاک اُڑاتے پھرتے ہیں مانندِ گردِ باد* — لینا ہے اپنے یار کا ہم کو سُراغ شرط
لو ہم میں تم میں یاد فراموش بھی سہی — پھر تازہ آج توڑ کے باندھیں چناغ شرط

---

۵ میرِ حاج : حاجیوں کے قافلے کا سردار۔
۶ یاد فراموش ۔ ایک کھیل ہے جس میں یہ دونوں لفظ یعنی یاد اور فراموش استعمال کئے جاتے ہیں ترکی میں اس کو چُناغ جُناق کہتے ہیں بمعنی شرط باندھنا۔
* ق ۱: "پھرتے یہ"۔ ق ۲: "پھرتے یہ"۔
مطلب : ہم ظاہر میں تو بگولے کے مانند ہیں جس کا خاک اُڑانا ایک لا حاصل حرکت ہے مگر ہم جو ایسا کر رہے ہیں اُس کا مقصد بہت اہم ہے یعنی یار کا سراغ لینا۔

گو سینہ داغ داغ ہے، خوں ہو جگر، و لے ۔۔۔ جوں لالہ مجھ کو ہاتھ میں لینا ایاغ شرط

انشاؔ، دماغِ شعر و سخن اب کہاں رہا

ہے سچ تو یوں کہ چاہیے اِس کو دماغ* شرط

ردیف (ظ)

(۱۸۷)

کس کو سنا کر کہا آپ نے: "ادب بے لحاظ" ۔۔۔ مجھ سے نہ اتنے ابھی† ہوتے رہو بے لحاظ

گریہ کناں دیکھ کر مجھ کو کہا شوخ نے ۔۔۔ تاڑتے ہیں لوگ سب چپ ہو نہ رو، بے لحاظ

ہو نہ ہو ہی کل ڈالیے ہے یہ ٹھنی دل میں، خیر ۔۔۔ اُس کو مجھے ایک تم کہنے تو دو "بے لحاظ"

پانوں لگا دابنے میں تو وہ غصّے ہو رات ۔۔۔ کہنے لگا چونک کر چھوڑ یہ خو، بے لحاظ

آج تو جو دل میں ہو یار سے کہہ بیٹھیے ۔۔۔ ایک گھڑی کے لیے ہو جیے گو بے لحاظ

سیکھ ادب لاکھ بار ہم نے کہا بات مان ۔۔۔ ق ۔۔۔ پھر وہی کرنے لگا، کرتے ہیں جو بے لحاظ

چھوڑیے اب انشاؔ کو، ئی آپ کو یہ دخل کیا

اور بھی دو گالیاں، اور کہو "بے لحاظ"

ردیف (ع)

(۱۸۸)

تجھ سے ہے ساقی ایک جام طمع ۔۔۔ اور رکھتا نہیں غلام طمع

مجھ سے پیرِ مغاں نے فرمایا ۔۔۔ اپنے مشرب میں ہے حرام طمع

تو نے وہ ماجرا سنا کہ نہیں ۔۔۔ ق ۔۔۔ کر کے آئے تھے خاص و عام طمع

---

* ق: "فراغ"۔ † ق ۱، ق ۳: "اتنی رہی"۔

سرِ مینا سے ریشِ قاضی[ل] کھینچ — جو حریفوں نے کی مدام طمع
اُس میں کچھ مے نہ تھی صدا آئی — "گوزِ مفلس بریشِ خام طمع"
جتنے ہیں اپنے آشنا و رفیق — اُن سے یاں ہے فقط سلام طمع
دخل کیا ہے اگر کبھی کیجے — دولت و جاہ و احتشام طمع
ہاں مگر اس قدر کہ ہے مجھ کو — عز و تعظیم و احترام طمع
نہ دکھاوے وہ دن خدائے کریم — کہ رکھوں اُن کسے ایک دام طمع

چیز ہے القصہ اپنی اے انشا
ہر زمانے میں جس کا نام طمع

۱۸۹

بوقتِ صبح ہو یوں نشۂ شراب طلوع — کہ جیسے شرق سے کرتا ہے آفتاب طلوع
یکایک ابر سے شیشے کے ہوگیا ساقی — وفورِ نور سے خورشیدِ جام ناب طلوع
جو دیکھے اشعۂ لمعات کی جھلک اُس کے — شعاعِ شمس کی ٹک لا سکے نہ تاب طلوع
اُفق سے مشرقِ طفلی کی ناگہاں وہاں تو — بسانِ نیرِ اعظم ہوا شباب طلوع

شبِ فراق کی ظلمت سے ہے بہ تنگ انشا
خدا کے واسطے اے مہر کر شتاب طلوع

۱۹۰

سمجھے ہیں قدسیاں جسے شاہِ جہاں مُطاع — سو حال سے فقیر کے رکھتا ہے اطلاع
حاشا کہ اس کو مت سمجھ آدر دیہ جو ہے — جوش و خروش و ولولہ و حالت و سماع
یہ سادگی، یہ وضع، بھلا تو ہے کون شخص؟ — جس بات میں کہ دیکھیے ہے تازہ اختراع

ل ریشِ قاضی = شراب کی صافی یعنی چھننے کو کہتے ہیں۔ گوزِ مفلس بریشِ خام طمع، ایک فارسی محاورہ ہے اپنی بیکار کی حرص کرنے والے سو ہمیشہ خفت ہوتی ہے۔ ن۔ حریفاں

ہرگز جہاں پہنچ نہ سکے طائرِ خیال
ہر کاخ[۱] فضل کا ترے یہ عظم و ارتفاع
رہتا کسی طرح سے نہیں دل کو کیا کروں
تو بیخ و زجر تا بکجا، کب تک امتناع
آزردہ تم جو مجھ سے ہوئے کس لیے بھلا!
تقصیر و جرم، واسطہ، کچھ موجبِ نزاع؟
ہر کون جز ائمہ اثنا عشر بخلق
انشاؔ امورِ دیں میں کرے جس کی اتباع

ردیف (غ)

(۱۹۱)

اے آتشِ فراق نزابل بے سوزِ داغ
جھلکے ہر دل میں دور سے جوں دیر کا چراغ
آنکھوں میں تا کہ نشۂ وحدت کا ہو طلوع
ساقی مے مغانہ سے بھر دے مرا ایاغ
بیٹھا ہے آج مجلسِ رنداں میں شیخ یوں
طوطی کے ساتھ جیسے کوئی ہم قفس ہو زاغ
پیدا لگاوٹ، آہ، کسی ساتھ کیجیے
لیکن دل و دماغ کہاں، کس کو یہ فراغ؟
پہنچوں میں کس کی کنہ حقیقت کو؟ آج تک
انشاؔ مجھے ملا نہیں اپنا ہی کچھ سراغ

(۱۹۲)

روشن ہے ملکِ دل میں ہمارے چراغِ داغ
ہفتم فلک سے کیوں نہ پرے ہو دماغِ داغ
ہر دانۂ سرشک تو ہے بار و برگ[۲] یاس
بارے شجر سے آہ کے ٹھہرا ہے باغِ داغ
فصلِ خزاں میں اڑ جو گئی بلبلِ نشاط
گلشن میں دل کے بیٹھے ہیں آکر کلاغِ داغ
ہم ہی تمام عشق کی آتش سے پھنک گئے
اے بے خبر، تو ڈھونڈھے ہے اب تک سراغِ داغ

---

[۱] کاخ = محل۔

[۲] بار و برگ = پھل اور پتے یعنی ساز و سامان۔

اپنے لیے تو ہجر میں تھا، تیرے واسطے ۔۔۔ اب وصل بھی ہوا ہے تو باقی ہے داغِ داغ

اِنشاؔ نہ پوچھ ہجر میں ساقی کے حال کچھ
پیتا ہوں خونِ دل ہی میں بھر بھر ایاغِ داغ

(۱۹۳)

بخشا یہ حق نے اُس لبِ گلفام کو فروغ ۔۔۔ سایے سے جن کے عکس کے ہر جام کو فروغ

بل بے جھگڑے چاند سے کھڑے کے واچھڑے ۔۔۔ کچھ اور ہی ہے جس سے لبِ بام کو فروغ

مثلِ گہر چمکتے ہیں پاؤں کے آبلے ۔۔۔ کیوں کر نہ ہووے اپنے ہر اک گام کو فروغ

اے میر حاج، دیکھیو کعبے کی راہ میں ۔۔۔ ہر کیا ہی، آ کے رندِ مئے آشام کو فروغ

تورانی ایک نعرۂ لبیک کھینچ کر ۔۔۔ بخشا ہے ہم نے جامۂ اِحرام کو فروغ

میں ہوں وہ صیدِ تازہ گرفتار، ہم قفس! ۔۔۔ جس کے شرارِ اشک سے ہے دام کو فروغ

یارب سریر بخش سلیماں شکوہ کو ۔۔۔ ق ۔۔۔ مثلِ نگیں ہو اپنے بھی کچھ نام کو فروغ

تا آفتابِ مہرِ علیؓ کی شعاع سے ۔۔۔ اُس کے سبب ہو خانۂ اِسلام کو فروغ

دے اُس کے چتر و تاج کو ایسی ہی روشنی ۔۔۔ گر روم میں ہو وہ تو دے شام کو فروغ

اِنشاؔ، ترا جو داغِ جگر خونچکاں ہو ٹک
باقی رہے نہ کچھ شفقِ شام کو فروغ

ردیف (ف)

٭

(۱۹۴)

ہم جو ولی ہوں تو پڑے اپنی نگاہ صاف صاف ۔۔۔ ذرہ[1] الٹ پلٹ میں ہے یاں تو گناہ صاف صاف

+ ق، ق ۳: "اتنے لیے" کچھ درست نہیں معلوم ہوتا۔
ق ۲: "اپنے لیے تو ہجر میں تھا" (یعنی ہمارے لیے تو ہجر میں داغ تھا مگر تیرے واسطے وصل ہو جانے پر داغ کا داغ باقی ہے۔
٭ ق، ق ۲ میں یہ غزل نہیں ہے۔
[1] [ذرہ" یہاں "ذرا" کے مفہوم میں ہے۔ پرانی زبان ہے۔]

ہوتی تھی آگے چھیڑ چھاڑ غیر پہ دھر کے سو کبھی* — اب تو لگے سنانے آپ واہ جی واہ صاف صاف

کیا نہیں باقی اب رہی بوند لہو کی ایک بھی — نکلے ہے دھوئیں دھائیں سی آج جو آہ صاف صاف

دور کی دیکھ بھال سے ہو جو نباہ، سو بخیر — تو نظر آئے ہیں یہی صورتِ ماہ صاف صاف

قصہ کیا تھا تم نے جھوٹ قسپہ جڑ کے یہ بات ہے؟† — اس کو کوئیں میں دو ڈھکیل جس کی ہو چاہ صاف صاف

نادرِ[1] ملکِ حسن ہیں آپ بہ سن چار دہ ق — چہرہ میں ہے یہ کچھ دمک جیسے ہو ماہ صاف صاف

کھینچ کے تیغ قتلِ عام کیجیے جو ہو سامنے — قتل ہے قتل قتل قتل خواہ نخواہ صاف صاف

ایک ہی ڈھب سے انشا آہ آہ نہ کر تو ہر گھڑی
شام کر آہ ایک ایک صبح کر آہ صاف صاف

‡

۱۹۵

لکھ مرے قتل کے محضر پہ تو شنجرف کے حرف — تا وہ سب یاد رہیں لوہو بھرے حرف کے حرف

"یا علی" سوزنِ مژگاں سے بھرا دل پر تو — بن گئے رشتۂ تارِ نگہِ ژرف کے حرف

"نوش جاں" ہے جو نرے، جامِ بلوریں پہ کھدا — اس کے گویا کہ تراشیدہ ہیں سب حرف کے حرف

پنجتنِ پاک کے جو نام ہیں سب گرد اگرد — زیب وہ تیری کلہ کے ہیں وہ ہر طرف کے حرف

قتل یقتل قتلاً ہی پڑھے ہے قاتل — کبھی دو چار جو سنتا ہے وہ کم ظرف کے حرف

تیس حرفوں ہی میں سب کچھ ہے یہ انشا سچ ہے
بس یہی نحو کے ہیں حرف، یہی صرف کے حرف

۱۹۶

عالم میں دوستی کے اور اس قدر تکلف — اٹھ جائے چاہیے سب باہمد گر تکلف

---

* ق ۳: "ہوتی تھی آگے چھیڑ چھاڑ غیر کے در پہ سو کبھی" مگر مطبوعہ نسخوں میں "غیر پہ دھر کے" جو بہتر ہے۔

† ق ۳: قصہ کیا تھا۔ اپنی جھوٹ نسپہ جوڑ کر یہ بات ہے۔ "آپ نے وزن سے خارج ہوتا ہے۔ غالباً "تم نے" کی جگہ غلطی سے لکھا گیا ہے۔

‡ یہ غزل ق ۳ میں نہیں ہے۔

[1] اس قطعے میں نادر شاہ کے قتلِ عام کی تلمیح ہے۔

اب تک ہو ہم سے تم کو مدِ نظر تکلّف ق — تعظیم یعنی اِتنی[ع] ہر وقت فائدہ کیا ہے
یوہیں رہا کرے گا ہم سے اگر تکلّف — پھر چند روز کو ہم ہو جائیں گے اجیرن
یہ التماس سُنیے مشفق، مگر تکلّف — اوضاع سب تمھارے دلچسپ خوب تر ہیں

دو چار دن ہوا تو ہو وے ولیکن اِنشا
آپس میں کب* نبھے گا یوں عمر بھر تکلّف

۱۹۷

میرزا صاحب الطاف نشاں سلمہ — بعد اِظہار تمنّا یہ تمھیں ہو مکشوف
اتنی مدت میں کبھی خط بھی[۱] نہ لکھ کر بھیجا — سچ کہ[۲] منہ دیکھے کی الفت، یہ مثل ہو معروف
سخت یاد آتے ہو واللہ خدا شاہد[۳] ہو — تم سے ہو اپنی طبیعت تو[۴] نہایت مالوف
اشتیاق آہ بہت تھا غرض اِس باعث سے — گلہ آمیز جو خدمت میں لکھے چند حروف
تشنہ ہر حرف میں چھوڑا ہو سمجھ[۵] لیں نا تم — زیر ہر سطر عبارات میں[۶] لاکھوں محذوف

سر بہ مُہر اُس کے لگے ہاتھ میں اِنشا اللہ
واسطے جس کے یہ اِنشا نے کیا خط ملفوف

ردیف (ق)

۱۹۸

پہنچے فغاں کا جوش جو اپنی بہ گوشِ برق — جل جاوے دم میں خرمنِ جوش و خروشِ برق

ع ق ۲ "تعظیم یعنی اتنی"، ق ۳: "اپنی یعنی"۔ * ق ۳: "کیونکر" (= کیوں کر؟)۔

ٰ مطبوعہ نسخوں میں یہ نہیں ہو

[۱] ق ۲: "خط بھی" نہیں ہو۔ [۲] ق ۳: "کی" [۳] ق ۳: "حافظ" [۴] ق ۲، ق ۳: "یہ"
[۵] ق ۲: "سمجھ" [۶] ق: "ہیں"۔

گر ابر مثلِ پنبہ نہ ہووے بگوشِ برق　　کھو دیوے اپنی آہِ شرر بار ہوشِ برق
کم مایہ ہی طپش سے یہ روشن ہو خلق پر　　ابرِ بہار ہو نہ اگر عیب پوشِ برق
رکھ اسے ہوائے عیش و طرب میرے دوش پر　　ہر دوشِ ابر بار اگر بارِ دوشِ برق
اِنشا تری[+] فغانِ دلِ زار ہر ہر آن
خجلت کنندۂ طپش و سوز و جوشِ برق

۱۹۹

ٹک قیس کو چھیڑ چھاڑ کر عشق　ق　لپٹا مجھے پنجے جھاڑ[۱] کر عشق
خم ٹھونک، مرے ہوا مقابل　　فرہاد کو وہیں پچھاڑ کر عشق
آیا کج و واکج[۲] اس طرف کو　　وامق کا گھر اجاڑ کر عشق
لے فوجِ سرشک و پرچمِ آہ　　جھپٹا یوں بھیڑ بھاڑ کر عشق[‡]
القصہ سبھوں کے ہو مقابل　　پہنچا اب مجھ کو تاڑ کر عشق
تا دامنِ کوہ کھینچ لایا　　جنگل میں انھوں کو گاڑ کر عشق
ہم[§] "عشق اللہ" بولے[۳] تو بھی　　چنگھاڑ کے آئے پہاڑ کر عشق
ہر ہر، انشا ہمارے دل کو
بے طرح گیا لتاڑ کر عشق

۲۰۰

ناداں کہاں طرب کا سر انجام اور عشق　　کچھ بھی تجھے شعور ہے؟ آرام اور عشق؟

+ ق، ق ۲، ق ۳: "ترا"
۱ پنجے جھاڑ کے لپٹا یعنی اس طرح لپٹا کہ کبھی پھر نہ چھوٹنے پائے۔
۲ کج و واکج: ٹیڑھا سیدھا گرتا پڑتا۔
‡ ق، ق ۲ میں یہ شعر نہیں ہے۔
§ ق، ق ۳: "ہم" — ق ۲: "تم"۔
۳ یعنی ہم نے سلام کیا۔ آزاد فقیر بجائے "السلام علیکم" کے "عشق اللہ" کہتے ہیں اور مخاطب اس کے جواب میں "مدد اللہ" کہتا ہے۔

لینے نہ دیویں گے مجھے ٹک چین جیتے جی — دشمن یہ دونوں: گردشِ ایام اور عشق
یاں غش ہیں شوقِ طوف میں، یارانِ کعبہ کو، — اے نامہ بر! تو کہیو یہ پیغام اور "عشق"[1]
کیا نام لے کے اُس کا پکارا کروں کہ یاں — رکھتا ہے ہر زبان میں اِک نام اور عشق
پوچھا کسی نے قیس سے: تو ہے محمدی؟ — بولا وہ بھر کے آہ کہ اسلام اور عشق؟

اسبابِ کائنات سے بس ہو کے بےنوا
اِنشا نے اِنتخاب کیا جام اور عشق

(۲۰۱)

عشق سچ ہو تو نہ معشوق ہو کیونکر عاشق — جس پہ ہم غش ہیں، اجی! وہ بھی ہے ہم پر عاشق
مجھے دوکھا[2] جو کسی نے تو وہ بولے: اے واہ! — ایک میرا ہے وہ لاکھوں کے برابر عاشق
تیری تصویر کے بدلے تجھے دیتا ہے تمام — شیخ سعدی کی گلستانِ مصوّر، عاشق
حیف دروازے کی کُنڈی نہ کُھلی اور ترا٭ — مر گیا رات+ کو چوکھٹ سے پٹک سر، عاشق
دیکھ تو عشق کے دھڑکے کو شبِ وصل میں، آہ! — گرچہ ہے پاس ترے تو بھی ہے ششدر عاشق
آنسو بھر لائے جو ہم دیکھ انھیں، تو یہ کہا — آپ اِس شکل پہ ہیں میرے مقرّر عاشق
دیکھ کل اُن کی طرف شیخ رہا، تو بولے — خوبیِ قسمت کی: ہوا مجھ پہ مچھندر عاشق
سنگ و خاکِ درِ معشوقِ حقیقی کے سوا — خوگرفتہ نہیں با بالش و بستر عاشق
بادشاہت ہے اگر عہدۂ دربانی میں — ہووے معشوق کے دروازے پہ نوکر عاشق
ادب آموز ہو مانندِ ارسطاطالیس — ق تا جبلّت پہ تری ہووے سکندر عاشق
سیکھ تقریر تو وہ شستہ و رفتہ، جس سے — قلزمِ علم کے ہوں تجھ پہ شناور عاشق
فارسی پر تری آوے شہِ ایران کو غش — عربی بولے، تو ہو روم میں قیصر* عاشق

---

[1] یہاں "عشق" سے وہی عشق اللہ مراد ہے
[2] دوکھنا: ٹوکنا، بُرا بھلا کہنا۔
٭ ق ۳: "لے کے تیرا" + ق ۳: "رہ گیا" * ق ۳: "کا قیصر"

نہ کہ صحبت ہو رزالوں سے جو یوں تجھ کو کہیں
دموں کی خیر رہے، دولھا بہادر عاشق [1]

شرط تھا عشق کو گر حسن، تو پھر کیوں ہوتی
چھوڑ کر گل کو یہ قمری بہ صنوبر عاشق

دیکھنا تجھ کو نہیں، ہائے، تو کن انکھوں سے
تک رہے ہر طرفِ غرفۂ منظر عاشق †

کہہ یہ تبدیلِ قوافی غزل اور ایسی ہی گرم ‡
جس کے مطلع پہ ہو انشا! شہِ خاور، عاشق

۲۰۲

کھولے اس چاند سے مکھڑے کا جو گھونگھٹ عاشق
کیوں نہ پھر لیوے بلائیں تری جھٹ جھٹ عاشق

نہیں معلوم اجی، تم نے یہ کیا پڑھ پھونکا
کہ تمھیں دیکھتے ہی ہو گئے ہم چٹ § عاشق

میکشی تم کرو غیروں سے بہم، تو اپنے
گھونٹ لہو کے پیے کیوں نہ غٹا غٹ عاشق

بھاگتے پھرنے میں کچھ زور اٹھاتا ہے مزا
کھا کے چھڑیاں ترے ہاتھوں کی سٹاسٹ عاشق

گھر سے باہر نکل آ خون سے اپنے سر کے
سرخ کرتا ہے وگرنہ تری چوکھٹ، عاشق

چھپ کے کیا موندے ہے آنکھیں ارے بس، تو ہے کھول
تاڑ جاتا ہے ترے پانو کی آہٹ عاشق [2]

آئیں شب، سیر کو جو باغِ ارم کی پریاں
سو ہوئیں دیکھ کے تیرا یہ جھمگھٹ عاشق

اے نسیم سحری اس سے یہ کہیو کہ ترا
رات سے اب تو بدلتا نہیں کروٹ عاشق

ایک غزل اور نئے قافیوں میں کہہ، انشا
جس کے سنتے ہی معشوق بھی جھٹ × پٹ عاشق

---

[1] یہ مصرع شہدوں کی زبان میں ہے۔

[2] معشوق نے چپکے سے پیچھے سے آ کے اُن کی آنکھیں بند کر دی ہیں۔ اس سے کہتے ہیں کہ ہم تو تیرے پانو کی آہٹ سے پہچان گئے کہ تو ہے اب میری آنکھیں کھول دے۔

† ق، ق ۲، ق ۳ میں یہ شعر نہیں ہے

§ ق، ق ۲ : "جھٹ"

‡ ق ۳ : "اور ایسی گرم"

× ق ۲ : "چٹ پٹ"

(۲۰۳)

بن ترے دیکھے ہر سب دہر کو اوجڑ عاشق ۔۔۔ کیوں نہ سر اپنا بھلا پیٹے دھڑا دھڑ عاشق
گر بُرے حال جیا تیری شب فرقت میں ۔۔۔ تو اُسی شرم میں بس صبح گیا گڑ عاشق
اجی پھر کو سو اُسی طرح کہ غش ہوتا ہر ۔۔۔ آپ کی انگلیوں کی سُن کے یہ کڑمکڑ* عاشق
راجہ نل اور دمن کیوں نہ ہوں صدقے دونوں ۔۔۔ کھیلے جس بزم میں معشوق سے چوپڑ عاشق
بزم میں شیخ† سے کہتا ہر مؤدب ہو وہ شوخ ۔۔۔ حق کرے مجھ پہ ہو اک آپ سا دہینڑ‡ عاشق
کبھی خلقت کو خیال اپنے میں لاتا کب ہر ۔۔۔ ہر یہ ڈنڈ بیل جواں تجھ سی کا دھگڑ عاشق
اور کیا چاہیے ہر لبس بہر خدا آ، گھر چل ۔۔۔ تھک گیا اب تو ترے پانو بھی پڑ پڑ عاشق

آفریں سیدِ انشا تجھے، آ چکنے سے
جڑ ہی ہر تو نے سرِ شیخ پہ چھکڑ، عاشق

ردیف (ک)

(۲۰۴)

گر ہوں افلاک[۱] و عقول اور نظر بیسوں ایک ۔۔۔ مدرکات اور مقولاتِ عشر بیسوں ایک
رعد و مہ، برق و شفق، ژالہ و سیکرز یلدوزر[۲] ۔۔۔ چار سمت اور فلق شام و سحر بیسوں ایک

---

*ق ۳: "سن کے کڑاکڑ"

† ق، ق ۲ "زاہد بزم سے"۔ ق ۲: "زاہد بزم سے کہتا ہر ادب ہو ہٹ جا"

‡ ق: "ہو ایک ایسا ہی دیہڑ"۔ ق ۲: "ہو اک ایسا دھنتر"۔ ق ۳: "ہو انشا کوئی اکھڑ"۔ دہینڑ۔ ایک چڑیا ہوتی ہر، سیاہ رنگ۔ بدقطع لکھنؤ کے بازاری مذاق میں کسی بدقطع اور بدقوارہ آدمی کے متعلق یہ لفظ بطور پھبتی کے استعمال کرتے ہیں۔

[۱] یعنی ۹ افلاک: سات آسمان اور عرش و کرسی + عقول سے عقول عشرہ مراد ہیں یعنی عقل اوّل سے عقل عاشر تک۔ مدرکات: حواس

[۲] سیکرز یلدوز (ترکی): آٹھ ستارے جن کا اِک جا ہونا منحوس خیال کیا جاتا ہر۔

اُسطقسات و موالید و جواہر خمسہ[1] — ہفت اقلیم جہاں معدنِ زر بیسوں ایک
سبعہ سیارہ ارکین و جہات و ابعاد[2] — ہوویں گو مل کے یہ جوں شیر و شکر بیسوں ایک
چودہوں علم و سب اعلال و ذکا و دانش[3] — فی المثل ہوویں بہم یہ بھی اگر بیسوں ایک
تو بھی حیدر کی ثنا کر نہ سکیں کچھ، گو ہوں — بارہوں برج یہ اور آٹھ پہر بیسوں ایک
جس کے بن اذن یہ نو امزجہ پانچ حواس[4] — کب ہوں باستہ ملزومِ بشر بیسوں ایک
حاملِ وحی و خضر، چار کتب، بارہوں راس[5] — مدح میں اُس کی ہیں باشمس و قمر بیسوں ایک
وہ شفیع آپ خود اور گیارہ امام آٹھ بہشت — جس پہ اشفاق کرے ہوں یہ اُدھر بیسوں ایک
سات دن اور شبِ جمعہ مہینے بارہ — رکھتے ہیں اُس کی اطاعت کا ہنر بیسوں ایک

پنجتن چودہوں معصوم و حق، ان شاء اللہ
رکھیں الطاف کی سب تجھ پہ نظر بیسوں ایک

۲۰۵

ہر یاد خرام[6] اُس کے میں مجھ کو ہوس کبک — لٹکا دو مرے تکیہ میں سائیں قفسِ کبک*
کھاتا ہے وہ انگارے تری یاد میں، اے ماہ — کس طرح نہ پھر شعلہ فشاں ہو نفسِ کبک

---

۱ استقسات سے ارکان اربعہ یا عناصر اربعہ مراد ہیں (اُستقس یونانی لفظ ہے) موالید ثلاثہ یعنی جمادات، نباتات، حیوانات + جواہر خمسہ سے عقل نفس ناطقہ۔ نفس حیوانی۔ نفس نباتی اور نفس معدنی مراد ہیں۔

۲ ارکین = عناصر اربعہ + جہات یعنی شش جہات (مشرق۔ مغرب۔ شمال۔ جنوب تحت ۔فوق) + ابعاد یعنی ابعاد ثلاثہ طول عرض۔ عمق (دانشین کی تحقیقات کے مطابق ایک چوتھا بعد بھی معلوم ہوا ہے جس کو اضافت کہتے ہیں)

۳ چودہ علوم یعنی علم حصولی۔ علم حضوری وغیرہ + اعلال یعنی علتیں جو چار ہیں یعنی علت تامہ۔ علت ناقصہ۔ علت فاعلی۔ علت غائی۔

۴ امزجہ۔ مزاج کی جمع، طب میں نو مانے جاتے ہیں بمعتدل اور غیر معتدل یعنی حار بارد وغیرہ + پانچ حواس یعنی حواس خمسہ ظاہری

ستۂ ملزوم بشر جن کو ستۂ ضروریہ بھی کہتے ہیں یعنی ہوا ماکول و مشروب۔ حرکت و سکون۔ نوم و یقظہ احتباس و استفراغ۔ اغراض نفسانیہ۔

۵ حامل وحی۔ جبرائیل۔ چار کتب۔ زبور۔ توریت انجیل۔ قرآن۔ بارہ راس یعنی بارہ برج۔

*نسخۂ ق ۳: "پہ ے کر قفسِ کبک"۔

۶ کبک۔ چکور ایک قسم کا تیتر جس کی چال مشہور ہے اور آگ کھا جاتا ہے۔

شرمندہ ہو جولانیٔ+ رفتار سے تیری　　طاؤس بھی روتا ہوا آتا ہے پس کبک
جس طرح سے پھرتے ہیں تری آنکھوں کے ڈورے　　اس طرح سے چلتے نہیں دیکھی مجسِّ[1] کبک

انشا نہیں ہمدم جو کوئی کوہ میں اس کا
ہر کبک کی فریاد ہی فریاد رسِ کبک

(۲۰۶)

بات کے ساتھ ہی موجود ہے ٹال ایک نہ ایک　　ہے خلاف اپنے سدا آپ کی چال ایک نہ ایک
ہم بھی اس واسطے بیٹھے ہیں کہ ہو رہتا ہے　　تجھ سہی سرو کے سائے میں نہال[2] ایک نہ ایک
یار ہے پاس پراب فرطِ تردد کے سبب　　آ ہی رہتا ہے مرے دل کو ملال ایک نہ ایک
دل کو ہر چند بچاتا ہوں ولیکن ہیہات　　کھُب ہی جاتا ہے ان آنکھوں میں جمال ایک نہ ایک
مجھے کچھ حُسن پرستی سے نہیں کام، ولے　　ہو ہی رہتا ہے مرے جی کا وبال ایک نہ ایک
کیا کروں ہاگرچہ ہوں بہلاتا بہت میں لیکن　　آ ہی رہتا ہے ترا مجھ کو خیال ایک نہ ایک

مجلس وجد میں پڑھ اپنی غزل، اے انشا
کر ہی بیٹھے ہے ابھی سنتے ہی حال ایک نہ ایک۔

(۲۰۷)

ایک دن رات کی صحبت میں نہیں ہوتے شریک　　ہم کو کیا فائدہ گر آپ بہت ہیں نزدیک
اب تو ٹک ہو کے کھڑے بات ہماری سُن لو　　رات ہے کوچہ و بازار پڑے ہیں تاریک
پان جو ہاتھ سے کل غیر کے تو نے کھایا　　پی کے لوہو کو غرض گھونٹ رہے ہم جوں پیک
دور ہو وادیٔ مجنوں سے نکل، اے وحشت　　کس وسیلے سے ملی تجھ کو یہاں کی تملیک

وادیٔ عشق میں انشا تو سنبھل کر جانا
ہاں خبردار کہ یہ راہ بہت ہے باریک

---

[1] مجس نبض دیکھنے کی جگہ۔ یہاں خود نبض سے مراد ہے۔ [2] نہال ہونا۔ کامیاب ہونا۔ + ق، ق ۳: "جولانگہ"

ردیف (گ)

۲۰۸

پہونچی جو تا بہ گوش صدائے شکستِ رنگ
ہوش اڑ گئے گلوں کے چہ جائے شکستِ رنگ

واماندہ ہیں جو قافلۂ گل کے، اے صبا
بانگِ دراہے اُن کو صدائے شکستِ رنگ

غصے سے کیوں نہ چاک گریباں کو گل کرے
ہر بر میں اُس کے تنگ قبائے شکستِ رنگ

اے ہوش، ساتھ خوب ہے چل اِس چمن سے، ہیں
راہی گلوں کے قافلہ ہائے شکستِ رنگ[1]

رونق گئی ہے چہرۂ ہر گل سے، اے بہار
کچھ یہ بہی[2] چمن میں ہوائے شکستِ رنگ

آتے ہو بہرِ سیرِ چمن میں عرق فشاں
ہے تازہ یہ گلوں کی بنائے شکستِ رنگ

اِنشاؔ سمجھ کہ بہرِ مکافاتِ عندلیب
کیا کیا سہی گلوں کی جفائے شکستِ رنگ

۲۰۹

پھونک دی عشق نے جب اس دلِ بیتاب میں آگ
غل مچا یہ کہ گری معدنِ سیماب میں آگ

جی یہ چاہے ہے ابھی شیشۂ صہبا کو انڈیل
شمع سے دیجے لگا چادرِ مہتاب میں آگ

جب سے وہ شعلۂ برق آنکھوں میں پھرتا ہے مری
چونک چونک اٹھوں ہوں میں دیکھ کے جی خواب میں آگ

تھم بن اے ماہِ شبِ چاردہم برلبِ جو
بھر رہی ہے مرے اِس دیدۂ پُر آب میں آگ

یاد مسجد میں جو آیا خمِ ابرو تیرا
لگی اِنشاؔ کے دمِ گرم سے محراب میں آگ

---

[1] مقابلہ کرو:-
رنگِ گل و بوئے گل دم میں ہیں ہوا دونوں
کیا قافلہ جاتا ہے جو تو بھی چلا چاہے
(میرؔ)

[2] نسخۂ "چہرۂ گل سبق ایکبار" بہ: ق ۳: "کچھ یہ بھی ہے"

(۲۱۰)

بسکہ تھا تیری شبِ ہجر میں بے نور پلنگ
میں نے لیں کروٹیں یاں تک کہ ہوا چور پلنگ

سیج پھولوں کی پری ایسی بچھی ہے کہ بس
صدقے ہوتی ہے ترا دیکھ ہر ایک حور پلنگ

خوش نگاہوں نے لگا دی ہیں جو آنکھیں اُس کا
دستہ ہائے گلِ نرگس سے ہے مستور، پلنگ

چاندنی میں تو نہ سو کوٹھے پہ ڈر ہے کہ ترا
لے کے ہو جائے پری کوئی نہ کافور پلنگ

بادلے[1] کے ترے نگیرے کو جھانکے ہے جو ماہ
دیکھنا ہے اُسے شاید ترا منظور، پلنگ

جس میں پہیے لگے ہیں سوؤں ہوں اُس پر کہ مرا
تجھ تلک پہنچ رہے، اے بتِ مغرور، پلنگ

چودھویں رات کے چاند، اس پہ نہ ہونا مغرور
ق کہ تو سویا ہے بچھا مجھ سے بہت دور، پلنگ

آج میری بھی لپک دیکھیو جھپکے پر آنکھ
گرچہ ہے جلد لپک جانے میں مشہور[2] پلنگ

آج پریوں[3] کا اُتارا ہے یہاں، اے انشا
ماہتابی پہ بچھے پھیر بدستور، پلنگ

ردیف (ل)

(۲۱۱) †

سلطنت بیچتے ہیں دُردکشاں خاک کے مول
ہے یہاں سایہ ہما کا خس و خاشاک کے مول

سروِ آزاد کی حقہ کش افیونی نے
بیچے ایک ادھی کو اور کوئلے لیے ڈھاک کے مول

قصد ہو باغ بنانے کا تو سے لیجے آپ
ساتوں کے سات احاطے ہیں نہ افلاک کے مول

---

[1] بادلا = زری کا کپڑا جو سنہری روپہلی تاروں سے بنا جاتا ہے۔

[2] پلنگ = شیفتہ مطبوعہ نسخوں میں پہلا مصرع یوں بھی ہے۔ "آج دیکھ اپنی لپک آنکھ جھپکنے دے ذرا"

[3] پریوں کا اُتارا = وہ جگہ جہاں پریاں اتریں۔

† ق ۱، ق ۲، ق ۳ میں یہ غزل نہیں ہے۔

کیوں رہ انجام خود غرقِ عرق ہو نہ کہ یہاں
خچر اب بکنے لگے* توسنِ چالاک کے مول

سرِ بازار خریداری ہے اب کے یہاں تک
کہ لگی بکنے گزی[۱] شاہوں کی پوشاک کے مول

تم جو صد برگ کے تختوں میں پڑے پھرتے ہو
لیتے ہو پھول کسی سینۂ صد چاک کے مول

تاک[۲] باندھے ہوئے جو اینڈتے ہیں مست انشا
کب وہ طوبیٰ کو بھلا لیں شجرِ تاک کے مول

۲۱۲

حال درویش یہاں بیچتے ہیں قال کے مول
وجد کرتا ہوں یہ کچھ ہونے لگے حال کے مول

سر منڈاتے[۳] ہی صفائی پہ پڑے یہ اولے
کہ کلاہِ نمدی بکنے لگی شال کے مول

۲۱۳

حواس و ہوش تھے اپنے بہ چنگِ نکہتِ گل
ہوا کے ساتھ گئے اڑ برنگِ نکہتِ گل

مزاج دیکھ یہ نازک کہ بیٹھ جاتا ہے
ہمارے آئنۂ دل پہ زنگِ نکہتِ گل

یہ گرم اپنے ہے گلگونِ فکر کا تگ و تاز
نہ پہنچے گرد کو جس کی خلنگ[۴] نکہتِ گل

جنوں سے اپنے تعجب ہے اے صبا کیونکر
سما گیا یہ درِ آغوشِ تنگِ نکہتِ گل

سپہر سے جامِ صبوحی کی روک اے انشا
اگر نسیم لگا دے خدنگِ نکہتِ گل

۲۱۴

آئینے میں فلک کے یہ عکسِ چراغِ دل
خورشید ہو نمود ہوا، ابل بے داغِ دل

---

* نسخہ: ’’خچری اب بکنے لگی‘‘

[۱] موٹا کپڑا۔ ایک قسم کا گاڑھا۔ [۲] تاک باندھنے اور شجرِ تاک میں ضلع ہے۔ [۳] سر منڈاتے ہی اولے پڑنا۔ کسی کام کے شروع کرتے ہی نقصان ہونا محاورہ ہے مطلب یہ ہے کہ سر منڈاتے ہی کلاہ نمدی کی ضرورت ہوئی جو بدنصیبی سے شال کے مول بکنے لگی۔
[۴] جست اس کی ہندی چھلانگ ہے۔

آئی جو یاد لغزشِ مستانہ یار کی — لبریز ہو، چھلک ہی پڑا یاں ایاغِ دل
آتے نظر ہیں اِس میں تماشے ہزارہا — کیجے ٹک آنکھ موند کے گر سیرِ باغِ دل
آزادگی کے ساتھ گیا، سو گیا ہی بس — معلوم کچھ ہوا نہ ہمیں پھر سراغِ دل
غیر از نسیمِ وصل نہ ہرگز شگفتہ ہو — فیضِ دمِ مسیح سے اپنا دماغِ دل
اِنشا بڑھا کے بحرِ غزل ایک اور کہہ*
حاصل ہے اِس گھڑی تجھے عیش و فراغِ دل

(۲۱۵)

سیرِ بہارِ لالہ زاراں کو† اِدھر یہ داغِ دل — اور ہی کچھ ہے اے نسیم اِس گھڑی اب دماغِ دل
اوجِ شفق کے بھی پرے گذرے ہے موجِ لالہ دیکھ — کتنی بادہ ساقیا لا کے یہ بھر ایاغِ دل
دیر و حرم میں مقتبس نور سے داغِ عشق کے — ہے یہ ترا فروغ، اے روشنیِ چراغِ دل
گردشِ دہر کس کو چین دیوے ہے اے صبا یہاں — جان اِسے تو مغتنم، ہے کوئی دم فراغِ دل
بحرِ جدید میں غزل، اور بھی اِنشا ایک کہہ
دیکھ گلوں کی تازگی، ہے یہ شگفتہ باغِ دل۔

(۲۱۶)

مجھے حاصل ہو جو ٹک بھی فراغِ دل[۱] — تو رہے کیوں طپش و درد و داغِ دل
تجھے لازم ہے تغافل یہ ساقیا — مے عشرت سے تہی ہے ایاغِ دل
نہ بجھے بادِ مخالف سے تو کبھی — یہ مرا، بارِ خدا، یا چراغِ دل
کہیں اے مرغِ چمن چپ ہو یہاں تو اب — متحمل نہیں اپنا دماغِ دل

---

* ق، ق ۲: "لکھ"

† ق: "دوں کو"

[۱] اس بحر کا وزن فعلاتن فعلاتن مفاعلن ہے۔

غزل اب اور بھی بحروں میں کہہ کے پڑھ
نہ ملا اِس میں بھی، اِنشاؔ، سراغِ دل

۲۱۷

تجھے میں کہا نہیں* ای جنوں کہ نہ کھینچ پنبۂ داغِ دل
مرے چھیڑنے سے حصول کیا، نہ مزاج خوش، نہ فراغِ دل

سروکار نکہتِ گل سے کیا مجھے، اے نسیمِ بہار، چل
نہ طبیعت اپنی ہو حاضر اب، نہ شگفتہ ہو یہ دماغِ دل

پرے اے نسیمِ سحر پرے، نہ ذلیل ہو کے صبا ابھی
بہت آنچلیں سے بچا رہی، نہ بجھا دے یہ چراغِ دل

خمِ زلفِ یار میں ڈھونڈیے، ہمیں آ چھپا ہو مگر کہیں
طپش و تحیر و بیخودی سے تو کچھ ملا نہ سراغِ دل

گلِ داغ و خندۂ زخم سے پڑے اور سینکڑوں آبلے
مجھے باغ سبز† دکھا دے ہر الم فراق میں باغِ دل

رہوں ہوں مدام نشے میں مَیں، کہ مجھے جب سے ساقیِ عشق نے
خمِ معرفت کے فروغ سے سبھی بھر دیا‡ ہر ایاغِ دل

بدل اب ردیف کو، اک غزل کہو، اِنشاؔ، بحر کوئی بڑھا
کہ پرے ہو عرشِ عظیم سے بھی کچھ اِس گھڑی یہ دماغِ دل

۲۱۸

یاں دل میں اور ہاتھ میں ہیں لاکھ داغ و گل
آہ، اے بہار، کس کو تمنائے باغ و گل

تھے چند تارِ سوختہ، کچھ اور شمع کا
پایا صبا نے صبح نہ مطلق سراغ و گل

ساقی شراب لا، کہ خوش آ دے مجھے یہ سب
گلگشتِ باغ و سیر و سرور و فراغ و گل

ہیں نازکی میں* ایک سے، باہم: بہار کا
رنگِ پریدہ اور تمھارا دماغ و گل

کل آپ کو رقیبِ سیہ فام ساتھ دیکھ
پھبتی کہی سبھوں نے کہ ہے ربطِ زاغ و گل

---

* ق ۳: "تجھے کیا کہا نہیں"۔

† ق ۲: "مجھے سبز باغ"۔

‡ ق، ق ۲: "فروغ میں سے یہ بھر دیا"۔

* ق، ق ۲: "تازگی میں"۔

پاؤں اگر مراد، تو چالیس دن تلک بھیجوں مزارِ قیس پہ ہر شب چراغ وگل

اِنشا چمن میں مست پھرے کیوں نہ ساقیا!
ہم رنگ عکسِ مے سے بہم ہر ایاغ وگل

۲۱۹

فروغِ مے سے نہ کیونکے ہووے ایاغ روشن مراد حاصل مثل یہ مشہور ہے جہاں میں چراغ روشن مراد حاصل[۱]

ہمارے پانؤوں میں آبلے ہیں بسانِ گوہر کہ ایسے خستا کہ جس کے پرتو کے عکس سے ہر سُراغ† روشن مراد حاصل

چراغ روشن مراد حاصل مزار پر دل جلوں کے مت کہہ یہاں یہ لازم ہے تجھ کو کہنا کہ داغ روشن مراد حاصل

خوشی سے گت کیوں بھرے نہ صوفی کہ دیکھتا ہے وہ بھُک ہوا سا[۲] بجے ہے ڈھولک اُدھر اُدھر ہے اُجاغ روشن مراد حاصل

نشا ہے اِنشا کو آج ایسا طلوع سے جس کے ساقیا ہے
سرور بیحد، مزاج حاضر، دماغ روشن، مراد حاصل

۲۲۰

کیا ہوا در پہ ترے گرچہ‡ ہے ابجد کا قفل[۳] کھول دیتے ہیں سکندر کے بھی یاں سد کا قفل

کنج عزلت میں وہی لوگ ہیں مشغول بہ حق جو درِ دل پہ لگا بیٹھے ہیں ابجد کا قفل

درِ فردوس پہ کہتے ہیں ملائک کہ یہ جھٹ کھل پڑے، لیجے اگر نام محمد کا قفل

خلق خالق نے زمیں پر بھی کئے ہیں وہ لوگ توڑتے ہیں جو درِ چرخِ مشعبد[۴] کا قفل

---

† ق ۳: "چراغ"

‡ ق ۳: "کیا ہوا اگرچہ ترے مُنہ پہ"

[۱] "چراغ روشن مراد حاصل"۔ آزاد فقیروں کی اصطلاح میں کلمۂ دعائیہ ہے۔

[۲] گت بھرنا۔ رقص کرنا۔ بھُک ہوا = بھوک کا ٹوٹا ہوا فاقہ کش

[۳] قفل ابجد۔ وہ قفل جو حروف کی ایک خاص ترتیب سے کھلتا اور بند ہوتا ہے۔

[۴] مشعبد یعنی شعبدہ باز۔

قصرِ نیلم میں لگا دیتے ہیں دروازۂ لعل — اور الماس کی کنڈی میں زبرجد[۱] کا قفل

کبھی اِس آہِ حزیں کی جو نہ ہوتی اِنشاؔ
تو نہ کھلتا درِ خمخانۂ[۲] سرمد کا قفل

(۲۲۱)

جس زمیں پر ہوں ترے کشتۂ دیدار کے پھول — کیوں نہ پھر واں سے اُگیں نرگسِ بیمار کے پھول

کشتۂ تیغِ جفا کا جو ہو تیجا[۳] منظور — تو بھلا فائدہ کچھ، توڑئیے گلزار کے پھول

خاک آغشتہ بخوں چاہیے ہو ارگجہ[۴] وار — پھول درکار ہوں تو ہوں سپرِ یار[۵] کے پھول

اے کلیم، اُس کو اگر دیکھے کبھی شجرۂ طور — تو نچھاور کرے سب لمعۂ انوار کے پھول

کیوں نہ اِنشاؔ کرے تعویذ پھر ایسے خط کو
جس میں ملفوف ہوں اُس طرّۂ دستار کے پھول

(۲۲۲)*

پھسلی ڈھلک سے ساعدِ نازک بدن کی بیل — چنپاکلی[۶] سے آن بھڑی نورتن کی بیل

کل تجھ کو دیکھتے ہی لجالو[۷] کی طرح سے — یکبارگی سمٹ گئی اُس انجمن کی بیل

یہ آہ پرشرارہ چلی داغِ دل سے یوں — سورج سے جیسے پھوٹ کے نکلے کرن کی بیل

راس و ذنب کی شکل یہ چوٹی ہے، اے پری — پھبتی ہے، اِس کو کہیے جو سورج گہن کی بیل

۱۔ زبرجد = زمرّد

۲۔ خمخانۂ سرمد = خمخانۂ ابدی مراد جنت یا خود ذات خداوندی سے ہے۔

۳۔ موت کا تیسرا دن جس کو سیوم اور لکھنؤ کی زبان میں پھول بھی کہتے ہیں۔

۴۔ ارگجا = ایک قسم کی مرکب خوشبو۔

۵۔ سپر کے پھول = نقش و نگار جو ڈھال پر بنے ہوتے ہیں۔

۶۔ [چنپاکلی گلے کا زیور ہے۔ نورتن بازو پر باندھا جاتا ہے دونوں گویا ایک سلسلے میں ہیں۔]

۷۔ لجالو = چھوئی موئی۔

* ق، ق ۲، ق ۳ میں یہ غزل نہیں ہے۔

"شادیِ مبارک" آ کے لگی گانے عندلیب (ق) لہرا گئی خوشی سے ہر ایک اِس چمن کی بیل
بول اُٹھیں، بن کے ڈومنیاں، ساری قمریاں صاحب ہمیں دلائیے دولھا دلھن کی بیل[1]

اِنشاؔ، یہ نو عروسِ غزل ہاتھ کیا لگی
گویا کہ اب منڈھے چڑھی اپنے سخن کی بیل[2]

ردیف (م)

(۲۲۳)

چتون کہے دیتی ہے مفصّل خبرِ چشم — تو اے نگہِ فاش نہ ہو پردہ درِ چشم
یہ اور غضب، دیکھ، نکل آتے ہیں آنسو — سن جنبشِ مژگاں کی دستک بہ درِ چشم
کیا تھہرے افسوس کہ یوں خاک میں مل جائیں — تھے طفلِ سرشک اپنے جو لختِ جگرِ چشم
گرما گئی گر اپنی طبیعت، تو کسی وقت — اے ابر دکھا دیں گے ہم اپنا ہنرِ چشم
کیوں جنبشِ ابرو سے تری خوف نہ آوے — بے ڈھب نظر آتی ہے یہ تیغ و سپرِ چشم
پرتو سے ترے نور کے، ای چشمۂ خورشید — جوں شیشۂ آتش ہے یہ اپنی نظرِ چشم
مہتاب کی چادر میں ابھی آگ لگ اُٹھے — ہے اشک سے یاں دست و گریباں شررِ چشم
شادی ہوئی آنے سے ترے دفعتاً ایسی — اے راحتِ جان و دل و نورِ بصرِ چشم
مژگاں میں گندھے ہیں قطراتِ اشکِ خوشی کے — کیا آج بندھن وار[3] بندھے ہیں بہ درِ چشم
اے طائرِ نظارہ، کہاں طاقتِ پرواز — ہے عجز پہ مشعر نگہِ بے اثرِ چشم
ہر ایک مژہ غرق بہ خونِ نابِ جگر ہے — بھیگے ہوئے آتے ہیں نظر بال و پرِ چشم

---

[1] جب ڈومنیاں دولھا دلھن کے سامنے گاتی ہیں تو دولھا دلھن کے عزیز کچھ روپیہ اُن دونوں پر سے نچھاور کرکے ڈومنیوں کو دیتے ہیں۔ یہ بیل کہلاتی ہے۔

[2] بیل منڈھے چڑھنا = یعنی بیل کسی بلند مقام پر پھیلنا۔ مراد کامیابی سے ہے۔

[3] بندھن وار = شادی کے موقعے پر جو پھل پھول اپنے مکان کے دروازوں پر بیل کی شکل میں باندھے جاتے ہیں۔ (ق، ق ۲، ق ۳: "بندھن ہار"۔)

خوناب، رگِ جانِ تمنّا سے بہاوے — دزدیدہ نگہ ہر وہ بلا نشترِ چشم

ڈرتا ہوں نظر تجھ کو نہ لگ جائے کسی کی — لوگوں کا مجھے آٹھ پہر ہے خطرِ چشم

مکتوب لکھ انشا تو اُسے لختِ جگر پہ
جلدی کہیں، لے اشک ہوا نامہ برِ چشم

۲۲۴

سادگی کا تری یا جلوہ گری کا عالم — کیا بیاں کیجیے، بس خیر، پری کا عالم

تا لبِ بامِ قفس اُڑ نہ سکے ہم صیاد — اب تو پہونچا ہے یہ بے بال و پری کا عالم

جام پھر منہ سے لگا لے، کہ عجب ہوتا ہے — مے گلرنگ سے تجھ لب پہ تری کا عالم

رابطہ کر بوئے گل و بادِ سحر سے پیدا — آخر، اے ہوش، یہ ہے ہمسفری کا عالم

رات کی بے ادبی کیجیے معاف، آپ کہ تھا — نشّۂ مے سے مجھے بے خبری کا عالم

والہِ زلف و رُخ و خال و خط و حُسن و نمک — مست ہو اے دل کہ یہ ہے سب گذری[1] کا عالم

آج صد چند ہوا جوشِ جنوں، اے انشا
دیکھ بوئے گل و بادِ سحری کا عالم

۲۲۵

بس دیکھو لگاوٹ سے نہ تم، ہو کے اِدھر گرم — جن ساتھ یہ خلطہ ہے، رہو اُن سے ہی سر گرم

ہم حسرتِ آغوش میں اُس رشکِ پری کے — پہلو کو کیا کرتے ہیں رکھ بالشِ پر[2] گرم

گرمی کی اگر ایسی ہی تابش ہے تو صاحب — ٹھنڈک ہو جہاں جائیے، ہے بندے کا گھر گرم

کہتا ہے کہ نامے کو ترے آگ پہ رکھا — قاصد نے تو، لو اور سنائی یہ خبر گرم

٭ ق، ق ۲: "کی"۔ ق ۳: "کا"۔

۱ [گذری = بازار]

۲ (بالشِ پر = تکیہ جس میں پر بھرے گئے ہوں۔)

رونا تو کہاں سینہ جو سوزش سے رُندے ہے[1] — آنکھوں سے ٹپک پڑتے ہیں دو چار شرر گرم

گلشن میں مگر پھول پڑا[2] اُس گلِ رو سے — کیوں ورنہ چلی آتی ہے یوں بادِ سحر گرم

کیا کوئی بھرے وادیِ مجنوں میں دمِ سرد — اِس دشت میں رہتی ہے ہوا آٹھ پہر گرم

مینہ برسے ہے، جاڑا ہے، ہوا سرد چلے ہے — ٹک آنہ لپٹ کر مرے سینے کو تو کر گرم

فرمایئے کس شغل میں تھے، رات کہاں تھے — حد، آپ مجھے آتے ہیں کچھ آج نظر، گرم

اِنشا جو غزل طرح ہوئی ہے، سو وہ پڑھ کر
اب روپ کو مجلس کے ٹک اک اور بھی کر گرم

(۲۲۶)

ہے گرم، نگہ گرم، ہنسی گرم، ادا گرم — وہ، نامِ خدا، سر سے ہیں تا ناخنِ پا گرم

گل کھانے کو کل میں نے جو چھلّے کو کیا گرم — بولے کہ چہ خوش، وا چھڑے ہیں آپ بھی کیا گرم

کیا پھونک دیا غیر نے جا کان میں اُس کے — کچھ وہ جو مجھے دیکھ کے حد آج ہوا گرم

آوارہ پڑے پھرتے ہیں کیوں دھوپ میں صاحب — نہ خانے میں سو رہیے نہ، چلتی ہے ہوا گرم

ٹک شیخ ہے رو کے تبسّم کو تو دیکھو — معلوم یہ ہوتا ہے کہ ہنستا ہے توا گرم[3]

صد شکرِ خدا، جذبِ محبّت کی بدولت — کچھ آج وہ خلطے میں بہت مجھ سے رہا گرم

گرمی نے مرے دل کی کیا ہے اثر آخر — کب کاہ کو کھینچے جو نہ ہو کاہ رُبا گرم

گر زمزمہ پردازیِ گلشن مجھے سونپیں — پھر بولے نہ بلبل کبھی، اے بادِ صبا گرم[4]

جاتے ہوئے کل راہ میں چھیڑا جو کسی نے — لوگوں کے دکھانے کو ہوئی اُن کی دوا گرم

پرجی میں جو رکھی تو لگی ہنسکے یہ کہنے — اے صدقے کروں اِس کو یہ کتنا ہے موا، گرم[5]

---

[1] رُندنا = پامال ہونا۔

[2] پھول پڑا یعنی چنگاری اُڑ کر پڑی اور آگ لگ گئی۔

[3] توے کا ہنسنا توے کے اندر والے رخ پر سیاہی کے جم جانے سے ایک موٹی تہ بن جاتی ہے بعض وقت گرمی پا کر اُس سے چنگاریاں سی نکلتی ہوئی معلوم ہوتی ہیں اس کو توے کا ہنسنا کہتے ہیں۔ عورتیں اِس کو شگون نیک سمجھتی ہیں۔

[4] گرم بولنا یعنی تفاخر کے لہجے میں خوش الحانی کرنا۔ [5] گرم = بدتمیز۔

اُف کرکے چراغ اُس نے شبِ وصل میں ٹھنڈا
یہ اور کلیجے پہ مرے داغ دیا، گرم

اِنشا نے جو زاہد کو بنایا تو وہ بولے
کیونکر نہ بھلا ہنسیے ہے کمبخت بلا گرم[۱]

۲۲۷

ترک کر اپنے ننگ و نام کو ہم
جاتے ہیں واں فقط سلام کو ہم

خُم کے خُم تو لنڈھائے یوں ساقی
اور یوں ترسیں ایک جام کو ہم

میں کہا: میں غلام ہوں، بولا:
جانیں ہیں خوب اِس غلام کو ہم

دیر و کعبہ کے بیچ ہنستے ہیں
ق خلق کے دیکھ اژدھام کو ہم

متکلّم ہیں خاص لوگوں سے
کب مخاطب کریں ہیں عام کو ہم

کلمہ نام ہی ترا لب پر
جانتے ہیں اِسی کلام کو ہم

روٹھنے میں بھی لطف ہے اِنشا
صبح کو روٹھے وہ، تو شام کو ہم

۲۲۸

چاہتا ہوں تجھے نبیؐ کی قسم
حضرتِ مرتضیٰ علیؑ کی قسم

مجھے غمگین نہ چھوڑ روتا، آج
تجھے اپنی ہنسی خوشی کی قسم

صاف کہہ بیٹھیے نہ، جی میں جو ہو
آپ کو اپنی سادگی کی قسم

میں دلائی قسم تو کہنے لگے
ہم نہیں مانتے کسی کی قسم

صدقے ہوتا ہوں جس گھڑی، اِنشا
یاد آتی ہے اُس پری کی قسم ×

ہائے، کہہ ڈالنا وہ چپکے سے:
"تجھے، اِنشا ہمارے جی کی قسم"

---

[۱] بلا گرم = غضب کا ہنسوڑ۔ × ق ۲ میں یہ شعر اور ق ۳ میں اگلا شعر نہیں ہے۔

۲۲۹

مل مجھ سے، اے پری! تجھے قرآن کی قسم
دیتا ہوں تجھ کو تختِ سلیمان کی قسم

کرّوبیوں کی تجھ کو قسم اور عرش کی
جبریل کی قسم، تجھے رضوان کی قسم

طوبیٰ کی سلسبیل کی کوثر کے جام کی
حور و قصور و جنت و غلمان کی قسم

روح القدس کی تجھ کو قسم اور مسیح کی
مریم کی تجھ کو عفتِ دامان کی قسم

توریت کی قسم، قسم انجیل کی تجھے
تجھ کو قسم زبور کی، فرقان کی قسم

تجھ کو محمدِ عربی کی قسم ہے اور
مولیٰ علیؑ کی، شاہِ خراسان کی قسم

ملّت میں جس کی ہے تو اسی کی قسم تجھے
اور اپنے دین و مذہب و ایمان کی قسم

دامن کو میرے ہاتھ سے اس رات مت جھٹک
تجھ کو سحر کے چاکِ گریبان کی قسم

مدّت سے تیرے چاہِ ذقن میں غریق ہوں
باللہ مجھ کو یوسفِ کنعان کی قسم

قیدی ہوں میں ترا بخداوندیِ خدا
اور اس عزیزِ مصر کے زندان کی قسم

موسیٰ کی ہے قسم تجھے، اور کوہِ طور کی
نور و فروغِ جلوۂ لمعان کی قسم

سوگند اب ہنسی کی تجھے کچھ دلایئے
سن، تجھ کو اپنے ناز کی اور آن کی قسم

نرگس کی آنکھ کی قسم، اور گل کے کان کی
تجھ کو سرِ عزیزِ گلستان کی قسم

تجھ کو قسم ہے غنچۂ زنبق[1] کی ناک کی
اور شورِ عندلیبِ غزل خوان کی قسم

سونے[2] کی گائے کی قسم، اور رودِ نیل کی
فرعون کی قسم، تجھے ہامان کی قسم

بستر مرا ہے خارِ مغیلاں بسانِ قیس
لیلیٰ ہی کی تجھے صفِ مژگان کی قسم

ایسی بڑی قسم بھی نہ مانے تو ہے تجھے
جنوں کے قبلہ گاہ، ابوالجان کی قسم

کونے میں باغ کے وہ جو رہتا ہے اک خبیث
تجھ کو اسی کی شوکتِ ذی شان کی قسم

دیوِ سفید کی قسم اور کوہِ قاف کی
باغِ ارم کی اور پرستان کی قسم

---

[1] زنبق ایک سفید پھول جو نرگس کی قسم کا لمبوتری قطع کا ہوتا ہے۔ شاعر اس کو معشوق کی ناک سے تشبیہ دیتے ہیں۔

[2] سونے کی گائے جس کو قدیم مصری پوجتے تھے۔

لوناچماری کی قسم اور کلوا بیر[۱] کی — کالی بلا کی، غولِ بیابان کی قسم
قسمیں تو ساری ہوچکیں، باقی رہی ہر اب — پیپل تلے کے بھتنے کی، شیطان کی قسم
ہاں پھر تو کہیو: ہائے وہ کس طرح ہو، غضب!
انشا، نہ چھیڑ، تجھ کو مری جان کی قسم"

(۲۳۰)

دل کی بہڑا ئچ نہیں ہر نرکتازی کا مقام — ہر یہاں پر حضرتِ مسعودِ غازی کا مقام
طاق ابروے بتاں کو قبلۂ عالم سمجھ — حضرتِ دل یہ نہیں کچھ لہو و بازی کا مقام
سینکڑوں کٹوا دیے عشّاق اپنی راہ میں — اے صنم، اللہ رے، تیری بے نیازی کا مقام
بندۂ درگاہ کی ہر اِک نرالی ہی نماز — عرش سے بھی کچھ پرے ہر اس نمازی کا مقام
قنطرہ[۲] ہر اُس حقیقت کا جو سب سے ہر پرے — مت ورے ہرگز سمجھ عشقِ مجازی کا مقام
نالہ اپنا ہر بہ مولانا جلالُ الدینِ روم — پوچھنا اِس[۳] کو نہیں کچھ فخرِ رازی کا مقام
ہر خدا ہی سے توقع اب ترے بیمار کی — ورنہ کیا باقی رہا ہر چارہ سازی کا مقام
سیّد انشا کو نہایت اِن دنوں تشویش ہر
بندہ پرور، ہر یہاں بندہ نوازی کا مقام

(۲۳۱)

وہ دیکھا خواب، قاصر جس سے ہر اپنی زباں اور ہم — کہ گویا ایک جا ہر، اُس میں ہر وہ نوجواں اور ہم

---

[۱] لوناچماری اور کلوا بیر۔ فرضی اشخاص ہیں جن کو ادنیٰ درجے کے لوگ جادو ٹونے وغیرہ کرنے میں مانتے ہیں۔

[۲] قنطرہ = عربی میں پُل کو کہتے ہیں۔

[۳] [سب نسخوں میں "اِس کا" ہر مگر صحیح "اس کو" ہی ہو سکتا ہر (یعنی میرے نالے کو) مولانا روم کے اس شعر کی طرف تلمیح ہر:
"گر بہ استدلال کارِ دیں بُدے ٭ فخرِ رازی رازدارِ دیں بُدے" یہاں مراد ہیں امام فخر الدین محمد رازی جن کی "تفسیر کبیر" بہت مشہور ہر اور مختلف علوم میں متعدد تصانیف۔]

وہ رہ رہ مجھ سے کہتا ہے: خدا کی باتیں ہیں ؂ نہ — بھلا ٹک دل میں اپنے غور کر تو یہ مکاں اور ہم
جو پوچھا قیس سے لیلیٰ نے جنگل میں اکیلے ہو — تو بولا: اے نہیں وحشت ہے او رآہ و فغاں اور ہم
اجی گڈ مڈ رہی ؂ ہے عقل اپنی سب فرشتوں سے — پڑے پھرتے ہیں باہم سیر کرتے قدسیاں اور ہم
نشا ہے، عالمِ مستی ہے، بے قیدی ہے، رندی ہے — کہاں اب زہد و تقویٰ، ہے خراباتِ مغاں اور ہم
نیابت ہم کو رضواں کی ملی مولا کے صدقے سے — وگرنہ عہدۂ دربانیِ باغِ جناں اور ہم!

عجب رنگینیاں باتوں میں کچھ ہوتی ہیں اے اِنشا
بہم ہو، بیٹھتے ہیں جب سعادت یار خاں اور ہم

۲۳۲

اُنھیں میں نے تو چھیڑا چھُوا ہی نہیں، مجھے اپنے رسولِ خدا کی قسم
مجھے ان کے ہی بند قبا کی قسم، مجھے دامنِ پاک صبا کی قسم
ہوئے باندھ کے تکیہ جو گوشہ گزیں، وہی ہیں گے زمانے میں اہلِ یقیں
کوئی سلطنت اُس کو پہنچتی نہیں، سر و سایۂ بالِ ہُما کی قسم
کسی سانس کی پھانس سے کر تو حذر، نہیں میرے تو حال کی کچھ بھی خبر
مجھے اس سے بھی تنگ زیادہ نہ کر، تجھے اپنے ہی ناز و ادا کی قسم
مرے دل سے نکال یہ درد و الم، بہ وفورِ محامدِ سقفِ حرم[1]
تجھے کعبۂ اہلِ صفا کی قسم، تجھے زمزم و سوق و منا کی قسم
تری زلف کو سونگھ لیا ہی نہیں، کبھی میں نے تو شانہ کیا ہی نہیں
لبِ زخمِ جگر کو سیا ہی نہیں، شبِ تیرۂ آہِ رسا کی قسم
کبھی خضرِ جنوں سے مقابلہ تھا کبھی عشق کے ساتھ معاملہ تھا
کبھی آپ ہی رہبرِ قافلہ تھا، سرِ طائرِ قبلہ نُما کی قسم

؂ ق: "گڈ مڈ رہی" - ق ۲: "گر پڑ رہی" - ق ۳ "کچھ کم نہیں"
[1] سقفِ حرم سے مراد خانہ کعبہ ہے اور زمزم و سوق و منا یہ سب کعبہ ہی کے مشہور مقامات ہیں جہاں حجاج ارکان حج بجا لاتے ہیں۔

سنبھل، ایسے غرور میں ہر یہ خلل کہ گرے نہ الجھ کہیں منہ کے ہی بل
بس اب اِس سے بھی آگے تو بڑھ کے نہ چل، تجھے رفعتِ عرشِ علا کی قسم

تری لینے بلائیں ہیں خوب ہی ہم نہ کر اپنے تو غلطے کو ہم سے تو کم
تجھے خواجۂ ہر دوسرا کی قسم، تجھے الفتِ آلِ عبا کی قسم

یہ جو رات اندھیری ہر تاروں بھری، یہی شاہدی اپنی بھرے گی ابھی
نہیں اِس سے تو وزدی بوسہ ہوئی، مجھے تیری ہی وزدِ حنا کی قسم

تری صدقے خدائی کے میرے خدا بتصدقِ رتبۂ اہلِ ہُدا
نہ کر اپنے عیال سے مجھ کو جدا، تجھے نیتِ صدق و صفا کی قسم

ہوئی، انشا، اِس آس کی کھیتی ہری، نظر اُن کی جو چاہِ ذقن سے لڑی
مجھے زندگی ایک دوبارہ ہوئی سرِ چشمۂ آبِ بقا کی قسم[1]

ردیف (ن)

۲۳۳

بھر رہے ہیں یوں پھپھولے اِس دلِ صد چاک میں — آ رہے ہوں خوشۂ انگور جیسے تاک میں

۲۳۴

بادل آئے بجلی چمکی مینہ کے دڑیڑے پڑتے ہیں — پھولوں کے منہ پر بادِ صبا کے آج تھپیڑے پڑتے ہیں
برج میں جا کر کھیلو ہولی جھک موئے تم ہو ناصح جیو — گیند کی جا گہ واں تو تڑاتڑ متھرا کے پیڑے پڑتے ہیں
شیخ جیو صاحب ہیں جو نہاتے ہرشک سے بیٹھے چوکی پر — مونڈی مانڈی چند یا پر کیا خوب تڑیڑے پڑتے ہیں
ایسے میں چلیے کیجے تماشا، اکثر پریاں آئی ہیں — ندی کے اندر خواجہ خضر کی نذر کے بیڑے[2] پڑتے ہیں

---

[1] یہ دو شعر اس زمانے کی یاد دلاتے ہیں جبکہ انشا سخت بیمار تھے جس کا حوالہ جا بجا دیوان میں ہے۔

بہ: یہ شعر اور اس کے آگے کے دو غزلیں قلمی نسخوں میں نہیں ہیں۔

[2] خواجہ خضر کے بیڑے: بانسوں کی ایک چھوٹی سی کشتی نما چیز جس پر خواجہ خضر کے نام سے چراغ پھول اور مٹھائی وغیرہ رکھ کر دریا میں بہا دیتے ہیں۔

انشاء اللہ خاں کو صاحب آپ نہ چھیڑیں مجلس میں
اِن باتوں ہی میں بیٹھے بٹھائے لاکھ بکھیڑے پڑتے ہیں

۲۲۵

ہیں یہ مژگاں اِس نمط دامِ ہوس کی ٹٹیاں
جس طرح گرمی میں چھڑکی جائیں خس کی ٹٹیاں

تھے پڑے وہ جو جھروکے اُن کے آگے لگ گئیں
مو بہائے ریشِ دربان و عسس[1] کی ٹٹیاں

ہم صفیروں نے یہ گرما گرم کل نعرے بھرے
جن کے دولت پھنک گئیں کنجِ قفس کی ٹٹیاں

باس خس خانے میں خس کی کیا بھلا باقی رہے
جبکہ روگرداں[2] ہوں پھر اگلے برس کی ٹٹیاں

خاک دیکھے منّ و سلویٰ جن کے آگے چھا گئیں
برگہائے سبز و خاشاکِ عدس[3] کی ٹٹیاں

بسکہ ٹھنڈک پاکے یہ لیٹی ہی رہتی ہیں، تو دیکھ
بن گئیں گویا کہ پر ہائے مگس کی ٹٹیاں

ٹک نسا جال[4] اِن رگوں کا دیکھ تو انشاؔ بھلا
کس کے کیا باندھی ہیں اُس صانع نے نس کی ٹٹیاں

۲۲۶

کچھ نگاہیں تری، ایسے ہی ہنر سے لڑیاں
کہ جھڑیں نور کی جوں* قرصِ قمر سے لڑیاں

یہ جو چلون سے کوئی شخص اُدھر جھانکے ہر
پھرتیاں اُس کی مرے دیدۂ تر سے لڑیاں

جمع حوریں تھیں یہ کس واسطے، اے شبنم، رات
چتونیں جن کی مرے تارِ نظر سے لڑیاں

کس کا یہ بیاہ تھا جو موتیوں کے سہرے کی
اب تلک جھڑتی ہیں دامانِ سحر سے لڑیاں

آنکھیں انشاؔ کی لڑیں† شوخیوں سے برق کی یا
فوجیں پریوں کی بہم اڑتی ہیں فر سے، لڑیاں

---

[1] عسس = کوتوال۔
[2] روگرداں ہونا = یعنی اُلٹ کے بنایا جانا۔
[3] عدس = مسور۔
[4] نسا جال = نسوں کا جال یعنی انسان کے رگ پٹھے جو ایک بال کی صورت میں بندھے ہوئے ہیں۔

* ق، ق ۲: "شب" † ق ۳: "آہ ۔۔۔ لڑی"۔

(۲۳۷)

دھوم اتنی ترے دیوانے مچا سکتے ہیں
کہ ابھی عرش کو چاہیں تو ہلا سکتے ہیں

مجھ سے اغیار کوئی آنکھ ملا سکتے ہیں
منہ تو دیکھو وہ مرے سامنے آ سکتے ہیں

یاں وہ آتش نفساں ہیں کہ بھر آہ تو جھٹ
آگ دامانِ شفق کو بھی لگا سکتے ہیں

سوچیے تو سہی ہٹ دھرمی نہ کیجے صاحب
چٹکیوں میں مجھے کب آپ اُڑا سکتے ہیں

حضرتِ دل تو بگاڑ آئے ہیں اُس سے لیکن
اب بھی ہم چاہیں تو پھر بات بنا سکتے ہیں

شیخی اتنی نہ کر اے شیخ، کہ رندانِ جہاں
ق اُنگلیوں پر تجھے چاہیں تو نچا سکتے ہیں

تو گروہ فقرا کو نہ سمجھ بے جبروت
ذاتِ مولیٰ میں یہی لوگ سما سکتے ہیں

دم ذرا سادھ کے لیتے ہیں پھریری تو ابھی
سُون کھینچے ہوئے لاہوت کو جا سکتے ہیں

گرچہ ہیں مونس و غمخوار تگ و دو میں سبھی
پر تری طبع کو کب راہ پہ لا سکتے ہیں

چارہ ساز اپنے تو مصروف یہ دل ہیں لیکن
کوئی تقدیر کے لکھے کو مٹا سکتے ہیں

ہے محبت جو تری دل میں، وہ اک طور پہ ہے
ہم گھٹا سکتے ہیں اُس کو، نہ بڑھا سکتے ہیں

کر کے جھوٹا نہ دیا جام، اگر تو نے تو چل
مارے غیرت کے ہم افیون تو کھا سکتے ہیں

ہمنشیں تو جو یہ کہتا ہے کہ قدغن[1] ہے بہت
ق اب وہ آواز بھی کب تجھ کو سنا سکتے ہیں

لے نہ آواز سناویں مجھے در تک آ کر
اپنے پانوؤں کے کڑوں کو تو بجا سکتے ہیں

یوں نہیں ہنسنے کے ہم آپ کے ہنسنے کے لیے
ق اور اگر سوانگ نہیں کوئی بنا سکتے ہیں

کالے کاغذ کی ابھی ایک کتر کر بیجپا[2]
زاہدِ بزم کے مُنہ پر تو لگا سکتے ہیں

گھر سے باہر تمھیں آنا ہے اگر منع، تو آپ
اپنے کوٹھے پہ کبوتر تو اُڑا سکتے ہیں

جھولتے ہیں یہ جو جھولے میں سو کہتے ہیں مجھے
ایک عدے پہ تجھے برسوں جھلا سکتے ہیں

اپنے ڈھب کے جو قوافی ہیں ہم اُن میں انشاؔ
اک غزل او بھی چاہیں تو سنا سکتے ہیں*

---

[1] سخت ممانعت۔ [2] کاغذ کے بنے ہوئے مضحکہ چہرے کو بیجپا کہتے ہیں جس کو بچے ہنسانے اور ڈرانے کے لئے منہ پر لگا سکتے ہیں۔

* [اس زمین میں مرزا سلیمان شکوہ کی بھی ایک غزل ہے۔ دیکھو مصحفی کا تذکرہ ہندی گویاں ص ۱۲۲]

۲۳۸

آپ سو روپ سے، گو روپ بدل سکتے ہیں
پر کوئی دخل ہے، اِس بندہ سے چل سکتے ہیں؟[1]

غیر سرگرمِ سخن تم سے ہے، کیا کیجے بھلا
ہم نہ رہ سکتے ہیں اِس وقت، نہ ٹل سکتے ہیں

اپنے خشکے سے، جو سبزہ نہ ملا۔ ہم آزاد
ٹوئی چِلی میں بھلا پوست تو مل سکتے ہیں

گرم رو گرچہ رہِ کعبہ میں ہم ہیں، اے شیخ
لیکن اِس پر بھی جو مچلیں تو مچل سکتے ہیں[2]

کہہ تو اے چرخ، بھلا تجھ سے کسی طرح کبھی
دل کے ارمان ہمارے بھی نکل سکتے ہیں؟

گرچہ کچھ اپنے بگڑنے میں رہا کیا باقی
آپ پر اب بھی سنبھالیں، تو سنبھل سکتے ہیں[نوٹ]

ہیں جو یہ سادہ و پرکار سے بیٹھے سو مجھے
قول کا چھلّا اگر دیویں تو چھل سکتے ہیں[3]

قافیے اور نئے سوجھے ہیں مجھ کو، انشا
جن میں اشعار کئی رنگ کے ڈھل سکتے ہیں

۲۳۹

یوں بگڑنے کو فرشتے سے بگڑ سکتے ہیں
پر کوئی دخل ہے؟ ہم تم سے اکڑ سکتے ہیں؟

آپ کے سر کی قسم۔ رستمِ دستاں کیا ہے
اڑ کھڑے ہو دیں، تو ہم زال سے اڑ سکتے ہیں

ساتھ صاحب کے جو پھرتے ہیں یہ سِفلے دو چار
غور تو کیجے، بھلا مجھ سے جھگڑ سکتے ہیں؟

ٹک بھی پُرچک[4] ہو اگر آپ کی جانب سے، تو پھر
ابھی خم ٹھونک کے یاں دیو سے لڑ سکتے ہیں

اجی کیوں روٹھے ہو، ہم پاس نہیں گو زر و زور
عذر خواہی میں بھلا پانو تو پڑ سکتے ہیں

مجھ میں اور آپ میں رہتے ہیں جو رگڑے جھگڑے
آپ ہی اُن کو نبیڑیں تو نبڑ سکتے ہیں

---

[1] چل سکنا ۔ پیش پانا ۔ بڑھ جانا۔

[2] مچلنا یہاں اصلی معنوں میں استعمال ہوا ہے یعنی ایک راہ کو چھوڑ کر دوسری راہ پر چلنا۔

نوٹ: ق، ق ۲ میں یہ شعر نہیں ہے

[3] چھلنا = فریب دینا ۔ دھوکا دینا۔

[4] پُرچک = حمایت طرف داری ۔ شہ (دینا)۔

جن درختوں کے رگ و ریشہ ہیں اِس باغ میں بند
وہ کوئی، بادِ خزاں! تجھ سے اُکھڑ سکتے ہیں

پاسِ خاطر ہمیں جراح کی ہر ور نہ ابھی
ایک خمیازے میں سو ٹانکے اُدھڑ سکتے ہیں

دور اِتنا تو نہ کھینچ آپ کو، اے دامنِ کوہ
اب کوئی اہلِ جنوں تجھ سے بچھڑ سکتے ہیں؟

آفریں، آتشِ گل تجھ کو، نواسنجوں کے
آشیانے اِسی صورت سے اُجڑ سکتے ہیں!

پانو پر سے جو مرے سر کو اٹھاتے ہیں آپ
تو بھلا کھینچ کے ایک تیغ تو جڑ[1] سکتے ہیں

دوڑے ہر کوسوں، جو آجائے ہر وحشت کی دھن
اجی، اِنشا کو کوئی آپ پکڑ سکتے ہیں؟

۲۴۰

کھینچ لے کاش وہ پَری اپنے، مجھے، لحاف میں
بَا کہ بلا سے پھینک دے دامنِ کوہِ قاف میں

ہو نہ وہ ماہرو، تو جھٹ شیشۂ مے اُلینڈ کر
شمع سے آگ دوں لگا چادرِ نور باف میں

شیخ جی، یہ بیان کرو ہم بھی تو بارے کچھ سنیں
آپ کے ہاتھ کیا لگا خلوتِ اِعتکاف میں

پیز ہر کیا، رقیب تو، خوب سے جھٹکے دیجیے
ریشِ دو شاخ[2] لے کے آئے رستمِ اگر مصاف میں

تکیہ ترے سرہانے کا سونگھ کے غش نہ کیوں ہوں ہم
آتی ہر واہ، زور باس سُتھرے سے اُس غلاف میں

کتّے کو اپنے چاہ میں پھینک نہیں دیا، تو پھر
خال ہوا ہر لال سا آپ کی کیوں یہ ناف میں ‡

سایۂ سدرہ میں تو اینڈ عشق میں مثلِ جبرئیل
قصۂ کفر و دین کے بس نہ پھنس اختلاف میں

بکرے کی بولی مت بُلا رسم کے کھیل[3] میں اُسے
داڑھی ہلا کہے ہر شیخ، ہو مجھے اب معاف "میں"

× سب نسخوں میں "کی" ہر مگر صحیح "کا" ہر

+ مطبوعہ نسخے "ہر" نہیں

[1] جڑنا یعنی لگانا۔ زور سے ہاتھ مارنا۔

[2] ریشِ دو شاخ = بیچ سے چری اور چڑھی ہوئی داڑھی جو علامت تکبر کی ہر۔ مصاف: جنگ لڑائی۔

‡ ق ۲ میں یہ شعر نہیں ہر۔

[3] بچے ایک کھیل کھیلتے ہیں جس میں ایسے الفاظ بولے جاتے ہیں جن میں ر۔ س۔ م۔ نہ آوے اس کو رسم کا کھیل کہتے ہیں اگر غلطی سے کوئی ایسا لفظ بولے جس میں "ر" آجاوے تو اُس سے بکرے کی بولی بلواتے ہیں یعنی "میں، میں"

جاویں جو کعبے انشاؔ ہم، تو ہو حصول کیا ہمیں
اس سے تو خوب ہے رہیں دل ہی کے ہم طواف میں

۲۴۱

ٹڑرائے مینہ کے ہیں بادل گرج رہے ہیں — نقارے سے فلک پر کچھ آج بج رہے ہیں
چلتے تو دیر کو ہم، اے برہمن، ولیکن — دو چار اور باقی ایام حج رہے ہیں
کاٹے ہیں ہم نے یونہیں ایام زندگی کے — سیدھے سے سیدھے سادے اور کج سے کج رہے ہیں
گرما گئی طبیعت باہم جو مطربوں کی — تو اُلجھی سُلجھی تانیں کیا کیا اُپج رہے ہیں
جو باندھنو[1] بندھے ہیں انشاؔ یہ وہ تو سینے
کیا آپ اپنی بیٹھے دستار سج رہے ہیں

۲۴۲

یا وصل میں رکھیے مجھے یا اپنی ہوس میں — جو چاہیے سو کیجیے ہوں آپ کے بس میں
یہ جائے ترحم ہے، اگر سمجھے تو، صیاد! — میں اور پھنسوں اس طرح اس کنج قفس میں
آتی ہے نظر اُس کی تجلّی ہمیں، زاہد! — ہر چیز میں، ہر سنگ میں، ہر خار میں خس میں
ہر رات مچاتے پھریں ہیں شوق سے دھومیں — یہ مستِ مئے عشق ہیں کب خوفِ عسس میں
کیا پوچھتے ہو عمر کٹی کس طرح اپنی — جز درد نہ دیکھا کبھو اس تیس برس میں
ہر بات میں یہ جلدی ہے، ہر نکتے میں اصرار — دنیا سے نرالی ہیں غرض تیری تو رسمیں
دشمن کو ترے گاڑوں میں، اے جانِ جہاں، بس — تو مجھ کو دلایا نہ کر اس طور کی قسمیں
انشاؔ ترے گر گوش اصم[2] ہوں نہ تو آوے
آواز ترے یار کی ہر بانگ جرس میں

---

[1] باندھنو = وہ دوپٹا وغیرہ جس پر رنگریز مختلف رنگوں کے واسطے ڈورے باندھ دیا کرتے ہیں اُس کو چنبری بھی کہتے ہیں باندھنو بندھنا = تہمت لگنا۔
[2] اصم = بہرا۔

(۲۴۳)

کیا ملا ہم کو تری یاری میں
رہے اب تک اُمیدواری میں

ہاتھ گہرا لگا کوئی قاتل
زور لذّت ہے زخم کاری میں

دل جو بے خود ہوا صبا لائی
کس کی بو نکہتِ بہاری میں

ٹک اِدھر دیکھ تو بھلا، اے چشم
فائدہ ایسی اشکباری میں؟

چٹ[۱] لگا دیتے ہیں مرے آنسو
سلکِ گوہر کی آبداری میں

روٹھ کر اس سے میں جو کل بھاگا
ناگہاں دل کی بے قراری میں

آلیا اُس نے دوڑ کر مجھ کو
تاک کے اوجھل ایک کیاری میں

یوں لگا کہنے بس دِوانا نہ بَن
پانو رکھ اپنا ہوشیاری میں

کب تلک میں بھلا رہوں شب و روز
تیری ایسی مزاجداری میں

ہے سمایا ہوا جو لڑکاپن
آپ کی وضع پیاری پیاری میں

اپنے بکرے کا مُنہ چِڑاتے وقت
کیا خوش آتی ہے یہ تمھاری "میں"

بندہ بوتراب ہے انشا
شک نہیں اُس کی خاکساری میں

(۲۴۴)

یہ کس کا ہے غبارِ خاطرِ مایوس شیشے میں
کہ ہر ساعت ہے اِس کو رجعت معکوس شیشے میں[۲]

نمودِ آہِ سوزاں پیرہن سے اپنے اب یوں ہے
نظر جس طرح آوے صورتِ فانوس شیشے میں

لیا کر[۳] میری جاسوسی بھلا تو دیکھ لینا[۴] میں
اُتاروں ہوں تجھے کس ڈھب سے اے جاسوس شیشے میں

---

[۱] چٹ لگانا = حقیر کرنا؛ چٹ = دھبا۔ داغ۔

[۲] شیشے میں یہاں مراد "شیشۂ ساعت" سے ہے جسے "ریت گھڑی" بھی کہتے ہیں۔

[۳] جاسوسی لینا = سُن گُن لینا، کسی کی جاسوسی کرنا۔

[۴] شیشے میں آتارنا یعنی قابو میں لانا۔

سُعالِ[1] مُزمن قلقل بھلا ہو دفع کس ڈھب سے ‏— سپستاں ہے نہ زوفا ہے نہ اصل السُوس شیشے میں

ہر اک قطرہ جھپٹ جاوے گا بن کر صخرۂ جنّی ‏— ارے ظالم بھری ہے فوج بکتانوس[2] شیشے میں

کسی کے ہجر میں اپنے ہزاروں داغ ہیں دل پر ‏— عوض مے کے بھریں گے ہم پرِ طاؤس شیشے میں

مری آنکھوں کی پتلی میں سما جا اور تماشا کر ‏— کہ ہوتی ہے پری کس طور سے محبوس شیشے میں

بندھا ہے سکۂ زر بر ہفت کشور کا یہاں نقشا[3] ‏— ق دماغِ بادہ ہے جوں دُختِ کیکاؤس شیشے میں

مری جاں! ایک عروسِ ناز پرور دُخترِ رز ہے ‏— کیا جس نے جلوسِ میمنت مانوس شیشے میں

لڑی جو آنکھ اُس خورشید رو سے تو مجھے اِنشا
ہوئی اِک آسمانی آگ سی محسوس شیشے میں

نو

۲۴۵

اُتار اُس چاند کو اے رندِ عالی ظرف شیشے میں ‏— کہ دارو مُوتیا کی سرد ہو جوں برف شیشے میں

بھرا منصور کے لوہو سے اہلِ شرع نے تو بھی ‏— انا الحق کے اُبھر آئے وہی پھر حرف شیشے میں

اچنبھا ہے "گوارا باد"[4] کا لکھنا بھلا سوچو ‏— بھرے کس طرح ہوں گے + خامۂ شنجرف شیشے میں

بہر نحو اس کی بخشش ہو رہی ہے تو نہ کر ساقی ‏— معانی "لا یُحِبُّ المُسرفین" کے صرف شیشے میں

ہوائے ابر و باراں میں جو کچھ لہرا گئی، اِنشا
تو ساقی نے بھرا خونِ نگاہِ ژرف شیشے میں

---

[1] سُعالِ مُزمن = پرانی کھانسی۔ دوسرے مصرع میں کھانسی کی مجرب دوائیں بتائی ہیں۔

[2] بکتانوس = ایک بڑے موکل کا نام جو حاضرات میں بلایا جاتا ہے۔ صخرۂ جنّی = وہ بدصورت جن جو حضرت سلیمان کی انگوٹھی لے گیا تھا۔

[3] اِن دو شعروں میں شراب کو ایک شاہزادی اور شیشے کو ایک تخت مقرر کیا ہے اور شراب کا شیشے میں ہونا گویا اسکی تخت نشینی ہے۔ اس رعایت سے "سکۂ زر بر ہفت کشور کہا ہے"۔

نو: ق، ق ۲ میں یہ غزل اور اس کے بعد کی غزل نہیں ہے

[4] گوارا باد = فقرۂ دعائیہ جو شراب کی خاص بوتلوں پر لکھا ہوتا تھا۔ نگاہِ ژرف = گہری نگاہ

+ ق ۳: "بھری کس طرح ہوگی"۔

۲۴۶

نرگستاں کی بھی ٹک دیکھو پھبن آئینے میں[1] — باغ مت جاؤ کہ ہر دامن و چمن آئینے میں

لہریں لیتا ہے پڑا مچھی بھون آئینے میں — چوم لے تو ہی بھلا اپنا دہن آئینے میں

راجہ نل کا جو پڑا عکسِ دہن آئینہ میں — تو نظر آئی اُسے شکلِ دمن آئینے میں

کیونکے میں جیسے کو تیسا ہی نہ پھر آؤں نظر — یعنی کیا معنی نہ ہو آئینہ پن آئینے میں

مدّمہ[2] پہ جوبن کے چڑھے ایسے ہی تھے وہ تو کہ بس — آ گئے نشّے میں، دیکھ اپنی پھبن آئینے میں

تیورا ایسے ہی ہلاکو ہیں، جو کچھ بس ہو تو وہ — عکسِ آدم کو کریں گور و کفن آئینے میں

شغلِ آئینہ سے لذّت یہ اُٹھائی ہے کہ بس — ہم فقیروں نے کیا اپنا وطن آئینے میں

شعلے آہوں کے بدن اپنے سے ہیں یونہیں نمود — منعکس جیسے ہو سورج کی کرن آئینے میں

حوضِ آئینہ سے فوّارہ نزاکت کا چھٹے — رونق افزا جو ہو وہ چاہِ ذقن آئینے میں

واہ اِس طفلی و اِس شکلِ جوانی کے بدل — سامنے ہو ویں گے اِک مردِ کہن آئینے میں

دیکھ کر اپنی بہار اُس نے یہ اِنشاؔ سے کہا
باغ میں کب ہے چمن جو ہے چمن آئینے میں

۲۴۷

کیسی ہی کیوں نہ ہم میں تم میں لڑائیاں ہوں — جب کھلکھلا کے ہنس دو باہم صفائیاں ہوں

کیونکر نہ گدگداہٹ ہاتھوں میں اُس کے اُٹھے — وہ گوری گوری رانیں جس نے دبائیاں ہوں

جی چاہتا ہے بولیں پر بولتے نہیں ہیں — ہو ویں اگر تو باہم ایسی رکھائیاں ہوں

ممکن ہے کوئی ہم سے اِخفائے راز ہووے؟ — سو بار ٹھنڈی سانسیں گو لب تک آئیاں ہوں

کیونکر جنوں مجسّم ہو کر نہ دے دکھائی — جب شورشوں نے دل کی دھومیں مچائیاں ہوں

---

[1] یہ غزل دو بحروں میں ہے ایک رمل مثمن محذوف (فاعلاتن فاعلاتن فاعلاتن فاعلن) اور دوسری رمل مثمن مقطوع (فاعلاتن فعلاتن فعلاتن فعلن)

[2] مدّمہ پہ جوبن کے یعنی جوبن کے عروج پر۔

ناز و کرشمہ ایسا* سچ وہ غضب یہ جس میں ق اور یہ نمک یہ گرمی یہ خوش ادائیاں ہوں
چتون میں وہ لگاوٹ سرمہ کی وہ گھلاوٹ پھر قہر یہ سجاوٹ یہ اچپلائیاں[۱] ہوں
مرجائیے نہ کیوں کر ایسے ہوئے یہ ظالم+ جس میں اکٹھی اتنی باتیں سمائیاں ہوں

پڑھ اور بھی غزل ایک انشا اسی طرح سے
تا شاعروں کے آگے تیری بڑائیاں ہوں

۲۴۸

جس سے کہ چپکے چپکے لاگیں لگائیاں ہوں لازم ہے یہ کہ منہ پر اس سے رکھائیاں ہوں
اے پاک ذات صدقے تیری خدائی کے میں اب تو نہ میرے اس کے ہرگز جدائیاں ہوں
کیا سیر اس گھڑی ہو پھرتا ہو وہ مشوش اور ہم نے اس کی کچھ کچھ چیزیں چرائیاں ہوں
ابر تنک کا آنا کیا چاند پر خوش آوے جس کی نظر میں اس کے مکھڑے کی چھائیاں* ہوں
فتنے کے عطر کی بو کیونکر نہ ان سے آوے جن انگلیوں نے بغلیں وہ گدگدائیاں ہوں
کیا قہر ہے یہ دیکھو برسوں جنھوں کی خاطر ق درگاہوں بیچ جا جا راتیں جگائیاں ہوں
مانی ہوں منتیں بھی سو سو کروڑ ڈھب کی دھو دھو روپے اشرفی تندریں[۲] اٹھائیاں ہوں
ہووے ملاپ ان سے گا ہے تو شام ہی سے آنکھوں میں ان کی جھک جھک نیندڑیاں[۳] آئیاں ہوں
آئی نظر جو تربت مجنوں کی اک مسافر بے اختیار بولا: ایسی کمائیاں ہوں
پردے میں قتل کرنا کیا چیز اس کے آگے چلمن کی اوٹ جس نے آنکھیں لڑائیاں ہوں

تبدیل قافیے سے لکھ وہ غزل اب، انشا
جس میں کہ اپنے ڈھب کی باتیں+ بنائیاں ہوں

---

* ق ۲: "ویسا"

۱ چپلائی: اچپلاہٹ یعنی شوخی، تیزی طراری۔

+ ق ۲ میں یہ شعر نہیں ہے۔ ق ۳: "ایسے پہ ہو کے عاشق"۔ ق ۱ "کہ اکٹھی اتنی باتیں"۔ ق ۴ "اکٹھی باتیں اتنی"۔

۲ روپیہ یا کوئی دوسرا سکہ صاف پانی سے دھو کر ایک جگہ رکھ دیتے ہیں جب منت پوری ہو جاتی ہے تو تندر ملا کر اس کی مٹھائی تقسیم کر دی جاتی ہے

۳ نیندڑیاں: عورتوں کی زبان میں نیند۔

* ق ۲: "چھائیاں"۔ + مطبوعہ نسخے: "بتیں"۔

۲۴۹

گر آپ روپ[1] ہم سے باتوں میں ٹک کڑے ہوں
سو ور گڑے جھگڑے قضیے قصے جھٹ اُٹھ کھڑے ہوں

مت کیجے روکھی پھیکی ہم سے اُچاٹ باتیں
دھیان آپ اُن کا رکھیے تیور جدھر اڑے ہوں

مُنہ بھر کے نام کیا لیں، ساقی، وہ مے کشی کا!
دو ہی پیالیوں میں جو لوگ غش پڑے ہوں

اچھی سے اچھی ستھری خاصی کڑی دھواں سی
کوئی شراب ہو تو دو چار تو گھڑے ہوں

کیونکر نہ چونکے فتنہ پانوؤں میں جب تمھارے
یہ تھر جھنجھناتے سونے کے دو کڑے ہوں ‡

نرگس کے پھول وھاں سے نکلیں پھر آنکھ ملتے
کیف نگہ کے مارے جس خاک میں گڑے ہوں

ٹپکا پڑے ہے جوبن اُس روے آتشیں پر
قطرے عرق کے یوں ہیں جس طرح نگ جڑے ہوں

ہر ظلم اُس پری پر ہم غش نہ ہو ویں جس کے
یہ جھمکے، بندے، بالے، توڑے، کڑے، چھڑے ہوں *

ایک اور ڈھب کی انشا اس بحر میں غزل لکھ
الفاظ جس کے باہم موقع سے آپڑے ہوں

۲۵۰

جاڑے میں کیا مزا ہو وہ تو سمٹ رہے ہوں
اور کھول کر رضائی ہم بھی لپٹ رہے ہوں

اب آپ کے دموں میں ہم آ چکے، ہٹو بھی
خوش آوے پیار کس کو جب دل ہی کھٹ رہے ہوں[1]

کیوں کر زبان سے ان کی اپنا بچاؤ ہووے
ذات و صفات سب کے جب وہ اکٹ[2] رہے ہوں

آتے تھے ساتھ میرے۔ دیکھو تو کیا ہوے وہ
ایسا نہ ہو کہ پیچھے رستے میں کٹ رہے ہوں

تب سیر دیکھیے کوئی باہم لڑائیوں کی
کھینچے ہوں وہ تو تیغا اور ہم بھی ڈٹ رہے ہوں

---

[1] آپ روپ: خود بدولت]

‡ ق ۲ میں یہ اور اگلا شعر نہیں ہے ۞ ق: "کیفِ نگہ" یعنی مست نگاہ

* ق ۲ میں یہ شعر نہیں ہے۔

[1] دل کھٹ رہے ہوں = ایک دوسرے میں مخالفت ہو۔

[2] اکٹنا = صاف صاف بیان کرنا۔

کیا کر سکیں دوا ے حالِ دلِ پریشاں
زلفوں کے بال اُن کے جب آپ لٹ رہے ہوں[1]

آپس میں روٹھنے کا انداز ہو تو یہ ہو
وہ ہم سے ہٹ رہے ہوں ہم اُن سے ہٹ رہے ہوں

جی چاہتا ہی اے دل اک ایسی رات آوے
مطلع ہو صاف ستھرا بادل بھی چھٹ رہے ہوں

سوتے ہوں چاندنی میں وہ منہ لپیٹے اور ہم
شبنم کا وہ دوپٹا منہ سے اُلٹ رہے ہوں

پنجم غزل اب، اِنشا انداز کی سُنا دے
آغوش میں معانی جس کے لپٹ رہے ہوں

۲۵۱

خلوت میں، فائدہ کچھ، اغیار سب بہم ہوں — ق
سب کو ہوا بتا[2] دو بس تم ہو اور ہم ہوں

اِس وقت تو جو ہم کو دے ڈالے ایک بوسہ
فدوی، غلام، بندے بے دام و بے درم ہوں

اُترے شراب تجھ بن کیوں کر گلے سے اُس کے
جس ناتواں کے حق میں پانی کے گھونٹ سم ہوں

اُس کی لپیٹ میں ہم کیوں کر بھلا نہ آویں
ہر بات بات میں جب سو سو کروڑ دم ہوں

مرضی میں تیری کیا ہی اے وحشت آہ ✻ سچ کہہ
جاویں کلیسا کو یا زائرِ حرم ہوں

آیا جو ذکر میرا بولے کہ پوچھنا کیا
ایسے بھی لوگ شاید دنیا کے بیچ کم ہوں

ٹک اس طرف تو دیکھو آنکھیں ملا کے صاحب
ہم سے قدیمی بندے شایستۂ ستم ہوں +

اٹیر[3] کے گھر میں تیتر سبحان، تیری قدرت
جو ہیچ و پوچ ہوں سو وے ایسے محترم ہوں

کیا دخل لکھ کے بھیجوں شعر اپنے اس کو خط میں +
مصرع رقم کروں تو چٹ انگلیاں قلم ہوں

یہ قافیہ ردیف اب تا چند میر انشا
اشعار معرفت کے اس بحر میں رقم ہوں ‡

---

[1] لٹ رہنا = بالوں کا بکھرنا۔ پریشاں ہونا۔ [2] ہوا بتانا = نکال دینا۔

✻ ۳ : "مرضی تری سو کیا ہی۔ اے وحشت آج"۔ + ق ۲ : "اس کے خط میں"۔ ق ۳ اور مطبوعہ نسخوں میں یہ شعر مقطع ہی۔

[3] اٹیر کے گھر میں تیتر" یعنی اترانے والا شیخی خورہ جب کسی شیخی خورہ کو کوئی معمولی چیز بھی مل جاتی ہی تو وہ بہت اتراتا ہی۔

‡ ق، ق ۲ میں مقطع یہ ہی جس کی رو سے اگلی غزل کی بحر بھی یہی ہونی چاہیئے اور مضمون عارفانہ اور اس مطلبے کو یہ غزل پورا کرتی ہی (دس عقل دس مقولے وس مدرکات تیسوں الخ) لیکن تمام نسخوں میں اگلی غزل کوئی اور ہی ہی اکثر نسخوں میں ردیف عددی سلسلے کو مدنظر رکھا ہی جس کی بنا پر "مدرکات تیسوں" والی غزل اپنی اصلی جگہ سے ہٹ گئی تھی۔

٢٥٢

دس عقل، دس مقولے دس مدرکات تیسوں — تیرے ہی ذکر میں ہیں، اے پاک ذات تیسوں
نُہ آسمان، خور و مہ، ساتوں طبق زمیں کے — روح و حواس خمسہ اور شش جہات تیسوں
بارہ بروج، چودہ معصوم، چار عنصر — ظاہر کریں ہیں تیری لاکھوں صفات تیسوں
سی پارہ ہائے دل کو رکھیو محافظت سے — اے میری جاں، ہیں تیرے حفظِ حیات تیسوں

ماہِ گذشتہ کا حال، انشاؔ کہوں سو کیونکر
مر مر بسر کیے ہیں دن اور رات تیسوں

٢٥٣

چشم و ادا و غمزہ، شوخی و ناز، پانچوں — دشمن ہیں میرے جی کے، بندہ نواز! پانچوں
کیا رنگِ زرد و گریہ، کیا ضعف و درد و افغاں — افشا کریں ہیں مل کر میرا یہ راز، پانچوں
نارِ فراق سے ہے، جوں شمع، دل کو ہر شب — احراق و داغ و گریہ، سوز و گداز، پانچوں
دیکھا ہے جب سے تجھ کو، چھوڑا ہے زاہدوں نے — تقویٰ و ذکر و زہد و صوم و نماز، پانچوں*
آرام و صبر و طاقت ہوش و حیا کہاں پھر — لے ساتھ دل کے یہ بھی اے عشوہ ساز! پانچوں
فرہاد و قیس و وامق، محمود و ماہ رو بھی+ — ق — رکھ بار مجھ پہ سو ویں، ہو پا دراز، پانچوں
ہیں تیرے در پہ آکر ہر ایک سر بسجدہ — لیلیٰ و مہر و عذرا، شیریں، ایاز، پانچوں[1]

مت پوچھ کارِ انشاؔ ہجر و وصال میں کچھ
صبر و جنون و وحشت عجز و نیاز پانچوں

---

* ق ٣ میں یہ شعر نہیں ہے۔

+ ق، ق ٢: "محمود و ماہ، کیوں نہ" ق ٣: "محمود و ماہ کیواں"

[1] اس قطعے کے پہلے شعر میں پانچ مشہور عاشقوں کے نام اور دوسرے شعر میں انھیں کے معشوقوں کے نام لیے گئے ہیں۔

(۲۵۴)

سرِ چشم، صبر، دل، دیں، تن، مال، جان آٹھوں
صدقے کیے ہیں تم پر، لو مہربان آٹھوں

سج، دھج، نگہ، اکڑ، چھب، حُسن و ادا و شوخی
نامِ خدا ہیں تجھ میں اے نوجوان آٹھوں

مِردنگ و چنگ و نَے، دف، بین و رباب سُرنا[1]
ہم ساز و ہم نوا ہیں، لینے میں تان آٹھوں

ساتوں سُروں میں مطرب گت بھی یہ گھو رہی ہے
ہیں سم پہ آ کے ٹھہرتے یکجا ندان آٹھوں

رُخ، خال، زلف، خط، لب، دنداں، ذقن، زنخداں
اُس کے ہیں اپنے دشمن اِنشاؔ، ہر آن آٹھوں

(۲۵۵)

پھبن، اکڑ، چھب، نگاہ، سج، دھج، جمال، طرزِ خرام، آٹھوں[2]
نہ ہوویں اُس بُت کے گر پجاری، تو کیوں ہو میلے کا نام آٹھوں[3]

ذقن، زنخداں، لب و دہان و رُخ و جبین و نمک تبسّم
سکھاتے ہیں اُس پری کو کافر یہ مل کے سب قتلِ عام آٹھوں

ادا و ناز و حجاب و غمزہ، کرشمہ، شوخی، حیا، تغافل
تمھاری چتون کے آگے آگے یہ کرتے ہیں اِہتمام آٹھوں

جھجک، لگاوٹ، چمک، جھگڑا، ملال، غصّہ، کرم، رُکاوٹ
کسی کی باتوں پہ کرتے ہیں یاں کسی کا جی ہی تمام آٹھوں

---

[1] سُرنا (سورنائے" کا مخفف) = شہنائی جو خوشی کی تقریبوں میں بجاتے ہیں۔

[2] پھبن = وہ خوبصورتی یا زیبائش جو کسی دوسری چیز مثلاً خط و خال و زیور کی مدد سے آدمی میں پیدا ہوتی ہے۔
چھب = خوبصورتی جو اعضا کے تناسب سے پیدا ہو۔ سج = سجاوٹ۔ دھج = جو حسن کسی خاص وضع قطع یا روش سے پیدا ہوتا ہے

[3] آٹھوں کا میلا = لکھنؤ میں ٹکیت رائے کے تالاب پر ہولی کے آٹھویں دن ہوتا ہے۔ مولانا آزاد لکھتے ہیں کہ انشا کو میلوں ٹھیلوں میں جانے کا بہت شوق تھا ایک دن نواب سے انھوں نے اسی میلے میں جانے کی اجازت طلب کی نواب برہم ہوئے۔ اجازت تو دے دی مگر اسی وجہ سے مزاج میں کچھ برہمی پیدا ہو گئی

شکیب و صبر و قرار و طاقت، نشاط و آرام و عیش و راحت
تمھاری الفت میں کھوئے بیٹھا ہوں میں تو یہ لا کلام آٹھوں
سریر و چتر و قشون[1] و مُلک و شکوہ و تاج و کمال و صحت
مرے سلیمان[2] کو دے خدایا! یہ جلد با احتشام آٹھوں
نہ پوچھ مجھ سے تو سیّد انشا کہ نام عاشق کے کیا ہیں وحشی
ذلیل و رسوا خراب و خستہ غریب بندہ غلام آٹھوں

۲۵۶

تمھارے ہاتھوں کی انگلیوں کی یہ دیکھو پوریں غلام تیسوں
غرض کہ غش ہی اگر نہ مانو تو جھٹ اٹھا لے کلام تیسوں
امام بارہ، بروج بارہ عناصر و جسم و روح اے دل
یہی تو سرکار حق تعالیٰ کے ہیں مدار المہام تیسوں
نہیں عجائب کچھ آنکھ ہی میں رطوبتیں[2] تین، سات پردے
عقول دس، مدرکات دس ہیں سو کرتے رہتے ہیں کام تیسوں
علوم چودہ، مقولے دس اور جہاتِ ستّہ بنائے اُس نے
امورِ دنیا کو تا کہ پہنچائیں خوب سا انصرام تیسوں
بلائیں کالی ہیں اس پری بن یہ تیسوں راتیں کچھ ایسی انشا
کہ ہر مہینے کے دن بھی جن کو کریں ہیں جھک کر سلام تیسوں

۲۵۷

کمر باندھے ہوئے چلنے پہ یاں سب یار بیٹھے ہیں[3]
بہت آگے گئے، باقی جو ہیں تیار بیٹھے ہیں

---

[1] قشون = فوج (ترکی لفظ ہے) [2] سلیمان یعنی شاہزادہ سلیمان شکوہ۔
[2] آنکھ کی تین رطوبتیں یہ ہیں۔ رطوبت زجاجیہ۔ رطوبت بیضیہ۔ رطوبت جلیدیہ اور سات پردے یہ ہیں۔ ملتحمہ۔ قرنیہ۔ عنبیہ۔ عنکبوتیہ۔ شبکیہ۔ مشیمیہ۔ صلبیہ (یہ سب طبی اصطلاحیں ہیں)۔
[3] مولانا آزاد نے آبحیات میں بروایت میاں رنگین اس غزل کی جو شان نزول بیان کی ہے اس میں انشا کی ایک شری خیالی کی سی تصویر ہے کہ ہر چند خدا کو معلوم ہے یہ قصہ کہاں تک صحیح ہے۔

نہ چھیڑ اے نکہتِ بادِ بہاری، راہ لگ اپنی
تجھے اٹکھیلیاں سوجھی ہیں، ہم بیزار بیٹھے ہیں

خیال اِن کا پرے ہے عرشِ اعظم سے کہیں ساقی
غرض کچھ اور دھن میں اس گھڑی میخوار بیٹھے ہیں

بسانِ نقشِ پائے رہرواں، کوئے تمنا میں
نہیں اُٹھنے کی طاقت، کیا کریں لاچار بیٹھے ہیں

یہ اپنی چال ہے اُفتادگی سے ان دنوں پہروں
نظر آیا جہاں پر سایۂ دیوار بیٹھے ہیں

کہیں ہیں صبر کس کو؟ آہ ننگ و نام ہے کیا شے؟
غرض رو پیٹ کر ان سب کو ہم یک بار بیٹھے ہیں

کہیں بوسے کی مت جرأت، دلا! کر بیٹھیو اُن سے
ابھی اس حد کو وہ کیفی نہیں، ہشیار بیٹھے ہیں

نجیبوں کا عجب کچھ حال ہے اس دور میں یارو
جسے پوچھو یہی کہتے ہیں ہم بیکار بیٹھے ہیں

نئی یہ وضع شرمانے کی سیکھی آج ہے تم نے
ہمارے پاس صاحب ورنہ یوں سو بار بیٹھے ہیں

کہاں گردش فلک کی چین دیتی ہے، سنا، انشا!
غنیمت ہے کہ ہم صورت یہاں دو چار بیٹھے ہیں

۲۵۸

کہتے ہو تم تو دم لے پرے ہٹ، ابھی نہیں
اور آ نہ جاوے کوئی مُرے جی میں جی نہیں

"ہاں ہاں" ہے سب سے اور ہمیں سنتے "نہیں" سو کیوں
کیونکر "نہیں نہیں نہیں" کیوں ایسے جی نہیں

گر یار مے پلاوے تو کیوں کر نہ پیجیے
زاہد نہیں، میں شیخ نہیں کچھ ولی نہیں

خلوت میں یوں جو چاہیے کہہ لیجیے مجھے
لوگوں میں لیکن آپ کے میرے ہنسی نہیں

دیتے ہو گالیاں مجھے، انصاف تو کرو
لائق تو ایسی باتوں کے بندے کی زی[1] نہیں

کچھ دخل ہے کہ رات کو تم آؤ میرے پاس
اِس بات کا شعور مرا، مقتضی نہیں

غصہ میں جو کہا کہ ترا ترک عشق، خیر
کچھ مت خیال کیجیو ہرگز، اجی نہیں

کیوں پاس میرے آکے نہیں بیٹھتے، اگر
غیروں کے ساتھ رات کو مے تم نے پی نہیں

میں نے کہا کہ آیئے گا میرے پاس کب
بولے نہیں نہیں نہیں، ہرگز، کبھی نہیں

اُس مُنہ سے "ہاں" سنی نہ کبھی میں نے کیا کروں
مارے ہی ڈالتی ہے غرض آپ کی "نہیں"

---

[1] زی = حیثیت، مرتبہ۔ [عربی میں زِیّ کے معنے ہیں: وضع قطع۔ لباس]

میں نے کہا: کبھی تھے ہمارے بھی کوئی تم — بولے: کبھی نہیں، مرے تم کوئی بھی نہیں

ذرّہ سی[*] بات پر رہے انشا سے یوں خفا:
کیا جانے کیا بلا ہے؟ تو کچھ آدمی نہیں"

۲۵۹

حیف ایّام جوانی کے چلے جاتے ہیں — ہر گھڑی دن کی طرح، ہم تو ڈھلے جاتے ہیں

سامنے آنکھوں کے اُگتا ہے چمن نرگس کا — کہہ کے آتا ہوں ابھی آپ بھلے جاتے ہیں

ہاتھ کیا پھیر و ہو عارض پہ ابھی کیا ہے وہاں — خط کا کچھ دخل نہیں گال سلے جاتے ہیں

یاد میں اُس خطِ نوخیز کے یہاں دانہ نمط — اشک سبز آنکھوں سے ہر وقت چلے جاتے ہیں

آسیا آب کی[۱] ہر چشم تر اپنی جس سے — روز چھاتی پہ مری مونگ دلے جاتے ہیں

گرم ہو آپ جو ٹک انشا سے ملتے ہیں[†] کبھی
آتشِ رشک میں اغیار جلے جاتے ہیں

۲۶۰

جب[۲] تک کہ خوب واقفِ رازِ نہاں نہ ہوں — میں تو سخن میں عشق کے بولوں نہ "ہاں" نہ "ہوں"

خلوت میں تیری بار نہ جلوت میں مجھ کو ہائے! — باتیں جو دل میں بھر رہی ہیں سو کہاں کہوں

گاہے جو اُس کی یاد سے غافل ہو ایک دم — مجھ کو دہن میں اپنے لگے ہے زباں زبوں

شطِ عمیقِ[۳] عشق کو یہ چاہتا ہوں میں — ابرِ مژہ سے رو کے اُسے بیکراں کروں

---

* ق: "زرہ سی" ۔ ق ۲: "ذرّہ سی"۔

۱ آسیا آب کی = پانی کی چکّی۔ چھاتی پہ مونگ دلنا۔ جبر کے ساتھ تکلیفیں پہنچانا۔

† ق: "ہو"

۲ اس غزل کی ردیف و قافیہ میں ایک قسم کی تجنیس ہے۔

۳ شطِ عمیق = گہرا سمندر

طوفانِ نوح آنکھ نہ ہم سے ملا سکے — آتی نظر ہیں چشم سے، ہر پل* عیاں عیوں[۱]
ناصح خیال خام ہے کیا اس سے فائدہ — کب میرے دل سے ہو ہوسِ دلبراں بروں
یہ اختلاط کیجیے موقوف، ناصحا — معقول یعنی دل اُسے اے قدرداں نہ دوں
انشاؔ کروں جو پیرویِ شیخ و برہمن — میں بھی انھوں کی طرح سے جوں گمرہاں ہوں

خلوت سرائے دل ہی میں ہو کر کے معتکف
بیٹھا ہوں کیا غرض کہیں اے جاہلاں ہلوں

۲۶۱

جھمک ہے یہ کچھ اُس اودے دوپٹے کی کناری میں — نظر جوں برق آوے دامنِ ابرِ بہاری میں
نری چتون کی اٹکھیلی پری کے بھیس میں آکر — مجھے شب لے گئی چپکے سے اک نرگس کی کیاری میں
بہت سے عاجز آئے ہیں بھلا صاحب بس اب تک — مزاجِ عالیِ سرکار کی ہم پا†سداری میں
مجھے کہنے لگے وہ پیار میں آکر: اگر بس ہو — تو تجھ کو موند رکھوں ایک ننھی سی پٹاری میں
کراہا رات زخمی اس کے غمزے کا تو وہ بولا: — کوئی ہے؟ لال مرچیں بھر دے اِس کے زخمِ کاری میں
ہمارے ساتھ تیرے چاند سے مکھڑے کے بن دیکھے — رہا کل ماہِ تاباں رات بھر اختر شماری میں
جو کہتا ہوں بھلا جاگا کروں راتوں کو میں کب تک — تو کہتا ہے: رہا کرو ابھی امیدواری میں
وہ جو سردار تھے اگلے زمانے کے بڑے رستم — ق یہ اُن کا حال ہے اب عالمِ بے روزگاری میں
بڑے سونا کھرچتے ہیں کسی ٹوٹے سے چاکو سے — کہیں جو رہ گیا ہے پاؤ کوڑی بھر کشاری میں♣
جو دو پیسے کی ڈولی پر کہیں جاتے ہیں چڑھ کر تو — پرانی شال دیتے ہیں کہاروں کو کہاری میں
میاں قدوس اُن کے پوپلے سے اک جو نوکر ہیں — ق پرے ہیں موتیوں سے اُن کی باتیں آبداری میں

---

* ق نسخے: "ہردم"۔

۱ عیون جمع عین۔ حقیقت اشیا

† ق نسخے: "یارو"۔

♣ ق ۳ میں یہ شعر نہیں ہے۔

ہزاروں حجتیں، تکرار لاکھوں یاد ہیں اُن کو ‏ حکایت بحثنے کی اُن سے ہے خدمت گذاری میں
بعینہٖ اُس لفرکی سی ہے وہ جو اپنے آقا سے ‏ یہ کہتا تھا بہت سا کھینچ خود کو بُرد باری میں
نہ ناداں اس قدر بنیے سمجھیے بوجھیے دل میں ‏ قدم حضرت سلامت آپ رکھیے ہوشیاری میں
ہریسے[1] کے بدل بندے کا ٹکڑا اگر نہ ہو صاحب ‏ تو کیا کمخاب کا ٹکڑا ہو دھیلے کی نہاری میں
کوئی مینڈھا کوئی دنبا کوئی بکرا کوئی مرغا ‏ مریدوں کی یہ صورت ہے تمھاری پاسداری میں
غضب کچھ چھو کا منتر پھونکا تم نے شیخ جی صاحب ‏ کہو اب فرق کیا ہے تم میں اور لونا چماری میں
بڑی پھرتی ہے کھڑ گنجی[2] سی اک لونڈی جو واعظ کی ‏ بُز اخفش[3] بنا کے اپنی صورت خاکساری میں
سو اُس کی اب یہ حالت ہے کہ گاہے گرہنسی سے بھی ‏ لگا یا ہاتھ اُس کے کان کو اور وہ پکاری "میں"
کفالت رزق کی کس سے کسی کی ہو سکے اِنشا
صفت مخصوص ہے یہ تو فقط اُس ذاتِ باری میں

(۲۶۲)

گاہے گاہے[+] جو اِدھر آپ کرم کرتے ہیں ‏ وہ وہیں آٹھ جاتے ہیں یہ اور ستم کرتے ہیں
جی نہ لگ جائے کہیں تجھ سے اِسی واسطے بس ‏ رفتہ رفتہ ترے ہم ملنے کو کم کرتے ہیں
واقعی، یوں تو ذرا دیکھیو، سبحان اللہ ‏ تیرے دکھلانے کو ہم چشم یہ نم کرتے ہیں
عشق میں شرم کہاں، ناصح مشفق، یہ بجا ‏ آپ کو کیا ہے جو اِس بات کا غم کرتے ہیں[‡]
گالیاں کھانے کو اُس شوخ سے ملتی ہے یاں ‏ کوئی کرتا نہیں جو کام سو ہم کرتے ہیں

---

[1] ہریسہ ۔ مثل نہاری کے ایک قسم کا تیار کیا ہوا گوشت جو بہت گل جاتا ہے اس قطعے میں اس قصے کی طرف اشارہ ہے کہ کسی نے اپنے نوکر سے بازار سے نہاری منگوائی اور اس میں بندے کا ایک ٹکڑا نکلا۔ مالک نے نوکر کو ڈانٹا نوکر نے جواب دیا کہ دو پیسے کی نہاری میں بندہ نہیں تو کیا کمخاب نکلے گا؟

[2] کھڑ گنجی ۔ بدشکل، بدقطع۔

[3] بُز اخفش ۔ اخفش کی بکری۔ مشہور ہے کہ مشہور عرب نحوی اخفش کے پاس ایک بکری تھی جس کے سامنے وہ سبق یاد کیا کرتا تھا جب وہ گردن ہلاتی تو یہ خیال کرتا کہ سبق یاد ہو گیا اور موقوف کر دیتا۔

+ ق نسخوں میں "گاہ گاہے"۔

‡ ق ۲ میں یہ شعر نہیں ہے۔

ہیں طلبگار محبت کے، میاں، جو اشخاص وے بھلا کب طلبِ دام و درم کرتے ہیں

عین مستی* میں ہیں دیدِ فنا ہر، انشا
آنکھ جب موندتے ہیں سیرِ عدم کرتے ہیں

۲۶۳

یہ نگہ، یہ منہ، یہ رنگت، یہ مسی، یہ لعلِ خنداں[۱] غضب اور تپہ لینا یہ زباں بزیرِ دنداں
ستم اور ناز خوش ہر صنما، وے نہ چنداں کہ پرے فلک سے گذرے یہ صدائے دردمنداں
یہ نمک[۲] یہ چھب، یہ سج دھج، یہ ادا کو دیکھ تیری تبلاطم تحیر ہوئے غرق ہوشمنداں
وہ لطیفہ گوئی اُس کی وہ فصاحت اور بلاغت نہیں اِس قدر کہ بولے کوئی شاعر و سخنداں
فلک البروج[۳] پرسے کہیں سب ملائک "آمیں" نہ اثر ہو کس طرح سے یہ دعائے مستمنداں
یہ نصیب اپنے دیکھو کہ سمجھ کے صیدِ لاغر ادھر آن بھی نہ پھٹکی کبھی آہ صید بنداں[۴]
بتِ سنگدل، خدا کا تجھے ترس ہو جو کچھ بھی تو شکستہ دل کو مت کر کہ یہ شیشہ ہر نہ سنداں[۵]

بکمالِ فضل و دانش یہ بعید ہر کہ انشا
غلطی پہ تو مُصر ہو بمثالِ خود پسنداں

۲۶۴

بنگ کی جلوہ گری پر غش ہوں یعنی اُس سبز پری پر غش ہوں
گرچہ دنیا کے ہنر ہیں لیکن اپنی میں بے ہنری پر غش ہوں

---

* ق ۲، ق ۳ : "مستی"۔

[۱] اس زمین میں تیر کی غزل بھی دیکھو۔ تو گلی میں اس کی جا آ، دلے اے صبا نہ چنداں
[۲] ن : "یہ اکڑ"۔
[۳] فلک البروج = وہ فلک جس پر بارہ برج ہیں + مستمند = حاجتمند۔
[۴] صید بند = شکاری۔ آن پھٹکنا = یعنی اتفاق سے آجانا۔
[۵] سنداں = نہائی۔ جس پر ہتوڑا مارتے ہیں۔

برق کی طرح نہ تڑپوں کیونکر — تیری پوشاک زری پر غش ہوں
اس کی پشواز کی سی لائی باس — اُس کی میں گود بھری[1] پر غش ہوں
غش نسیمِ سحری ہے مجھ پر — میں نسیمِ سحری پر غش ہوں
اِس سے کچھ ہو نہ سکا اِنشاؔ میں
آہ کی بے اثری پر غش ہوں

(۲۶۵)

اے دودِ جگر بن کے سرافیل[2] کی گردن — توڑ ابرِ سیہ سے کے تو زرابیل کی گردن
گردن کی صفا دیکھو تو اُس رشکِ پری کی — تھی ایسی بھلا یوسفِ راحیل[3] کی گردن؟
لٹکا نہ سرِ عاشقِ جاں سوز کو اُلٹا — ٹوٹے گی ابھی عرش کی قندیل کی گردن
مت بھول دلا، ربطِ مواخاتِ[4] جہاں پر — قابیل نے توڑی ہے نہ ہابیل کی گردن؟
جب سِدرہ کے سائے سے گذرتی ہے مری آہ — بے ساختہ بل جاتی ہے جبریل کی گردن[5]
زاہد کے ٹک اعضا کی طرف کر کے نگہ دیکھ — سر بھتنے کا، مُنہ جن کا، عزازیل کی گردن
اِنشاؔ جبروت اور قوانی کے دِکھا وہ
سُن جس کو ہلے صاحبِ انجیل کی گردن

(۲۶۶)

عنقا ہے، اجی، طائرِ افسوس کی گردن — پریوں وہ نہیں جیسے ہو طاؤس کی گردن

---

[1] گود بھری (اب گود بھرائی بولتے ہیں) ایامِ شادی اور زمانۂ وضعِ حمل کے وقت دلھن کے ساتھ ایک رسم ادا کی جاتی ہے جس میں اس کو سرخ دوپٹا پہنا کر کچھ سبز ترکاریاں کوزۂ قند اور ناریل اس کی گود میں ڈالتے ہیں +
پشواز: ایک قسم کا جامہ یا گھیر دار پوشاک جو عورتیں اور خاص کر ہندوؤں کی عورتیں پہنتی ہیں۔

[2] سرافیل (= اسرافیل) مشہور فرشتہ جو منہ میں صور لیے ہے۔

[3] یوسفِ راحیل یعنی یوسف ابن راحیل۔ راحیل حضرت یوسف کی ماں کا نام ہے

[4] ربط مواخات۔ بھائی چارے کا تعلق + ہابیل و قابیل حضرت آدم کے بیٹے قابیل نے ہابیل کو مار ڈالا۔

[5] گردن بل جاتی ہے یعنی تعریف میں۔

یہ خوش خبری سنیے کہ کل رات سے صاحب — ہر بے حرکت آپ کے مانوس* کی گردن
تاچند سہے طوق و سلاسل کے شدائد — کر تن سے جدا اپنے تو محبوس کی گردن
جب تخت کیانی پہ نظر داغ دل آوے — کیوں خم نہ ہو کیخسرو و کاؤس کی گردن
چوری جو کسی رات کی پکڑی، تو وہ بولے — کٹ جائے الٰہی ترے جاسوس کی گردن
جوں گاو سر رستم دستاں ہے مرا ایک — بازو وہ قوی رکھوں ہوں جوں طوس[۱] کی گردن

پڑھ ریختہ اور ایسے قوافی میں تو، اِنشاؔ
جس پر کہ ہو خم مالکِ قاموس[۲] کی گردن

(۲۶۷)

توڑوں گا خُمِ بادۂ انگور کی گردن[۳] — رکھ دوں گا وہاں کاٹ کے اِک حور کی گردن
خود دار کی بن شکل الفباے "انا الحق" — نت چاہتے ہیں اِک نئے منصور کی گردن
کیوں ساقیِ خورشید جبیں، کیا ہی نشے ہوں — سب یوں ہی چڑھا جاؤں مے نور کی گردن
اُچھلی ہوئی ورزش سے ترے ڈنڈ کی مچھلی — ہے نام خدا جیسے سقنقور[۴] کی گردن
تھا شخص جو گردن زدنی اس سے یہ بولے — اب دیجیے ہے دینی جو منظور کی گردن
آئینے کی گر سیر کرے شیخ، تو دیکھے: — سر خرس کا منہ خوک کا، لنگور کی گردن
یوں پنجۂ مژگاں میں پڑا ہے یہ مرا دل — جوں چنگلِ شہباز میں عصفور[۵] کی گردن
تب عالمِ مستی کا مزا ہے کہ پڑی ہو — گردن پہ مری اُس بُتِ مخمور کی گردن

---

* ن "مانوس"۔

[۱] گاو سر = گرز۔ ایک چھوٹا نیزہ طوس بمعد کیکاؤس کا ایک پہلوان جو رستم کا معاصر تھا۔

[۲] عربی لغت کی ایک مشہور کتاب۔

[۳] انھیں ردیف و قوافی میں ان کے حریف مصحفی سے ان کی چوٹیں چلی ہیں چنانچہ ان کے ایک شاگرد نے انشاؔ پر بطور پھبتی یہ مصرع کہا ہے باندھی دم لنگور میں لنگور کی گردن۔ کیونکہ انشاؔ اپنی پگڑی کا سرا بطور تحت الحنک گردن میں لپیٹے رہتے تھے

[۴] سقنقور = ایک قسم کی مچھلی۔

[۵] عصفور = کنجشک خانگی۔

بیٹھا ہو جہاں، پاس سلیماں کے آصف — واں کیوں نہ جھکے قیصر و فغفور کی گردن

بھینچے ہے بغل اپنی میں اِس زور سے جو عشق — تو توڑنے پر ہے کسی مجبور کی گردن

اے مست یہ کیا قہر ہے خشتِ سرِ خُم سے — کیوں تو نے صراحی کی بھلا، چور کی گردن

محفل میں تری شمع بنی موم کی مریم[۵۱] — پگھلی پڑی ہے اُس کی وہ کافور کی گردن

اے دیوِ سفیدِ سحری، کاش تو توڑے — ایک مُکّے سے خور کے شبِ دیجور کی گردن

جب کشتۂ اُلفت کو اُٹھایا تو الم سے — بس ہل گئی اُس قاتلِ مغرور کی گردن[۵۲]

بے ساختہ بولا کہ ارے، ہاتھ تو ٹک دو — ڈھلکے نہ مرے عاشقِ مغفور کی گردن

حاسد تو ہے کیا چیز؟ کرے قصد جو انشا
تو توڑ دے جھٹ بلعمِ باعور[۵۳] کی گردن

۲۶۸

یہ آپ حسن پہ اپنے گھمنڈ کرتے ہیں — کہ اپنے شیش محل میں ہی ڈنڈ کرتے ہیں

نہیں یہ توسنِ بادِ بہار کے جھونکے — پڑے الول، بچھڑے اکنڈ، کرتے ہیں[۵۴]

نہ مطربوں کی کسی نے سُنی، تو وہ ناچار — شروع دھوبیوں کی طرح کھنڈ[۵۵] کرتے ہیں

جو باڑھ دینے پہ آجائیں کاٹ ہی کے جڑیں — تو ہم بھی سنگ دلوں کو کرنڈ[۵۶] کرتے ہیں

اذیت اور نہیں کچھ، پر آتش افروزی — جگر کے پھوڑوں کی اب تک کھنڈ کرتے ہیں

یہ سایہ دار درختوں کی دیکھیے قسمت — کہ یاں برابری اُن سے اِرنڈ کرتے ہیں

---

۵۱ موم کی مریم = کپڑے یا کسی دوسری ملائم چیز کی گڑیا جو اِدھر اُدھر گھمائی اور توڑی مروڑی جا سکتی ہے لکھنؤ میں موم کی مریم اس کمزور نحیف الجثہ عورت کو کہتے ہیں جو بوجہ لاغری اور کمزوری کے ہر کام میں نازکی کا عذر پیش کر دیتی ہے۔ اس کو مُوسنا چوسنا بھی کہتے ہیں۔

۵۲ گردن ہل گئی یعنی افسوس کیا۔

۵۳ بلعم باعور = حضرت موسیٰ کے زمانے میں ایک اسرائیلی عالم تھا۔ مشہور ہے کہ اُس نے حضرت موسیٰ کو بددعا دی تھی جس کی وجہ سے وہ چالیس برس تک بیابان تیہ میں سرگردان رہے یہ بھی مشہور ہے کہ یہ بہت طویل العمر آدمی تھا۔

۵۴ الول ۔ خوش فعلیاں ۔ اکنڈ بچھڑے ۔ وہ جن پر سواری نہ ہوئی ہو

۵۵ کھنڈ = دھوبیوں کے گیت۔

۵۶ کرنڈ = وہ پتھر جس پر سان رکھتے ہیں۔

کھلا کے مال پوے، تر تراتے موہن بھوگ گرو جی چیلوں کو اپنے بھسنڈ[1] کرتے ہیں

نکلتی دل سے ہر ایک آہ بن کے جھاڑ پہاڑ جو تجھ کو یاد ہو، اسے جھاڑ کھنڈ[2] کرتے ہیں

شراب اُن کو کہیں مت پلائیو، انشا

کہ وہ تو مست ہو، مجلس کو بھنڈ کرتے ہیں

(۲۶۹)

وہ جو شخص اپنی ہو تاڑ[3] میں سو چھپا ہو دل ہی کی آڑ میں

نہ وہ بستی میں نہ اُجاڑ میں نہ وہ جھاڑ میں نہ پہاڑ میں

مجھے کام تجھ سے ہو، اے جنوں نہ کہوں کسی سے نہ کچھ سنوں

نہ کسی کی ردّ و قدح میں ہوں، نہ اکھاڑ میں نہ پچھاڑ میں

یہ صبا نے قیس سے آ کہا کہ سنا کچھ اور بھی ماجرا

ترے پاس سے جو چلا گیا، تو کھڑا ہو ناقہ اُجاڑ میں

ارے آہ، تو نے غضب کیا مرے دل کو مجھ سے توڑ لیا

مرے جی کو لے کے جلا دیا۔ پڑے اختلاط یہ بھاڑ میں

خفگی بھی طرفہ ہو ایک شے پڑے قصّے ہوتے ہیں لاکھوں طے

وہ کہاں ملاپ میں لطف ہو جو مزہ ہو اُن کے بگاڑ میں

مژہ پر جو پارۂ دل تھا وہ مثل ہوئی ہو اب، اے خدا

کہ درخت سے جو کبھی گرا تو وہ اٹکا آن کے جھاڑ میں

کہیں کھڑکیوں کی طرف بندھی مری ٹکٹکی تو اسے لو، ابھی

گل نرگس آ کے لگا گئی وہ پری ہر ایک دراڑ میں

---

[1] بھسنڈ = موٹا تازہ۔

[2] جھاڑ کھنڈ = جنگل، وہ جگہ جہاں جھاڑیاں بہت ہوں۔

[3] تاڑ (تاڑنا" سے) نظر۔ اپنی تاڑ میں = ہماری نظر میں۔ وہ میری تاڑ میں ہو = وہ میری تلاش میں ہو۔

مرے دل میں نشّے کا ہر مکاں مجھے سوجھتی ہیں وہ مستیاں
کہ کھجوری چوٹیوں والیاں پڑی پھرتی ہیں مری تاڑ میں

بڑی ڈاڑھیوں پہ بجا دلائے یہ سب آہوؤں کے ہیں مبتلا
یہ شکار کھیلیں ہیں برملا انھیں ٹیٹوں کی تو آڑ میں

کھڑی جھانکتی تھی وہی پری نہیں شبہہ اِس میں تو واقعی
وہ جو عطرِ فتنہ کی باس تھی، سو رچی ہوئی ہر کواڑ میں

نہ کر اپنی جان کو مضمحل، ارے انشاؔ، اُن سے لگا نہ دل
تو دگر نہ ہووے گا منفعل کہیں آگیا جو لتاڑ میں

۲۷۰

کل وہ بولا مجھ سے ہنس کر چاہ ارے کچھ کھیل نہیں[1]
میں ہوں ہنسوڑ اور تو ہے مقطع میرا تیرا میل نہیں

زلف کو اُس کی میں نے جو سونگھا خال یہ بولے ہونٹوں کے
دیکھتے کیا ہیں آپ اِدھر کو یاں تو تلوں میں تیل نہیں[2]

موجِ نسیم اب سر پر اپنے خاک اُڑاتی پھرتی ہے
ہر ہر بندی والوں کے تیرے آتے نظر کیوں خیل یہ نہیں[3]

حسرت و حرماں یاس و تمنّا درد فراق و رنج و تعب
اپنے سر پر اتنی بلائیں ناحق لے دل جھیل نہیں

اُس کی نگہ کا زخم اُٹھا کر، انشاؔ تو کیوں لوٹے ہے
خنجر، ناوک، تیر نہیں کچھ برچھی، بلم، سیل[4] نہیں

۲۷۱

نرگس نے پھر نہ دیکھا جو آنکھ اُٹھا چمن میں[5]
کیا جانے کس نے کس سے کیا کر لیا چمن میں

---

[1] ن: "رات وہ بولے ..... میاں کچھ کھیل نہیں۔ ہنسوڑ= مذاق کرنے والا۔ مقطع= ترشی ہوئی داڑھی والا۔ سنجیدہ، متین مہذب بزرگ صورت

[2] تلوں میں تیل نہ ہونا۔ محاورہ کچھ گنجائش نہ ہونا۔ محض بے مروت ہونا۔

[3] بندی والے = قیدی = خیل = گروہ، مجمع۔

[4] سیل= چھوٹا نیزہ۔

[5] مقابلہ کرو۔ [جب دیکھتا ہوں تجھ کو تنہا بھن چمن میں + کس کس طرح کی باتیں آتی ہیں میرے من میں] میرؔ

چڑھ بیٹھا، یاسمن کی گردن پہ عشق پیچا
آیا کدھر سے کافر یہ تسمہ[1] پا چمن میں

نالے پہ میرے نالے کرنے لگی ہے اب تو
بلبل نے یہ نکالا نخرا نیا چمن میں

تکلیفِ سیرِ گلشن، اے ہمصفیر، مت دے
اُس گل بغیر میرا کب دل لگا چمن میں

ہر کیوڑے کی مادہ کیا چیز کیتکی جو
اِس بو کو تیری پہنچے وہ بوغما[2] چمن میں

کچھ اوس سی گلوں پر کیوں پڑ گئی یکایک
دیکھو تو کن نے کھولے بندِ قبا چمن میں

داؤدی[3] آج پہنے عیسیٰ کا پیرہن ہے
ٹک سیر کیجے، عالم مہتاب کا چمن میں

مجھ کو دکھا جو اُن نے کاجل دیا، تو اس کے
معنی یہ تھے کہ شب کو نرگس کے آ چمن میں

ایسی ہوا چلے ہے، تو بھی نہ پوچھے کوئی
کوئل کا جاوے کوّا اگر مُنہ چڑا، چمن میں

بجلی نہیں چمکتی، نے ابر ہے یہ تجھ بن
پھرتی ہے آگ اُڑاتی کالی بلا چمن میں

ہے ہے پھریری لے لے، نیرا یہ کہتے جانا:
چلتی ہے ٹھنڈی ٹھنڈی کیا ہی ہوا چمن میں

ق
ایک اہلِ خطہ مجھ سے ہو کر خفا یہ بولا
میں نے جو اُس کو کانا کچو[4] دیا چمن میں

چاہیے[5] او فُفت پکڑنا توہ بے عقل شعر نیست
مجھ کو اندر خندا نو کیا لے کیا چمن میں

میں صدقے اُس کے انشاؔ مجھ کو جو کر اشارہ
مہندی کی ٹیٹوں کی اوجھل چھپا چمن میں

۲۷۲

تھا نہاں لطف و کرم جبینِ حبیب کی تہ میں
"ہاں" ڈھپی صاف ہے ایک اُن کے "نہیں" کی تہ میں

قافلہ نجد سے گذرا تو لگا اُٹھنے وہیں
درد سا ایک دلِ ناقہ نشیں کی تہ میں

---

[1] تسمہ پا۔ ایک قسم کے وحشی جن کے پانوں تسمے کے سے ہوتے ہیں۔ انھیں دوال پا بھی کہتے ہیں۔

[2] بوغما: بد شکل بھدّی چیز۔ لکھنؤ میں بلا بوغما ملا کر بولتے ہیں۔

[3] داؤدی سے یہاں گلِ داؤدی مراد ہے۔

[4] کچو۔ اردی۔

[5] یہ شعر کشمیری زبان میں ہے صحیح طور پر نہیں پڑھا جاسکا۔ مطابق اصل نقل کیا گیا۔

شررِ آہ کی بیچک کو ہماری، ملکوت چاہتے ہیں کہ رکھیں † عرشِ بریں کی تہ میں
آج کشتے کو ترے، قبر میں رکھتے* ہیں لوگ دفن اک زلزلہ ہوتا ہے زمیں کی تہ میں
عشق کا داغ مرے دل پہ ہویدا ہے یوں جوں کلف ہو جگرِ ماہِ جبیں کی تہ میں ‡
اُس کے کوچے سے صبا آئی تو یاں اُٹھنے لگی ایک پھریری سی رگِ جانِ حزیں کی تہ میں

سید انشا کے دمِ سرد سے اُٹھتی ہے ایک
گدگدی[1] شہپرِ جبریلِ امیں کی تہ میں

۲۷۳

آج وہ جلوہ فروز اپنے جو منظر میں نہیں تو چمک ذرّہ بھی اِس خسرو خاور میں نہیں
تاب فرقت کی مرے جسمِ محقّر میں نہیں صبر کا دخل کہیں اِس دلِ مضطر میں نہیں
کوئی اس تُرک جفا پیشہ سے پوچھے تو سہی کیا مگر رسمِ وفا آپ کے کشور میں نہیں
دل کے رُک جانے کی حالت کو بھلا کیا کہیے روک ٹوک ایسی تو کچھ سدِّ سکندر میں نہیں
زورِ بازو سے کماتے ہیں سو یہ کہتے ہیں خشک روٹی میں مزا ہے سو مُزعفر میں نہیں
ذکر مجنوں میں یہ کہنے لگی لیلیٰ اب تو لہو کی چھینٹ بھی اُس کے تنِ لاغر میں نہیں
پھونک دے کان میں شہزادۂ گُل کے کوئی کہ ارے بوئے وفا جسمِ صنوبر میں نہیں
آپ کے پاس تو ہیں سینکڑوں چیزیں موجود لیکن اُن چیزوں سے کچھ اپنے مقدر میں نہیں
طائرِ ذہن کو مولا نے جو طاقت بخشی تاب پرواز وہ جبریل کے شہپر میں نہیں
گھر کیاں جو مغل تازہ ولایت کو ہیں یاد غور کیجے تو وہ اصلا کسی بندر میں نہیں
دین و دنیا کے تماشے سبھی یاں ہیں حاضر ہے وہ کیا شے کہ فقیروں کے جو لستر میں نہیں
معنی آیۂ لا اسئلکم سید نا جو نہ سمجھے تو وہ اسلام کے لشکر میں نہیں

---

[1] گدگدی اُٹھنا۔ وجہ محرک پیدا ہونا۔ [2] یہ غزلیں ق نسخوں میں نہیں ہیں:۔ ۲۷۳، ۲۷۹۔ ۲۸۱۔ ۲۸۲۔
* ق، ق ۲، ق ۳: ”دھرتے“
† ق، ق ۲: ”کہتے ہیں رہ گئی اِس“۔
‡ یہ شعر ق ۳ اور م نسخوں میں نہیں ہے۔

قصرِ جنت ہو اگر بہ رہِ زر پر تو وہاں
کوئی بھی بدرہ زر دست ابا ذر میں نہیں

آج کچھ کام میں ہوں کوئی جو پوچھے مجھ کو
تو یہ باہر ہی سے کہہ دیجو کہ وہ گھر میں نہیں

لکھنے پڑھنے سے معاف آپ مجھے رکھیے گا
طاقتِ نامہ بری میرے کبوتر میں نہیں

میری اُمید بر آئی ہے اب انشاء اللہ
کون سی چیز ہے اللہ کے جو گھر میں نہیں

دل کو لے بھاگے کدھر ہاتھ سے تیرے انشاؔ
کوئی کھڑکی بھی تو اِس گنبدِ بے در میں نہیں

۲۷۴

ہے ادا کون سی جو اِس تری اُف اُف میں نہیں
لطف ہے یاں جو پھبن کا سو وہ یوسف میں نہیں

کچھ عجب لیلی و مجنوں کی کہانی گذری
کون سا شخص ہے جو اُن کے تأسُّف میں نہیں

بات ہونی ہو سو فی الفور ہی ہونی اچھی
خوب اگر سوچیے کچھ حسن توقّف میں نہیں

بادشاہت پہ اُنھیں لوگوں کی غش ہوں میں تو
گانو او جڑ بھی کوئی جن کے تصرّف میں نہیں

بے تکلّف پڑے پھرتے ہیں مزے میں انشاؔ
سو وہ بے شبہہ کہ اقسامِ تکلّف میں نہیں

۲۷۵

لیلی و مجنوں کی لاکھوں گرچہ تصویریں کھنچیں
مل گئیں سب خاک میں جس وقت زنجیریں کھنچیں

کھنچ رہیں انشاؔ سے جو پریاں تو اُن کا کیا گناہ[۱]
وہ نو اُس کے سر پہ ثابت کر کے تقصیریں کھنچیں

۲۷۶

جب ہوئیں پریاں ہوا کھانے کو کھڑیاں[۲] باغ میں
خود بخود بجنے لگیں غنچوں کی گھڑیاں باغ میں

---

۱ ن: "کا دوش کیا"۔ ۲ ہوئیں کھڑیاں اب متروک ہے۔ اب کھڑی ہوئیں بولتے ہیں۔

نوعروسانِ چمن کا دیکھیے کا اختلاط
چل رہی ہیں خوب سی ہیولوں کی جھڑیاں باغ میں

قمری و بلبل سے بچتے، مات کر ڈالا اُنھیں
جھیل ڈالیں آج ہم نے سخت کڑیاں باغ میں

تو نے دیوانے ترے تو جا بجا رہ رہ گئیں
ٹوٹ ٹوٹ اُن کی وہ زنجیروں کی کڑیاں باغ میں

خوب سے ہم تم گلے مل مل کے باہم روئے جب
تو عجائب لگ گئیں کچھ مینہ کی جھڑیاں باغ میں

چھا رہی ہیں آپ بن کالی بلائیں زیرِ تاک
جشنیں آتی نظر ہیں لپٹی پڑیاں باغ میں

شبنم و باد صبا و بوئے گُل سب ہیں خفا
رُک گئیں ساری کی ساری چھوٹی بڑیاں باغ میں

مفت میں گل کھا کے تیہا آپ ناحق لڑ پڑے
نرگستاں سے جو بیری آنکھیں لڑیاں باغ میں

دیکھ کر سوسن کی رنگت دھیان اپنے چڑھ گئیں
اِن پری زادوں کی وہ مستی کی دھڑیاں باغ میں

اب تو انشاؔ اس غزل کا قافیہ تنگ آگیا
تو لُٹا دے اور ہی موتی کی لڑیاں باغ میں

۲۷۷

دیکھ کر اک دو جنوں کی رنگ رلیاں باغ میں
کھلکھلا کر ہنس پڑیں پھولوں کی کلیاں باغ میں

تھک گئیں لے لے بلائیں قمریاں اور بلبلیں
تم نے دیں اپنے جو مُنہ کی مجھ کو ڈلیاں باغ میں

کیا ہوا جو بند دروازہ کیا، اے باغباں
کھل رہی ہیں ہر رگِ گل کی تو گلیاں باغ میں

نرگستاں پر جو عالم خواب کا سا چھا گیا
لے جمائی اپنی آنکھیں کن نے ملیاں باغ میں

ہر روش پر لگ گئے مقیش کے تاروں کے ڈھیر
کچھ پری زادیں جو اپنے ساتھ چلیاں باغ میں

پھل کسی ڈھب کا نہ توڑ، انشاؔ کسی کو دُکھ نہ دے
تا دعا تجھ کو کریں سب پھول پھلیاں باغ میں

۲۷۸

کیوں نہ ہوں ہر گل کے جوڑے آج افشاں باغ میں
مل کے ہولی کھیلتی ہیں آج پریاں باغ میں

آج شاید عُرس بلبل کا ہوا ہے، اے نسیم
آتشِ گل نے کیا ہے جو چراغاں باغ میں

(۲۷۹)

تفضلات نہیں، لطف کی نگاہ نہیں
معاملہ ابھی مطلق وہ رو براہ نہیں

غلط ہے آہ، کہ ہے دل کو دل سے راہ نہیں
کہ تیری چاہ مجھے، مجھ کو میری چاہ نہیں

غلام ہم تو ہیں ایسے مزاج والوں کے
کسی کے ساتھ کسی ڈھب کی جن کو راہ نہیں

ہماری چوری جو ثابت ہوئی، دلیل بھی کچھ؟
مُقِر نہیں، کوئی شاہد نہیں، گواہ نہیں

تواضع آپ کی ہم کیا کریں بھلا صاحب
بقول شخصے اِس اپنے جگر میں آہ نہیں

رُکھائیاں جو یہی ہیں تو اِس طرح اپنا
نہیں نہیں نہیں، ہرگز نہیں، نباہ نہیں

حرم سے دیر میں یاں آب و دانہ لے آیا
بربِ کعبہ مرا اس میں کچھ گناہ نہیں

نہ کچھ جہت، نہ سبب، قاہ قاہ ہنستے ہو
تمھاری خوش مجھے آتی ہے قاہ قاہ نہیں

کہوں بقیدِ قسم لا اِلٰہ اِلّا اللہ
کہ تابِ ہجر بس اب مجھ میں اے اِلٰہ نہیں

(۲۸۰)*

یاس و امید و شادی و غم نے دھوم اُٹھائی سینے میں
خوب مچی ہے آج دھما دھم مار کٹائی سینے میں

دید کیا جو وادیِ مجنوں ہم نے دمن میں وحشت کی
شکلِ مجسم ہو کے جنوں کی آن سمائی سینے میں

شیخ و برہمن، دیر و حرم میں ڈھونڈھتے کیا ہو لاحاصل
موند کے آنکھیں دیکھو تو ہے ساری خدائی سینے میں

قہر کیا یہ تم نے صاحب آنکھ لڑانا آفت تھا
جھٹ پٹ† دل کو پھونک دیا اور آگ لگائی سینے میں

حضرتِ دل تو کب کے سدھارے خوب جو ڈھونڈا انشا نے
ایک دھواں سا آہ کا اٹھا، خاک نہ پائی سینے میں

---

* یہ غزل ق ۲ میں نہیں ہے۔ † ق: ''چٹ پٹ''۔

۲۸۱

بس ہو چکے آغشتہ بخوں دست و گریباں
ہو مجھ سے نہ اے دیو جنوں دست و گریباں

مارے ہوئے ایک زلف کے ہیں، خیر ہمارا
تم چھوڑ دو اے اہل فسوں دست و گریباں

احیاناً اگر نام ترا بے ادبی سے
لے کوئی تو اُس کا ابھی ہول دست و گریباں

لاکھوں کے ہیں اِس بادۂ گلگوں کی بدولت
تر دامن و آغشتہ بخوں دست و گریباں

یوں چاہیے آپس میں نہ ایک آن جدا ہوں
اے ولولۂ شور جنوں، دست و گریباں

بے شغل رہیں دست و گریباں تو، دلا، میں
حاشا کہ پھر اُن کو نہ کہوں دست و گریباں

ہر قوت ایجادیِ اذہان بھی، اِنشا
یا معرکۂ کُن فیکون دست و گریباں

۲۸۲

زمیں پر رکھتے یہ تسبیح والے کچھ کڈھب ڈگ[1] ہیں
ہر اک پھانسی میں سو سو ہیں بڑے قزاق ہیں ٹھگ ہیں

چھپے کیا اُن حکیموں سے حقیقت نبضِ آدم کی
نظر کرتے ہی وہ جو تاڑ لیتے کل کی رگ رگ ہیں

گلے لگ لگ کے سونا وہ جو اُن کا یاد پڑتا ہے
تو اپنے سامنے کچھ غیب سے آجاتے لگ لگ[2] ہیں

مجھے دے جام مے، ساقی گرجتے ہیں اُدھر بادل
اِدھر کوٹھوں کے پرنالے بھی کرتے شور گگ گگ ہیں

عوام النّاس سے مت رکھ توقع آدمیّت کی
کہ اکثر گرگ و روباہ و شغال و گربہ و سگ ہیں

شب ہجراں میں سانپوں کے چمکتے ہیں یہ مَن، اِنشا
نہ یہ جگنو، نہ یہ تارے، نہ یہ الماس کے نگ ہیں

۲۸۳

غم و درد و تاسف و یاسِ الم سے دلا! مجھے آہ فراغ کہاں
مری جانے بلا، خبر اب یہ کسے: خُم بادہ کدھر ہے، ایاغ کہاں

۱؎ ڈگ = لمبا قدم۔ کڈھب ڈگ رکھنا = بُری چال چلنا۔ ۲؎ لگ لگ = لق لق = ایک خوبصورت سارس کی طرح کا پرند۔

اِدھر آن کے دیکھو تو، برہمناں! مرے داغِ جگر کے فروغ کو ٹک
تمھیں اپنے بتوں کی قسم ہے بھلا، یہ کنشت کے بیچ چراغ کہاں

مجھے جانبِ باغ نہ لے کے چلو، کہ فسردہ ہے طبع یہاں ایسی*
جسے نکہت گل بہ خوش آوے، بھلا وہ مزاج کدھر وہ دماغ کہاں

ہوئی بستی اُجاڑ فراق کی اب، جو حصول وصالِ نگار ہوا
تپش اپنے تو سینے سے چل ہی بسی، گئی آہ جگر کی، وہ داغ کہاں

بُنِ غار میں، قُلّۂ قاف میں اور حریم حرم میں تو اِنشا پھرا
جسے ڈھونڈتے تھے وہ تو دل ہی میں تھا یہیں، دیکھ ملا یہ سراغ کہاں

ردیف (و)

+

(۲۸۴)

جس پر کہ ترا سایۂ دامانِ قبا ہو
کیوں اُس کے تصدّق نہ بھلا بادِ صبا ہو

اُس گل کے اگر پاس تری بوے قبا ہو
دنیا ہو غرض اور تو، اے بادِ صبا، ہو

اِن آپ کے لوگوں سے بگڑ ہم نہیں سکتے
کیا کیجے جو پتھر کے تلے ہاتھ دبا ہو[۱]

"لی خمسۃ اُطفی"[۲] کی دعا کا ہو جہاں ورد
کیا معنی کہ اُس ملک میں کچھ دخل وبا ہو

صد حیف کہ اِفلاس کے عالم سے ہو پامال
وہ شخص جو سر کردۂ قوم نُجَبا ہو

لازم ہے اُسے جس کو خدا بخشے اِمارت
یک چشم ترحم[۳] تو بسوے غُرَبا ہو

---

* ق ۲: "چلو ہے سیر فسردہ ہی طبع کو یہاں"۔ "ایسی" کی جگہ "اپنی" پڑھنا بہتر ہوگا۔ ق میں یہ غزل نہیں ہے۔

+ یہ غزل قلمی نسخوں میں نہیں ہے۔

[۱] پتھر کے تلے ہاتھ دبنا = مجبور اور بے بس ہونا۔

[۲] یعنی "لی خمسۃ اطفی بہا حرّ الوباء الحاطمۃ۔ المصطفےٰ والمرتضیٰ وابناہما والفاطمہ"۔ یہ ایک دعا ہے جو دفع وبا کے لیے موثر سمجھی جاتی ہے۔

[۳] یک چشم ترحم = تھوڑا سا رحم۔

باندھ اور قوافی بھی کچھ ایک ایسے ہی انشا
جس سے کہ بپا غلغلۂ واعجبا[1] ہو

*

۲۸۵

کہہ بیٹھیے صاف اُس سے یہ دل جس سے نہ وا ہو
رے واو زبر رَ وہو، اُڑنچھو ہو، ہوا ہو

حاضر یہ کتابیں ہیں اِنھیں دیکھیے ہرگز
دل کا جو ستانا کسی مِلّت میں روا ہو

سیمرغ و ہُما رقص کناں ہیں مرے آگے
اُس پر چڑھے کیا دھیان جو اِتنا سا لوا[2] ہو

لکھ میں نے دیا خطِ غلامی اُنھیں کر مُہر
لو، دستخط اس پر کرو تم اپنے، گوا ہو!

وا شد مرے تب دل کو ہو، اے ابرِ بہاری
جب زمزمہ پردازِ چمن گرمِ نوا ہو

اُس شیخ سیہ چہرہ کو ہنگامِ تبسّم
دیکھا تو کہا میں نے یہ ہنستا نہ توا ہو

حاجت نہ معاند کی روا مجھ سے ہو ہرگز
ہر چند وہ چکّی میں پڑے پس کے رَوا ہو

گاہے بہ دمے یا دِرمے یا قلمے، کچھ
کردہ کہ کسی شخص کی حاجت تو رَوا ہو

انشا کو بھی دے ڈال نہ، اے عیسیِ مریم
گر کچھ مرضِ عشق کی تجھ پاس دوا ہو

۲۸۶

رکھتا ہوں، دیکھ بر سرِ جبر[+] اپنے یار کو
مَیں تھام تھام اِس دلِ بے اختیار کو

فرہاد کو جنوں نے ٹھکانے لگا دیا
اب جا کے ہم بسائیں مگر کوہسار کو

کل میں نے چھیڑ چھاڑ جو معقول اُن سے کی
غصّہ ہو بولے: آگ لگے تیرے پیار کو

---

[1] واعجبا : کلمۂ تعجب یعنی سبحان اللہ۔ واہ واہ۔

[2] لوا : ایک چھوٹی چڑیا۔

* یہ غزل قلمی نسخوں میں نہیں ہے۔

[+] ق ۲ : "خیل"، م، م ۳ : "خیر"۔

٭بے طرح لگ چلے ہو خبر شرط ہے، اجی — پھر رُک کہیں نہ جائیو تم اپنی بار کو
مِن بعد مرگ ہے یہ وصیت تجھے نسیم — ق — لانا بجا کہ چین ہو مجھ بے قرار کو
لے جائیو برائے زیارت نجف تلک — رکھیو نہ خاک ہند میں اِس خاکسار کو
جا کر بلا میں روضۂ اقدس کے سامنے — دیجو فشار اِس مری مشتِ غبار کو
ساقی، ہوا ہے ابر ہے جلدی سے جام لے — چمکی ہے برق، توڑ نشے کے خمار کو
اِنشاؔ تو اینڈتے ہیں پڑے میکدے کے بیچ
کہیو سلام زاہدِ شب زندہ دار کو

۲۸۷

لہرا دیا صبا نے جو کل سبزہ زار کو — ق — وہیں گھٹا نے گھیر لیا چشمہ سار کو
جوش و خروش رعد نے یہ دھوم دھام کی — ہرگز کوئی کسی کی نہ پہنچا پکار کو
بجلی تڑپھ تڑپھ کے دکھانے لگی چمک — رونق ہوئی دوچند ہر اک برگ بار کو٭٭
کچھ لکّے ہائے ابرِ سفید و سیاہ پھر — مستانہ جھوم جھوم چلے کوہسار کو
شادابی ہوا نے یہ چاہا کہ کیجیے — محبوس، کوچۂ رگِ گل میں بہار کو
اُڑنے لگیں ملار کی تانیں فلک تلک — سازندے چھیڑنے لگے بین و ستار کو
گویا ترانہ سنجیِ مطرب سے حال تھا — اشجارِ گلستاں کے ہر ایک شاخسار کو
ہم مشرب اپنے چند جواں تھے، سو نہر پہ — تشریف لے گئے بطو ے کے شکار کو
ساقی نے جامِ بادۂ گلفام دے مجھے — کہنے لگا "ہوا ہو" نشے کے خمار کو
القصہ پھر تو بیچ میں لاکر ملا دیا — زور آور بہار نے اِنشاؔ سے بار کو
بولی یہ عندلیب کہ باقی نہ چھوڑیو
ایسے سمیں میں خواہشِ بوس و کنار کو

٭٭ ق ۲ میں یہ شعر نہیں ہے۔

۲۸۸

چھیڑنے کا تو مزا تب ہے کہو اور سنو — بات میں تم تو خفا ہو گئے۔ لو اور سنو

تم کہو گے جسے کچھ، کیوں نہ کہے گا تم کو — چھوڑ دے گا وہ بھلا، دیکھیے تو، اور سنو

یہ بھی انصاف ہے کچھ سوچو تو اپنے دل میں — تم تو سو کہہ لو مری کچھ نہ سنو۔ اور سنو

اب تو کچھ اتنے خفا ہو کہ کہو ہو مجھ سے — ہے قسم تم کو مرا نام نہ لو۔ اور سنو

غرض احوال مرا اس کے جھڑک کر بولے — جاؤ رے واہ زبر رَو ہو، چلو اور سنو

چل کے دو ایک قدم دیکھتے پھر ہو یوں کو — گالیاں سن تو چکے۔ چاہتے ہو اور سنو؟

آپ ہی آپ مجھے چھیڑو، رکو پھر آپ ہی — آپ ہی بات میں پھر روٹھ رہو۔ اور سنو

آفریں! ایس نہ یہی چاہیے۔ شاباش تمھیں — دیکھ روتا مجھے یوں ہنسنے لگو۔ اور سنو

بات میری جو نہیں سنتے اکیلے مل کے — ایسے ہی ڈھب سے سناؤں کہ سنو اور سنو[1]

شکوہ مند آپ سے انشا ہو، سو اس کا کیا دخل
تم نہ مانو، تو کہیں چپکے چھپو اور سنو

۲۸۹

ابھی پھر کہیو ہماری پہلے ٹک سن لو، رہو[*] — کر رکھو اپنا کسی کو یا کسی کے ہو رہو

صاحبو میری سفارش اس سے مت کوئی کرو — دیکھو تو ہوتا ہے کیا آخر کو چپکے تو رہو

میرے ہی سر کی قسم ہے نام جانے کا نہ لو — مجھ کو بیٹو[2] آج اگر تم اپنے گھر جاؤ، رہو

اب جواں، فضلِ الٰہی، ہو چکے کیا ڈرتھیں — آؤ بیٹھو کھیلو کودو، لوٹو پوٹو، سو رہو

دوستو انشا کے رونے کو نہ دیکھو آنکھ کھول
پھوٹ بہنے دو کہیں دل کے پھپھولے کو، رہو

---

[1] سنو اور سنو : ضرور سنو۔
[2] بیٹو : رو دو۔ بطور واسطہ یا قسم دلانے کے لئے
[*] ق ۳ : "سن تو رہو"

۲۹۰

کام فرمائیے کس طرح سے دانائی کو
لگ گئی آگ ہی یاں[†] صبر و شکیبائی کو

عشق کہتا ہے یہ وحشت سے جنوں کے حق میں
چھیڑ مت بختوں جلے[۱] میرے بڑے بھائی کو

کیا خدائی ہے[۲] منڈانے لگے اب خط کو وے لوگ
دیکھ کر ڈیوڑھی میں چھپ رہتے تھے جو نائی کو

وجد[*] کرتا ہے غزالانِ حرم کے آگے
کس نے یہ بات سکھائی ترے سودائی کو

گرچہ ہیں آبلہ پا دشتِ جنوں کے اے خضر
تو بھی تیار ہیں ہم مرحلہ پیمائی کو

اک بگولا جو پھرا ناقۂ لیلیٰ کے گرد
یاد کر رونے لگی اپنے وہ صحرائی کو

مست جاروب کشی کرتے ہیں یاں پلکوں سے
کعبہ کب پہنچے ہے میخانے کی ستھرائی کو

جی میں کیا آگئی انشاؔ کے یہ بیٹھے بیٹھے
کہ پسند اس نے کیا عالمِ تنہائی کو

۲۹۱

جوششِ قلزمِ احد دیکھو
دیکھو دیکھو یہ جزر و مد دیکھو

جملہ اشیائے کائنات کے بیچ
ہر طرف جلوۂ صمد دیکھو

آیۂ "اَیْنَمَا تُوَلُّوا" کا
ماحصل خوب کر کے کد دیکھو

پڑھو آگے "فَثَمَّ وَجْہُ اللّٰہ"
یعنی اِس قول کی سند دیکھو

کہہ اٹھا قیس جھٹ "انا لیلیٰ"
جذبۂ عشق کی مدد دیکھو

مثلِ آئینہ ہیں جو یہ فقرا
ق
اِن کا مت خرقۂ نمد دیکھو

---

† ق ۳: "آگ یہاں"

۱۔ بختوں جلا = بدنصیب۔

۲۔ کیا خدائی ہے = کیا خدا کی شان ہے۔

* م = "وعدہ"۔

بس "یدُ اللہ فوقَ اَیدیھم" | چپکے سے پڑھ لو، اِن کو جد دیکھو
"لیس فی جُبّتی سِوَی اللہ"[1] کا | پر تو ا ِن میں جد نہ تد دیکھو
حلقۂ نور گرد ہر ان کے | تک یہ لمع جبین و خد دیکھو
وقت کے بادشاہ ہیں درویش | اِن کا چھوٹا سایہ نہ قد دیکھو
ہے قلمرو جو اِن کا ملکِ جنوں | لحقات اس کے لاتعد[2] دیکھو
اِن کی شاہی میں کچھ جو شک ہووے | تو بھلا مجھ سے شرط بد دیکھو
آنسوؤں کا جو اِن کے لشکر ہے | اُس کو تم بیشمار و حد دیکھو
دودِ دل کا بندھا جو لگۂ ابر | سو وہ تخت اب بہ شدومد دیکھو
گر نہ مانو تو سر پہ ان کے یہ | آہ کا صاف جزر و مد دیکھو

اِن میں اِنشا خود آپ ہیں، ورنہ
عشق دیکھو اور اُن کا قد دیکھو

٭

۲۹۲

مرتا ہوں۔ اجی، زباں سے بولو | بولو مجھ ناتواں سے بولو
بس حضرتِ دل نہ روٹھو اُس سے | اپنے تم دلستاں سے بولو
صاحب کا نہ چاہتا ہو گر دل | تو خاطرِ دوستاں سے بولو
بن بولے نہ رہ سکو گے ہرگز | اُس مشفق و مہرباں سے بولو
میں تو غش ہوں کہاں نلک ناز | ہر ہر مجھ نیم جاں سے بولو
کعبے میں نہ ڈھونڈ میرے دل کو | اِس کی کوے بتاں سے بوٗلو[3]

---

[1] یہ قول حضرت بایزید بسطامی کا ہے جس کے معنی ہیں میرے جُبّے میں سوائے اللہ کے اور کچھ نہیں ہے۔

[2] لاتعد = بے شمار۔ بے گنتی۔

[3] بوٗلو = بوٗ۔ لو۔ بو لینا = تلاش کرنا۔

٭ ق میں یہ غزل نہیں ہے۔

بس ہم سے نہ بولو جاؤ، اپنے
انشا اللہ خاں سے بولو

(۲۹۳)

ضعف آتا ہے دل کو تھام تو لو
بولیو مت بھلا سلام تو لو

کون کہتا ہے بولو، مت بولو
ہاتھ سے میرے ایک جام تو لو

ہمصفیرو چھٹو گے، مت تڑپو
دم ابھی آکے زیرِ دام تو لو

انھیں باتوں پہ لوٹتا ہوں میں
گالی پھر دے کے میرا نام تو لو

اِک نگہ پر بکے ہے اِنشا آج
مفت میں ہے یہ اک غلام تو لو

(۲۹۴)

دے ایک شب کو اپنی مجھے زرد شال تو
ہے مجھ کو سونگھنے کی ہوس، سو نکال تو

پہونچے مہک نہ اِس کی پرستان میں کہیں
سوندھا[1] لگا کے کھول نہ یوں سر کے بال تو

دیکھ آئینے میں عکس کو کہنے لگا وہ شوخ
ٹک میرے گال سے تو ملا اپنا گال تو

صدقے میں اس گھڑی کے نشے میں وہ جب کہے
چلتا ہوں پانووں پر مرے بازو سنبھال تو

یہ راگ[2] اور لائے نیا وہ کہ کہتے ہیں
ٹپا تو مجھ سے سن لے ولی کا خیال تو

مت پنجے جھاڑ کر کے جھپٹ چل پرے سرک
بس اے جنوں نہ ہو مرے جی کا وبال* تو

اے شیخ مجھ کو کچھ نہیں طوبیٰ کی آرزو
سائے میں اُس کے بیٹھ کے ہو جو نہال تو

میں جو کہا کبھی تو بھلا او کے چوکے[3] مل ق
باتوں ہی باتوں میں مجھے اتنا نہ ٹال تو

۱؎ سوندھا: ایک قسم کی خوشبودار مٹی یا کوئی مرکب خوشبودار چیز جو نہاتے وقت عورتیں سر میں لگاتی ہیں۔

۲؎ راگ لانا: (محاورہ) ضد اور ہٹ کرنا۔ ایک نئی فرمائش کرنا + ٹپا اور خیال راگ کی دو قسمیں ہیں۔

۳؎ اد کے چوکے: بھولے سے۔ کبھی کبھی۔

* ق ۲: "زوال"

ہنس کر لگا یہ کہنے کہ اے مجھ کو آفریں رکھتا ہے میرے ساتھ یہ اچھا سوال تو
میں اور تجھ سے بات کیوں منھ تو دیکھیو یہ جی میں کر رہا ہے خیالِ محال تو

انشا ابھی تو گلے نہ پڑا، انشا، اب اس کے تئیں
کہتا ہوں سوچ کھیل ذرا دیکھ بھال تو [1]

(۲۹۵)

ہو یہ دھڑکا نہ کہیں دیدۂ حیراں تر ہو ● عرقِ شرم سے شاید رُخِ جاناں تر ہو
اب مرے اشک سے یارب! نہ یہ داماں تر ہو آستیں اُن کی بھی بھر جائے گریباں تر ہو
اُس کی مژگاں سے تصور کو لڑاؤں تو میں آبِ نشتر سے رگِ ابرِ بہاراں تر ہو
ایسے کیا وصل سے کچھ دل کو تسلی ہووے وصل جو خواب پریشاں سے پریشاں تر ہو
آٹھ آٹھ آنسوؤں سے شاہدِ مَرُّو†روتی ہے چاہیے آج گریبانِ حُدی خواں تر ہو

بابِ ہجر کی مجھے سیر سے رقت آئی
کہیں ایسا نہ ہو سعدی کہ گلستاں تر ہو

(۲۹۶)

جو ہر گھڑی مجھے کہتا ہے: تم تو واہی ہو وہ بُت جو رام ہو اپنا، تو اب خدا ہی ہو
نباہ کا جو کیا ذکر میں نے تو بولے نباہوں تب، جو کسی سے کبھی نباہی ہو
گئے وہ دن اُمرا زادگی کے، اے یارو اُٹھا لو تیغ و سپر، اور اب سپاہی ہو
دعا ہمیشہ یہی مانگتا ہوں بعدِ نماز کہ میرے صاحبِ عالم کو بادشاہی ہو
جو خانہ زادِ سلیماں شکوہ ہو دل سے الٰہی اُس کو مراتب ہو اور ماہی ہو

---

[1] دیکھ بھال کے کھیلنا = سوچ سمجھ کے کام کرنا۔ کام میں جلدی نہ کرنا۔

● یہ غزل صرف ق ۳ میں ہے۔

† ق ۳ میں یوں ہی ہے۔ غالباً "شاہدِ حیّ" (= شاہدِ قبیلہ) مقصود ہو یعنی لیلیٰ۔

✻ یہ غزل صرف ق اور ق ۲ میں ہے۔

بروحِ حضرتِ مشکل کشا علی جلدی
جو خواہش اُس کی ہو سو جلد یا الٰہی ہو

خدا نکردہ اُلٹ جائے گر زمانہ بھی
اور اُس کے ساتھ ہو ایسا تو آشنا ہی ہو †

٢٩٧

کوئی اس دامِ محبت میں گرفتار نہ ہو
اے خدا یہ تو کسی بندے کو آزار نہ ہو §

کیجے اقرار کچھ ایسا کہ پھر انکار نہ ہو
یعنی آپس میں کسی ڈول کی تکرار نہ ہو

غیر کو صحبتِ دلدار میں کیوں بار نہ ہو
یعنی کیا معنی جہاں گل ہو وہاں خار نہ ہو

دیکھ آئینے میں منہ اپنا، خریدار نہ ہو
ناک چوٹی میں بس اتنا بھی گرفتار نہ ہو

اُس کے ملنے سے گرانی ہی پھر آجاتی ہے
نکہتِ گل کی طرح سے جو سُبکبار نہ ہو

کیا خوش آیا یہ مقطع ہو کل اُن کا کہنا:
آدمی کیا کہ جسے بوجھ نہ ہو بھار نہ ہو

سیر تو ایک طرف لاکھ غنیمت کہ یہاں
سانس لینے میں کوئی شخص گنہ گار نہ ہو

چاہیے کیجے خریداری اُسی جنس کی اب
جس کی مطلق کہیں کچھ گرمیِ بازار نہ ہو

جام اے ساقیِ گلفام، وہ کس کام بھلا
آدمی پی کے جسے خوب ہی سرشار نہ ہو

سطرِ منصور کے لوہو سے ہوئی یہ تحریر
یعنی سردار نہیں وہ جو سرِ دار نہ ہو

اُس سے ناداں ہو بھلا کون جو اس راہ کے بیچ
مستعد باندھ کمر چلنے پہ تیار نہ ہو

نالۂ مرغِ چمن نے اُسے بدخواب کیا
مجھے ڈر ہے کہ خفا مجھ سے وہ دلدار نہ ہو

ہے تو یہ قصد کہ چھیڑوں اُسے لیکن کیونکر
میں جو چھیڑوں تو بھلا مجھ سے وہ بیزار نہ ہو!

ہر طرف ہیں ترے دیدار کے بھوکے لاکھوں
پیٹ بھر کر کوئی ایسا بھی طرحدار نہ ہو

جس طرح پھول کی باس، ایسی ملاقات اچھی
جس سے خاطر کو کسی شخص کے کچھ بار نہ ہو

اپنے پڑ رہنے کو مسجد تو خدا نے دی ہے
اب بلا سے مری جو خانۂ خمار نہ ہو

---

† دونوں نسخوں میں: "آشنائی"

§ یہ اور اس کے بعد کی غزلیں ردیفِ واؤ کے آخر تک صرف مطبوعہ نسخوں میں ہیں۔

کیوں مرے چاک گریباں سے بھلا اُلجھا تھا ق اب تو بخشا[1] تجھے پھر آگے یہ زنہار نہ ہو
کھولے دیتا ہوں ترے کان ابھی سے اے گل ایسی تقصیر کبھی پھر یہ خبردار نہ ہو
آج ہے دھوم اسیرانِ قفس میں کچھ اور جا کے دیکھو تو کہیں کوئی تازہ گرفتار نہ ہو
جھڑ لگا دی ہے ان آنکھوں نے تری یاد میں یاں صدقے صدقے مرے کیوں ابرِ گہربار نہ ہو
بختِ بیدار اگر خواب میں تجھ کو پاوے تو وہ پھر تا بہ قیامت کبھی بیدار نہ ہو
فارغ البال ہوا سونگھ کے زلف اُن کی رات لیکن اے دل یہ کہیں بات نمودار نہ ہو

کہہ غزل اور دعائیہ بھی اِنشاؔ شاید
کوئی اِس یوسفِ مصری کا خریدار نہ ہو

(۲۹۸)

بیکلی سے تری کچھ دل کو سروکار نہ ہو تیری نرگس بھی، اِلٰہی! کبھی بیمار نہ ہو
گدگدی[2] پھول کی پنکھڑی سے مجھے چھٹتی ہے سوچ کچھ تیرے گلے کی تو کبھی ہار نہ ہو
نہ چلے ایسی ہوا بھی جو بُری تجھ کو لگے پھول ایسا نہ کھلے جو تجھے درکار نہ ہو
ہووے رسے واؤ زبر "رَو" جو رکاوٹ سکھے کیوں وہ دنیا میں رہے جس سے تجھے پیار نہ ہو
گرم ہو کر تری مجلس میں نہ آوے جو شخص یارب اُس کی تو کہیں گرمیِ بازار نہ ہو
تیری زلفوں کے نہ اُلجھیڑے میں جو کوئی پھنسے وہ جہاں جائے کسی طرح نمودار نہ ہو
آویں ملنے کو اگر باغِ اِرم کی پریاں بِن کہے اُن کو بھی مجلس میں تری بار نہ ہو
تیرے دل پر نہ کسی ڈھب کی گرانی آوے تیرے دشمن کے بھی دشمن کو کچھ آزار نہ ہو
تجھ کو دھوکا جو کسی کام میں دیوے آکر تو وہ جو کام کرے اُس کو سزاوار نہ ہو
سامنے تیرے جو یوسف کو بھی بیچیں آکر تو زلیخا بھی کبھی اُس کی خریدار نہ ہو
مانگتا ہوں یہ دعا اپنے خدا سے کہ کبھی بات جو تیرے مخالف ہو، سو زِنہار نہ ہو

---

[1] تجھے بخشا = تجھے معاف کیا۔

[2] گدگدی چھوٹنا = شوق پیدا ہونا۔ امنگ پیدا ہونا۔

زینت ہنسی اور خوشی ہی رہے انشااللہ
میرے والی! وہ کسی چیز سے لاچار نہ ہو

(۲۹۹)

حق تعالیٰ کی طرف سے جسے امداد نہ ہو
تو وہ گھر تا بہ قیامت کبھی آباد نہ ہو

حیف جو صحبتِ دیرینہ تمھیں یاد نہ ہو
سب سے خلطے رہیں اور کچھ ہمیں ارشاد نہ ہو

اب کے قدغن[1] یہ ہوا ہے کہ خبردار کہیں:
شورشِ زمزمۂ مرغِ چمن زاد نہ ہو

باؤ کے جھوکے سے بھاگے انھیں دھڑکا یہ تھا
کہ چھپا اس میں کہیں کوئی پری زاد نہ ہو

ہے یہ انصاف بھلا خوش رہے بس تو ہی فقط
چھٹ[2] ترے اک متنفس کبھی دل شاد نہ ہو

خانہ آباد جو اجڑے ہوئے ہوں ان کو بسا
نہ کہ یہ قصد کہ کوئی کہیں آباد نہ ہو

مٹ گیا جب کہ حباب آہ! تب آئی یہ صدا
زندگانی ہی نہیں جس کی یہ بنیاد نہ ہو

دادِ بیداد ہو تم، کیوں نہ کروں میں فریاد
کس طرح مجھ سے بھلا نالہ و فریاد نہ ہو

بیستوں[3] پر جو کھلا لالہ تو شیریں نے کہا
مجھے ڈر ہے کہ یہ خونِ سرِ فرہاد نہ ہو

شور اتنا نہ کر، اے مرغِ نوا سنج، خموش!
یاں کوئی دام لگائے کہیں صیاد نہ ہو

کلیات ایک طرف، تجھ سے کسی ڈھب سے کبھی
امرِ جزئی میں بھی کچھ بندے کی امداد نہ ہو

تو بھلا سوچ تو کچھ، گو نہ سہی دل میں کیونکر
تیرے شکوے کی جگہ، اے ستم ایجاد، نہ ہو

ہو جو انشا کو اجازت تو بھرے وہ نالہ
کبھی بلبل کے فرشتوں کو بھی جو یاد نہ ہو

(۳۰۰)

لو فقیروں کی دعا ہر طرح آباد رہو
خوش رہو موجیں کرو تازے رہو شاد رہو

---

[1] قدغن = تاکید۔ تقید۔ روک ٹوک۔

[2] چھٹ ترے یعنی تیرے سوا۔ تیرے علاوہ۔

[3] بیستوں۔ وہ پہاڑ جسے فرہاد نے کھودا تھا۔ اور اس سے جوئے شیر نکال رہا تھا کہ موہیں کرنا، عیش کرنا۔

ایرے[1] غیرے وہ جو ہوں شوق سے چٹ کر لو انھیں ۔ پر خدا والوں کی کرتے ہوئے امداد رہو
قمریِ باغِ بہشت اب جو یہ بی فاختہ ہیں ۔ اِنھیں بھی کہہ دو کہ تم سرو سے آزاد رہو
دید اُس کی ہی کرو جس نے بنایا سب کچھ ۔ نہ کہ ہر لحظہ فدائے گُل و شمشاد رہو
دام میں سے جو چھٹے ہیں اُنھیں یہ حکم ہوا ۔ کہ بس اب گردِ درِ خانۂ صیاد رہو
جا کے اور دل سے بدو یاد فراموش[2] کہ لے ۔ خود فراموشوں کو، مولا مرے! تم یاد رہو
صورت آوے جو نظر، کھینچ لو اُس کی تصویر ۔ اپنے اِس وقت کے تم مانی و بہزاد رہو
چمن امن و اماں کی تمھیں ہو سیر نصیب ۔ سائیں[3] اللہ سدا برسرِ ارشاد رہو

عیش و عشرت کرو ہر وقت تم اِن شاء اللہ
حسن چمکائے پھرو سب میں پری زاد رہو

(۳۰۱)

فائدہ دل سے تڑپ چھٹ جس سے کچھ حاصل نہ ہو ۔ کاش ساتوں دوزخیں پہلو میں ہوں، پر دل نہ ہو
کیوں بھلا محوِ جمالِ صاحبِ محمل نہ ہو ۔ کیا کرے مجنوں جو اُس کے بس میں اپنا دل نہ ہو
فی المثل آئینہ ساں شفاف جس کا دل نہ ہو ۔ دیکھنے والوں کو تسکین اُس سے کچھ حاصل نہ ہو
تا قتیلِ زخمِ تیغِ غمزۂ قاتل نہ ہو ۔ دل کے بدلے کاش اِک اخگر ہو لیکن دل نہ ہو
تو خفا مجھ سے عبث، اے ناصحِ عاقل نہ ہو ۔ چین تب لوں، جو ہٹو کے مجھ کو دیتا دل نہ ہو
ایک تو غش ہو وسے اصلا دوسرے کا دل نہ ہو ۔ اے خدا، کافر کو دوزخ سے بھی یہ مشکل نہ ہو
مائلِ جور و جفا وہ کیوں بھلا قاتل نہ ہو ۔ جس کے چہرے پر مروت کا کہیں اک تل نہ ہو

---

[1] ایسے ویسے۔ معمولی۔ غیر لوگ۔

[2] یاد فراموش ایک قسم کی بازی اور شرط جو عموماً لڑکوں میں کچھ دن کے واسطے بدی جاتی ہے جس کا دستور یہ ہے کہ آپس میں عہد پیمان کر لیتے ہیں کہ اگر ہم تم کو کوئی چیز اس وقت کا عہد بھلا کر دیں اور ساتھ ہی فراموشی نہ کہہ دیں تو تم کو اختیار ہے فلاں چیز دینی ہوگی اور جو تم نے کہہ دیا کہ یاد ہے تو تم جیتو گے۔ ہر ایک سے دیکھو نہ بدلے یاد فراموش ؛ دل ہاتھ کی بلا فراموش میں آئے (ظفر)

[3] فقیروں کا طرزِ خطاب۔

نورِ حق افرادِ انسانی میں گر شامل نہ ہو — ہستیِ موہوم کا نقشہ ہی پھر باطل نہ ہو

بندہ خانے میں اگر تشریف لاویں آپ تو — واہ وا کیا بات ہو مطلب ہی پھر حاصل نہ ہو

رادھکا[1] کو چین کیا آوے کنھیا جی بغیر — واقعی کافور اُڑ جائے اگر فلفل نہ ہو

ہو یہی جہلِ مرکب[2] مرحبا اے رندِ مست — حضرتِ قاضی کو تو کہنے دے پر قائل نہ ہو

اِک اُداسی کارواں پر چھا گئی اے ساربان — ٹک خبر لیجیو کہیں لیلیٰ کی یہ منزل نہ ہو

لاکھ پردوں میں اگر بیٹھے نہیں پردہ نشیں — جس کی کچھ آنکھوں میں پردہ شرم کا حائل نہ ہو

کیا کرے بیچارہ ایسا جستجو والا بھلا — راہبر جس کا کہ کوئی مرشدِ کامل نہ ہو

عشق کا دریا وہ دریا ہے کہ عمرِ خضر بھی — صَرف گر ہو جائے تو پیدا کہیں ساحل نہ ہو

گر سبک روحی بہم پہونچے تو مانندِ نسیم — کوچۂ تنگِ رگِ گل سے گذر مشکل نہ ہو

ہو یہی نقصانِ ذاتی موجبِ فخرِ کمال — گر نہ ہو ناقص تو قدرِ مرشدِ کامل نہ ہو

وردہو مشکل کشا کے نام کا، اِنشا جسے
کیوں بھلا دونوں جہاں کی اُس کی حل مشکل نہ ہو

ردیف (ہ)

*

۳۰۲

اُس شعلہ رو کو ہووے جب آہنگِ آئنہ — سیماب وار اُڑنے لگے رنگِ آئنہ

تم نے کیا جو صبح کو آہنگ آئنہ — دروازۂ بہشت ہوا چنگِ آئنہ

محوِ نظارہ تو نہ ہو اپنے جمال کا — ہر مثل شہرِ سبز یہ نیرنگِ آئنہ

مجرم ہوں اِس قدر کہ کہے ہر مری مثال[3] — کیا دیکھتا ہے آئینہ اے ننگِ آئنہ

---

[1] رادھکا۔ کرشن جی کی ایک نہایت چہیتی گوپی کا نام + فلفل یعنی گول مرچ جسکو ساتھ رکھنے میں کافور نہیں اُڑتا۔

[2] جہل مرکب = نہ جاننا اور یہ نہ جاننا کہ ہم نہیں جانتے۔

[3] مری مثال۔ یعنی میرا عکس۔ * یہ غزل قلمی نسخوں میں نہیں ہے۔

ہرگز پلنگ نہ گرو معاصی کیجے اسے عزیز — اپنی صفائے قلب سے کھو زنگِ آئینہ

انشؔا پھر آج طوطیِ خوش نغمہ کی مثال

در پیش اُن لبوں سے ہوئی جنگِ آئینہ

+

۳۰۳

اے دودِ آہ رات نہ بشرے وہ بند باندھ — جاکر گلوے مرغِ سحر میں کمند باندھ

دکھتی اگر ہو آنکھ تو تعویذ "اِن یکاد" — ق — بازو پہ اپنے تو پے رفعِ گزند باندھ

سونے کا چھلّا مور کا پَر[1] ہی فقط نہیں — اِک زرد پوٹلی میں بھی تھوڑا[+] اسپند باندھ

اے نالہ چھوٹے چھوٹے پہاڑوں سے مت اُلجھ — یک بار قصدِ قلعۂ چرخِ بلند باندھ

پردوں کے چھوڑنے کی نہیں احتیاج کچھ — دے چلونوں پر اپنے[*] یہ گلگوں پرند باندھ

بے حکم میں پلنگ پر اُن کے گیا جو بیٹھ — ہاتھوں سے میرے اُن نے دیے سیج بند[2] باندھ

گل میخیں[3] ہوں ستاروں کی اور ہوں ہلال چار — گلگوں کے اُس کے نعل تب، اے نعل بند باندھ

سوتا ہو شیخ ایسے میں تو اُس کی مونچھ سے — چوہا پکڑ کے ایک پے ریشخند[4] باندھ

انشؔا غزل اک اور بھی پڑھ اور اِس میں تو[**]

مضموں چمک کے چاند سے بھی کچھ دو چند باندھ

#

۳۰۴

اے آہِ قیس، پردۂ محمل کے بند باندھ — گرد اُس کے نو شرار کی زرّیں کمند باندھ

---

[1] سونے کا چھلا اور مور کا پَر دفعِ چشمِ بد کے لیے باندھنے کا دستور ہے۔

[2] سیج بند = پلنگ کسنے کی ڈوری۔

+ یہ غزل ق اور ق ۲ میں نہیں ہے۔

+ م نسخے: "تھوڑی"۔

* ق ۳: "کے اپنی"

[3] گل میخ - ایک قسم کی کیل جس کے اوپر کا سرا موٹا چوڑا پھول کی طرح ہوتا ہے۔

[4] ریشخند = تمسخر۔ مذاق اڑانا۔

** ق ۳: "پڑھ اِس زمین میں"۔

یہ غزل ق ا اور ق ۲ میں نہیں ہے۔

سالارِ قافلے کے اِتو اِس قافلے کے ساتھ — جاے جرس کسی کا دلِ دردمند باندھ

اُس شعلہ رو کو دیکھے تو بس جاے مشتِ زر — مٹھی میں اپنی غنچہ کبھی لاوے سپند باندھ

ہر موجِ لالہ جوش پہ‡ اسہال، باغباں — تو اک مچان برسرِ شاخِ بلند باندھ

شیریں نے خوب رو کے یہ شیرویہ[1] سے کہا — مت رسم تو مخالفِ دستاو ژند[2] باندھ

بولے وہ یوں رقیب سے: آنکھوں میں تیری خاک — تو ٹکٹکی نہ میری طرف، اے لوند[3] باندھ

انشا بدل کے قافیہ اشعارِ تازہ کہہ
اور اُس میں تو معانیِ عاشق پسند باندھ

۲۰۵

ڈالے جب آہ نے مری جھاڑ اور پہاڑ باندھ — یکبار گالیوں کا دیا اُن نے جھاڑ[4] باندھ

تشبیہ قدِ یار سے دیویں جو سرو کو — اُن کے گلے سے دیجیے دو چار تاڑ باندھ

پردے کی ہم سے ٹھیری تو چلون کی اوٹ کیا — چلون پر اور دیجیے دوپٹے کی آڑ باندھ

سعی و تلاش کب تلک اے دل حصول کیا — تکیہ[5] اُسی کے در پہ تو سب چھوڑ چھاڑ باندھ

بدکیف یاں تلک ہو کہ اُس کی گلی کے بیچ — گاہے صدا سنی نہ بجز مار، دھاڑ باندھ

حق میں صبا کے حکم یہ ہر پاسبان کو — جانے نہ پاوے۔ ہاں اِسے لے کر پچھاڑ باندھ

انشا ہنسی کے واسطے کہہ اور اک غزل
اور اُس غزل میں حرف تو اُن کا بگاڑ باندھ

---

۱ شیرویہ: خسرو پرویز کا بیٹا جو اپنی سوتیلی ماں شیریں پر عاشق ہو گیا تھا۔

۲ دستا یعنی اوستا یا استا اور ژند۔ قدیم ایرانیوں (پارسیوں) کی مقدس کتابیں ہیں

۳ لوند = رند

۴ جھاڑ باندھنا = لگاتار کوئی کام کرنا۔

۵ فقیرانہ گھر بنانا۔

‡ ق ۳: "زد بر پہ"

۲۰۶

بولے: تو اپنے سروِ خراماں کو تاڑ باندھ | گر قصدِ بوسہ ہووے تو گردِ اُس کے پاڑ باندھ
چوٹی کسی پری کی جو چڑھ جاوے[†] دھیان میں | مضمون شعر میں اُسے کالا پہاڑ باندھ
لیلیٰ وشوں کی گر مژہ یاد آویں، تو اُنھیں | تو قیس بن کے خارِ مغیلاں کا جھاڑ باندھ
اے حلقہ ہائے چشم کی زنجیر کر درست | پلکوں میں کھول موند ہر اُن کی کواڑ باندھ
تمثال سے جو آئنہ آباد ہے، تو کیا | اُس کو فقط صفا کے سبب تو اُجاڑ باندھ

جو دانہائے انجمِ گردوں کو ڈالے بھون
اُس آہِ شعلہ خیز کو، اِنشاؔ، تو بھاڑ باندھ

۲۰۷

نیند مستوں کو کہاں اور کدھر کا تکیہ | خشتِ خمخانہ ہے یاں اپنے تو سر کا تکیہ
لختِ دل آکے مسافر سے ٹھہرتے ہیں یہاں | چشم ہے ہم سے گداؤں کی گذر کا تکیہ
جس طرف آنکھ اُٹھا دیکھیے ہو جائے اثر | ہم تو رکھتے ہیں فقط اپنی نظر کا تکیہ
چین ہرگز نہیں[‡] مخمل کے اُسے تکیے پر | اُس پری کے لیے ہو حور کے پر کا تکیہ
ہاتھ اپنے کے سوا اور تو کیا ہو، ہیہات | والہ و دربدر و خاک بسر کا تکیہ
سر تو چاہے ہے مرا: ہووے میسّر تیرے | ق | ہاتھ کا، بازو کا، زانو کا، کمر کا تکیہ
یہ تو حاصل ہے کہاں؟ بھجدے لیکن مجھ کو | جس میں بالوں کی ہو بو، تیرے ہو سر کا تکیہ
تیکھے پن کے ترے قربان، اکڑ کے صدقے[§] | کیا ہی بیٹھا ہے لگا کر کے سپر کا تکیہ

---

* یہ غزل ق اور ق ۲ میں نہیں ہے۔

† ق ۳: "پھر جاوے"۔

‡ ق: "ہرگز نہ ہو"۔

§ ق ۲: "بانکے پن ......"۔ ق ۳: "تیکھے پن کے ترے صدقے اور اکڑ کے قرباں"۔

گرچہ ہم سخت گنہ گار ہیں لیکن واللہ
دل میں جو ڈر ہے ہمیں ہے اُسی ڈر کا تکیہ
گریہ و آہ و فغاں، نالہ و یارب، فریاد
سب کو ہے ہر شب و روز اپنے اثر کا تکیہ
رند و آزاد ہوئے، چھوڑ علاقہ سب کا
ڈھونڈتے کب ہیں پدر اور پسر کا تکیہ
گر بھروسا ہے ہمیں اب تو بھروسا تیرا
اور تکیہ ہے اگر تیرے ہی در کا تکیہ*
شوق سے سوئیے سر رکھ کے مرے زانو پر
اِس کو مت سمجھیے کچھ خوف و خطر کا تکیہ ق
جب تلک آپ نہ جاگیں گے رہے گا یوں ہی
سر کے گا تب ہی کہ جب کہیے گا: سر کا تکیہ
لطفِ ایزد ہی سے اُمید ہے اِنشاؔ اللہ
کچھ نہیں رکھتے ہیں ہم فضل و ہنر کا تکیہ

(۳۰۸)

پرچھائیں اپنی چال کی ٹک مُنہ کو موڑ دیکھ
گردن کی یہ لچک یہ کمر کی مڑوڑ[۱] دیکھ
پیکانِ تیر آہ ہے آلودہ زہر سے
باور نہ ہو تجھے تو مرے دل کو توڑ دیکھ
میں نے کہا کہ عشق کو اب چھوڑتا ہوں خیر
بولا: کسے سُنادے ہے؟ اچھا، نہ چھوڑ دیکھ
چوکھٹ پر اُس کی میں نے جو ٹپکا یہ سر کہا
دروازہ کھولتا ہوں سراپا نہ پھوڑ دیکھ
جوڑی جو اُن نے مجھ سے، تو توڑی رقیب سے
اِنشاؔ تو اپنے یار کے یہ توڑ جوڑ دیکھ

(۳۰۹)

تو مجھ سے لگا کہنے کہ چل ہٹ کے پرے بیٹھ
یوں مجھ سے لگا شان جتانے نہ، ارے بیٹھ
کب تک تو ڈراتا پھرے گا ہاتھ میں لے تیغ
غصہ کہیں جانے بھی دے بس خیر اسے بیٹھ
تو دوڑ کے آتا ہے مجھے چھیڑنے سب میں
نادان بھلا کون ہے سوجھے تو نہ رسے بیٹھ+

---

[۱] کمر کی مڑوڑ۔ کمر کی لچک۔

*: ق ۲ میں یہ شعر نہیں ہے۔ + م: "ہے یہ بھی کوئی طور ظرافت کا، نہ رسے بیٹھ"

کیسا ہی رلا کیوں نہ وہ بیٹھا ہو مرے پاس　　کہتا ہوں یہی اُس سے کہ ٹک اور وَرے بیٹھ

اِنشاؔ کہیں مت ہنس بول، مرا جی تو کڑھا مت
مت ہاتھ کو اِس طرح سے تو سر پہ دھرے بیٹھ

(۳۱۰)

ہر مجھ کو ربط بسکہ غزالانِ رم کے ساتھ　　چونکوں ہوں دیکھ سایے کو اپنے قدم کے ساتھ

ہر ذاتِ حق جواہر و اعراض سے بَری　　تشبیہ کیا ہر اُس کو وجود و عدم کے ساتھ

کیا آین و ملک و وضع و اضافت کا دخل واں　　ہر انفعال و فعل متیٰ کیف و کم کے ساتھ

دیکھا میں ساتھ ڈھول کے سولی پر اُن کا سر[۲]　　فخریہ وہ جو پھرتے تھے طبل و علم کے ساتھ

دیکھی یہ چاہ اُن کی اندھیرے کوئیں کے بیچ　　پھینکا لپیٹ کشتہ کو اپنے گلم[۳] کے ساتھ

کوے بتاں سے طوفِ حرم کو چلے تو ہم　　لیکن کمالِ حسرت و حرمان و غم کے ساتھ

تھیں، اپنی آنکھیں حلقۂ زنجیر کی نمط،　　پیوستہ ہل رہی، درِ بیت الصنم کے ساتھ

کہنے ہو: وُوں سے ہو کے اِدھر آؤ، واں چلیں　　کیا خوب کیوں نہ دوڑ پڑوں ایسے دم[۴] کے ساتھ

تم اور بات مانو، اجی سب نظر میں ہر　　دانتوں تلے زبان دبا لی قسم[۵] کے ساتھ

اب چھیڑ چھاڑ کی غزل، اِنشاؔ، اِک اور لکھ
ہیں لاکھ شوخیاں تری نوکِ قلم کے ساتھ

(۳۱۱)

کیا کام ہم کو سجدۂ دیر و حرم کے ساتھ　　مستوں کا سَر جھکے ہر صراحی کے خم کے ساتھ

---

[۱] یہی نو اعراض ہیں جن کا ذکر سابق شعر میں ہر۔
[۲] قدیم زمانے میں دستور تھا کہ جب کسی مجرم کو سولی پر لٹکانے کے لیے لے جاتے تھے تو اس کی تشہیر ڈھول بجا کر کرتے تھے۔
[۳] گلم، یعنی گلیم بمعنی کمبل۔
[۴] دم یعنی چکمہ، فقرہ۔
[۵] یعنی تمھاری قسم بنیا، اور جھوٹی ٹھہر۔

او جانے والے مُڑ کے ذرا* دیکھیو اِدھر
مانندِ سایہ ہم بھی ہیں تیرے قدم کے ساتھ[۱]

اے رہروانِ ملکِ فنا، مستعد رہو
تیار ہو رہے ہیں بہت سے عدم کے ساتھ

اِک روپ میں پری کے مجسم ہو اُس کی باس
اُڑتی پھرے ہے شب کو نسیمِ اِرم کے ساتھ

وحشی تری نگہ کا بیابانِ کعبہ دیکھ
بھرنے لگا ثلنگ[۲] غزالِ حرم کے ساتھ

گوبرگنیش[۳] توند ہی ایسی ہے شیخ کی
نسبت نہ ہووے بھینس کو جس کے شکم کے ساتھ

ہے تب مزہ کہ آنکھ مچولی کے کھیل میں
ہم سن کئی ہوں لڑکے پری اُس صنم کے ساتھ ق

دالان میں ہر ایک کو دوڑاوے اور مجھے
چپکے سے یوں کہے تو لپٹ رہیو تھم کے ساتھ

پھر "چور، چور" کہہ کے پکڑ لے جو میرا ہاتھ
دے منہ سے منہ ملا وہیں لطف و کرم کے ساتھ

کم قوت ایسے ہم نہیں اوقات اپنی، یار
پنجہ ہی کرتے گذری ہے شیرِ اجم[۴] کے ساتھ

تبدیلِ قافیہ سے دھواں دھار اِک غزل
اِنشا سنا دے اور بھی سُلفے کے دم کے ساتھ

۳۱۲

منہ دیکھیو حور ہووے جو ایسی پھبن کے ساتھ
اُس میں کہاں اکڑ تکڑ[۵] اِس بانکپن کے ساتھ

ہے قہر اے پری تری اِس زرد شال میں
کافر لگا ہوا یہ مُسلسل کرن[۶] کے ساتھ

سایے میں تیری زلف کے میں آگیا کہ تھی
واں جا گرفتہ ایک پری ہر شکن کے ساتھ

---

* ق، ق ۲: "زرا"۔

۱ "ساتھ" یہاں ساتھی کے معنی پر ہے۔

۲ ثلنگ بھرنا - چھلانگ مارنا [یہ شعر ق ۲، ق ۳ میں نہیں ہے]

۳ گوبرگنیش = بھدی بدقطع چیز کو کہتے ہیں۔ [یہ شعر ق ۲ میں نہیں ہے]

۴ شیر اجم = جنگل کا شعر۔

۵ اکڑ تکڑ = غرور و نخوت کی ادائیں۔

۶ مسلسل ایک قسم کا نازک کپڑا + کرن = وہ سنہری روپہلی تار جو آنچلوں میں لگائے جاتے ہیں۔

شوہر ہزار نوبیِ گیتی[1] نے چٹ کیے
عقدِ نکاح باندھ نہ اِس بیوہ زن کے ساتھ

اے نوبہار سوچ میں ہوں میں کہ کیا کہوں
ق کس گل کو دوں مشابہت اُس کے بدن کے ساتھ

کیا چیز ہے گلاب، کلی اُس کی جو پلشت[2]
کر بیٹھے ٹک مقابلہ اُس کے دہن کے ساتھ

نرگس میں، کیتکی میں، نہ رابیل میں کہیں
جو باس ہے رچی ہوئی اُس پیرہن کے ساتھ

چنپا میں موگرے میں* مدن بان میں کہاں
ہے نازکی کی تہ سی جو ایک اُس کے تن کے ساتھ

لونڈی پنے کے روپ سے خالی ہے کون پھول
یہ نام ملتے جلتے ہیں سب یاسمن کے ساتھ

ایسی تو سینکڑوں ہیں کنیزانِ ماہ رو
آیا چنبیلی اور دداگل چمن کے ساتھ

بِن دیکھے ہیں جو عاشقِ نورِ محمدی
اُن کو مناسبت ہے اُویس قرن[3] کے ساتھ

مِن جانبِ الیمن کا سرا پڑھ تو، کس طرح
ہم کو بھلا نہ اُنس ہو، بادِمن کے ساتھ

انشا حسین[4] کے جو غلاموں میں ہووے شخص
پیش آوے کیوں نہ ہم سے وہ خلقِ حسن کے ساتھ

۲۱۳ +

داغوں سے ہر یوں یہ دلِ بیتاب شگفتہ
پھولوں سے ہو جوں گلشنِ سیراب، شگفتہ

بیتابیِ دل اپنی کو کیا سمجھے مُہَوِّس
اِس نسخے سے ہم کرتے ہیں سیماب شگفتہ[5]

اِس غنچۂ دل کو مرے، اے ابر بہاری
کرتی ہے فقط بوے مئے ناب شگفتہ

---

[1] نوبیِ گیتی یعنی دنیا

[2] پلشت = حقیر۔ ذلیل۔

* ق: "مونگرا میں" ق ۲: "موگرا میں"

+ ق ۲ میں یہ غزل نہیں ہے۔

[3] اویس قرنی = عاشق نور محمدی تھے لیکن بدنصیبی سے اُن کو آنحضرت کی زیارت نصیب نہ ہوئی تھی

[4] حسین اور حسن میں صنعت ایہام تناسب ہے۔

[5] سیماب شگفتہ یعنی قائم النار پارا جو کیمیاگری میں بڑے کام کی چیز ہے + مُہوِّس = کیمیاگر۔

آسودہ[۱] ترے کشتۂ نظارہ جہاں ہیں — کیونکر نہ ہو واں خاطرِ احباب، شگفتہ
کوسوں تلک اُس دشت میں قدرت سے خدا کی — ہے پیشِ نظر نرگسِ شاداب، شگفتہ
اُن کی قلمِ آہ[۲] زمین پھوڑ‡ کے نکلی — ہر شاخ پہ ہے دیدۂ بیخواب، شگفتہ
پھولوں سے مری آہِ شرر بار کے، انشا
ہر باغچۂ چادرِ مہتاب، شگفتہ

(۳۱۴)

برق کو چھیڑ، قدم معدنِ سیماب پہ رکھ — ہاتھ لیکن نہ کسی کے دلِ بیتاب پہ رکھ
نہ اُڑا[۳] جائے کہیں ابرِ بہار، اے ساقی — سنگ فرشِ بطِ مے چادرِ مہتاب پہ رکھ
بس کہا قتل ہی کر ڈال بلا سے، تو کہا — ہاتھ تو میری تو شمشیر کی ٹک آب پہ رکھ
قصہ خواں نیند جو تھوڑی سی بھی آجائے تو دو — جوڑی سونے کے کڑوں کی تجھے کمخاب پہ رکھ[۴]
سب مطالب ترے حاصل ہوئے* انشاء اللہ
ہر گھڑی اپنی نظر حضرتِ وہاب پہ رکھ

(۳۱۵)

رکھتے تھے جو فقرا اپنے یقین پر تکیہ — باندھ بیٹھے وہ درِ عرشِ بریں پر تکیہ
مل گدایانِ فلک رتبہ سے، اے دل، تو نہ کر — خدمتِ بادشہِ روے زمیں پر تکیہ
بے خبر آپ پڑے سوتے تھے ایسے ہی کہ رات — آرہا تھا وہ سرہانے سے جبیں پر تکیہ

---

[۱] آسودہ ہیں یعنی دفن ہیں۔
[۲] قلم: وہ شاخ جو ایک درخت سے کاٹ کر دوسرے درخت یا زمین میں لگاتے ہیں اور اُس سے ایک نیا درخت تیار ہوجاتا ہے۔
[۳] اُڑا جائے۔ اس کے دو معنی ہوسکتے ہیں (ایک اڑا لے جائے۔ دوسرے صرف کرڈالے۔ پی جائے) + سنگ فرش: وہ پتھر جو فرش کے کونوں پر رکھ دیتے ہیں تاکہ فرش اُڑ نہ سکے۔ اس کو "میر فرش" بھی کہتے ہیں۔ ‡ ق۲: "پھوٹ"
[۴] جب کسی کو خلعت یا انعام دیتے تھے تو زیور وغیرہ کو کسی کپڑے کے تھان پر رکھ کر دیتے تھے۔
* ن: "ہوئیں"

مست خواب مئے عشرت وہ پری سیرت شوخ پھینک مارے ہو رُخ شیخ حزیں[1] پر تکیہ

آہ جب اپنی مَلکِ بَن کے اُڑے ہو اِنشا
تب وہ دے بیٹھے ہو[2] جبریل امیں پر تکیہ

۲۱۶

کیوں نہ پھر شاہ پہ غالب ہو گدا کا سایہ یاں قدم بوس کو جھکتا ہو ہُما کا سایہ
لے گئی جان اُڑا ایک پری کی کاکل پڑ گیا مجھ پہ غرض طُرفہ بلا کا سایہ
عرش سے پھرتے، تلے سِدرہ کے جبریل کے پاس تھم رہا† ہو مری اِس آہ رسا کا سایہ
سب پہ روشن ہو یقیناً کہ بہر صورت ہو مُنجلی آئنے سے اہل صفا کا سایہ
یونہیں نکلے ہو صدا عرش کے دروازے سے ق جبکہ پڑتا ہو گروہ فقرا کا سایہ
کچھ تو یاروں سے بھی واحد ہو[3] کہ تا روز قیام‡ کیوں میاں عرش، رہے تجھ پہ خدا کا سایہ

یا الٰہی، سرِ اِنشا پہ رہے حشر کے دن
اُس کے آقا ہی کے دامانِ قبا کا سایہ

۲۱۷

اے عشق کیا مہیب ہو سرکار کی شبیہ اللہ جیسے حضرتِ قہار کی شبیہ
آہ اپنی، خامۂ پرِ جبریل سے مدام کھینچے ہو اُڑ کے جعفر طیّار[4] کی شبیہ

---

[1] شیخ حزیں۔ یعنی غمگین زاہد۔

[2] دے بیٹھنا: مار بیٹھنا۔

† ق، ق ۲: "رہے"۔

[3] یاروں سے بھی واحد ہو (آزاد فقیروں کی اصطلاح) یعنی ہم لوگوں کو بھی کچھ دے ڈالو۔

‡ ق، ق ۲، ق ۳: "واحد ہو بہر صورت میں"۔ ٭ ق ۲ میں یہ غزل نہیں ہے۔

[4] روایت ہے کہ ایک جہاد میں حضرت جعفر طیّار کے بازو کٹ گئے تھے تو ان کو خدا نے جواہرات کے پر عطا کئے تھے۔

لوحِ جبینِ وجد پہ میں دیکھتا ہوں ایک — لکھی ہوئی غضنفر[1] خونخوار کی شبیہ

اے حضرتِ جنوں اِدھر آؤ، کہ آپ میں — سوجھے ہے مجھ کو داورِ دادار کی شبیہ

رتبہ کھلے جو تجھ پہ فنا فی الرسول کا — تو سب میں سوجھے احمدِ مختار کی شبیہ

اے نقش بندِ کُن فیکون[2] ایک کھینچ دے — بندے کے دل پہ حیدرِ کرّار کی شبیہ

داتا ہمارے کھنچتے ہیں دودِ داغ سے — یاں لوحِ دل پہ ابرِ گہربار کی شبیہ

صدقے میں اُس مصورِ قدرت کے، اے خیال — کھینچی ہے جس نے گردشِ دوّار کی شبیہ

ہوتا اگر اختیار تو انسان کھینچتا — آنکھوں پر اپنی صورتِ جبّار کی شبیہ

کہتے ہیں قرصِ مہ جسے، سو آفتاب نے — لکھی ہے چرخ پر ترے رخسار کی شبیہ

ہر دم یہ موچھ آپ کی، اے شیخ تکّہ ریش[3] — دکھلاتی ہے مجھے ذَنَبُ الفار کی شبیہ

واہ، اے میاں محمد عاشق[4] شبیہ کش — کھینچی ہے تم نے کیوں مرے دلدار کی شبیہ

انشا تو آگے اور قوافی میں لکھ دکھا
اب اور بھی معانیِ اشعار کی شبیہ

۳۱۸

دکھلا نہ مجھ کو یوسفِ یعقوب[5] کی شبیہ — طالب ہوں، دے مجھے مرے مطلوب کی شبیہ

ساقی اِس ابرِ شیشہ میں تصویرِ برق بن — آتی نظر ہے بارشِ مقلوب[6] کی شبیہ

مانی کا منہ چڑھا کے وہ کہتا ہے، واہ چھڑے — تحریر میری آپ نے کیا خوب کی شبیہ

---

۱ غضنفر = شیر۔ داورِ دادار = خدائے تعالیٰ۔

۲ نقش بند کن فیکون یعنی خدا۔

۳ تکّہ ریش = نکیلی ڈاڑھی والا۔ ذَنَب الفار = چوہے کی دم۔

۴ میاں محمد عاشق اس وقت کے کوئی مصوّر ہوں گے (مطبوعہ نسخوں میں "محمدی" قلمی میں "محمد" ہے۔)

۵ یوسف یعقوب = یعنی یوسف ابن یعقوب۔

۶ بارش مقلوب، یعنی شراب + لفظ بارش کو اگر اُلٹ دیں تو شراب ہو جاتا ہے۔

مجبوب اُنھیں کہا تو مُرقّع سے ڈھونڈ ڈھانڈ — دی آپ نے مجھے میاں محبوب کی شبیہ
آئے ہیں یاد حضرتِ یوسف کے قبلہ گاہ — اے صبر، رکھ دے ہاتھ سے ایّوب کی شبیہ
ہر جی میں اپنے دیکھیے جا اُن کے ہاتھ میں — کھینچ اک ورق پہ راغبؔ مرغوب کی شبیہ

پڑھ اور قافیوں میں اب انشاؔ تو وہ غزل
گویا ہو جس سے شاہدِ محبوب کی شبیہ

۲۱۹

لکھے وہ میرے اس دلِ بیتاب کی شبیہ — کھینچی ہو جس نے طائرِ سیماب کی شبیہ
عاشق کو گر غریق کیا چاہیے، تو اُسے — کھنچوا دے اپنی ناف کے گرداب کی شبیہ
ہونٹوں کی تیری یاد میں آہیں جو کھینچیے — تو وہ دکھاویں دَوحۂ[1] عنّاب کی شبیہ
تارے نہیں، یہ چرخ پہ نقّاشِ صنع نے — لکھی ہر تیری مسندِ کمخاب کی شبیہ
گر آزِ زمانہ ہے تو گھڑ دے، اے خیال — اُس بت کی مجھ کو نقرۂ مہتاب کی شبیہ
دیکھے جو جنگِ عشق میں عاشق کو، سو کہے — رستم کی ہر یہ شکل یہ سُہراب کی شبیہ
ہر زور طاقِ ابروے جاناں یہ جوں ہلال — اور اُس کے ساتھ کعبے کی محراب کی شبیہ

انشاؔ، بہار اور روانی کی اب دکھا
کھنچ جائے جس سے گلشنِ سیراب کی شبیہ

۲۲۰

رو دھو، مٹا مُرقّعِ ناسوت کی شبیہ — تا سوجھ جائے عالمِ لاہوت کی شبیہ
باریکیِ قلم پر اب اُس کی تو کر نگاہ — تارِ نظر کی کھینچی ہر جوں سوت کی شبیہ
گر اپنے لعلِ لب تو دکھا دے، تو میں ابھی — چولھے میں جھونک دوں میاں یاقوت[2] کی شبیہ

---

[1] دَوحہ : بڑا درخت

[2] یاقوت ایک مشہور خطّاط اور مصوّر تھا۔

میں کانپتا ہوں دیکھ کے تصویرِ عشق، واے! | یہ دیو کی شبیہ تھی یا بھوت کی شبیہ*
سر جھاڑ منہ پہاڑ لیے اپنے ہاتھ میں | عاشق کے شامیانۂ تابوت کی شبیہ

اِنشاؔ بھٹا اب اور قوافی کہ جس کو سُن
بول اُٹھے واہ عاشقِ مبہوت کی شبیہ

(۳۲۱)

کھنچا اکے داغِ سینۂ مایوس کی شبیہ | کہتا ہوں لو بہشت کے طاؤس کی شبیہ
لے کھینچ لوحِ دل پہ مری اپنے اے صنم | بت خانہ و برہمن و ناقوس کی شبیہ
مت جان اِسے سحاب، یہ کھینچی فلک نے ہے | اس دل کے ابرِ حسرت و افسوس کی شبیہ
غش ہو کے گر پڑے فقرا، جب کہ پھر گئی | آنکھوں میں اُن کی آپ کے محبوس کی شبیہ*
لکھ دوں گا تجھ پہ اے حجر الاسود آن کہ | میں اِک صنم کے مائل پا بوس کی شبیہ
ہوں مشہدِ مقدّس آقا کے دھیان میں | میں کیا کروں گا بادشہِ طوس کی شبیہ

اِنشاؔ، لغات اور قوافی میں اب وہ بول
لازم ہو جس سے صاحبِ قاموس کی شبیہ۔

(۳۲۲)

پڑھ آئنے میں عاشقِ مُرتاض† کی شبیہ | بولے کہ میں ہوں مَبدءِ فیّاض کی شبیہ
ہے علمِ حق کے صفحۂ تنزیہ پر رقم | سب جوں کی توں عباد کے اغراض کی شبیہ
کھینچے ہے لاے نہی جو ہے "لا اِلٰہ" میں | یاں غیرِ حق کے واسطے مقراض کی شبیہ
میں ہاتھ چوم لوں ترے اگر اے شبیہ کش | دے کھینچ مجھ کو ان کے تو اِغماض کی شبیہ

* ق ۲ میں یہ اور اِس کے بعد کا شعر نہیں ہے۔

* ق ۲ میں یہ شعر نہیں ہے۔

† ق ۱، ق ۲: "شاعرِ مرتاض"۔

آتی نظر ہے، اے مرضِ عشق کے طبیب، آنکھوں میں تیری عیسیِ نباض کی شبیہ

انشا جنھیں کہ دیدہ ہے یاں وے بقیدِ جسم
ہیں دیکھتے جواہر و اعراض کی شبیہ

۲۲۳

کسی سے اُٹھ سکے کیا مجھ جلا وطن کا بوجھ
کہ عشق ہے مرے کاندھے پہ لاکھ من کا بوجھ

نظر کر اپنے قوارے پہ، اے جنوں کے دیو،
جو عوج ہوں، تو اٹھالوں ترے بدن کا بوجھ[۱]

ہلا کے قاف کو ہر چند ہوں اٹھا سکتا
پر اپنے سے نہیں اُٹھتا کڑے سخن کا بوجھ

سما و ارض سے اُٹھا نہ جب، تب انساں پر
پڑا امانتِ خلّاق ذو المنن کا بوجھ

سحر صبا نے بھی میرے ہی دوش پر پٹکا
نہ تھم سکا جو تری بوئے پیرہن کا بوجھ

اگرچہ بیاہ کے دن گود میں تو لے آیا
نہ راجہ نل سے پھر آخر اٹھا دمن کا بوجھ*

سوائے حضرتِ اورنگ زیبِ عالمگیر
سنبھال کون سکے لشکرِ دکن کا بوجھ

بڑا غضب ہے کہ تجھ سے جوان سے، انشا
جو اُٹھ سکے نہ خمِ بادۂ کہن کا بوجھ

+

۲۲۴

دوشالہ کیا ہم نے کس گل کا دستہ[۵]
کہ غش کھا گرا فوجِ بلبل کا دستہ

کیا اُن نے قیطون اُسے پیرہن کا
نہ ٹھہرا قبا میں جو کاکل کا دستہ

تکبّر سے آقا کے دستِ متانت
ہوا پیشِ قبضِ تأمّل کا دستہ

ٹپکنے لگا کشش چکمن میں ابرِ سیہ کی
اِنھیں شیشہائے پُر از مُل کا دستہ

---

[۱] قوارہ = بے ڈول بھدّا جسم عوج (بن عنق) ایک بہت ہی لمبا آدمی تھا۔

* ق ۲ میں یہ شعر نہیں ہے۔ + ق، ق ۲ میں یہ غزل اور اگلی دو غزل نہیں ہیں۔

[۵] اس غزل میں دستہ مختلف معنوں میں استعمال ہوا ہے۔

جو خالی کروں ترکش آہِ حزیں کا — تو بھاگے کماندارِ زابُل کا دستہ
اگر سر دُکھے شیخ کا تو مُنگھا دوں — کہیں سے بنا لا کے ہلہل[۱] کا دستہ
بھرا ایک صوفی نے ایسا ہی نعرہ — کہ لٹ پٹ[۲] ہوا مجلسِ قُل کا دستہ
یہ دل بادل[۳] اتنکوں کے ہیں یا کہ نکلا — غلامانِ سلطانِ کابُل کا دستہ
ثوابت سے الخالق[۴] چرخ پر ہے — یہ ٹانکا ہوا خالقِ کُل کا دستہ
جوانیوں کھرچنے کا پلڑا ہو اُس پر — لگا رکھیے اب ایک سُنبل کا دستہ

نکالا ہے اُن کی نگاہوں نے، انشاؔ
غضب تیرہائے تغافل کا دستہ

(۳۲۵)

ہیں آپ جیسے یوسفِ کنعاں بعینہٖ — چھب، آنکھ، ناک، مُنہ، لب و دنداں بعینہٖ
ہے جلوہ گر پری کی طرح تیری چال ڈھال — مکھڑا، وہ گات، سیبِ زنخداں بعینہٖ
کوچے کو تیرے کیوں نہ کہوں راہِ کعبہ میں — ریگِ رواں و دشتِ مغیلاں بعینہٖ
کھاوے تلاش اپنی سے جو لقمۂ حلال — ہے وہ تو آج حضرتِ لقماں بعینہٖ
آزادگی سے کیوں نہ سرو کار ہو ہمیں — ہے قدِّ یار سروِ خراماں بعینہٖ
کچھ شکلِ ظاہری پہ نہیں منحصر، کہ ہے — یبروج[۵] بھی تو صورتِ انساں بعینہٖ
مجنوں، سیاہ خیمۂ لیلیٰ کے دھیان میں — ہے تیری صبح، شامِ غریباں بعینہٖ

---

۱ ہلہل = ایک نہایت ہی بدبودار درخت۔

۲ لٹ پٹ ہوا = درہم برہم ہوگیا۔

۳ دل بادل : بہت ہی قددار ہاتھی کو کہتے ہیں۔

۴ الخالق = ایک روئی دار لباس کا نام جس کے سینہ اور آستینوں کے چاک کھلے ہوتے ہیں۔ ستاروں سے جو آسمان پر مختلف شکلیں بنی ہوتی ہیں اُن کو دستہ کہا ہے۔

۵ یبروج = مردم گیا ایک قسم کی لمبی گھاس جس کی صورت ایسی ہوتی ہے کہ ایک مرد اور عورت چمٹے ہوئے معلوم ہوتے ہیں۔

ہے حسنِ خُلق ناظمِ ملکِ جہانیاں[1] — بے شبہہ جیسے فصلِ بہاراں بعینہٖ
محفوظ رنجِ قحط سے رکھے جو خلق کو — لاریب ہے وہ یوسفِ کنعاں بعینہٖ
عالم میں جس کو ایسی سعادت علیؑ نے دی — مانندِ ابر ہے وہ دُر افشاں بعینہٖ
اِنشاؔ رہے وہ تا صد وسی سال جس سے ہے
ہندوستاں مقابلِ ایراں بعینہٖ

۳۲۶

جگر میں ہو گئے کھا کر تری سنانِ نگاہ — بسانِ پردۂ بادام سب نشانِ نگاہ
نگاہِ[2] لطف نہ کیجے مدام ہم پہ اگر — تو حذفِ نوں سے سہی ہے جو درمیانِ نگاہ
ستم بس اِتنے بھی مت کیجیے کہ عاشق کی — لباسِ آہ میں بیٹھے نیم جانِ نگاہ
زمانہ زیر و زبر ہو گیا برائے خدا — نہ قتلِ عام کر، اے نادرِ جہانِ نگاہ
ملائی آنکھ جو تم نے تو لوگ سب بولے — کہ جان لینے کو پہنچے فرشتہ خانِ نگاہ
فسونِ صبر و تحمل کو لوٹ لیتی ہے — غضب ہے آپ کی یہ چین قلیچ[3] خانِ نگاہ
جہاں کو فیض ہے عشاق کی نگاہوں سے — بجا ہے ان کو اگر کہیے خواجگانِ[4] نگاہ
چلا جو وادیِ مجنوں سے ناقۂ لیلےٰ — تو اُس کے ساتھ ہوا ایک سارِبانِ نگاہ
خیالِ نرگسِ ساقی میں کیا عجب کہ مجھے — بقیدِ جسم نظر آئیں آہوانِ نگاہ
لڑیں جو چاہ کی آنکھیں تو یہ ہوا معلوم — کہ نخل آہ کبھی ہے سرو بوستانِ نگاہ
ہوا نہال زمانہ جنابِ عالی کا — برس پڑا وہ جدھر ابرِ دُر فشانِ نگاہ
تِل ایک حورِ بہشتی کی آنکھ کا ملجائے — کریں تب اُس کو پریزاد شیشہ دانِ نگاہ

---

[1] ناظم ملکِ جہانیاں یعنی سعادت علی خاں جن کا نام آگے ہے۔

[2] مطلب یہ ہے کہ نگاہ حذفِ نون کے ساتھ یعنی گاہ گاہ کیجیے۔

[3] چین قلیچ خاں: زمانہ سلطنت مغلیہ میں ایک مشہور سردار تھے۔

[4] چند مشہور باکمال صوفیۂ کرام گزرے ہیں جن کا ختم ہوتا ہے جس کو ختم خواجگان کہتے ہیں۔

بہارِ نرگسِ ساقی ہے اب زمانے میں — گلِ سرسبدِ[۱] باغ دلستانِ نگاہ

شمیمِ نرگسِ شہلا یہ بولی اے انشا
حضور آپ کی بھلا رے عظم وشانِ نگاہ

ردیف (ی)

(۳۲۷)

کی جو شرما کے اوٹ تکیے کی — ق — لگ گئی اُن کو چوٹ تکیے کی
آنسو بھر لا کے سب فرنگی تور[۲] — پھر تو ڈالی کھسوٹ تکیے کی
اُس کی زلفوں کی بُو سے ہے اپنی — باس پر، جان لوٹ، تکیے کی
بن گئے ہم پلنگ پر اُس کے — شکلِ شبّ[*] لوٹ پوٹ تکیے کی

سیج پھولوں کی یاد ہے، انشا
اور ظالم وہ گوٹ تکیے کی

(۳۲۸)

لگا کر گلے رفع دل کی طپش کی — بڑی آپ نے آج یہ پرورش کی
کہا میں نے سیرِ چمن کو چلو ٹک — لگے کہنے مت بات کر اِس روش کی
یہی پانوں جانیں ہیں اے دشتِ غربت — کہ اِن ساتھ خاروں نے کیا سرزنش کی
طبیعت کو وحشت نے گھبرا لیا ہے — جنوں نے غرض پھیر[۳] ہم سے خلش کی

اُسے دوپہر رات کو کھینچ لایا
تڑپنے نے انشا کے ایسی کشش کی

---

[۱] گلِ سرسبد = پھولوں کی ٹوکری پر جو سب سے بڑا پھول ہو۔

[۲] فرنگی تور = ولایتی لیس۔ * ق، ق ۲، ق ۳: "سب"۔ [۳] پھیر = (پرانی زبان) = پھر۔

۲۲۹

چوٹی وہ بلا قہر کہ جو مانگ کے جی لے ‏ لٹ پر یہ غضب اور چھٹے پیچ بھی ڈھیلے
گر ہاتھ لگاؤں خطرِ جان مجھے ہر ‏ کھیلے وہ تری زلف سے جو کالے کو کیلے[1]
شبنم شب یلدا پہ پڑی ٹوٹ، یہ جانا ‏ دیکھے جو نہانے میں ترے بال یہ گیلے
مینائے مَے سرخ یہ ساقی سے کہے ہر ‏ اِک قاشقِ خون[2] رکھتے ہیں، جو چاہے سو پی لے
گالی سے رُکا اس کی جو شب میں تو یہ بولا: ‏ معلوم ہوا آج کہ تم سخت ہو بیلے[3]
اللہ ری رنگت، تری بھلّہ ری نزاکت ‏ بوسے کے تو ہم نے کیے ہونٹ یہ نیلے

مقصود جو دولت ہو تجھے دونوں جہاں کی
اِنشا، تو ابھی آن کے دامانِ علیؓ لے

۲۳۰

کل بادِ بہاری نے سو ٹکڑے گلابی کی ‏ اِس پردے میں آ پھٹکی[4] روح ایک شرابی کی
جوں موج ہوا اپنا تھا ہوش بھی اُڑنے پر ‏ اے نکہتِ گل تو نے کیوں اِتنی شتابی کی
مطرب بجیال اِس کے "تا پیچ میں لے دل کو" ‏ تارِ رگِ جاں کھینچے ہر دُھن یہ ربابی کی
بجلی کے پڑے دل سے کیوں شعلے نکلتے ہیں ‏ چاہیے کہ کِناری ہو تجھ جامۂ آبی کی
انداز و ادا یکسو پر قتل ہی کرتی ہے ‏ اک پیچے[5] کی دھج تیری دستارِ گلابی کی
تقصیر نہ اِس دل کی، نے جرمِ محبّت کچھ ‏ تیری ہی لگاوٹ نے سب خانہ خرابی کی
ڈاڑھی کے منڈانے کو اندر سے جو فرمایا ‏ زاہد نے کہا: اچّھا جس میں ہو* رضا بی[6] کی

---

[1] کیلنا = سانپ کو اپنے منتر سے بے اثر کر کے قابو میں لے آنا
[2] قاشق خون = چمچہ بھر خون۔ [3] بیلا۔ ڈھیلا ۔ زنخہ۔ کمزور
[4] آ پھٹکنا = اتفاق سے آنکلنا۔ [5] اک پیچہ = ایک قسم کی پگڑی
[6] بی یعنی بیوی۔ * ق ۳: "جو کچھ ہو"

بو باس نکلتی ہے کچھ شعر میں انشا کے
جامی کی، نظامی کی، سعدی کی، سحابی[1] کی

(۲۳۱)

شب خانۂ رقیب میں تا صبح سو چکے
اب فائدہ مکرنے سے؟ ہم دیکھ تو چکے

سرگرمِ اختلاط رقیبوں سے ہو چکے
ناموس و ننگ و نام، غرض آپ کھو چکے

ق
کہتے ہو جنس دل کو ہماری بغل میں دیکھ
بولو نہ، بیچتے ہو تو قیمت کہو، چکے

قیمت ہے ایک بوسہ دمِ نقد ایسے جی،
تم چاہتے ہو مفت میں کچھ لو نہ دو، چکے

رونا ہی تھا یہ موجبِ افشائے رازِ عشق
یہ مردمانِ چشم مجھے تو ڈبو چکے +

تابِ تحمل شبِ ہجراں نہیں مجھے
تم مشفق، ایک بار بھلا دیکھ تو چکے

پھر جان بوجھ کہتے ہو جاتا ہوں، جائیے
تشریف لے سدھاریے ہم دل کو رو چکے

جس دن سے تم سے آنکھ لڑی، اشک چشم سے
ہاتھ اپنے ہم تو دیدہ و دانستہ دھو چکے +

واللہ میں بھی تنگ ہوں اب کاش، اے صنم
جو کچھ نصیب میں ہو کہیں جلد ہو چکے

میں جانتا ہوں آپ کو، ہرگز نہ مول لیں
قیمت جو دل کی ایک ہی بوسہ پہ گو چکے

غیروں سے بات چیت ہے میرے ہی سامنے
یہ حال ہے، تو خیر، مجھے آپ کھو چکے

خوابِ عدم سے شورِ جنوں نے جگا دیا
انشا، بس اور نیند کہاں، خوب سو چکے

(۲۳۲)

چند مدت کو فراقِ صنم و دیر تو ہے
چلیے پھر کعبے بھی ہو آویں بھلا سیر تو ہے

کس سبب کس لیے کیا فائدہ، چھیڑو ہو مجھے
جرم و تقصیر و گنہ واسطہ، کچھ خیر تو ہے

---

[1] سحابی استرآبادی مشہور رباعی گو

+ ق ۲ میں یہ شعر نہیں ہے۔

ہے سنا میں نے بہت خوب بھلا سمجھوں گا — تیری صحبت میں لگا بیٹھنے آ غیر تو ہے
تیرنے میں ترے دریا کے عجب لطف تھا کل — پھر وہی سیر ہمیں آج جو پھر تیر تو ہے
دل نہ اُڑ جائے کہیں دام سے تیرے صیّاد — گرچہ پژمردہ ہے یہ صید وَلے طیر تو ہے

دوستی کا جو گماں تم سے ہوا اِس کا کیا دخل
ہاں یہ سچ، واقعی اِنشا سے تمھیں بیر تو ہے

۲۲۳

غیر کے ایک اشارے پر اُٹھ گئے میرے پاس سے — تِس پہ یہ مجھ سے پوچھنا بیٹھے ہو کیوں اُداس سے
بوے نگار کی جھکور[1] بادِ صبا جو لے گئی — نکہتِ گل کے، اے بہار، اُڑ گئے کچھ حواس سے
ساتھ کے جتنے ہمصفیر اپنے تھے سب نے رو دیا — اِک دمِ سرد جو بھرا میں نے کمالِ یاس سے
کون کہے ہے روک کے آپ کے ساتھ میں چلوں — موڑنے کا تو منہ نہیں بندہ بھی سو پچاس سے
پھٹنے ہے حلق، ساقیا، چھالے زباں میں پڑ گئے — ہو گئے ہونٹ خشک دیکھ حال ہوا یہ پیاس سے
رخصت برنگِ غنچہ کیوں چاک کروں نہ یہ قبا — کھینچے ہے تجھ کو بر میں تنگ دیکھ تو کس لباس سے
آپ کی اِس جناب کو مہر و وفا سے ربط کیا — بندہ نواز ہے بعید اپنے تو یہ قیاس سے
اُٹھتے ہیں خفتگانِ خاکِ خوابِ عدم سے چونک چونک — موجِ نسیم کوے یار، آج تو تیری باس سے

آپ نے نام لے مرا بزم میں دیں جو گالیاں
تاڑ لیا سبھوں نے کچھ ہم بھی ہیں روشناس سے

۲۲۴

سچ یہ آفت تری، یہ دھج، یہ خوش اندامی ہے — کہ نظر بھر کے تجھے دیکھیں تو بدنامی ہے
روح تو اُڑ چلی تھی، لیک ترے دیکھنے کو — ایک دم اور بزور آنکھوں میں ٹک تھامی ہے
کام مطلب سے کسی کے نہیں رکھتے صاحب — تم کو منظور فقط اپنی جو خود کامی ہے

---

[1] جھکور: جھونکا۔

جامِ مے پینے پہ دیتا ہے یہ سب کو فتویٰ — اِس گھڑی پیرِ مغاں مولویِ جامی ہے
جذبہ عشق ہی گر لاوے تو لاوے مجھ کو — ورنہ یاں اِس کے سوا کون مرا حامی ہے
شیخ صاحب کی ذرا سیج کی طرف کیجو نگاہ — کرڑ بڑی[1] ڈاڑھی نہیں سوسیِ گنگامی ہے
گر نہ کیجے جو لوازم ہیں جنوں کے، اِنشا
پختہ مغزانِ محبّت میں بڑی خامی ہے

۳۳۵

غیر کے مونڈھے پہ تم ہاتھ جو دھر بیٹھ گئے — ساتھ والوں کو نہ پوچھا کہ کدھر بیٹھ گئے
کچھ صفِ صدر و نعال اپنی تو خاطر میں نہیں — مستِ مدہوش ہیں ہم بیٹھے جدھر بیٹھ گئے
آہ جوں شعلہ نہ بالیدہ ہوے اخگرِ دل — کچھ چمک اپنی دکھا مثلِ شرر بیٹھ گئے
ضعف اِس حد کو ہمیں ہے کہ کہیں گر آیا — سایۂ و تکیۂ دیوار، نظر بیٹھ گئے
طاقتِ طیِ مسافت نہیں، اب ہم تو یہاں — تھک کے، اے قافلہ سالارِ سفر، بیٹھ گئے
میں یہ تعظیم سمجھتا ہوں، سُنا بندہ نواز؟ — آپ اُٹھتے تھے مجھے دیکھ کے پر بیٹھ گئے
اپنی مجلس میں مجھے دیکھ کے غیروں سے کہا — دیکھیے گا اِنھیں کیا ہو کے نڈر بیٹھ گئے
اٹھ کے دلدار کو رخصت تو کیا، پر دوں ہی — رکھ کے ہم دستِ تاسّف کو بہ سر بیٹھ گئے
سُن کے یہ تیری غزل بزم میں، اِنشا، شب کو
مستعد اُٹھنے پہ تھے اہلِ ہنر بیٹھ گئے*

۳۳۶

کل بھی محفل سے تری ہم نہ ٹلے، بیٹھ گئے — بولے "اُٹھ اُٹھ" بھی یاں تک کہ گلے بیٹھ گئے
رشک کرتی ہیں سدا اُن سے اِرم کی حوریں — تیری دیوار کے جو سایے تلے بیٹھ گئے

---

[1] کرڑ بڑی ڈاڑھی = کھچڑی ڈاڑھی + سوسی ایک قسم کا موٹا کم قیمت کپڑا جس میں ایک سے زاید رنگ ہوتے ہیں۔

* ق، ق ۲، ق ۳: "مقطع بہ تبدیل قوافی غزل، اِنشا، ایک اور + ... اہلِ نظر...."

روٹھ کر اُٹھتے گلی سے تری لیکن سَو بار
ہو کے ہم روبقفا[1] ٹک جو چلے، بیٹھ گئے

ہر تو وہ شعلۂ برق، آہ! کہ لاکھوں تجھ سے
خرمنِ صبر کے انبار جلے، بیٹھ گئے

چال اپنی تو یہ ہر رات کو اُٹھ سو سو بار
ہونٹ اپنے ترے تلووں سے ملے، بیٹھ گئے

آج اِنشاؔ کی بڑی خیر ہوئی غصّے میں آپ
لے کے تلوار تو اُٹھے تھے ولے بیٹھ گئے

کہہ، دلا، اور یہ تبدیلِ ردیف ایک غزل
قافیے اُس کے بھی دلچسپ اِے[2] بیٹھ گئے

۲۳۷

طپشِ دل ہی سے ہم مل کے گلے، بیٹھے ہیں+
چھیڑ مت، شعلۂ گل، بسکہ جلے بیٹھے ہیں

آہ کی دھونی لگا در پہ ترے خاک نشیں
راکھ جوگی کی طرح مُنہ کو ملے بیٹھے ہیں

سردی و گرمی و برسات جو ہو، یا قسمت!
تیری دیوار کے ہم سایے تلے بیٹھے ہیں

پاسبانوں نے بہت آکے اُٹھایا ہم کو
اپنے ہم دِل کے بھڑائے[*] سے ولے بیٹھے ہیں

آپ جو چاہیے فرمایئے ہم تو چپکے،
کیا کریں خیر جو کچھ بس نہ چلے، بیٹھے ہیں

درِ دولت سے ترے بندۂ درگاہ بھی آج
ٹالنے سے تو کسی کے نہ ٹلے بیٹھے ہیں

سیرِ گلشن کی نہ تکلیف ہمیں دے اِنشاؔ
کنجِ عزلت ہی میں ہم اپنے بھلے بیٹھے ہیں

۲۳۸

برقِ شعلہ زن چمکی، ابر بھی خروشاں ہے
گرم[3] اِس گھڑی ساقی، بزمِ دُرد نوشاں ہے

اس قدر شکر رنجی ہے باہم کہ کچھ ہم تم
بولتے نہیں مطلق، محفلِ خموشاں ہے

---

[1] روبقفا ہونا = مڑکے دیکھنا۔

[2] "اِے" یعنی "اے بے"۔ ن: "دلچسپ ہیں۔ لے بیٹھ گئے"۔ + ق ۲: "بیٹھ گئے" ردیف ہے۔

[*] ق ۲: "دل کی ڈھٹائی"

[3] یہ غزل بحرِ ہزج اشتر میں ہے وزن۔ فاعلن۔ مفاعیلن فاعلن مفاعیلن۔

یاں کسی کی کوئی بھی، بات ٹک نہیں سنتا | غور کر جدھر دیکھو، دورِ خود فروشاں ہے
نکہتِ بہار آئی۔ اب جنوں کی ہے شورش | عشق شیشۂ دل میں مثلِ بادہ جوشاں ہے
نغمۂ رباب و چنگ، ساز کر تو اے مطرب | عرش سے پرے یاں اب فکرِ تیز ہوشاں ہے
شیخ جی شغال آسا ہم، سو ناصح و روباہ | شکل قاضی و واعظ چوں دراز گوشاں[1] ہے

کم نہیں خیانت سے ہتکِ ستر[2] اے انشا
بات سن کے پی جانا، کارِ عیب پوشاں ہے

۲۳۹ *

سبزہ کیا خاکِ شہیداں سے تری خاک اُگے | جائے گل چاہیے واں سے دل صد چاک اُگے
جس جگہ پھوٹ بہے زخمِ جگر کا انگور | سیکڑوں کوس تلک واں شجرِ تاک اُگے
کیا تعجب کہ جہاں منتظر اُس کے رو دیں | جائے نرگس جو وہاں دیدۂ ادراک اُگے
دامنِ زیں سے ترے صید جہاں چھوٹ پڑے | سبزہ اُس بادیے کا صورتِ فتراک اُگے
سایۂ قامتِ لیلیٰ نہ پڑے اور افسوس | تربتِ قیس کی تہ سے خس و خاشاک اُگے
آکے پینک میں جہاں اونگھ رہے افیونی | پھول اُس باغ کا جوں کاسۂ تریاک اُگے

آہ نکلے دلِ پُر داغ سے، انشا، تو وہیں
تختۂ لالہ تہِ گنبدِ افلاک اُگے

۲۴۰

کب چاہوں ہوں میں صرف ملاقات کی ٹھہرے | تب خوش ہو مرا دل کہ جب اُس بات کی ٹھہرے
دو باتیں کروں عرض میں خدمت میں تمھاری | صحبت مری اور آپ کی گر رات کی ٹھہرے

---

[1] دراز گوش = بڑے کان والا۔ خرگوش

[2] ہتک ستر = بھید کا کھول دینا۔

* ق، ق ۲ میں یہ غزل نہیں ہے۔

یہ تو مری چڑھ ہے کہ کن انکھیوں سے میں دیکھوں
اور، اوروں سے یوں تم سے اشارات کی ٹھہرے

ہیں ہم بھی بھلے آدمی۔ آئے ہیں ترے پاس
آنکھیں نہ چرا، کچھ تو مدارات کی ٹھہرے

بوسہ ہی تڑاتے کا مزے کی کوئی گالی
جھڑکی ہی تبسم ہی، غرض گھات کی ٹھہرے

آتا ہے یہی جی میں کہ دستار گرو رکھ
پھر آج زرا سیرِ خرابات کی ٹھہرے

جوں شعلۂ برق آہ نکلتی ہے جگر سے
اے ابرِ مژہ، دیکھیں تو برسات کی ٹھہرے

نیند اُڑ گئی آنکھوں سے کچھ اِس رات تو انشا
اُس شوخ ستمگر کی حکایات کی ٹھہرے

٣۴١

پے تعظیمِ اشک اِس طرح آہِ سرد اُٹھتی ہے
کہ جیسے قطرہ افشانی سے بوے گرد اُٹھتی ہے

گرہ حسرت کی ہر تارِ نفس میں پڑ گئی جب سے
یہ کیسی ہوک ہر دم اے دلِ پُر درد اُٹھتی ہے

سیہ بختوں کو ساتھ اپنے اُٹھایا داغِ غم نے یوں
لپٹ کر مُہرے کاغذ کی جیسے فرد اُٹھتی ہے

ہوئی اُمید حاصل، شکر جائے گریہ ہے لیکن
کہ رخصت کے لیے اب یاسِ غم پرورد اُٹھتی ہے

ظہورِ مہدیِ دیں کا نہیں گے آج کل مژدہ
خدا کے فضل سے اب یہ صفِ نامرد اُٹھتی ہے

نشے میں لے ہی اُڑتی ہے نکل پردے سے مینا کے
عروسِ شرم کو، گر دُخترِ رز بے پرد اُٹھتی* ہے

خموش، اے دل، صداے دل خراشِ نغمۂ بلبل
بگلبانگِ شگفتِ غنچہ ہائے ورد[1] اُٹھتی ہے

طپش خاکسترِ عشاق سے جوں شعلۂ آتش
زمستاں میں بہنگامِ شدیدُ البرد[2] اُٹھتی ہے

مسیحا کا بگر اعجاز ہے پانسوں میں جو پڑ کے
کہ مرجاتی ہے[3] پھر زندہ ہر یک نرد اُٹھتی ہے

تک انشا، وادیِ مجنوں میں جا بس+ آج تک دل سے
ق صداے نعرۂ ہوے بیابان گرد اُٹھتی ہے

---

* ق ٢ میں یہ شعر نہیں ہے۔

[1] ورد = گلاب۔

[2] ہنگام شدید البرد = سخت سردی کے دنوں میں۔

[3] چوسر میں جب کوئی گوٹ پٹ کے پھر کھڑی ہو جاتی ہے تو اس گوٹ کا کھڑا ہونا کہتے ہیں۔

+ ق ٣: "بھلا تک وادیِ مجنوں میں جا بس"۔

ہنوز اُس دشت غربت بیچ اُس کی خاک آندھی ہو
برنگِ سُرخ و سبز و نیلگون و زرد اُٹھتی ہو

(۲۴۲)

آنے اٹک اٹک کے لگی سانس رات سے — ہو اب اُمید صرف خدا ہی کی ذات سے
ساقی، ہوائے ابر کو تو سرسری نہ جان — کیفیت اِس کی پوچھ بناتِ[۱] نبات سے
اپنا صنم وہ قہر ہے، اے برہمن، کہ گر — دیکھے منات[۲] کو تو گرا دیوے لات سے
کل سے تو اختلاط میں تازہ ہے اختراع — رکنے لگے ہیں آپ مری بات بات سے
پیش آئیے بہ شفقت و لطف اِس سے شیخ جی — بنت العنب[۳] کو جانیے اپنی بنات سے
حاصل کیا جو ہم نے قدمبوسِ پیرِ دَیر — آئی صدائے عشق درِ سومنات سے
ہیں واجب الوجود کے انوار، عشق میں — اِس کے صفات ذات نہیں ممکنات سے
اشعارِ طبع زاد مرے سُن کے شوخ وہ — کہنے لگا کہ فائدہ اِس مہملات سے؟
مطلق ملا کے آنکھ اِدھر دیکھتے نہیں — آتے نظر ہو آج بھی کم التفات سے

اِنشا نے آ لگا ہی لیا تم کو بات میں
ظالم وہ چوکتا ہے کوئی اپنی گھات سے؟

(۲۴۳)

کنایہ اور ڈھب کا اِس بھری مجلس میں کم کیجے — ابھی سب تاڑ جاویں گے۔ نہ ایسا تو ستم کیجے
تمھارے واسطے صحرا نشیں ہوں ایک مدت سے — بسانِ آہوے وحشی نہ مجھ سے آپ رم کیجے
مہاراجوں کے راجا، اے جنوں، ڈنڈوت ہے تم کو* — ق یہی اب دل میں آتا ہے کوئی پوتھی رقم کیجے

---

۱ بنات (واحد: بنت = بیٹی) بنات نبات = نیا اُگا ہوا سبزہ۔
۲ لات اور منات، قدیم عربوں کے دو بُت تھے یہاں لات اور اُردو لفظ لات میں ایہام ہے۔
۳ بنت العنب = انگور کی بیٹی یعنی شراب * ق: "بجھ کو"۔

گلے میں ڈال کر زنّار، قشقہ کھینچ ماتھے پر، / برہمن بنیے اور طوفِ دربیتُ الصّنم کیجے ✓

ق
کہیں دل کی لگاوٹ کو جو یوں سوجھی کہ ٹک جا کر / قدیمی یار سے اپنے بھی غُلطہ کوئی دم کیجے

تو اُنگلی کاٹ دانتوں سے پھُلا نتھنے رُہانڈا ہو / لگا کہنے بس اب میرے بڑھاپے پر کرم کیجے

پھر کتا آج بھی ہم کو نہ برسوں کی طرح رکھیے / خدا کے واسطے کچھ یاد وہ کل کی قسم کیجے

ملنگ آپس میں کہتے تھے کہ زاہد کچھ جو بولے، تو / اشارا اُس کو جھٹ سوے زنانگشتِ شکم کیجے

کبھی خط بھی نہ لکھ بھیجا، پڑھایا آپ کو کس نے
کہ القطِ دوستی اِنشا سے ایسی یک قلم کیجے

۳۴۴

فقیروں ساتھ یہ تعظیم لمبے خرچ کم کیجے / نہ اُٹھیے مرشد اللہ بیٹھیے داتا، کرم کیجے

جنوں اے میرے مرشد اہوا اگر مرضی تو یا مولیٰ / دربیتُ الصّنم کے پاس وقفہ کوئی دم کیجے

زیارت کعبۂ دل کی اگر منظورِ خاطر ہو / تو آنکھیں موند، یا معبود ہا! کہ گردن کو خم کیجے

فنا فی اللہ کے رتبے سے بابا ہو جو آگاہی / تو کچھ جینے سے خوش ہوجے نہ کچھ مرنے کا غم کیجے ✓

وجود وحدت باری میں اِن افرادِ کثرت کو / قیاسِ موج و گرداب و حبابِ آب ہم کیجے ✓

یہ وہ وادی ہے جس میں ڈھیر ہے مجنوں سے مرشد کا / گذر یاں سے یا سائیں تو سجدہ ہر قدم کیجے

گدایانِ خراباتِ مُغاں کا زور عالم ہے / جو سبزا گھونٹیے اِن کا، تو سیرِ جامِ جم کیجے +

نہیں اِس شہر میں کوئی جو آزادوں کا طالب ہو / اُداسا گیسے اے وحشت بس اس نگری سے رم کیجے

ذرا اب تختِ ربُّ العالمیں کو دیکھیے چل کر / پھر آگے بڑھیے واں سے سیرِ گلزارِ ارم کیجے

کلیسا میں بہت کی بت پرستی۔ بالکو! اُٹھو / چلو ٹک بسترا کاندھے پہ کس طوفِ حرم کیجے

---

۱ رہانڈا ہو: رونی صورت بنا کر ۲ ملنگ آزاد فقیروں کی ایک جماعت۔

۳ دوستی القط کرنا۔ یعنی دوستی چھوڑ دینا۔ ‡ ق: لبنی، ق ۲: دینی، ق ۳، ۴م: لبنی ملاحظہ ہو

۴ یہ غزل آزاد فقیروں کے لہجے میں ہے

تعظیم لبنی اتنی ہر وقت فائدہ کیا
اب تک ہے تم کو ہم سے مدِنظر تکلف } اِنشا

(مخزن فوائد از نکہت شاہجہان آبادی)

* ق ۲: ”ہوا جا ہو“۔ + ق ۲ میں یہ شعر نہیں ہے۔

غزل تو وہ کہی انشاؔ، اب اپنے پیر و مرشد کی
دعا میں اک مخمس منقبت کا بھی رقم کیجے

(۳۴۵)

جہاں میں مثلِ تیمور اور بابر محتشم کیجے [۱] مسخّر جلد قبضے میں عرب سے تا عجم کیجے
درود و سورۂ اِنّا فتحنا پڑھ کے دم کیجے سلیماں کی مدد کو ذوالفقار اپنی علَم کیجے
امیر المومنیں، اب اے مرے مولا کرم کیجے

کیا دو ٹکڑے جس قوت سے تم نے چیر کر اژدر ہوا مفتوح جس حملے سے شاہا قلعۂ خیبر
اُسی ڈھب سے غرض اک نعرۂ اللہ اکبر کر* سلیماں کی مدد کو ذوالفقار اپنی علَم کیجے
امیر المومنیں، اب اے مرے مولا کرم کیجے

تمھارے آسرے چھُٹ کچھ نہیں یاں سوجھتی مطلق کہیں تشریف فرما ہو کہ تا جلدی سے ہو رونق
ولادو کافروں سے چھین کر فی الحال اُس کا حق سلیماں کی مدد کو ذوالفقار اپنی علَم کیجے
امیر المومنیں، اب اے مرے مولا کرم کیجے

رسول اللہ اور تم ہو بہم یک رُوح دو قالب مطالب کیوں نہ ہوں اُس کے جو ہووے آپ کا طالب
خدا کے واسطے ٹک آکے یا لیثِ بنی غالب [۲] سلیماں کی مدد کو ذوالفقار اپنی علَم کیجے
امیر المومنیں، اب اے مرے مولا کرم کیجے

کہاں تک وہ سہے یاں ہر کس و ناکس کے اب طعنے کمک کو اس غلام اپنے کی اِتنی دیر، کیا معنے؟
تماشا ٹک یداللّٰہی کا دکھلا دیجیے یعنے سلیماں کی مدد کو ذوالفقار اپنی علَم کیجے
امیر المومنیں، اب اے مرے مولا کرم کیجے

---

[۱] یہ دعائیہ مخمس شاہزادۂ سلیماں شکوہ کی مدح میں ہے۔ [ق، ق۲ میں یہ مخمس نہیں ہے]

* ن: "بھر"

[۲] لیثِ بنی غالب = بنی غالب کا شیر یعنی حضرت علیؓ۔

شکوہ وچتر و تاج و تخت فوج و ملک اور دولت　　نشاط و جشن و عیش و طولِ عمر و سرخوشی صحت

یہ سب اُس کو عطا فرمایئے للہ ، یا حضرت　　سلیماں کی مدد کو ذوالفقار اپنی علم کیجے

امیر المومنیں، اب اے مرے مولا کرم کیجے

دعا کرنے کا ہے اب تو یہی حسبُ المراد اُس کا　　کہ ہو وہ بادشہ اور میر بخشی خانہ زاد اُس کا

عنایت ایسی ہی کیجے کہ دل ہو شاد شاد اُس کا　　سلیماں کی مدد کو ذوالفقار اپنی علم کیجے

امیر المومنیں، اب اے مرے مولا کرم کیجے

(۲۴۶)

آتی تھی ایک حور مجھے دیکھ ہٹ گئی　　دانتوں کے بیچ* داب زباں چٹ پلٹ گئی

آہٹ کو میری تاڑ کے چوکھٹ سے چٹ اُچٹ+　　جھٹ پٹ وہ ہٹ کواڑ کے پٹ سے چمٹ گئی

آئی نسیم صبح جو کل کوئے یار سے　　ہمراہ فوج ہوش کی لے غٹ کی غٹ[1] گئی

تھی سلسلاہٹ[2] اس کی یہ کچھ نرم گات میں　　جب واں نگہ کا دھیان پڑا چپٹ رپٹ گئی

شب میں نے جو ہیں ہاتھ لگایا تو وہ پری　　بے اختیار شرم کے مارے سمٹ گئی

ہم دو گھڑی بھی ساتھ ترے سو رہے نہ ہائے!　　باتوں میں یوں ہی چار پہر رات کٹ گئی

دو چار گرم گرم جو تانوں کی لی اپج　　بلبل کو ہم نے ایسا ہی چھیڑا کہ کٹ[3] گئی

مجھ سے لپٹ کے آخرِ شب یار نے کہا　　ق　　کیا جانے اِن دنوں کی یہ کیوں رات گھٹ گئی

کم بخت آ ہوا خلل انداز خواب میں　　ہر ہر خروسِ صبح کی چھاتی نہ پھٹ گئی

انشا کی گفتگو وہ دھواں دھار# ہے کہ آج
آکر بہار اُس کے گلے سے لپٹ گئی

---

* ق، ق۳: "بیچے"۔　　+ ق: "چٹ اچک" ق۲: "جھٹ اچک"۔

[1] غٹ کی غٹ = غول کے غول یعنی کثرت سے۔

[2] سلسلاہٹ = نرماہٹ، چکناہٹ۔

[3] کٹ گئی = شرمندہ ہوگئی۔

ق، ق۳۔ دھواں گرم۔

(۳۴۷)

نگہ ہر اُس پری کی سحر، چتون ایک آفت ہر
معاذ اللہ، دیکھے جو اُدھر کس کی یہ طاقت ہر

چمن ہر، جام صہبا ہر گھٹا ہر، جاے خلوت ہر
اگر ایسے میں آجاؤ تو صاحب وقتِ فرصت ہر

رگڑنے دو مجھے تلوؤں سے اپنے تک تو آنکھیں تم
تصدّق میں تمھارے جاؤں مجھ کو اِس میں راحت ہر

مبادا جھاڑ کر پنجے جھپٹ جاوے کہیں وحشت
بُرے تیور نظر آتے ہیں، مجھ کو اس سے دہشت ہر

بھلا کیونکر نہ غش ہوں ہم کر وڑوں وضع کی اُس میں
لطافت ہر، ملاحت ہر، صباحت ہر، نزاکت ہر

مجھے کیوں گالیاں دیتے ہو ہیجے کر کے ناحق کو ق
ارے مکتب کے لڑکو، ایں بھلا یہ کیا شرارت ہر

ابھی سے مت نکالو لام کاف[a] اپنی زباں سے تم
الف بے یاد تو کر لو، بھلا یہ کون بابت ہر

بھلا آخون جی صاحب کو آنے دو کہوں گا میں
کر اے حضرت سلامت آپ سنیے یہ حقیقت ہر

دیا ہر پانو شوخی میں یہ شاگردوں نے صاحب کے
جہاں چھٹّی ملی ان کو تو اِک برپا قیامت ہر

کسی کا مُنہ چڑھا جانا، کسی کو بے تبے کہنا
سدھارے آپ جب مسجد کو یہاں ہوتی قباحت ہر*

کتابوں پر پڑی ڈگڑ بجے ہر ساتھ پٹوں کے[1]
اگر چھپ کر نظر کیجے تو یاں کچھ طرفہ صحبت ہر

مراتب غوث[2] کا ملتا ہر اجزاے گلستاں کو
بچارے شیخ سعدی کی یہاں ہوتی فضیحت ہر[+]

اے لو آتے ہیں نیلا کھیس اوڑھے سامنے سے وہ
غرض تم صاحبوں کی خوب اب ہوتی ضیافت ہر

نہیں تو کچھ مجھے دینے کہو، سب مل کے آپس میں
مزے سے کھیلو کودو، لوٹو پوٹو، پھر فراغت ہر

بدل کر قافیہ اِنشا غزل اب اور کوئی پڑھ
خدا کے فضل سے تجھ کو فصاحت ہر بلاغت ہر

---

* ق ۳: "قیامت ہر" [a] لام کاف مت نکالو یعنی گالیاں مت بکو۔

[1] ڈگڑ بجانا۔ کتابوں کو پیٹنا۔ مطلب یہ ہر کہ ایک لڑکا کتابوں پر طبلہ بجاتا ہر اور دوسرا پٹّے گاتا ہر۔

[2] غوث، صوفیۂ کرام میں ایک بہت ممتاز طبقہ جس کی نسبت مشہور ہر کہ بحالت خواب اِن کے اعضا ایک دوسرے سے جدا پڑے رہتے ہیں۔ مطلب یہ ہر کہ اجزاے گلستاں اِدھر اُدھر منتشر مارے پھرتے ہیں۔

+ ق ۲ میں یہ شعر نہیں ہر۔

٣٤٨

بھبھوکا روپ، سج دھج قہر، آفت چلبلاہٹ ہے
جھمکڑا نور کا مکھڑا، غضب اُس کی سجاوٹ ہے

خبر لیجو یہ کس کے پانو کی اٹکھیل آہٹ ہے
کہ ہر ٹھوکر پہ جس کی دل میں اُٹھتی گدگداہٹ ہے

پھسل کیونکر نہ جاوے دل بھلا ایسے پہ، اے یارو
کہ واں ٹپکا پڑے ہے جوبن ایسی گدگداہٹ ہے

ارے ظالم، یہ کیوں آیا نہیں معلوم کچھ مجھ کو
بلائیں جس کی دل لیتا پڑا سینے میں چٹ چٹ ہے

اجی کہتا ہوں دروازے کی کنڈی کھول دو چپکے
نہیں تو میرا سر ہے آج اور صاحب کی چوکھٹ ہے

بلائیں میں جو لیتا ہوں تو یوں کہتا ہے وہ ظالم
تجھے میں خوب سمجھا ہوں ارے تو ایک نٹ کھٹ ہے

کھسل جاتا ہے جب مخمل کا تکیہ اپنے پہلو سے
تو یاد آتی کسی کی وہ مزے کی مجھ کو کروٹ ہے

چلی آتی ہے بو نرگس کی اِن لاہی کے پردوں سے
کسی کی یاد میں کچھ کُلبلاتا سا چھپر کھٹ ہے

چکا چوندی نہ لگ جاوے بھلا کس طرح آنکھوں کو
بسانِ برق بیتابانہ اُس کی اچپلاہٹ ہے

کہا میں نے اجی ٹک منہ سے بولو، ہاے! مرتا ہوں
تو لیا کہتے ہیں چل جھوٹے ارے یہ سب بناوٹ ہے

خفا سا دیکھ کر مجھ کو لگے لوگوں سے فرمانے
خدا کے واسطے سوچو انھیں مجھ سے رکاوٹ ہے

بچاوے کس طرح **انشا** سراپا سے ترے دل کو
کہ لاکھوں وضع کی ہر ایک موقع پر لگاوٹ ہے

٣٤٩

ہے اور کوئی ایسا جس میں یہ پھبن نکلے
سج دھج اِسے کہتے ہیں بیساختہ پن نکلے

ایسے میں کہیں اُڑ لاگ[1]، اے طائرِ دل تو بھی
ہیں کسبِ ہوا* کو سب مرغانِ چمن نکلے

سوزش سے مرے دل کو وحشت کی جو بو آئی
سب وادیِ مجنوں سے ہو مست ہرن نکلے

اے عشق تجھے ہم تو آسان سمجھتے تھے
اطوار ترے بھائی! پر سخت کٹھن نکلے

---

[1] اُڑ لاگ یعنی اڑنے لگ۔

* ق ۳: "سیر"۔

یوں تن وہ نمایاں ہے پیراہنِ آبی میں + | جوں دھوپ کواڑوں سے آئینے کے چھن نکلے
مجلس میں جو ہولی کی کل شیخ جی آئے تھے | رندوں نے انھیں چھیڑا ایسا ہی کہ بن نکلے
ہے یوں دُرِ گوش اُس کا اُس زلف کے حلقے میں | مہتاب میں کالے کا جس طرح کہ من نکلے
شبنم میں جو ٹک رکھ دوں میں اُس کے دوپٹے کو | مہتاب کی چادر سے خوشبوئے سمن نکلے
آنسو میں گُتھے شعلے ہر داغِ دلِ ٹل کے | ق کچھ ایسے جھکڑ ے سے سلگا کے بدن نکلے
دریا سے نہا دھو کر جوں آخرِ شب کافر | ہاتھوں میں لیے چومکھ پوجا کو دمن نکلے

افشاں کا وہ عالم ہے اُس چاند سے مکھڑے پر
جوں وقتِ سحر، انشاؔ، سورج کی کرن نکلے

(۳۵۰)

نکلے ہے خون ٹھہر ٹھہر دل کی ہر اک خراش سے | چیر دو اِس کو دوستو تیز قلم تراش سے
کس کی نگاہِ برق وش ٹوٹ پڑی کہ مثلِ ابر | نکلے ہے اب تلک دھواں لختِ جگر کی لاش سے
کل جو رہے ہم اس کو گھور، کہنے لگا وہ خانہ جنگ | آتی ہے بوئے خوں مجھے تیری نگاہِ فاش سے
ہم کو مصاحبوں سے ہے آپ کے کیا برابری | ہم ہیں کمینے اِک غلام فرقۂ خواجہ تاش[۲] سے
موسمِ گل ہے دوستو جاوے وہ سیرِ باغ کو | اُٹھنے کی تاب جس کو ہو تکیہ گہ فراش سے
ساقی شوخ چشم، اگر ہو نہ گزک، تو پھر شغل | کیجے تنقّل اب شروع میرے جگر کی قاش سے
بن لیے بوسے پانچ سات ایسے جی کو ئی چھوڑوں ہوں | چڑھ گئے ہو تم اپنے ہاتھ آج بڑی تلاش سے
حضرتِ عشق، دیر میں رہتے ہو یا حرم میں تم؟ | مجھ کو نہیں کچھ اطّلاع آپ کی بود و باش سے
ان دنوں شاید اور بھی تجھ کو مزا پڑا ہے کچھ | آتی ہے کیتکی کی باس تیرے گلاب پاش سے
ہے یہ دو روزہ زندگی ہم کو وبالِ گردن آہ | اے وہ خوشا جو چھٹ گئے دغدغۂ معاش سے

+ ق ۳: "سے"

[۱] چومکھ = وہ چراغ جس میں دو بتیوں کے چاروں سرے روشن کیے جاتے ہیں۔ اب چونک بالفتح بولتے ہیں۔

[۲] خواجہ تاش: ایک ہی مالک کے متعدد غلام۔

لرزہ فگن خروش یہ کب تلک اے دل، آہ اُچپ
کانپے ہی تھر تھر آفتاب تیرے اس ارتعاش سے

غیر سے کھیل باشتہ[1] جنگ کرتے ہیں میرے دل کو سوخت
بات بعید سی ہے یہ آپ کی اس قماش سے

قافیہ اب بدل کے انشاؔ غزل اور پڑھیے آپ
طبع کو تا سرور ہو قلب کے انتعاش[2] سے

۳۵۱

شہر سے دل اُچاٹ ہے اُنس نہیں اُجاڑ سے
سر کو ٹپکیے اے جنوں کون سے اب پہاڑ سے

بیٹھیے باندھ ٹکٹکی کیوں نہ بھلا کواڑ سے
نکلے ہے جھانک تاک کی باس کچھ اس دراڑ سے

بے خبر آ گیا جو میں جھٹ سے شب اُس کے سامنے
مُنہ کو چھپا لیا تمام ہاتھ کی اپنے آڑ سے

رایتِ آہ پیش رو، فوجِ سرشک در جلو
حضرتِ عشق آئے تو زور ہی بھیر بھاڑ سے*

صبح جو اُٹھ کے آئے ہم دل میں یہی خیال تھا
رُک نہ رہے ہوں شاید آپ رات کی چھیڑ چھاڑ سے

پانوؤں پر اُس کے گر پڑا میں، تو لگا وہ کہنے شوخ
سر کو اُٹھاؤ جاؤ بھی۔ لپٹے ہو تم تو جھاڑ[3] سے

قد کی ترے مشابہت سرو کے ساتھ ایسی ہے
سرو کو جوں مشابہت دیجیے لمبے تاڑ سے*

لپٹے جو ہم تو اُن نے شب سر پہ زمین لی اُٹھا
دھوم سے، غُل سے، چیخ سے، شور سے، توبہ دھاڑ سے

آمد و شد رہی نہ جو انشاؔ گلی میں اُس کی اب
خوب ہوا کہ بچ گئے روز کی ہم لتاڑ سے

۳۵۲

بستی تجھ بن اُجاڑ سی ہے
کم بخت یہ شب پہاڑ سی ہے

---

[1] باشتہ جنگ (یعنی بادشاہ جنگ) : گنجفے کا کھیل جس میں آٹھ بازیاں ہوتی ہیں منجملہ ان کے ایک قماش بھی ہے۔ اور کچھ پتے ایک ساتھ نہ پھینکے جائیں تو وہ پھر نہیں کھیلے جا سکتے اِس کو اُن کا سوخت ہونا کہتے ہیں۔

[2] انتعاش : بڑھ جانا۔ تیز ہونا۔

[3] جھاڑ سے لپٹنا یا جھاڑ کی طرح لپٹنا۔ کبھی علٰحدہ نہ ہونا۔

* ق ۲ میں یہ شعر نہیں ہے۔

* ق ۲ میں یہ شعر نہیں ہے۔

شاید کہ ہوئی سرایتِ عشق — کچھ سینے میں چیر پھاڑ سی ہی

ہر چند کہ بولتے نہیں وہ — باہم پہ چھیڑ چھاڑ سی ہی

سو رہتے ہیں ایک ساتھ لیکن — تلوار کی بیچ آڑ سی ہی

اِنشا اللہ شاید آیا

اُس کوچے میں بھیڑ بھاڑ سی ہی

۳۵۳

دیکھ کر مجھ کو کھنکارا اور دیا دُشنام بھی — جب میں جھنجھلایا، تو بولا "واہ، تیرا نام بھی"؟[1]

قاصد آیا اور لایا وصل کا پیغام بھی — دل، مبارک ہو تجھے اب چین بھی، آرام بھی +

میں کہا: تُم تک چلیے میرے گھر، کہا: باعث سنوں — کس سبب، کس واسطے، کاہے کو، کیوں، کچھ کام بھی؟

ولولے میں تیرے چھوڑا ہم نے سُن اے خود پسند — بُتکدہ بھی، صومعہ بھی، کفر بھی، اسلام بھی

وصل ہی میں تیرے ہم سے چھٹ گیا تھا ننگ و ننگ — اب بدولت ہجر کے، لو یہ چلا آرام بھی

بن ترے ہم یہ بھیانک ہیں[2] کہ اپنی چڑھ ہو یار — ساقی و مطرب بھی، خمخانہ بھی، خم بھی، جام بھی

چُھل بھاتی تجھ تلک تھی۔ گر کسی سے اِن دنوں — ہو گئی تو روکے کہنا: چپ ہو منہ کو تھام بھی

میں کہا: شب خوب آئے۔ بولے: تو گھر میں نہ تھا — ایک تو وعدہ خلافی تس پہ اور اِلزام بھی

بندگی ہو ہر کسی سے، مہرباں ہیں اپنے سب — شیعہ و سنی و صوفی رندِ دُرد آشام بھی

کچھ تہیدستی ہی تنہا دشمنِ اِنشا نہیں

عشق و ہجر و نوجوانی، گردشِ ایام بھی

۳۵۴

جنوں کے رہ نوردوں کا کوئی لگتا کہیں دل ہی — بسانِ گرد باد اُن کو سدا قطعِ منازل ہی

---

[1] "واہ تیرا نام بھی" یعنی واہ میں نے تیرا کہیں نام بھی لیا۔

+ ق ۲ میں یہ شعر نہیں ہی۔

[2] بھیانک = متوحش۔ متحیر۔ گھبرایا ہوا۔ متنفر۔

نگاہ ناز سے جس کی جہاں سب نیم بسمل ہے — یہ وہ کافر یہ وہ ظالم یہ وہ خونخوار قاتل ہے
فقط بھر کر نظر دوں دیکھنا بھی ایک مشکل ہے — معاذ اللہ دیکھو تو کدھر آیا مرا دل ہے
محیطِ عشق کے امواج طوفاں خیز ہیں تس پہ — کیے ہے ناخدایاں سے ہزاروں کوس ساحل ہے
فغانِ دل کو سن مجنوں درائے کارواں سمجھا — چلا کہتا ہوا رو رو کے لیلیٰ کا وہ محمل ہے
تمھارے ہاتھ کیا آتا ہے بندے کے کڑھانے سے — بھلا حضرت سلامت آپ کو کیا اس سے حاصل ہے
گلستانِ جہاں بیچ جیسے ہم اُردی بہشت[1] آئے — برنگِ بوئے گل ہم کو سدا طئی مراحل ہے
وہ آنکھیں جادوئے جمشید سحرِ سامری چتون — خطِ نورستہ شہر سبز غبغب چاہِ بابل ہے
مرکب چار عنصر سے نہ سمجھو عشق کو ہرگز — نہ اس میں ذرّہ آب و ہوا نے آتش و گل ہے
یہی صانع یہی فعال خلقِ جزو و کل اس سے — یہی موجد یہی مبدع یہی خود آپ جاعل ہے

خیالِ ہستیِ موہوم دل سے دور کر انشاؔ
سفر درپیش ہے تجھ کو تو اِس پر آہ غافل ہے

۳۵۵

قسم نہ کھائیو ظالم تو مَے کے پینے سے — وگرنہ ہوں گے ہم آزردہ اپنے جینے سے
اگر میں پاؤں اکیلا کہیں تجھے ہے ہے — تو کس مزے سے لگا رکھوں اپنے سینے سے
چمکتے چاند کے ہیں گرد جس طرح تارے — عجب مزا ہے ترے مکھڑے پر پسینے سے

وہ سن کے عرض کو انشاؔ کی اِس طرح بولا
کسے غرض ہے عبث منہ لگے کمینے سے

۳۵۶

دیکھ کر وہ لیلے گرد اُس دہن کے رونگٹے — اُٹھ کھڑے ہوتے ہیں سب اپنے بدن کے رونگٹے
ملک صفائی اُس شکم کی تو نظر پھیلا کے دیکھ — سبز مخمل پر نہ ہوں گے اِس پھبن کے رونگٹے

---

[1] اُردی بہشت = ایک عجمی مہینے کا نام ہے جس سے بہار شروع ہوتی ہے۔

بھیگتی[1] اپنی مسوں پر دم بہ دم پھیرے ہے ہاتھ — ہیں یہی دو چار، موجب بانکپن کے رونگٹے

دیکھ سبزے میں چمک گالوں کی اُس کے تو کہے — یہ بنائے حق نے ہیں سورج کرن کے رونگٹے

کاش مستوں کو نہ ملتی داڑھی اُگتے اس کی جا — پنبۂ مینائے صہبائے کہن کے رونگٹے

یوں ہیں، اے پیرِ مغاں، یہ آپ کی موچھوں کے بال — جس طرح ہوں نافۂ مشکِ ختن کے رونگٹے

غور کر ٹک بنگ کے صافے پر انشا اس کے ہیں
جوں عذارِ یوسفِ گل پیرہن کے رونگٹے

۳۵۷

کھب گئی آنکھوں میں کل جلوہ نمائی تیری — مجھ کو کیا جانے کہ کیا بات خوش آئی تیری

اے نسیمِ سحری کہیو مرا عرضِ نیاز — گلشنِ یار میں گر ہووے رسائی تیری

شعلۂ برقِ شرر بار کو بھی دیوے پھونک — ہو فلک سیر اگر، اے آہ، ہوائی تیری

مُنہ لگاتے ہی مرے سخت خفا ہوتا ہے — شیخ کیوں دخترِ رز کون ہرجائی[2] تیری

ہائے کیا قہر ہے اُٹھتے ہیں بھبوکے دل سے — مارے ڈالے ہے یہ سینے کی صفائی تیری

اب خدا کے لیے جانے بھی دے پنجہ تو نہ کر — کہیں ایسا نہ ہو مُڑ جائے کلائی تیری

اے دلِ زار پھنسا اُس کے سرِ زلف میں گر — ممکن عقل نہیں پھر تو رہائی تیری

کیا ہوا، غصہ نہ ہو، شدتِ سرما میں اگر — آ گئے ہم بھی جو ٹک کھول رضائی تیری

طالبِ حسن نہ ہو، چھوڑ یہ باتیں، انشا
دیکھ کہتا ہوں میں اس میں ہے بھلائی تیری

۳۵۸

۱ مے پیے، قشقہ دیے، کعبے میں ناقوس لیے — اے دل آئے ہیں ہم اب، فائدہ افسوس کیے؟

۱؎ مسیں بھیگنا = سبزہ آغاز ہونا۔

۲؎ جائی = سگی عزیز۔

آتے ہی میکدۂ عشق میں میں چند قدح
پے دفع خرد و رخصتِ ناموس پیے
دلِ صد چاک کسو کا نہ رفو تجھ سے ہوا
ناصحا گرچہ بہت خرقۂ سالوس[۱] سیے
داغہائے دلِ عشاق کے جلوے جو کبھی
دیکھنے پاوے تو حسرت سے نہ طاؤس جیے*

محفلِ تن میں فروزندہ ہر انشاؔ وہ شمع
جس کے شعلے نے جلا سینکڑوں فانوس دیے

۳۵۹

ہم نے ساقی کے کہیں ہونٹ جو ٹک چوس لیے
خوش ہو سب اہلِ خرابات نے پابوس کیے
دلِ صد چاک کو فریاد سے وہ منع کرے
اے برہمن جو وہاں دلبِ ناقوس سیے+
طبعِ خام کو اپنی میں کروڑوں دشنام
جب ہوا تیری ملاقات سے مایوس دیے
گر بظاہر نہ ہوا جاہ و تحشّم نہ ہوا
کیا قیامت ہوئی گر بے دُہل و کوس[۲] جیے
زخمہائے نگہِ ترکِ جفا کار اگر
ہوں کسی طرح سے جرّاح کو محسوس سیے

ذوقِ نظارہ سے ہو مست ہزاروں آنسو
اپنی آنکھوں ہی میں انشاؔ نے تو افسوس پیے

۳۶۰

دو چار حُسن کے تیرے سخن ہم کڑے کڑے
اُٹھتے ہیں کوئی در پہ ترے جو اڑے اڑے
مخصوصِ دیر و کعبہ نہیں یہ فتادگی
مخمور ہیں نشے میں جہاں گر پڑے پڑے
ٹک یوں تو آپ دیکھیے سچ ہے یہ واقعی
کیا بولنے کے ہم سے نہیں جب لڑے لڑے

---

[۱] سالوس = مکر و فریب۔

* ق ۲ میں یہ شعر نہیں ہے

+ اس شعر کے بعد ق ۲ میں ایک ورق غائب ہے۔

[۲] دہل دکوس = ڈھول اور نقارہ۔ بے دہل دکوس جینا یعنی غریبی کی زندگی بسر کرنا۔

سنتا ہوں آج تو میں عرضِ مدعا — اِس میں جو تیغ کھینچ وہ مجھ کو جڑے جڑے
ز خزاں سے آہ ! جوانانِ باغِ دہر — اوراقِ منتشر کی طرح جو جھڑے، جھڑے
تم نے، غرور سے، نہ اِشارہ کیا کہ بیٹھ — اور اپنے پانو دکھنے لگے یاں کھڑے کھڑے

اِنشاؔ، ورائے عرش کا رتبہ ہے اِس طرف
ہیں اب خیال اور بھی ہم کو بڑے بڑے

۳۶۱

سودازدہ دل ہے تو یہ تدبیر کریں گے — اُس زلفِ گرہ گیر کی زنجیر کریں گے
غصّے میں ترے ہم نے بڑا لُطف اُٹھایا — اب تو عمداً اور بھی تقصیر کریں گے
دیکھیں گے جب آتے مجھے آپ ایک ادا سے — ہو چیں بجبیں تکیہ بہ شمشیر[1] کریں گے
یہ نالۂ جانکاہ پُر از حسرت و درد، آہ — تاچند ترے دل میں نہ تاثیر کریں گے
چمکا ہے ترا رنگ جو نظارے سے اپنے — پوچھ اہلِ نظر سے کہ وہ تقریر[2] کریں گے
چندے جو بسر یوں ہوئے اوقات تو ہم یار — مکھڑے کو ترے عالمِ تصویر کریں گے

دل شاد رکھ، اِنشاؔ، متفکّر نہ ہو ہرگز
عقدے ترے حل حضرتِ شبّیر کریں گے

۳۶۲

آزردہ ہم سے تو ہی جواب، اے میاں! رہے — جی سے گئے جہاں سے گئے ہم کہاں رہے
اِس دل جلے کو ہجر میں، اے آتشِ فراق — ایسا ہی پھونکیو کہ نہ باقی نشاں رہے
راہِ جنوں کے طے کی نہیں تاب، ہمرہو — ہو جس کے جی میں جاؤ چلے، ہم تو یہاں رہے
یک جرعۂ شراب سے لب تشنہ ہم چلے — آباد، ساقیا! یہ ترا خان و ماں رہے

---

[1] تکیہ بہ شمشیر = تلوار پر ہاتھ ڈالنا۔

[2] تقریر کریں گے = مفصل بتائیں گے

صد حیف مجھ سے، اور تجھے یہ گماں رہے
کہنا ہے، تو یہ مجھ سے کہ چاہے ہے اور کو

خو کردہ گالیوں کے جو ہیں، اُن کو دیجیے
اِنشاؔ سے ایسی بات نہ، اے مہرباں! رہے

۳۶۳

مجھ سے فرمانے لگے اب قدر جانی آپ کی
بندہ کس قابل ہے، صاحب، مہربانی آپ کی

یوں کو دیکھا بھی نہیں اور اختلاط اوروں سے تھا
ہو گئی معلوم اِس میں قدر دانی آپ کی

سنتے ہی احوال میرا ہنس کے یوں بولا کہ بس
خوش نہیں آتی ہے مجھ کو یہ کہانی آپ کی*

اب جہاں چاہو سدھارو کچھ نہیں ہے غم یہاں
داغِ دل رکھتا ہوں سینے میں نشانی آپ کی

سیّد اِنشاؔ صاحب آتا رحم ہے مجھ کو کہ ہائے!
کٹتی ہے کس درد و غم میں نوجوانی آپ کی

۳۶۴

تڑپے ہے نبض کس قدر انگشت کے تلے
دیکھو اے طبیب، اپنی ہر انگشت کے تلے ق

گاہے عظیم و شاہق و گاہے سریع ہے[۱]
جنبش سے اِس کی رکھ خبر انگشت کے تلے

ہر تارِ چنگ ہے رگِ جانِ سماع و وجد
اے مطرب، اپنی کر نظر، انگشت کے تلے

کُل کُل جگر کو فکر نے یوں خون کر دیا
حل جس طرح ہو آبِ زر انگشت کے تلے

مُلّا نے فالنامہ دکھا کر کہا مجھے ق
اِن میں سے ایک نقش دھر انگشت کے تلے

رکھتے ہی اُس کے حرف پہ یک بار ہو گیا
نقشِ مراد، جلوہ گر انگشت کے تلے

ہر حرفِ سطرِ نامہ جانا نہ، اپنے ہے[۲]
سینے پہ، سر پہ، آنکھ پر انگشت کے تلے

---

* ق ۲ کا ورق اس شعر سے شروع ہوتا ہے۔

[۱] شاہق: اصطلاح طب میں ایسی نبض جو بلند ہو۔ عظیم جو طول و عرض اور عمق زیادہ رکھتی ہو۔ سریع وہ جو تیزی سے چل رہی ہو۔

[۲] یہ شعر ق میں نہیں ہے۔ ق ۲: "اپنے ہیں" ۔ ق ۲: "اتنے میں" مگر "اپنے ہے" صحیح معلوم ہوتا ہے۔

مُہرِ لفافہ، خانۂ شطرنج کی طرح، پہروں رکھوں ہوں سوچ کر انگشت کے تلے

اِنشاؔ، گھمنڈ زورِ یدُ اللہ سے یہ ہے
مل ڈالوں کوہِ قاف نرانگشت کے تلے

(۳۶۵)

خُمِ بغل بیچ نہاں، ہاتھ میں ہے جام لیے — ساقی آتا ہے چلا زور سرانجام[1] لیے
سیر کی اُن نے عجب جس نے کہ آتے ہی چڑھا — میکدے میں دو سہ قُرطِ[2] مئے گلفام لیے
گالیاں سیکڑوں دیں، یا تو جو دا لے ہم نے — محنتیں خوب سی کیں، خوب سے انعام لیے
ہمصفیرانِ چمن دیکھیے کیا ہوتا ہے — آج صیاد پھر آیا قفس و دام لیے
بوسہ ہائے رُخ و زلفِ صنمِ مہر جبیں — سیکڑوں ہم نے تو کل صبح سے تا شام لیے
بے خبر جلد ٹک، اے قافلہ سالارِ حرم، — کہ حریفوں نے وہ سب جامۂ احرام لیے

پختگی آج بھی اُس بات کی، اِنشاؔ، نہ ہوئی
گھر کو ہم آکے چلے پھر طمعِ خام لیے

(۳۶۶)

دیکھ انگیا میں اُن کی گوٹ لگی — دل کو پھر تازہ ایک چوٹ لگی
آ نسیمِ سحر، گلے میرے — کل خیاباں میں لوٹ پوٹ لگی
میں پکارا تو "پھوٹ[3]" کہہ بیٹھے — مجھ کو کیا پیاری اُن کی پھوٹ لگی

دیکھ اِنشاؔ کہ ایک حور نژاد
ہر گھڑی دُوں کو حق کی اوٹ لگی

---

[1] زور سرانجام لیے: بڑے ساز و سامان کے ساتھ۔

[2] قُرط = پانی کے حلق سے اُترنے کی آواز (مراد: گھونٹ)

[3] پھوٹ (دونوں مصرعوں میں مجہول واؤ سے) = تُف، تھڑی۔ لعنت۔

۳۶۷

رہتے ہیں بہ رنگِ بُو کوچے میں رگِ گل کے — لوٹیں ہیں بہاریں ہم، یوں سامنے بلبل کے
کس کس سے میں اب بجتوں ہیں میرے تو نالے پر — یوں پیچھے بلبل کے دوں قہقہے قلقل کے
آئینۂ عالم میں تمثالِ جمالِ حق — آدم ہی* نظر آیا، کہتے ہیں یہ ہم کھُل کے
یاں جام و صراحی سے اب دورِ تسلسل ہے — منکر حکما سب ہیں گو دور و تسلسل کے
واللہ نہ فقط ہم ہیں صورت ہی کے بس تیری — شوخی کے، تغافل کے، خال و خط و کاکل کے
جو تم نے کہا تھا شب سو صبح کو سب بھولے — بس اور تو کیا کہیے، صدقے میں تغافل کے

جمعیتِ[1] اجزا کا "کل" نام ہے اے انشا
ہر چند کہ جُز ہیں پر موجد ہیں ہمیں کُل کے

۳۶۸

کل وہ نگہ اچٹتی ہوئی یوں جو پڑ گئی — بے اختیار اُس سے مری آنکھ لڑ گئی
کس کس ادا سے ناک چڑھاتا ہے، دیکھیو — بے کل ہو ٹک جو نیند میں گردن اکڑ گئی
اُس شعلہ خو کی، برق نے دیکھی جو یہ چمک — کھا کر پچھاڑ گر کے، زمیں بیچ گڑ گئی
اٹھتی نہیں جو دل سے صدا آج "کیا ہوا"* — اِس ساعتِ فرنگ کی کیا کل بگڑ گئی؟
تابِ غمِ فراق کسے، صبر اُڑ گیا — بس اے ہجومِ یاس، کہ طاقت نبڑ گئی

کیا حرف[2]، ایک بات گر انشا سے سچ کہو
کچھ جھوٹ بولنے کی تمھیں خو ہی† پڑ گئی

---

[1] اس شعر میں عجیب فلسفیانہ نکتہ بیان کیا ہے مطلب یہ ہے کہ کل صرف جمعیتِ اجزا کا نام ہے اور ہم افراد اجزا ہیں لہٰذا ہمارے ہی اجتماع نے "کل" کو پیدا کیا۔

*: ق، ق ۲: "آدم ہی" — * ق ۲، ق ۳: "آہ کیا ہوا"۔

[2] کیا حرف = کیا مضایقہ۔

† ق، ق ۲: "خوسی"۔

۳۶۹

ایک چھوڑا نہ زندہ جاں تو نے ‌ ‌ ‌ ٹھور[۱] رکھا سبھوں کو، ہاں، تو نے

کیا کیا، آہِ ناتواں، تو نے ‌ ‌ ‌ آگ سی پھونک دی یہاں تو نے

بھلّے رے، یہ دماغ! سمجھا ہے ‌ ‌ ‌ آپ کو شاخِ زعفراں[۲] تو نے؟

آہ! اے برقِ عشق، پھونک دیا ‌ ‌ ‌ صبر کا میرے خان وماں تو نے

اے طپش، ننگ و نام کا چھوڑا ‌ ‌ ‌ نام کو بھی نہ کچھ نشاں تو نے

آفریں تجھ کو، اے دلِ بے صبر ‌ ‌ ‌ آ پھنسایا مجھے کہاں تو نے

ہائے! اے سیلِ گریہ، ڈھاے دیا ‌ ‌ ‌ صبر کا میرے خان وماں تو نے +

ضعفِ پیری مجھے دیا کن نے؟ ‌ ‌ ‌ اے جواں تو نے، اے جواں تو نے

مہربانی یہ کن نے فرمائی؟ ‌ ‌ ‌ تو نے، اے میرے مہرباں، تو نے

بات کے پوچھتے ہی دیں مجھ کو ‌ ‌ ‌ سیکڑوں آج گالیاں تو نے

قُرب کن نے دیا یہ اِنشا کو

اے مرے یارِ قدر داں، تو نے

۳۷۰

گالی سہی، ادا سہی، چینِ جبیں سہی ‌ ‌ ‌ یہ سب سہی، پر ایک نہیں کی نہیں سہی

مرنا مرا جو چاہے، تو لگ جا گلے سے ٹک ‌ ‌ ‌ اٹکا ہے دم مرا، یہ دمِ واپسیں سہی

گر نازنیں کے کہنے سے مانا بُرا ہو کچھ ‌ ‌ ‌ میری طرف کو دیکھیے⊕ میں نازنیں سہی

---

۱ ٹھور رکھنا۔ جانے نہ دینا۔ جان سے مار ڈالنا۔ قتل کر دینا۔

۲ شاخِ زعفران = کوئی انوکھی (نادر) چیز۔

+ ق ۳ میں یہ شعر نہیں ہے۔ ق ۲: "ڈھاہ دیا"۔

⊕ ل: "دیکھیو"۔

کچھ پڑ گیا ہے آنکھ میں، رونا کہے ہے تو — کیوں میں عبث کو بحثوں؟ یہی دلنشیں سہی*

آگے بڑھے جو جاتے ہو کیوں کون ہے یہاں؟ — جو بات ہم کو کہنی ہے تم سے یہیں سہی

منظور دوستی جو تمھیں ہے ہر ایک سے

اچھا تو کیا مضایقہ انشا سے کیں سہی

(۳۷۱)

بندگی اپنے تو جی سے ہم نے ٹھانی آپ کی — بندہ پرور، خیر آگے قدر دانی آپ کی

تھی جو وہ لاہی کی ٹوپی زعفرانی آپ کی — سو ہمارے پاس ہے اب تک نشانی آپ کی‡

دمبدم کہہ بیٹھنا "بس جاؤ اپنے اُن کے پاس" — کیوں نہیں جاتی یہ اب تک بدگمانی آپ کی

کیا کہوں مارے خوشی کے حال میرا کیا ہوا — آمد آمد جوں ہوئی کل ناگہانی آپ کی

ہر کسی سے آج وعدہ کچھ، ابھی خالی نہیں — یہ دھڑی مسّی کی ہونٹوں پر جمانی آپ کی

ہم نے سو راتیں جگائیں تب ہوا یہ اتفاق — سو اسی دن کو دھری تھی نیند آنی آپ کی

میرے حق میں اب جو یہ ارشاد فرمایا کہ ہے — ق — خوب یاں منقوش خاطر جانفشانی آپ کی

لے کے میں اوڑھوں بچھاؤں یا لپیٹوں کیا کروں — روکھی پھیکی ایسی سوکھی مہربانی آپ کی

کیوں نہ عشق اللہ بولوں حضرتِ دل آپ کو؟ — پیشواؤں نے بھی اپنے آن مانی آپ کی

دید کر ڈالا بس اُس نے عالمِ لاہوت سب — جس نے لگدؔی بنگ کی صافی میں چھانی آپ کی

اپنی آنکھوں میں پڑی پھرتی ہے اب تک روز و شب — عرش پر داتا دہی صورت دکھانی آپ کی

اے جنوں اُستاد جی، خم ٹھونک کر آجایئے — ہاں خلیفہ ہم بھی دیکھیں پہلوانی آپ کی

صدقے صدقے کیوں نہ ہو جاؤں بھلا غش کھا کے میں* — دیکھ گدرائی ہوئی اٹھتی جوانی آپ کی

---

*: ق ۳ میں یہ شعر نہیں ہے۔

‡ ق ۲: "تھی جو ۔۔۔ کرتی ۔۔۔۔۔ + اب تلک ہے پاس بندے کے نشانی آپ کی"

لہ لگدی یا لبھدی = کسی گیلی یا پسی ہوئی چیز کی گولی۔ یہاں بھنگ چھاننے کے بعد جو بھنگ صافی میں بچ رہی تھی۔

* ق، ق ۳ : "غش ہو کے میں"۔

سبزہ آغازی سو یہ کچھ اُس پہ آفت سادگی
تھرتھری اُس بات پر گردن ہلانی آپ کی

اپنی آنکھوں میں طراوت آگئی یک بارگی
دیکھ کر یہ لہلہی[1] پوشاک دھانی آپ کی

کیوں نہ لڑکے سب کہیں ہوّا تمھیں اے شیخ جیو ق
ہر جھبوڑے[2] کی سی صورت ہی ڈرانی آپ کی

گول پگڑی، نیلی لنگی، مونچھ منڈی، تکہ ریش
پھر وہ رومال اور وہ اُخ تھو ناسدانی آپ کی

دو گلابی لا کے ساقی نے کہا انشاؔ سے رات
زعفرانی میرا حصّہ ارغوانی آپ کی

۳۷۲

زلفِ پیچاں نے تری کھودی ہے رونق سانپ کی
مرہٹوں نے توڑ ڈالی اپنی بیرق[3] سانپ کی

بالِ اُس زلفِ بُریدہ کے گرے یوں وقتِ قطع
تیغ سے اڑ جائے جوں گردن معلّق سانپ کی

پیچ پیچے کے ترے حقّے پہ بولیں ہیں یہی
گر سُنے کوئی عجوبہ ہے یہ حق حق سانپ کی

مارِ آتشبازی اپنا دودِ دل ہے جس کے ساتھ
لہر سی اک جائے ہے تا چرخِ ازرق[4] سانپ کی

جا چہ سیماب پر کس نے بجائی جوگیا[5]
نکلی جو صورت پکڑ کر موجِ زیبق سانپ کی

ہے کشتوں کو مارِ دوزخ[+] سے ڈرامت واعظا
خود ترے شملے کی صورت ہے جھنتق[6] سانپ کی

مدرسے میں اہلِ صرف اس نحو سے کہتے تھے کل
زے دلام دفے سے ہے ترکیب مشتق سانپ کی

بیچ میں موذی کے سرتا ہاں ذرا بیچ کھیل[8] تو
آشنائی پر نہ جا اے مردِ احمق سانپ کی

---

[1] لہلہی = شوخ رنگ۔

[2] ن: "کہیں خواجہ تمھیں"۔ جھبورا = بھورا بد قطع ریچھ۔ [ق، ق ۲، ق ۳: جھبو جی" ق ۲: "یہ ڈرانی" ق ۳: "بھی ڈرانی"۔

[3] بیرق = جھنڈا۔ مرہٹوں کے جھنڈے پر سانپ کی صورت بنی ہوتی تھی۔

[4] ازرق = نیلا۔

[5] جوگیا۔ ایک راگنی ہے + زیبق۔ پارا۔

[6] جھنتق یا ہونق = ڈراونی بد قطع صورت۔

+ ق، ق ۳: بد نار دوزخ"

[8] بیچ کھیلنا = علیحدہ رہنا

کلبلاہٹ سی میں پاکر زیرِ مرفق[۵۱] سانپ کی ق
دب گئی چوٹی جو اُس کی میرے بازو کے تلے

بول اُٹھا کنڈلی سی کچھ یاں تھی تو الحق سانپ کی
اس قدر اُچھلا کہ وہ کافر بھی گھبرا کر دو ہیں

اُس کی کاکل کے تصوّر نے مدد کی وقتِ فکر
ورنہ انشاؔ یہ غزل تھی سخت مغلق سانپ کی

۲۷۳

لب پہ آئی ہوئی یہ جان پھرے
یار گر اِس طرف کو آن پھرے

چین کیا ہو ہمیں جب آٹھ پہر
اپنی آنکھوں میں وہ جوان پھرے

خونِ عاشق چٹا کہ ہے لازم
تیری تلوار پر یہ سان پھرے

ساقیا آج جامِ صہبا پر ق
کیوں نہ لہراتی اپنی جان پھرے

ہچکیاں لے ہے اس طرح بطِ مے
جس طرح کٹکری میں تان پھرے

یا تو وہ عہد تھے کہ ہم ہرگز ق
نہ پھریں گے اگر جہان پھرے

اِتنے اب روکھے ہو، معاذاللہ!
آپ سے شخص کی زبان پھرے!

روٹھ کر اُٹھ چلے تھے اِنشاؔ سے
بارے پھر ہو کے مہربان پھرے

۲۷۴

دو گھڑی دِن سے کہا میں نے کہ کیا ارشاد ہے
سُن کے بولے: اب ہوا کیا، بات تیری یاد ہے

آج تو کپڑے نہ بدلو، تم کو میری ہی قسم
آپ کا میلا کچیلا پن بھی کچھ بیداد ہے

جام پر اُنگلی بجائی[۵۲] میں، تو ساقی نے کہا
خود فراموشی سے اپنی بات آگے یاد ہے

---

۵۱ مرفق = کہنی۔

۵۲ جام پر اُنگلی بجانا = "انگشت برلبِ جام زدن" کا ترجمہ ہے، یعنی شراب انگنا [ق: "خود فراموشوں کو اپنی یاد" ق ۲: خود فراموشوں سے اپنی یاد]

میں جو اک کمخاب کی لایا نہالی* بولے آپ
تجھ سے کیا لیجے ارے تیری بھی کچھ بنیاد ہے؟

خاک پر مت پھینک اے ساقی یہ دُردِ تہ نشیں
چاٹ جاویں گے حریف اس کو یہ موکی گاد[1] ہے

خالِ پشت چشم پر اپنے وہ طفل انگشت رکھ
پوچھے ہے: آخون جی، یہ صاد ہے یا ضاد ہے؟

ہادی اللہ[2] مشرب و ملت سے کچھ مت پوچھیے
قید سے دونوں جہاں کی یہ فقیر آزاد ہے

مغبچے دو دیکھ کر کہنے لگا اک رند مست
الحذر اس سے کہ یہ شیطان کی اولاد ہے

قتل عالم کر چکا غمزہ، تو فرمانے لگے
کیا کیا تو نے ارے اے خانماں برباد ہے

وہ ہنٹے[3] رات کے دکھلا مجھے لو ہو لُہان
صبح وہ بولے ارے تو بھی بڑا جلّاد ہے

سُن کے اب اشعار میرے کہتے ہیں یہ اہلِ رشک
کوئی اس کو کیا کرے یہ تو خدا کی داد ہے

میں کہے دیتا ہوں انشا سے ذرا بچ کھیلیو
وہ بلا ہے، قہر ہے، آفت ہے، اک اُستاد ہے

۳۷۵

کیا چھیڑ ہے کہ پہلے دل صاف توڑ بیٹھے
پھر آپ ہو مؤدب ہاتھوں کو جوڑ بیٹھے

آواز سُن ہماری گھر سے جو تم نہ نکلے
دروازے سے تمھارے ہم سر کو پھوڑ بیٹھے

رہ جائے آبرو کیا اے ابر، یار، تیری
کوئی بھلا جو عاشق دامن نچوڑ بیٹھے

کی میں نے شب جو سہواً تعریف چاندنی کی
میری طرف سے اپنے وہ منہ کو موڑ بیٹھے+

آزادگی خوش آئی انشا کو جب سے، یارو
وہ سب کو چھوڑ بیٹھا سب اس کو چھوڑ بیٹھے

---

[1] گاد = تہ نشین چیز۔ تلچھٹ۔

[2] ہادی اللہ = آزاد فقیروں کی ایک اصطلاح

[3] ہنٹے = نشان جو ہاتھوں مارنے سے بن جائیں۔ [ق ۲ میں یہ شعر نہیں ہے]

* ق ۲: "لایا تہائی" (کذا)، ق ۳: "لایا نہالین ـ م : لایا تھا ٹوپی"

+ ق ۲ میں یہ شعر نہیں ہے۔

۲۷۶

دن ہجر کے اب اپنی تو طاقت نہیں بھرتی — کہتی ہے کہ ہیں یہ تو مصیبت نہیں بھرتی

وہ کون سا دن ہے کہ ترے حسن کے آگے ‡ — آب آئینۂ نور کی حیرت نہیں بھرتی

وعدہ تو کیا تم نے اجی مہر و وفا کا — پر دل کی طپش اِس کی شہادت نہیں بھرتی

ناخوش کوئی ہوتے ہیں ہم اُس آئینہ رو سے — ناخوب سہی اِس دل میں کدورت نہیں بھرتی

ساقی نہ ہو جب تک کہ فزایندۂ رونق — اے بادہ کشاں مجلسِ عشرت نہیں بھرتی

مجنوں تو چلا نجد کو اور حیف کہ لیلیٰ — اِک سانس بھی ٹھنڈی دمِ رخصت نہیں بھرتی

جب تک نہ غلامانِ علی کا ہو گذارا — رضوان پکارے ہے کہ جنت نہیں بھرتی

دو بوسوں پہ راضی نہ ہوا میں، تو وہ بولے — تیری تو کسی طرح سے نیت نہیں بھرتی ‡‡

اِس تازہ زمیں میں دمِ اُستادی اب اِنشا
واللہ † کسی شخص کی ہمت نہیں، بھرتی

۲۷۷

تر و تازہ دیکھ کے آپ کو یہ گلوں پہ اوس سی پڑ گئی — کہ نہ بخشی آج تو مجھ سے بھی وہ چمن میں بلبل اُجڑ گئی

نظر اپنی اُس سے جو لڑ گئی تو وہ چتون آنکھوں میں گڑ گئی — مژہ دل میں ایسی ہی اڑ گئی کہ جو بات تھی سو بگڑ گئی

دمِ صبح سیرِ چمن میں جا جو صبا نے نام ترا لیا — تو بہار بھیس میں گل کے آ وہیں کان اپنے پکڑ گئی

چلے آہ اگلوں کے قافلے رہے اب جنوں کے ہم اتّلے — پڑے اپنے پانوں میں آبلے تو بھلا ہوا کہ رہ بڑ گئی [1]

جو کہا کہ مرتے ہیں غش میں † ہم تو وہ دیں ہیں ایسی طرح سے دم — کہ نہ جھوٹ بول، نہ کھا قسم، تری سانس کب اکھڑ گئی۔

---

‡ ق: "دن تھا کہ"۔

‡‡ ق ۲ میں یہ شعر نہیں ہے۔ † ق، ق ۲: "اللہ"

[1] [ق: "اَرتلے"۔ ق ۲: "اڑتلے"، ق ۳: "ارلی" (کذا) ۔ ارتلا = مربّی، محافظ۔ اڑتلا = حفاظت، پناہ]

رہ بڑ گئی = بیکار کی دوڑ دھوپ سے بچے۔ † [ق ۲: "غش میں ہم" ق ۳: "عشق میں تو"۔]

گئے ہم جو اُن کے گلے لپٹ تو جھپٹ کے سینے سے بولے ہٹ
کروں صدقے ایسی جھپٹ کو ہٹ مری چھاتی جس سے اُدھڑ[1] گئی

مرے زانو پر سے ٹک جو سو تو یہ بولے چونک کے دور ہو
کروں صدقے ایسے میں تکیے کو مری گردن اس سے اکڑ گئی

یہ جو شب کو پھرتے ہو چور[2] ہو کوئی انشا تم بھی تو زور ہو
ابھی اُس گلی میں جو شور ہو تو یہ جانیے کہ پکڑ گئی

۳۷۸

اگر یہ ڈھب نہیں ملتا کہ اُس رخسار کو ملیے
تو کیا کیجے کفِ افسوس ہی ناچار کو ملیے

بہانہ نیند کا مت کیجے صاحب بس چلا بندہ
جمھائی لے نہ اپنی نرگسِ سرشار کو ملیے

کرے افشائے رازِ عشق تو جھٹ پٹ نکلوا کر
ابھی تلووں تلے اِس دیدۂ خونبار کو ملیے

ہمیں جب دیکھ کچھ وہ بڑبڑاتا ہو تو کہتے ہیں
جو ہاتھ آوے تو کیا اُس* لعل خوش گفتار کو ملیے

شب اُس کے جو گلے کا ہار تھا گر ہاتھ آجاوے
تو کس حسرت سے چھاتی سے ابھی اُس ہار کو ملیے

اگر وہ سونپ دے اپنے دوپٹے[3] کا اُلٹنا تو
مزہ سے چپکے چپکے کیا کفِ دلدار کو ملیے†

یہ سامنے خم ٹھوک کے در جش کیا کر لیوے‡
کریاں ڈھے پڑیے تو چھاتی تلے دو چار کو ملیے

چھٹی کا دودھ[4] منہ سے ایک چلو بھر نکل آوے
ابھی جو ٹک بھی تیرے لعل شکر بار کو ملیے

بس اب اے حضرتِ عشق آپ ستِ ظلم سے ہر ہر
نہ ساری رات انشا کے دلِ بیمار کو ملیے

---

[1] اُدھڑ گئی = کھال زخمی ہو گئی۔

[2] چور ہو یعنی چوروں کی طرح + زور ہو = بڑے غضب کے آدمی ہو + پکڑ گئی = یعنی چوری پکڑی گئی

[3] دوپٹے کا الٹنا = یعنی دوپٹہ چننا۔

[4] چھٹی کا دودھ منہ سے نکلنا۔ بچپن اور نو عمری مراد ہے۔

* سب نسخوں میں: "اوس"۔

† قلمی نسخوں میں اس شعر کا متن درست نہیں۔

‡ ق ۳ میں اس طرح ہے۔ ق، ق ۲: "درزش گیر گر ہے تو"۔ م: "ورجس گیر گر ہے تو"

۳۷۹

غیر کی لی جو ران میں چٹکی
تم نے لی میری جان میں چٹکی

گالیاں سن کے جی میں آتا ہے
لیجے تیری زبان میں چٹکی

جس جگہ لینے سے تو چونک پڑے
لیجے ایسے مکان میں چٹکی

بات سُن" کہہ کے اُس کی ٹکھیلی
لیتی ہے گُل کے کان میں چٹکی

لے نہ اے عشق ہر دم انشاؔ کے
اِس دلِ ناتواں میں چٹکی

۳۸۰

گلی سے تیری جو ٹک ہو کے آدمی نکلے
تو اُس کے سایے سے جھٹ بن کے اک پری نکلے

خیال میں ترے چہرے کے مرگیا ہو جو شخص
تو اس کی خاک سے سونے کی آرسی نکلے

بعید شان سے عاشق کی آہ بھرنی تھی
ولے وہ کیا کرے جب اُس کی جان ہی نکلے*

کسی کے ہوش کو کہہ دو اگر چلا چاہے
تو اپنے گھر سے کمر باندھ کر ابھی نکلے

نشانِ آہ لیے چھاپہ چھاپہ تاروں کی
چلے گی فوج سرشک آج چاندنی نکلے

کجی طبیعتِ کج فہم سے ہو تب منفک
کسی دوا سے دُمِ سگ کی گر کجی نکلے

ہزار شکر کہ انشاؔ کسی کی محفل میں
خفا سے آئے تھے پر ہو ہنسی خوشی نکلے

۳۸۱

اُن کے دو مجھ سے کبوتر کے جو جوڑے اُڑ گئے
تو یہ بولے کہ کیا کیا ؟ ہے ہے نگوڑے اُڑ گئے

نیلے ڈورے[1] توڑ بھی ڈال اپنے دونوں پاؤں کے
کیا بھلا موئے کڑے سونے کے توڑے اُڑ گئے

---

[1] نیلے ڈورے دفع نظر بد کے لیے ڈالے جاتے ہیں۔ یا پاؤں خالی نہ رہنے کے واسطے بھی باندھتے ہیں [ق ۳ : "کیا ہوا" اور سب نسخوں میں: "کیا بلا"] * ق ۲ میں یہ شعر نہیں ہے۔

یہ بگولا وادیِ مجنوں سے آیا تھا مگر
جوں خس و خاشاک جس سے جی کے سوٹلے اُڑ گئے

پاپیادہ کب سواروں ساتھ پہونچے گا، دلا
باتیں کرتے تھے ہَوا سے[1] اُن کے گھوڑے اُڑ گئے

کوئی اِتنا بھی نہیں، پھبتی کہے جو آپ پر
کیوں مقطع شیخ جی کیا سب ہنسوڑے اُڑ گئے

مُنہ بنائے آج کیوں بیٹھے ہو لڑکو صم و بکم[2]
کیا لڑانے کو جو پھر سے لعل چھوڑے اُڑ گئے

اپنے ہاتھوں سے مُھڑ اِمہندی جو مل دی اُن نے رات
تو مرے سینے کے اِنشاؔ سب دودوٹے اُڑ گئے

۳۸۲

ساقیا آئے ہیں بادل یہ بڑے پانی کے
جلد بھر مے سے جو خالی ہیں گھڑے پانی کے

نام اشکوں کا مرے لے جو کہیں، سیل ہو بند
کہ بہانے کو یہ طوفاں ہیں اڑے پانی کے

غور کر دیکھو، تو شبنم کو بروے سبزہ
کس نے موتی یہ بنا اُس پہ جڑے پانی کے

شعلہ خو کون نہایا کہ نظر آئے حباب
کچھ پھپھولے سے وہ چھاتی پہ پڑے پانی کے

غش ہوا دیکھ کے میں تجھ کو کل ایسا ہی کہ بس
چھینٹے لوگوں نے مرے مُنہ پہ جَھڑے پانی کے

ہم کوئی کالی بھرے پانی سے کرتے ہیں وضو؟
شیخ گاہک ہو تمھیں ایسے سڑے پانی کے*

چھٹتے ہی پانوؤں سے تیرے نہ ملے دریا میں
ایسے مشتاق تھے گویا کہ کڑے، پانی کے

ہاے کس ڈول سے اُف اس نے نہانے میں کیا
کہیں کنکر وہ جو تلوے میں گڑے پانی کے

صبح کس روپ سے لی اُس نے پھریری اِنشاؔ
کچھ درختوں میں سے قطرے جو جھڑے پانی کے

---

[1] ہوا سے باتیں کرنا = بہت تیز جانا۔

[2] صمٌ بکمٌ بیٹھنا: یعنی چپکے بیٹھنا + کہا جاتا ہے کہ لعل جب بولتا ہے تو گویا صُم بُکم پڑھتا ہے۔ اسی وجہ سے لعل اور صُم بکمٌ میں ضلع ہے۔

* ق ۲، ق ۳ میں یہ شعر نہیں ہے۔

۳۸۳

کب تک کرے دودِ آہ کا تاثیر کی بھرتی — ہے سب بمندِ ابر میں خوگیر* کی بھرتی

روتے ترے دیوانے تو سو نعرۂ ہو حق — ہر ایک کڑی خانۂ زنجیر کی بھرتی

چڑھ بیٹھتے دل پر جو کسی سوختہ جاں کے — تو راکھ میں دھار آپ کی شمشیر کی بھرتی

خاکِ قدمِ خضرِ جنوں رکھتی تو اُلفت — مشکیں وہ کئی آج تک اکسیر کی بھرتی

نقاشِ خیال اپنے مرقع میں کیے جا — اُس شاہدِ اعلیٰ کی تصاویر کی بھرتی+

لوہو میں مرے گو ترا پیکان تو ڈوبا — پر کاش کے پرگیری[۱] بھی کچھ تیر کی بھرتی

وحشت جو ہوئی معتقدِ انشا کی، تو ہرگز
چوکی نہیں مجنوں[۲] سے بڑے پیر کی بھرتی

۳۸۴

کیوں دعا اپنی نہ ہو بابِ ظفر کی کنجی — گریہ ہے قفلِ درِ گنجِ اثر کی کنجی

عرش کے کیوں نہ کواڑ آہ سے اپنی کھل جائیں — کہ یہ بے شبہہ اجابت کے ہر در کی کنجی

قفل درہائے فلک کھولنے کو مجھ کو دی — عشق نے حضرتِ جبریل کے پر کی کنجی

قفلِ دروازہ پر اپنے تو نہ بھول اے عیار — ہے مری جیب میں زنبیل عمرو کی کنجی

بہ بھی قسمت، نہ کھلا قفلِ در اور بہتیری — اس نے شب دیر تلک زیر و زبر کی کنجی

مُنہ لگاتے ہی کھلا قفلِ دربستۂ دل — تھی زباں تیری بھی کچھ زورِ ہنر کی کنجی

بند شلوار ہی اک قہر تھا تیرا، اُس پر — اُف ہے چھوٹی سی لٹکتی ہوئی زر کی کنجی

طول سے اشک کے کیوں ہے نہ چلیں لختِ جگر — قصرِ یاقوت کو لازم ہے گہر کی کنجی

---

[۱] پرگیری = تیر کا پیچھے کا حصہ، پیکان کے مقابلے میں۔

[۲] "مجنوں سے بڑے پیر" = مجنوں کے ایسے کامل۔ "چوکی بھرنا" = اظہارِ عقیدت کے لیے نیاز دلوانا۔

+ سب نسخوں میں: "اُس شاہدِ اصلی"۔ * (خوگیر یا نمدزین) وہ گدی جو گھوڑے کی پیٹھ پر پسینہ جذب کرنے کے لیے رکھی جاتی ہے۔ خوگیر کی بھرتی = نکمی اور بیکار چیزیں۔

قفلِ ابجد ہے ترے شیش محل میں جو لگا — اُس کو درکار ہے بس میری نظر* کی کنجی

کیوں نہ ہر مصرعِ پُر در دُرلا دے کہ شرار — اُس سے گرتے ہیں، سو گویا کہ ہیں زر کی کنجی

کج و واکج جو بہم حرفوں میں گُندھ آتے ہیں — بنتے ہیں قفل درِ دیدۂ تر کی کنجی

کھول انشا کے لیے قفل درِ بستۂ عیش

یا علی ہاتھ میں لے تیغِ دو سر کی کنجی

۳۸۵

واقف جو ہم نہیں ہیں اِس بزم میں کسی سے — ہیں کیا غریب بیٹھے چپ چاپ اجنبی سے

کہتے ہو "نیند آئی" ہاں کیوں نہ سونے دوں گا — صد گرم، اے لو! ایسے کیا خوب جی ابھی سے!

مشکل کشا علی کی سوگند کھا نہ جھوٹی — واقف تو کیا ہے حضرت مشکل کشا علی سے

کیا مُنہ بنا رہے ہو اللہ ری رکاوٹ! — ق گویا کہ آشنائی گاہے نہ تھی، ہنسی سے

لو ہاتھ جوڑتا ہوں بس کیجے جرم بخشی — تقصیر بھی تو، یعنی، ہوتی ہے آدمی سے

دل کی بھڑک نے مجھ کو گھبرا دیا، عزیزو — اس کو نکال ڈالو اک تیز سی چھری سے

کیوں کر جھڑیں نہ موتی دامن سے بادلوں کے — باندھا نہیں ہے† محکم بجلی کی اوڑھنی سے

تجھ بن ہو کس کو واللہ اس باغ اُجڑ گئے میں — ہیں سب درخت لپٹے گوتا ش او رزری سے

یوں آہ سے ہوئی یاں دل کی طپش کی حالت — جیسے کوئی اُڑا دے بارود جاگی[۱] سے

اے اُس کے صدقے جاؤں جن نے یہ مجھ کو لکھا — جی* لوٹتا ہے، پر ہیں مجبور بے بسی سے

تو زور کچھ ہے انشا، اللہ تجھ کو رکھے

مسرور و شاد و فرحاں ہر دم ہنسی خوشی سے

---

[۱] "جاگی" پرانے زمانے کی بندوقوں میں اُس پیالی نما جگہ کو کہتے تھے جس میں بارود رکھی جاتی تھی۔

*ق: "مد نظر" - ق ۲ میں یہ شعر نہیں ہے۔

† ق ۱، ۲ میں ابیات ۷، ۸، ۹، ۱۰ نہیں ہیں - ق ۳: "باندھا ادھیں"۔

* ق ۳: "جی لوٹتا"۔

۳۸۶

کیا قہر آگیا جو او بے وفا کبھا تو | رُکتے ہیں آپ ناحق کیوں حرف و اجبی سے
کیا قحط خوبرویاں عالم میں پڑگیا ہے | گٹھ جاویں گے ابھی ہم اِک اور ہی پری سے
حالت ہر اور ہی کچھ مارے مزے کے اس دم | ڈہکا[1] نہ ہائے اپنے منہ کی مجھے ڈلی سے
مہندی کی ٹٹیوں کی ہر آڑ سخت بیلی ق | اور خوں ٹپک رہا ہر لالے کی ہر کلی سے
اُس بات کے لیے ہیں چنپا کے جھاڑ خاصے | ستھرے مزے مزے کے پاکیزہ اچھے جی سے
پھولوں کی سیج پر تو، واں چاندنی میں سویا | اور رات ہم نے کاٹی یاں سخت بیکلی سے

کیا دخل اور ڈھب سے دیکھے جو تجھ کو اِنشا
مت رکھ گمانِ فاسد اُس مردِ متقی سے

۳۸۷

اُف اِس طپش سے بن بن یہ تن کب تلک پسیجے | اے کاش ابر آوے، یارب فلک پسیجے
تو چشم گریہ اُس سے اے دودِ آہ مت رکھ | کیا دخل ہر کہیں جو اُس کی پلک پسیجے
اے چشم کر تصدّق دُر ہائے اشکِ حسرت | تا دیکھ دل کچھ اُس کا اُن کی ڈلک[2] پسیجے
جاڑے میں ہم اکیلے کیا ہی سکڑ رہے تھے | پر دیکھی اُس پری کی جو ہیں جھلک، پسیجے[3]

پرواز کر سکے کیا کوئی حضور اِنشا
گر اُس سے[+] اُڑ چلے تو بالِ ملک پسیجے[4]

---

[1] ڈہکانا = کوئی چیز دکھانا اور نہ دینا۔ ہر وقت اُمید میں رکھنا۔

[2] موتی کی ڈلک = موتی کی آبداری۔

[3] پسیجے = گرم ہوے۔ طبیعت میں اُمنگ پیدا ہوئی۔

[4] یعنی فرشتے کے بازو کو پسینا آجائے اور مقابلہ نہ کر سکے۔

[+] ق، ق ۲: "ساتھ اوس کے"۔

۳۸۸

مجنوں پہنچ شباب کہ آفت میں قوم ہے　　لیلیٰ کو آج، کہتے ہیں، حُمّاے یوم* ہے
صدقے تمھارے اے رمضان المبارک آہ　　کہتے تھے وہ بھی کل کہ مجھے آج صوم ہے
ہم خوابِ شیخ جی کی نہ کیوں اونگتی رہے　　جوں موت اخ نوم ہے‡ یہ اُخت نوم ہے
آغا وہ ہیں جو تازہ ولایت، سورات کو　　مطرب کو ڈوم کہتے ہیں، بولے کہ دوم ہے

انشا جو گا رہے ہیں ملامت گراں سو واہ
ہم لوم اُس کو سمجھے تھے، سو وہ تو توم[ع۵] ہے

۳۸۹

لے نشہ میں تجھے جب یوں قدح بنگ اُڑے　　تو نہ کیوں سبز پری بن کے مرا رنگ اُڑے
نامۂ شوق کے پہونچانے کو چاہے ہے کہ یہ　　بن کے اِک# شکل کبوتر نفسِ تنگ اُڑے
اپنے کوٹھے پہ یہی شب کو کھوں ہوں اے کاش　　یوں مری نیند اُڑے وہ وں کو تری چنگ[۱] اُڑے
میں نے کل نعرہ ہو باغ میں ایسا ہی کیا　　کہ نہیب اُس کی سے سب مرغِ خوش آہنگ اُڑے
ساقیا بنگ میں افیون ملا، اُس میں شراب　　تاکہ نشہ کا مرے نیلۂ[۲] سرجنگ اُڑے
لے گئی مجھ کو جہاں عرش نما[ع۵] اے جبریلؑ　　حضرتِ خضر کے واں ہوش ہو چت بھنگ اُڑے

۱؎ چنگ = ایک قسم کا پتنگ جو اِس زمانے کے کنکوے سے مختلف ہوتا تھا اور نخ پر اڑایا جاتا تھا۔ [ق ۳: تیر اخنک اڑے"]
۲؎ نیلۂ سرجنگ = ایک خاص رنگ کا گھوڑا ‡ ق : " اخ نوم سوتہ ہے" ق ۲ : "جیوں آج موت نوم ہے" ق ۳: "جوں موت نوم ہے"
ق ۲: "پیک ہو"

ع۵ توم - ترانے کا پہلا بول - [* ق : "حما وم" - ق ۲: " حاء یوم" - ق ۳ : "ہمسایہ یوم" - "حمیٰ یعنی تپ کو اطبّا نے تین بنیادی قسموں پر تقسیم کیا ہے - حُمّاے دق، حماے یوم اور حماے عفن - حُمّاے یوم صرف ایک دن یا دو چار دن رہتی ہے اور اعضا یا اخلاط سے متعلق نہیں اور عموماً غم و غصہ یا خوشی اور فرحت وغیرہ سے پیدا ہوتی ہے -]

ع۵ عرش نما - یعنی فلک سیر - چت بھنگ - پراگندہ پریشان اور حواس باختہ -

گرد میری کو نہ پہونچے کبھی حاسد، ہر چند — جوگی جے پال[1] بنے سیکڑوں فرسنگ اُڑے

تھاہ اور دون[2] میں نالے مَیں بھروں تو مطرب — ابھی گرڈپنکھ[3] ہو قانون و نے وچنگ اُڑے

کہوں "یا حیّ" جو مخدوم[4] جہاں گشت نمط — تو کبھی سنگ پہ بیٹھا ہوں تو وہ سنگ اُڑے

گرچہ وہ پارے کا گٹکا[5] تو نہ تھا جوگی جی رات — پر تنک اک سادہ کے دم ہم بھی لبِ گنگ اُڑے

شرم اور ننگ کے مارے نہ گیا میں اُس پاس — شرم غارت ہو الٰہی یہ کہیں ننگ اُڑے

"اُڑ گئیے[6] دور ہو، چل" کہہ کے مجھے بول اُٹھے — نہ رہے، تو تو نہ اُڑے پر یہ ترا ڈھنگ اُڑے

طرز نالیدنِ انشاؔ جو اُڑائی تو وہیں
طائرِ سدرہ بہم کرتے ہوئے جنگ اُڑے

٣٩٠

مل خونِ جگر میرا ہاتھوں سے حنا سمجھے — میں اور تو کیا کوسوں پر تم سے خدا سمجھے

سمجھانے کی جو باتیں کیں میں نے دلا تجھ سے — اے عقل کے دشمن سو تیری تو بلا سمجھے

دل میں مرے چٹکی لی ایسی ہی کہ درد اُٹھا — معقول، چہ خوش، اے واہ، آپ اس کو ادا سمجھے

اے بولہبِ[7] نخوت سیّد ہیں اگر سچ مچ — تو آج سے صاحب کو ہم اپنا چچا سمجھے

صاحب نے نہ کی یاری وحشت سی پری سے تو — اے شیخ جنوں، تم کو ہم خوابہ سرا سمجھے

ہنگامۂ محشر بھی گر سامنے آیا تو — اُس کو بھی تماشائی اِک سانگ نیا سمجھے

---

[1] جوگی جے پال = ایک فرضی جوگی کا نام جو مشہور ہے کہ ہوا میں اُڑا کرتا تھا۔

[2] تھاہ اور دون = موسیقی کی اصطلاحیں ہیں۔ قانون وچنگ و نے مختلف باجوں کے نام۔

[3] گرڈپنکھ = ایک فرضی پرند کا نام۔

[4] مخدوم جہانیاں جہاں گشت = ایک بہت بڑے بزرگ تھے جنھوں نے بہت سفر کیا تھا۔

[5] پارے کا گٹکا = مشہور ہے کہ جوگی منہ میں پارے کا گٹکا رکھ کر اُڑتے تھے یا نظر سے غائب ہو جاتے تھے۔

[6] اُڑ گئیے = عورتوں کا کوسنا۔

[7] بولہب نخوت = مغرور آدمی کو بولہب کہا ہے۔ ابولہب آنحضرت کا چچا تھا اس کے متعلق سورۃ تبت یدا نازل ہوئی۔ چچا اور بولہب میں ضلع ہے۔

وہ دشتِ محبت میں رکھے قدم اے انشا
سر اپنے کو آگے ہی جو تن سے جدا سمجھے

۳۹۱

پری وہ جو ٹک ہو خفا رُک گئی
تو چلنے سے ٹھنڈی ہوا رُک گئی

کسی کو جو یاد آئی چوری کی رات
وہ دیکھ اپنی دزدِ حنا رُک گئی

بھری سانس ٹھنڈی یہ کس شخص نے
کہ برق اُس سے کرنے کو تا[۵۱] رُک گئی

تجلی جو وہ طورِ سینا پہ تھی
سو موسیٰ کا لے کر عصا رُک گئی

نسیمِ سحر تھی جو پھیلی ہوئی
سمٹ کر وہ سب جا بجا رُک گئی

ترے وصف کا کل میں انشا نے رات
وہ چھیڑی[۵۲] کہ بادِ صبا رُک گئی

۳۹۲

کیوں نہ وہ پردہ نشیں پھر مجھے سمرن[۵۳] مارے
میں نے تھئے پھول کی جانبِ چلون مارے

یہ غضب ہے نہ بھلا ہم سے کہے جب کچھ بات
آنکھ تب غیر سے[۵۴] تو اے بُتِ پُرفن مارے

اِس گھڑی کچھ تو لگاوٹ کی بھی ٹھہرے اے کاش
وہ مرے مُنہ پہ اگر گوشۂ دامن مارے

آتشِ طور کی کل دُھن میں کئی نعرۂ گرم
میں نے کر مُنہ طرفِ وادیِ ایمن مارے

شیر کی کھال بچھا اور ملے تن سے بھبھوت
ق گاہ جوگی کی طرح رہتے ہیں آسن مارے

حبس دم کرکے کبھی ہوتے ہیں اونچے تو بس
چرخِ چارم پہ چلے جاتے ہیں ہم من مارے

---

۵۱ تا کرنا = چہرہ کسی کو دکھا کر چھپا لینا۔

۵۲ وہ چھیڑی = ایسی تعریف شروع کی [ق، ق ۲: "یہ چھیڑی....."]

۵۳ سُمرن = گندھے ہوئے موتی جو ہاتھوں میں پہنے جاتے ہیں۔

۵۴ آنکھ مارنا = یہاں دھوکا دینے یا بیوقوف بنانے کا اشارہ ہے۔

حال دل کا تری فرقت میں یہ پہونچا ہے آہ — دست دیا جیسے کہ کوئی دمِ مردن مارے
چھیڑ تو دیکھو مسی مانگیے اُس سے تو وہ شوخ — تاک کر ہونٹوں پہ میرے گلِ سوسن مارے
فضل حیدر سے جہاں میں ہوں مَیں وہ رُوئیں تن — ق — کہ کبھی کھینچ کے گر تیغ بھی دشمن مارے
تو مجھے کچھ نہ ہو معلوم مگر اتنا کچھ — چھڑی پھولوں کی کوئی جیسے کہ سمدھن[1] مارے
جس نے کل میری تسلّی کو یہ کہلا بھیجا — ق — کیوں نہ اُس شوخ کا پھر مجھ کو لڑکپن مارے
یعنی خط لکھوں تو آپا کہے آ تو سے وہ دو — چٹکلے منہ پر مرے مجھ سے ہو بدظن مارے
اور جھانکوں تو کہے دیدہ ہوائی[2] ہے ترا — طعنے اِس ڈول سے پھر دیدۂ روزن مارے
تیری گردن کے جو ڈورے[3] کو اکڑا جائے تو پھر — چشم خورشید میں عیسیٰ وہیں سوزن مارے
نہ فقط کعبہ میں زہّاد کیے اُس نے قتل — میکدے میں بھی تو لاکھوں ہی برہمن مارے
یہ جو بوڑھا سا ہے دربان تمھارا، اے کاش — کوئی چور آوے اور اُس کی کوئی گردن مارے
کل "لِاِیلٰفِ[4] قریشٍ" وہ لگا کرنے دم — پڑھ کئی ماش جو میں جانب روزن مارے
رشک کی جا ہے خوشا حالِ رہ افتادۂ عشق — جس کو اُس شوخ کے توسن کی وہ روندن مارے
نیلے نیلے ترے ہونٹوں کو کوئی چھوڑے ہے — وہ جو دندانِ طمع بر سرِ آہن مارے

کہہ بہ تبدیل قوافی غزل انشا اک اور
چہچہے سُن کے جسے، بلبلِ گلشن مارے

۲۹۳

جس پہ اِک لونگ وہ پڑھ کر بُتِ کاہن مارے — بھوت ہو، رات لگے جن ہو، اُسے دِن مارے
اپنی تسبیح جسے پھینک وہ کاہن مارے — ایک سو ایک نہ کیوں نعرے وہ گن گن مارنے*

[1] شادی بیاہ میں سمدھنیں ایک دوسرے پر پھولوں کی چھڑیاں مارتی ہیں۔ جن سے کچھ چوٹ نہیں لگتی۔

[2] دیدہ ہوائی ہونا = شوخ چشم و بے حیا ہونا۔

[3] گردن کا ڈورا = گردن کی لچک۔

[4] پڑھے ماش مارنا یعنی جادو کرنا۔ سورۃ لایلاف اس کے دفع کے لیے ہے۔ * یہ شعر ۱۳ دیمطبوعہ نسخوں میں نہیں ہے۔

میں تو چھیڑا نہ چھوا ہاتھ لگایا ہی نہیں
تو یہ دھاڑ آپ مچاتے ہیں عبث بِن مارے

پانزدہ سالگی اک آفتِ جاں ہے، ظالم
جان عاشق کی بھلا کیوں نہ ترا سِن مارے

اس قدر ہٹ نہ کر، اے طفل سرشک، او بدبخت
پاؤں شوخی میں نہ دھر، ہٹ، تجھے ڈائن مارے

مغلا بیگ جو عاشق ہیں کہاں پاویں زر
زر ہو اُس پاس جو پارے کی رسائن[1] مارے

اور یہی قافیوں میں پڑھ غزل انشا وہ پری[2]
جس کے بس پڑھتے ہی جنگھاڑ بڑا جن مارے

۳۹۴

کیوں نہ پھر اُس کی لگاوٹ کی مجھے دُھن مارے
جس پہ میں ایک ڈلی پھینکوں وہ سو بُن[3] مارے

قہر آوے نہ بھلا ہووے جو بے پردہ وہ شوخ
جس کی چلون ہی سے پازیب کی چھن چھن مارے

ق
پھول بکھرا دیے گجرے کے جو شب میں نے توڑ
تو وہ سب اُس نے مرے سینے پہ چن چن مارے

پھر کہا غصے ہو کیا اور تو کوسوں، پہ بس تجھے
یہی اللہ کرے، ہر جو ترا گُن، مارے

اے فلک خوب سمجھتا ہوں تجھے میں تو نے
کیسے کیسے نہ ارے، اہلِ تفرعن مارے #

سیر کیا خاک نظر آوے جب اُس بِن اپنی
تیر سا آنکھوں میں ہر غنچۂ گلبن مارے

کاش اس تاش کی دلمیاں کے بدلے انشا
وہ پھر آ کر مجھے اِک سنگِ فلاخن مارے

---

[1] پارے کی رسائن: پارے کا کشتہ۔

[2] وہ پری یعنی ایسی خوبصورت [یہاں غزل کی صفت]

[3] بُن = دانۂ قہوہ۔ [ق ۳: ''ہن'']

† ق، ق ۲: ''کا'' ۔ ق ۲: ''کو'' ۔ مطبوعہ ''کی''

‡ ق ۲: ''سنتے''۔

§ ق ۳: ''تیرے سر ہی پہ''

یہ شعر ق ۳ اور مطبوعہ میں نہیں ہے۔

۳۹۵

دیکھ اُس کی پڑی خاتم یاقوت میں اُنگلی
ہاروت[۱] نے کی دیدۂ ماروت میں اُنگلی

ہلتی ہے مُصلّی کی تشہّد[۲] میں، سوا الحق
ہے وہ دہن عابدِ طاغوت[۳] میں اُنگلی

گھستی ہے مری آہ فلک میں تو کہوں ہوں
یوں ڈالتے ہیں بنبۂ مسکوت میں اُنگلی

آلودہ ہوئی نور سے جس وقت کہ ڈوبی
جرّاح کی خونِ دلِ مبہوت میں اُنگلی

کشتے نے ترے تھی جو شہادت کی اُٹھائی
سو وہں ہی کھڑی رہ گئی تابوت میں اُنگلی

ہے یوں تری بنصر[۴] پہ حنا جیسے کہ تر ہو
داؤد کی خونِ سرِ جالوت میں اُنگلی

ناسوت[۵] کے عالم میں پئے سیر ہم، اِنشا
کرتے ہیں شگافِ درِ لاہوت میں اُنگلی*

۳۹۶

تب سے[۶] عاشق ہیں ہم اے طفل پری وش تیرے†
جب سے مکتب میں تو کہتا تھا‡ الف بے تے ثے

یاد آتا ہے وہ حرفوں کا اُٹھانا اب تک
جیم کے پیٹ میں اک نقطہ ہے اور خالی حے§

---

[۱] ہاروت و ماروت = دو فرشتے جو مشہور ہے کہ چاہِ بابل میں قید ہیں۔

[۲] تشہد = نماز میں "التحیات" کا پڑھنا، جس میں کلمۂ شہادت پر اُنگلی اٹھا کر اشارہ کرتے ہیں کہ اللہ ایک ہے اور محمدؐ اس کے رسول اور بندے ہیں۔ اس اُنگلی کو شہادت کی اُنگلی کہتے ہیں

[۳] طاغوت = ایک بت کا نام + عابد طاغوت یعنی بے ایمان مکار عابد۔

[۴] بنصر = چھنگلیا کے پاس کی اُنگلی + جالوت۔ ایک کافر بادشاہ جس سے حضرت داؤد سے لڑائی ہوئی تھی اسکو حضرت داؤد نے قتل کیا تھا۔

[۵] عالم ناسوت = دنیا، عالم لاہوت = عالم ارواح

* ق ۲ میں یہ غزل نہیں ہے۔

[۶] یہ ایک نقطہ بند غزل ہے جس میں انشا نے پوری الف بے، ایک مذاق اور تمسخر کے ساتھ لکھی ہے۔

[† ق، ق ۲: "اے طفل پریزاد ترے"۔]

‡ ق ۲: "تو پڑھتا تھا"۔] § ق ۲: "نقطہ ہے، خالی ہے حے"۔

حے کی پرشکل جو اصل کی سی آتی ہو نظر — نقطہ اُس پر جو لگا خے ہوا، پروا ہ بے خے
دال کبڑی سی، وہ اماں کے مری قد کی شبیہ — ہو سو اک بانجھ ہو، بن بیٹے ہو اور بن نقطے ‖
ذال بھی چھوٹی بہن اُس کی ہو، جوں آتو جی — ایک پر کالا سا بیٹا بھی ہو گھر میں اُس کے
رے بھی خالی ہو اور زے پہ ہو وہ نقطہ ایک — کہ مشابہ ہو جو تل سے مرے رخسارے کے
سین خالی ہو بڑے شین پہ ہیں نقطے تین — صاد اور ضاد میں بس فرق ہو اک نقطے سے
طوے بن طرہ ہو، اور ظوے پر اک نقطہ ہو پھر — عین بے عیب ہو اور کانے میاں غین ہوئے
فے پہ اک نقطہ ہو اور قاف پہ ہیں دو نقطے — کاف بھی خالی ہو اور لام بھی خالی، یہ لے
میم بھی یوں ہی ہو اور نون کے اندر نقطہ — مفلسا بیگ ہو یہ واو بھی اور چھوٹی ہے
کیا، خلیفہ جی، یہ "ہو ہو" ہو یہیں٭٭ سے نکلی؟ — آگے چھٹی دو، اے لو لام الف، ہمزہ، یے

گالیاں تیری ہی سنتا ہو اب انشا ورنہ
کس کی طاقت ہو الف سے جو کہے اُس کو بے[1]

۳۹۷

پھبتی ترے مکھڑے پہ مجھے حور کی سوجھی — لا ہاتھ اِدھر دے[2] کہ بہت دور کی سوجھی
ٹک دیکھیے گا جُبّہ و عمامۂ زاہد — ہو اس پہ مجھے بلعم باعور[3] کی سوجھی
کیوں میں دلِ پُر آبلہ پر تاک نہ باندھوں — ہو اِس پہ مجھے خوشۂ انگور کی سوجھی
ہو شیخ سیہ چہرہ جو مجلس میں پھُدکتا — یاروں کو ہو یاں روئی کے لنگور کی سوجھی
واعظ جو پڑھا جن متنجر[4] ہو نہایت — اُس پر مجھے شیطاں کے مہین پور کی سوجھی

---

[1] الف سے بے کہنا = بُرے الفاظ منہ سے نکالنا -

[2] جب کوئی لطیفے کی بات کہی جاتی ہو جس پر ہنسی ہوتی ہو تو کہتے ہیں کہ ہاتھ لاؤ -

[3] بلعم باعور = دیکھو فٹ نوٹ گذشتہ ۔

‖ یہ شعر ق، ق ۲ میں ہو -

٭٭ ق : "یہ ہو ہو بھی یہیں" - ق ۲: "ہو ہو بھی یہیں"؛ ق ۳ = یہ ہی ہی نہیں -

[4] متنجر = مغرور + پور = بیٹا - [مہین پور = سب سے بڑا بیٹا]

ہاتھ اپنے سے جب چھٹ گئی اُس ڈنڈ کی مچھلی — تب اُس کے تڑپنے پہ سقنقور کی سوجھی
ہاں اے شفقِ صبح، تری دیکھ کے رنگت — شنجرف کی سوجھی، مجھے کافور کی سوجھی

جب پھول جھڑے نور کے اس آہ سے میری
اُس پر مجھے، انشاؔ، شجرِ طور کی سوجھی

۲۹۸

غنچۂ گل کی صبا[۱] گود بھری جاتی ہے — اک پری آتی ہے اور ایک پری جاتی ہے
کرلے دو چار قدم لالۂ خود رو کی بہار — ورنہ یہ کوہ سے، اے کبک دری، جاتی ہے
مُنہ تو دیکھو تری چوٹی کی جو پاوے بوباس — نکہتِ گل پڑی کانپے ہے، ڈری جاتی ہے
پہونچے بے پر کوئی اُس گل تلک، انشاؔ، کیا دخل — ق — بلبل اِس رشک تمنّا میں مری جاتی ہے

ہاں مگر بھیس میں مالن کے، محل تک اُس کے
کبھی جاتی ہے تو بادِ سحری جاتی ہے

۲۹۹

زمیں سے اُٹھی ہے یا چرخ پر سے اُتری ہے — یہ آگ عشق کی یارب کدھر سے اُتری ہے
اُترتی نجد میں کب تھی سواریِ لیلیٰ — ٹک آہِ قیس کے جذبِ اثر سے اُتری ہے
نہیں نسیمِ بہاری، یہ ہے پری کوئی — اڑن کھٹولے کو ٹھیرا، جو فر سے اُتری ہے
نہ جان اِس کو شبِ مہ، یہ چاندنی خانم — کمندِ نور پہ* اوجِ قمر سے اُتری ہے
چلو نہ دیکھیں تو، کہتے† ہیں دشتِ وحشت میں — جنوں کی فوج بڑے کرّوفر سے اُتری ہے
نہیں یہ عشق، تجلّی ہے حق تعالےٰ کی — جو راہِ زینۂ بامِ نظر سے اُتری ہے

---

[۱] دیکھو حاشیہ گذشتہ

* ق ۳: "کمند نور سے"۔

† ق، ق ۲، ق ۳: "چلو نہ دیکھیے کہتے"۔

لباسِ آہ میں* لکھنے کے واسطے انشا
قلم دوات تجھے عرش پر سے اُتری ہے

۴۰۰

یوں چلی مژگاں سے اشکِ خونفشاں کی میدنی — جیسے بہرائچ چلے بائے[ع] میاں کی میدنی
عاشقوں کے باغ دل میں شور شیں نالوں کی ہیں — مجتمع اس جا پہ ہے آہ و فغاں کی میدنی
لختِ دل مسعود غازی نیلی گھوڑی داغ ہے — جلوۂ انوار ہے کرّوبیاں کی میدنی
عاقبت ہر جزو کو ملنا ہے اپنے کُل کے ساتھ — پھر وہیں جاوے گی آخر ہر جہاں کی میدنی
دم مدار[1] آپہونچے کمنا دیو ہو حضرت جنوں — کانپ اٹھی جن کے آتے ہی جہاں کی میدنی
اے مکن پور[2] کی تمنا زور ہی کچھ شان سے — کھیلے ہے دھمال تیرے عاشقاں کی میدنی
ہاں بدیع[3] الدین اُلفت آتے ہیں خضر و مسیح — دیکھنے کو آپ کے دیو انگاں کی میدنی

رستمانہ دیکھ انشا کو قشونِ شاہ میں
لوگ کہتے ہیں کہ آئی سیستاں کی میدنی

۴۰۱

پگڑی[4] کسی سے جاوے نسیم اور صبا بندھے — مولا کرے کچھ اپنی بھی اب تو ہوا بندھے

---

* ق ۲: "مدکے"۔

[ع] بائے میاں = مشہور عرف حضرت سالار مسعود غازی جن کا عرس اور میلا ہر سال بہرائچ میں ہوا کرتا ہے۔

[1] دَم مدار = بائے میاں کی جھڑکے ساتھ لوگ بائے میاں دم مدار کہتے جاتے ہیں اتفاق سے اسی دن آندھی بھی آتی ہے مشہور ہے اسی آندھی کے ساتھ کمنا دیو بھی ہوتا ہے۔ کمنا دیو اور دم مدار میں ضلع ہے۔

[2] دھمال = کود پھاند جیسا کہ قلندر فقیر حالت وجد میں کرتے ہیں۔

[3] بدیع الدین اُلفت = کوئی شخص ہوں گے جن کے یہاں سے میدنی اُٹھی ہوگی۔

[4] ہوا بندھنا = زور رہنا۔ اثر ہونا۔

عاشق کو بوغ بند[1] میں باندھا شب اُس نے یوں — تہ ہو کے دستِ بقچہ میں جیسے قبا بندھے
یوں دودِ آہ کا مری گنبد بندھا ہے یاں — چھت جیسے ابرِ تیرہ کی تحت السما بندھے
ٹک عالم اے جنوں تو دکھا وہ کہ جس سے صاف — لاہوت کا سماں مری آنکھوں میں آ بندھے
سُرمہ گھلا کے آنکھوں میں نکلا نہ کیجیے — ایسا نہ ہو کہ آپ پہ کچھ توتیا[2] بندھے
قدرت خدا کی دیکھو کہ چوری تو ہم کریں — اور اُلٹے دستگیر ہو دزدِ حنا بندھے
الجھیڑے میں پھنسے تھے تری زلف کے سو؛ — اُلٹے ٹنگے، اسیر ہوئے، بارہا بندھے

انشاؔ صد آفریں ترے ذہنِ سلیم کو
مضمون زیادہ اس سے بھلا اور کیا بندھے

۴۰۲

کاش ابر کرے چادرِ مہتاب کی چوری — تا مجھ سے بھی ہو جامِ مے ناب کی چوری
ٹک تکیے پہ سر دھر کے رہے* سو تو لگائی — صاحب نے ہمیں مسندِ کمخواب کی چوری
سیماب کے آنسو وہ سدا روئے الٰہی — کی جس نے ہو میرے دلِ بیتاب کی چوری
وہ عشق+ کہ بیچ آنکھوں سے کاجل کو چرا لے — کس طرح نہ عاشق کے کرے خواب کی چوری
مجھ کو سرِ بازار گھسٹوا کے پکارے‡ — کی اِس لئے ہر کچھ خانۂ نواب کی چوری
جس نے کہ مرے چہرے سے آب آہ اڑالی — ثابت ہوئی اُس پر درِ نایاب کی چوری

شب سینہ جو دی داغ کے اِک چور نے انشاؔ
تو ہو گئی سب صبر کے اسباب کی چوری

---

[1] بوغ بند = بستر بند۔ ایک بڑا سا کپڑا جس میں بچھونا اور دیگر متفرق چیزیں باندھی جاویں + دستِ بقچہ: گٹھری جس میں پہننے کے کپڑے رکھتے ہیں۔

[2] توتیا بندھنا: الزام لگایا جانا [اصل میں لفظ عربی "توطئہ" ہے]

* ق ۲: "رہا"۔ + ق ۲: "وہ اشک"۔

‡ ق ۳: "نکالا"

۴۰۳

اُٹھتی ہے اپنے دل سے کچھ ایسی ہی ہوک سی — پڑ جاتی جس سے دشت میں ہے ایک کوک سی[1]

تصویریں دیکھ بولی بدیع الجمال[2] یوں — صورت نہیں کوئی[4] مرے سیف الملوک سی

تقصیر ہو معاف بھلا کیا غضب ہوا — گر آدمی سے ہوگئی ایک اک چوک سی

کالی بلا ہے کوئی نہیں ہے شبِ فراق — صورت حرام رکھتی ہے اک مادہ خوک سی

اِنشاؔ نے جو شفق کو سراہا تو بولے آپ
کمبخت کیا بلا ہے لہو کے ہلوک[3] سی

۴۰۴

اے چرخ نہ لکھ قیصر و خاقان پہ چِھٹّی — کر دے تو مرے شاہِ خُراسان پہ چِھٹّی[4]

ملکیّتِ صحرا تو مجھے بخشی ہے اے عشق — لکھ دے نہ تو پھر قیس سے دیوان پہ چِھٹّی

یہ خط نہیں، ہے خواہشِ بوسہ نے لگا دی — خوش ہو کے ترے سیبِ زنخدان پہ چِھٹّی

تنخواہ مری آپ پہ کچھ حُسن نے کی ہے — سبزہ نہیں ہے روے درخشان پہ چِھٹّی

چیچک کے نہیں داغ یہ مہریں ہیں یقیناً — ہے سبز پری کی یہی انسان پہ چِھٹّی

پروانے پہ پروانہ[5] ہے اور شُقّے پہ شُقّہ — فرمان پہ فرمان ہے، فرمان پہ چِھٹّی

دل بادلوں نے مانگی جو تنخواہ تو پھر برق — کرنے لگی تیرے لبِ خندان[*] پہ چِھٹّی

---

[1] کوک = بلند آواز۔

[2] بدیع الجمال اور سیف الملوک کسی قصّے کے ہیرو اور ہیروئن ہیں۔

[3] لہو کے ہلوک = خون کی قے۔

[4] م : "کوئی نہیں"۔

[4] چِھٹّی کرنا یا چِھٹّی لکھنا = کسی امیر آدمی سے روپیہ کی دہانید کرانا۔

[5] پروانہ = حکمنامہ + شقہ = وہ تحریر جو کوئی امیر اپنے کسی ماتحت کو لکھے

[*] ن : "و دندان"۔

یوں نہ میں مرے دل کی ہر اک داغ[†] کسی کا — قیمت کی لگی جوں ہو کسی تھان پہ چھٹی
لالا مرے دشمن ہیں، اجی، اُن پہ نہ کیجے — کر دیجے کسی مردِ مسلمان پہ چھٹی
حوریں مجھے کیوں کر نہ ملیں حکم علیؑ سے — جبریل نے کر دی مری رضوان پہ چھٹی
اِنشا کو معافی[۵۱] ہوئی ہر باغِ جناں کی
حاضر ہر یہ لیجے شہِ مرداں پہ چھٹی[‡]

(۴۰۵)

کسی پری کی ہنسی دل پر اپنے کچھ ٹھن جائے — تو پھر یہ ہنسیے کہ دیوارِ قہقہہ[۵۲] بن جائے
یہ پانو چاک نے پھیلائے ہیں کہ دستِ جنوں — قریب ہر کہ گریباں سے تا بدامن جائے
گرے ہر آج تو مہتاب[۵۳] چاند سے چھن کر — ہماری اور تمھاری بھی بات کچھ بن جائے
لپٹ نسیم گئی بوئے گل کی چھاتی سے — اِلٰہی، اپنا بھی روٹھا ہوا کہیں من جائے
کسی کو چاہنے سے اب تو دل دھڑکتا ہر — خدا نخواستہ سرکار کا یہ جوبن جائے
ہزار حیف کہ باغوں میں جا کے اب کے سال — ہم نہ جھول سکیں ہم تم اور ساون جائے
لگائے ماتھے پہ اک داغ تازہ کائی کا ق — گلے میں آہ کے زنارِ اشک کا بن جائے
پڑھے یہ راہ میں سکلا مبر دھرم پستک[*] — کہ ہندو دھرم ہر اک اس جھکائے گردن جائے
تو سوئے بت کدہ یوں جائے خواہشِ اِنشا
کہ جاپ تاپ[۵۴] کو جیسے کوئی برہمن جائے

---

[۵۱] معافی یعنی جاگیر + شہ مرداں سے حضرت علی مراد ہیں۔
[۵۲] جب کوئی زور سے ہنستا ہر تو کہتے ہیں کہ کیا تم نے دیوارِ قہقہہ دیکھی ہر۔
[۵۳] مہتاب = تابِ ماہ یعنی چاندنی۔
[†] ق: "یہ ہر داغ"۔ ق ۲: "ہر یہ"
[‡] ق ۳ میں مقطع نہیں ہر۔
[*] یہ شعر ق ۳ میں نہیں ہر۔ "سکلا مبر" سفید لباس والا۔ یعنی برہمن۔ "دھرم پستک" سے یہاں وشنو کی مذہبی کتاب مراد ہر۔
[۵۴] جاپ تاپ = برہمن کی پوجا۔

۴۰۶

یہ کس سے چاندنی میں ہم بزیرِ آسماں پلٹے | کہ باہم عرش پر مارے خوشی کے قدسیاں لپٹے
حُدی خواں، وادیِ مجنوں میں ناقے کو† نہ لے جانا | مبادا اِک بگولا سا بہ پائے ساربان لپٹے
ادب گر حضرت جبریل کا مانع نہ ہو مجھ کو | تو شاخِ سدرہ سے میری یہ آہِ ناتواں لپٹے
سکندر اور دارا کیا کروڑوں ورہی اُن سے | پڑے ہیں گور کے تختے سے زیرِ خاکداں لپٹے
کسی ڈھب سے طبیعت سیر ہوتی ہی نہیں اُن سے‡ | ابھی دالان سے لائے§ بزیرِ سائباں لپٹے
ق ہنسے بولے رہے مشغول اپنے جس طرح چاہا | اِدھر لپٹے اُدھر سوئے یہاں چمٹے وہاں لپٹےF
ولیکن یاس کہتی ہر کہ ہوں گی خواب کی باتیں | تمھیں کچھ خیر ہر صاحب بتاؤ تو جہاں لپٹے
کدھر لوٹے کدھر پوٹے ہنسے بولے کدھر جا کر | کہاں لپٹے کہاں سوئے کہاں چمٹے کہاں لپٹےFF

غزل مستی میں لکھ اک اور بھی انشاؔ کہ تا تیری
بلائیں آ کے ساقی لے، تجھے پیرِ مغاں لپٹے

۴۰۷

کہا لیلیٰ نے کچھ شعلے سے جو اُس کو نہاں لپٹے | یہ خوہر آپ کی سادی جہاں لپٹے وہاں لپٹے**
ہمیشہ ورغلائے جو کہ میرے یار کو مجھ سے | اِلٰہی اُس کو کالا بھوت ہو سارا جہاں لپٹے††

---

* ق ۳ میں یہ شعر نہیں ہر۔

† ن: "لیلیٰ کو"۔

‡ ق ۳: "سیر ہی ہوتی نہیں اُس سے"۔

§ ن: "آئے"۔

F ق ۳: "اُدھر لپٹے یہاں چپٹے وہاں لپٹے یہ چمٹے" (م سے) نسخے میں کہیں نہیں ہر۔

FF ق ۳: "کدھر لپٹے کدھر بیٹھے ..... + کہاں بیٹھے کہاں سوئے کہاں چپٹے کہاں لپٹے"۔

** ق ۳: "یہ خوہر آپ کی سادی جہاں چاہے وہاں لپٹے۔ شعر کا متن درست نہیں ہر" کچھ مخل ہر اور "شعلوں" چاہیے یوں ہو سکتا ہر۔ کہا لیلیٰ نے یہ شعلوں سے ... + یہ خوہر آپ کی سادی جہاں لپٹے ..." †† یہ شعر ق ۳ میں نہیں ہر۔

کناری سرخ جوڑے میں تمھارے اس پھبن پر ہے
کہ دامانِ شفق میں جس طرح برقِ جہاں لپٹے

اگر راتوں کو آؤں تو مجھے سرکار کا گرجی[1]
ادھر سے آن کر چمٹے، اُدھر سے پاسباں لپٹے

کہاں ہے مغز میں طاقت نہ چھیڑو شیخ جیو صاحب
عبث تم جھاڑ کر پنجے مجھے، اے مہرباں، لپٹے

کروں گا آب رکنا باد پر مجلس تمھاری میں
گلے سے میرے گر آکر وہ طفلِ دلستاں لپٹے

پڑھے ہے اس روش سے اب وہ "منت مرخدا را"[2]
کہ جیسے پھولوں سے عندلیبِ گلستاں لپٹے

اُسے چھٹی دلا دو اُس کے تم اُستاد سے آکر
کہاں تک چھت سے مکتب کی بھلا اس کی فغاں لپٹے

کوئی صورت ہو ایسی بھی کہ بس جزدانِ اطلس میں*
کہیں اے شیخ سعدی جیو تمھاری بوستاں لپٹے

بدل کر بحر کو انشا غزل طرحی بھی اب پڑھ تو†
کہ اہلِ ذوق باہم جس لیے ہیں خوشہ ساں لپٹے

۴۰۸

گلے سے تیرے کدھر کوئی اہلِ دل لپٹے
یہاں تو آٹھ پہر رہتے ہیں مخل لپٹے

اگرچہ ہم سے وہ سو بار متصل لپٹے
پر ایسے ڈھب سے نہ لپٹے کہ دل سے دل لپٹے

یہ جائے رشک ہے اُن کے گلے سے تل لپٹے
اور اپنی آنکھ کی پتلی سے خونِ دل لپٹے

ہو قشونِ ملائک سے غلغلا برپا
ہم جب آتش و آب و ہوا و گل لپٹے

نہ خوف تیشۂ فرہاد ہو تو شیریں کو
یہ دیو بن کے ہر اک بیستوں کی سل لپٹے

معانقے کا کیا قصد میں نے، تو بولے
کبھی ہوا ہے کہ خورشید ساتھ ظل لپٹے

یہ گرد باد بھی اک شے ہے جس کے دامن سے
بہت سے ہیں خس و خاشاک مضمحل لپٹے

کچھ اُن کے ہم تو گلے یوں لپٹ گئے کل رات
کہ جیسے آگ سے خس ہو کے مشتعل لپٹے

---

[1] گرجی = گرجستان کا رہنے والا۔ گرجی غلام۔ کتے کو بھی کہتے ہیں اور یہاں یہی مراد ہے۔

[2] گلستان کے شروع کے الفاظ + روش عندلیب۔ گلستان اور منت مرخدا سے ایہام ضلع اور صنعت ایہام ہے۔

* ق ۲ د ... "کوئی صورت بھی ہو ایسی کہ ....."

† ق ۳ اور مطبوعہ نسخوں میں:۔ غزل طرحی کی بھی اب پڑھ۔

کچھ اور ڈھب کے اب اشعار ایسے لکھ انشاؔ
کہ جس سے طبعِ سخن سنج مستقل پلٹے

۴۰۹

جنوں کے دیو سے کیا عوج[50] مضمحل پلٹے — جو ایسے سے کوئی لپٹے تو اہل دل پلٹے

کہیں سُنی جو کہانی میں شرم کی کچھ بات — تو اپنے تکیے سے بس ہو کے وہ خجل پلٹے

اُدھر سے پھاندا وہ کشتی اِدھر سے ہم کودے — نصیب دیکھو بہم ہو کے پابہ گل پلٹے

نہ اُس کو لہر چڑھے[51] کس طرح بھلا جس کو — یہ زلف، مارِ سیہ ہو کے متصل پلٹے

کسی حسین کا اِک مُنہ تو تھا ہی کُلچا سا[52] — رچاوٹ اور ہوئی اب کہ اُس پہ تِل پلٹے

یہ دق کی شکل جو دربان کھانستا ہے پڑا — اِلٰہی اِس کو ابھی، موت ہو کے سل پلٹے

کہہ اور طور سے* انشاؔ غزل وہ برجستہ
کہ برق جس کے گلے ہو کے منفعل پلٹے

۴۱۰

ضیا میں نور سما جائے ظل سے ظل پلٹے — ذوی العقول میں کیوں کر نہ دل سے دل پلٹے

جو نعرہ‡ کھینچوں تو اوراقِ آب دیدہ نمط — بہم پہاڑ کی ہر ایک سل سے سل پلٹے

نسیمِ نجد نہیں لائی غبارِ شاہدِ حَی — برس پڑے ابھی بادل تو گل سے گل پلٹے

کسی کے خالِ ذقن سے اُس آنکھ کے تل کو — ملوں تو زور مزا ہو کہ تل سے تل پلٹے

---

[50] عوج ایک بہت لمبے قد کا آدمی جو آدمؑ سے لے کر موسٰیؑ کے زمانے تک زندہ رہا۔ مراد لمبے بے ڈول آدمی سے ہے۔

[51] لہر چڑھنا = سانپ کے زہر کا اثر ہونا۔

[52] کلچا سا منہ یعنی گول منہ + رچاوٹ اور ہوئی = اس پر اور اضافہ ہوا + تل پلٹے = چیچک رو ہو گیا۔ پرانے زمانے میں کلچوں پر سیاہ تل لگا دیتے تھے۔

* ق ۳: ”کہ“ اور طرح کی۔

‡ ق: ”آہ“ مگر زیادہ قرین قیاس ”نالہ“۔

۲۴۹

ملے جو قیس سے انشاؔ گئے تو ہم اُس کی
اُسی جراحتِ نامندمل سے مل پلٹے

۴۱۱

دامن اگر نچوڑیے جیحوںؔ[1] ٹپک پڑے
دل پر جو دھریے ہاتھ تو بس خوں ٹپک پڑے

مَیں بھر رہا ہوں[2] آپ مجھے بس نہ چھیڑیے
ایسا نہ ہو کہ خاطرِ محزوں ٹپک پڑے

جس دم عرق فشاں وہ ہوئی زلف مشک فام
مارِ سیہ کے سیکڑوں افسوں ٹپک پڑے

برآوے[3] اپنے خرچ کے عہدے سے تب کوئی
گردوں سے جب خزانۂ قاروں ٹپک پڑے

ماء الحیات ہو کہ پسینا یہ شیخ جیو
جس جا سے تم کو چھیڑیے اک جوں ٹپک پڑے

گم کی جو راہ ناقے نے، لیلیٰ نے یوں کہا
تم یاں کہاں سے حضرتِ مجنوں ٹپک پڑے

انشاؔ تو اِس غزل کو غزل در غزل ہی لکھ
ہیں ابرِ دل سے سیکڑوں مضموں ٹپک پڑے

۴۱۲

ہر مستعد کہ وہ لبِ میگوں ٹپک پڑے
ٹک اُن کو یوں جو چھیڑیے تو خوں ٹپک پڑے

گر برگِ گل پہ ڈالیے شبنم کی سمت آنکھ
تو واں سے دانۂ دُرِ مکنوں ٹپک پڑے

ہم تم کواڑ موند کے بیٹھے تو ہیں، ولے
ایسا نہ ہو کہیں سے وہ ملعوں ٹپک پڑے

گھر کی سوائے اور نہیں بات چیت کچھ
یا رب کہاں سے نطفۂ میموں[4] ٹپک پڑے

---

[1] جیحون = ترکستان کے ایک دریا کا نام۔

[2] بھر رہا ہوں = رنج و غم یا شکوک سے بھرا ہوا ہوں مقابلہ کرو مصحفی ؎ شیشۂ مے کی طرح اے ساقی + چھیڑ لو مت کہ بھرے بیٹھے ہیں۔

[3] خرچ کے عہدے سے برآنا یعنی خرچ کا پورا ہونا۔

§ ن: "کبھی"

[4] نطفۂ میموں = بندر کی اولاد۔

کوہِ جنوں کی سیر سے کھلتا نہیں جو دل — تو یاں کہاں سے آن کے ہاموں[۵] ٹپک پڑے
گُندا ہمن کے یوں تو نہ پھر زیرِ آسماں — ایسا نہ ہو کہ زُہرۂ گردوں ٹپک پڑے

اِنشاؔ یہ سُن غزل ثمرِ پختہ کی نمط
رکھتے تھے جو طبیعتِ موزوں ٹپک پڑے[۶]

۴۱۳

صاحب کے ہرزہ پن[۷] سے ہر ایک کو گلہ ہے — میں جو رہا ہنتا ہوں میرا ہی حوصلہ ہے[†]
چودہ[۸] یہ خانوادے ہیں چار پیر تن میں — چشتیّہ سب سے اچھّے یہ زور سلسلہ ہے
پھر کچھ گئے ہوؤں کی مطلق خبر نہ پائی — کیا جانیے کدھر کو جاتا یہ قافلہ ہے
بارِ گراں اُٹھانا کس واسطے عزیزو — ہستی سے کچھ عدم تک تھوڑا ہی فاصلہ ہے

دیں گالیاں ہزاروں مطلع سُن اِس غزل کا
کہنے لگے کہ اِنشاؔ اِس کا یہی صلہ ہے

۴۱۴

اشکِ مژگانِ تر کی پونجی ہے — یہ ثمر اس شجر کی پونجی ہے
آہ کو مت حقیر جان یہی — دودمانِ اثر کی پونجی ہے
جو گھڑی یاد میں تری کٹ جائے — وہ ہی آٹھوں پہر کی پونجی ہے
جلوۂ یار ہے عزیز بہت[‡] — یہی اہلِ نظر کی پونجی ہے

---

۵ ہاموں = جنگل۔

۶ ٹپک پڑے = مائل ہوگئے۔ ریجھ گئے۔

۷ ہرزہ پن = سفلہ پن۔

۸ چودہ خانوادے = صوفیوں کے چودہ خانوادے یا سلسلے مشہور ہیں۔

† ق ۳: "یہ میرا حوصلہ ہے"

‡ ق ۳: "ہے عزیزِ بہشت"

جلد اچھا ہو یہ تعالےٰ اللہ[۱]　　ق　　یہی انشاؔ کے گھر کی پونجی ہے
تیری بخشی ہوئی، خداوندا!　　میری یہ عمر بھر کی پونجی ہے
میں ترے صدقے، بس یہی میری
دل و جان و جگر کی پونجی ہے

۴۱۵

سانولے پن پر غضب ہے دھج بسنتی شال کی　　جی میں ہے کہہ بیٹھیے اب "جے کنھیّا لال کی"[۲]
زندگی اس تارِ چنگ آہ نے جنجال کی　　اُڑ رہی ہے اک ہوا پر پوٹلی سی رال کی
بن لگاوٹ رہ نہیں سکتا ہمارا دل کبھی　　کیا بُری خو پڑ گئی گم بخت بیت المال کی
ہیں وہ جوگی نیہ[۳] گر، ابدھوت جن کے سامنے　　بالکا، دیو جنوں، وحشت پری ہے بالکی
اپنے گھوڑے پر چڑھا کر، یہ نہیں پھبتی تجھے　　گرچہ جھالر دار ہے پھر پالکی کی پالکی
تو بھی ہے اک شاہزادہ، چاہیے تیرے لیے　　مورچھل دو ہوں ہُما کی اور مغرق نالکی[۴]
کیوں نہ انگارے اُٹھائے پھر وہ انشاؔ رات کو
ہے ہماری آہ شاگرد اگیا بیتال[۵] کی

۴۱۶

کب وہ آزاد بھلا مُوردِ تحسین ہوئے　　بھول جو سب کو گئے دین سے بے دین ہوئے
شیشہ خانے میں جو تم موجبِ تزئین ہوئے　　سامنے اپنے کئی لشکرِ سنگین ہوئے

---

۱ تعالی اللہ = اشارہ ہے اپنے بیٹے تعالی اللہ خاں کی طرف جو بیمار ہو گئے تھے۔

۲ اہل ہنود اس مثل کو کامیابی اور خوشی کے موقع پر بولتے ہیں۔

۳ نیہ = محبت۔ ابدھوت = بہت جوش کے ساتھ بھوتوں کی طرح کام کرنے والا۔ بالکا = چیلا، مرید، شاگرد۔ بالکی اس کی تانیث۔

۴ نالکی = ایک اونچی پالکی کی طرح کی سواری۔

۵ اگیا بیتال = آگ کا بھوت وہ روشنی جو کسی ویرانے یا جنگل میں جلتی ہوئی معلوم ہوتی ہے۔

واقعی مجھ سے گناہ ایسے ہی دو تین ہوئے
کہ میرے سامنے وہ لے کے قرابین ہوئے

صبح دم مجھ سے لپٹ کر وہ نشے میں بولے
تم بنے باد صبا ہم گلِ نسرین ہوئے

نبھ چکی بندۂ درگاہ سے اور آپ سے خیر
ہم الفت میں اگر ایسے ہی آئین ہوئے

راہرو چونک کہ ہے قافلے میں تیاری
محمل اونٹوں پہ بندھے فوج میں اب زین[1] ہوئے

قمری و بلبل نالاں میں پڑے جو جھگڑے
سو دلِ غمزدہ کے موجبِ تسکین ہوئے

ایسے اُلجھے کہ دبے پانو میاں بھوپٹ خاں
بین کاندھے پہ دھرے دوسرے رُدین† ہوئے

بچے رستے نرے جو لگا کہنے تو ماں باپ اُس کے
اپنے دندان فرح کول کے جوں سین ہوئے

اشک آنکھوں سے قدم رکھ نہیں سکتے باہر
دولتِ شرم سے مانندِ سلاطین ہوئے

چین پہ ابرو کھیں ہونے نہ دیا ہم نے تو ہم
مرد شاعر نہ ہوئے بادشہِ چین ہوئے

قصد بنگالہ مناسب ہی نہیں صاحب کو
گرچہ معلوم تجارت کے سب آئین ہوئے

جی ہی اچھا نہ رہا پھر تو عیاذاً باللہ
فائدہ کیا جو شنا سارے اراکین ہوئے

تحفگی یہ کہ کل آپ نے انشاؔ ھندی
اور کپڑے سو میرے مفت میں رنگین ہوئے

۲۱۷

ان انگلیوں میں تول کے چھلّے نظر پڑے
واللہ تم بھی سخت چھلّے نظر پڑے

وحشت کی فوج کے جو دھڑتّے نظر پڑے
فرہاد و قیس دونوں چھتلے نظر پڑے

دیکھا پری وشوں کو تو اُن کے سروں پہ آج
کچھ طرفہ طرفہ رنگ کے شتلے[2] نظر پڑے

بلی ولایتی تو، اجی، پالی آپ نے
پھر مجھ کو کیوں؛ تم تو بلّلے نظر پڑے

جی سنسنا نسیم کا اے توسنِ بہار
ایسے جنوں کے دشت کے پلّے نظر پڑے

---

[1] زین ہوئے = تیار ہو گئے۔

[2] شتلا = یہاں مراد مُرغ کپڑا یا چیرا۔

† ق ۳: "رُدین" ۔ م: ردین۔

اُس دیوزاد فوج جنوں کی جو سیر کی
اِنشا تو واں بڑے بڑے کلّے نظر پڑے

۴۱۸

جو نسیم صبح لپٹ گئی کسی گل کے دامنِ پاک سے
تو شعاعِ مہر نے اک چھڑی جڑی اُس کو آ کے سٹاک سے

کروں کیوں† نہ ظرفِ گلی پہ غش کہ بدورِ چرخ ہوں جرعہ کش
مجھے ہے جو دغدغۂ عطش تو اسی کمہار کے چاک سے

وہ جو محو دھوپ میں ہیں کھڑے نرے آفتاب جمال کے
نہ سوائے مہر گیا لگے کبھی اُن کے سبزۂ خاک سے

پڑی نرگس آنکھ نکالے جو گھڑی کان گل بھی ہلائیں تو
ترا سامنا جو چمن کو ہو تو بھلا وہ کون سی ناک سے

کئی زخمی اُن کی نگاہ کے ہوئے وارد آ کے جو راہ کے
تو اثر سے ایسوں کی آہ کے گئے پھول منگلوں میں دھاک سے

یہ جو آسمان کے تارے ہیں انھیں مست کیوں نہ گنا کریں
کہ بظاہر ان کو مناسبت سی ہے ایک طارمِ تاک سے

مجھے دیکھ منہ کو نہ ڈھانک لے کبھی ٹک ادھر بھی تو جھانک لے
مرے چاکِ دل کو بھی ٹانک لے اسی دامن اپنے کے چاک سے

بندھے تاک آن کے خوب ہی جو نفخت فیہ کے شان کی
تو ہزار تاک بھرا پُرا نکل آوے اپنی بھی خاک سے

پرے او بے عشق کے پودے! ترے آنے کی نہیں ملتی سند
تجھے کہہ دیا تھا بھلا یہ کد کہ تو بیٹھ جائے بھپاک سے

دمِ سرد یاں کوئی بھرے تجھے دیکھ دیکھ، تو کیا کرے
مجھے ڈر لگے ہے بہت ارے تری ایسی وضع کی تاک سے

یہ زوال نور بظاہر بدر میں اسی سے تنگ ہوں حد سے حد
کر دیا علیؑ ولی مدد اسے اپنے پانو کی خاک سے

تجھے اِنشا آج تو خوش کروں نہیں چاہتا ہے کہ چپ رہوں
غزل اور قافیے کی کھول ابھی حکم ہو تو جھپاک سے

۴۱۹

بھلے آدمی کہیں باز آ ارے اُس پری کے سہاگ سے
کہ بنا ہوا ہو جو خاک سے اُسے کیا مناسبت آگ سے

بہت اپنی تاک بلند تھی کوئی بیس گز کی کمند تھی
پر اُچھال پھاند وہ بند تھی ترے چوکیداروں کی جاگ سے

بہت آئے ٹھہرے کڑے کڑے وہ جو منڈ جی تھے بڑے بڑے
ولے ایسے تو نہ نظر پڑے کہ جو صاف پاک ہوں لاگ سے

---

† ق ۳: "کیوں کر" (= کیونکے)

وہ سیاہ بخت جو رات کو ترے دامِ زُلف میں پھنس گیا
اُسے آکے وہم و خیال کے لگے ڈسنے سیکڑوں ناگ سے

ق
پھر امیں نے بندرابن میں جو ارے کشن ہوپ کا نعرہ تو
مہاراج ناچتے کودتے چلے آئے لٹ پٹی پاگ[1] سے

لگے کہنے کھیم کسل[2] اُسے جو علی کے دھیان کے بیچ ہے
تو رے دُکھ دلدر اُسے جتنے تھے گئے بھاگ آپ کے بھاگ سے

ہوئے عاشق اُن کے ہیں مرد و زن یہ انوکھی اُن کی ہے کچھ پھبن
کوئی تازہ آئے ہیں برہمن یہ جو کاشی اور پراگ سے

تجھے چاہتے نہیں ہم ہی بس ہے انھوں کو بھی تو تری ہوس
وہ جو جھگڑے بیر سے سو برس کے پرانے بوڑھے ہیں گھاگ† سے

اَرے لو آئے آئے سوائے کچھ نہیں بات دھیان میں چڑھتی یاں
کچھ اک ان فقیروں کی مجلسیں بھی تو ملتی جلتی ہیں بہاگ[4] سے

مجھے کام اُن کے جمال سے، نہ تو پتے سے، نہ خیال سے
نہ تو وجد سے، نہ تو حال سے، نہ تو ناچ سے، نہ تو راگ سے

یہ سعادت اُس کو علی نے دی جو وزیرِ اعظم ہند ہے
کہ بدولت اُس کی جہان میں، نہیں خوف بکری کو باگ سے

مجھے رحم آتا ہے ایسوں پہ بسر اپنے کرتے ہیں وقت جو
کسی پھل سے یا کسی پھول سے کسی پات سے کسی ساگ سے

گُتھی اِن سُروں میں جو آگئی مجھے اک عروس کی باس سی
ابھی اِنشا اپنا ہو بس اگر تو لپٹ ہی جاؤں بہاگ سے

۴۲۰

یہ جو مجھ سے اور جنوں سے یاں بڑی جنگ ہوتی ہے دیر سے
سو کچھ ایسے ڈھب سے لڑائی ہے لڑے شیر جیسے کہ شیر سے

بنی شکل لیلیِ نوجواں، مرے داتا کیا کہوں الاماں!
وہ تجلی اِک جو ہوئی عیاں کسی رات قیس کے ڈھیر[5] سے

ارے دو مہینے سے ہوں جدا، نہ تو خواب میں بھی نظر پڑا
بھلا اور اندھیر زیادہ کیا کہیں ہوگا ایسے اندھیر سے

مجھے شامیانے تلے سے کیا، مرا دل تو کہتا ہے مجھ سے آ
سرِ راہ کوٹھے پہ بیٹھ جا، یہیں تکیہ دے کے مُنڈیر سے

---

[1] لٹ پٹی پاگ = لٹ پٹی پگڑی۔

[2] کھیم کسل (ہندی) مبارک ہر دہ۔ خوش ہر دہ۔

[3] پھاگ = ہولی کے کھیل تماشے۔ رنگ رلیاں۔

[4] بہاگ = ایک راگنی جو دوپہر رات کو گائی جاتی ہے۔

[5] ڈھیر یعنی = قبر

† ق ۳: "داگ سے"۔

تری بادلے کی یہ اوڑھنی ارے برق کوندی نظر میں تب — کرے یہ گھٹا جو مقابلہ کسی پیشواز کے گھیر سے

نہیں انتظار کے حوصلے مجھے سوجھیں سیکڑوں ارتلے — قسم اُن نے کھائی تو پھر وہ بے مراجی ڈسے ہر اویر[1] سے

بھلا مجھ سے دیو کے سامنے کوئی ٹھونک سکتے ہیں خم بھلا — ارے یہ انگوٹھے سے آدمی نرے پودنے سے بٹیر سے

وہی پی کہاں وہی پی کہاں یہی ایک رٹ سی جو ہو سو ہو — مہاراج چوٹ سی لگتی ہو مجھے اس پپیہے کی ٹیر سے

غزل انشا اور بھی ایک لکھ اسی بحر اور ردیف کی
کہ زبر کے قافیے جس میں ہوں مجھے نفرت آگئی زیر سے

۴۲۱

نہ تو کام رکھیے شکار سے نہ تو دل لگائیے سیر سے — بس اب آگے حضرت عشق جی چلے جائیے گھڑی کو خیر سے

وہ جو گنگا پار کے کاسنہ میں لیے پڑے اڑتے پھرتے ہیں جوگی جی — سو تو بھرت پور کو اداس ہو چلے آئے قلعۂ دیر[2] سے

نہیں ہوتے عام کے رو برو ہمیں قبلہ خاص ہو آرزو — کہ خدا کرے پڑے گفتگو کسی پیر و مرشد دیر سے

کہو کس وسیلے سے شیخ کے نہ شک و شبہ ہوئے کمال میں — کہ جو نعمت آپ کو پہنچی ہو سو میاں غلام زبیر سے

جو خفا ہوئے تو ہوئے اجی جو لڑے بھڑے تو لڑے سہی — گلہ ہو سو یار عزیز سے نہ کہ شکوہ صورت غیر سے

مجھے اک حیات دوبارہ دے اُسی قدرت اپنی سے اے خدا — کہ خطاب فقرۂ کم لبثت[3] کیا تھا جن نے عزیر سے

وہ جو ہو علیؑ ولی وصی ہو محمدِ عربی اخی — سو تو عبد خاص کریم ہو اُسے دشمنی ہو نصیر[4] سے

یہی چال اپنی ہو انشا اب کبھی تو درختوں سے غلطے ہیں
کبھی ہو صبا سے خطاب کچھ کبھی وحش سے کبھی طیر سے

۴۲۲

ٹک اک اے نسیم سنبھال لے کہ بہار مست شراب ہو — وہ جو حسن عالم نشہ ہو اُسے اک عین شباب ہو

---

[1] ارتلے = منصوبے۔ اویر = دیر۔
[2] = بھرت پور کا مشہور قلعہ ہے ہم سمجھتے ہیں کہ اس قلعے کا نام دِیر ہو (بالکسر نہ کہ بالفتح جیسا کہ انشا نے لکھا ہے۔)
[3] کم لبثت = اشارہ ہو آیہ کریمہ کی طرف + عزیر، ایک پیغمبر کا نام ہو۔
[4] نصیر = فرقہ نصیری جو حضرت علی کو خدا سمجھتے ہیں۔

یہ گھٹائیں چھائیں جو کالیاں جو ہری بھری ہوئیں ڈالیاں
ادھر آئیں پھولوں کی لالیاں تو بجائے آب شہاب ہے

یہ دو روزہ نشو و نما کو تو یہ سمجھ کہ نقش بر آب ہے
یہ سراب ہے یہ حباب ہے فقط ایک قصۂ خواب ہے

عرق بہار شراب ہے وہ ہی آج چھڑکیں گے آپ پر
نہ تو بید مشک ہے اس گھڑی نہ تو کیوڑا نہ گلاب ہے

انھیں کہنے سننے سے بیر ہے جو خود آئیں سو تو بخیر ہے
یہ غرض کہ زور ہی سیر ہے نہ سوال ہے نہ جواب ہے

کدھر آؤں جاؤں کروں سو کیا مرا جی ہی ناک میں آگیا
نہ تو عرضِ حال کی تاب ہے نہ تو صبر خانہ خراب ہے

مجھے وحشی و طبر سے رشک ہے کہ کبھی انھوں کو کسی نمط
نہ سوال ہے نہ جواب ہے نہ عذاب ہے نہ عقاب ہے

مری بات مان سنا ہے دلا نہ تو عرض و فرض پہ جی جلا
کوئی ان کو ٹوکے سو کیا بھلا کہ وہ عالی کنگی جناب[1] ہے

ارے انشاؔ اب تو یہ وہ ہے تری وضع ان دنوں اد رہے
یہ بھی کوئی زیست کا طور ہے نہ شراب ہے نہ کباب ہے

۴۲۳

آج بجلی سے بنے ہفت طبق سونے کے
یوں چمکتے ہیں پڑے جیسے ورق سونے کے

اس پری زاد کی گر یوں ہی سواری نکلے
ابھی برسانے لگے پھول شفق سونے کے

زلزلہ آہِ شرر بار سے میری یہ ہوا
کوہ لنکا میں ہوئے سیکڑوں شق سونے کے

نقرئی دم کو نہ چمکا تو پرے[2] اے جگنو
اڑتے پھرتے ہیں یہاں راتوں کو بق سونے کے

واہ کس لطف سے رات ان نے کہا گرمی میں
ہم نہیں ساتھ ترے کرکے عرق سونے کے

دوار کا کشن کو گردی تھی عجب کیا انشاؔ!
کہ محل ہم کو میسّر کرے حق سونے کا

۴۲۴

ہر جی میں قفلِ خانۂ خمّار توڑیے
یعنی درِ بہشت کو یک بار توڑیے

کیوں قید خم میں دختر رز سی پڑی رہے
یہ مہر ریسمانِ سرو کار توڑیے

---

[1] جناب = دروازے کے سامنے کا میدان ۔ [2] ق ۲: "پڑی" ۔ [3] بق = مچھر، پشہ

شاگردِ امیر حمزہ[1] صاحب قراں کے ہیں ق کیوں کر بھلا نہ قلعۂ اشرار توڑیے
کیجے لقائے باختر بے بقا کو قید بختک کے سر پہ گرزِ گراں بار توڑیے
چوٹی پکڑ کے نرگسِ جادو کی کھینچیے کلّے کو اُس کے مار کے للکار توڑیے
رستم سے چھین لیجیے دیوِ سفید کو اور اُس کی وہ مروڑ کے تلوار توڑیے
سدِّ سکندری بھی جو پڑھ جائے دھیان تو دو ہیں طفیلِ حیدرِ کرّار توڑیے
آجاویں ہفت خوانِ طلسمات سامنے تو خیر سے اُنھیں بھی بہ تکرار توڑیے
حصنِ زمردیں عدو کوہ قاف پر ہووے تو اُس کو بھیج کے عیّار توڑیے
زنبیل ہے عمرو کی دل فکر عیسٰی پر اس کو کسی طرح سے نہ زنہار توڑیے
ہے عزم جزم یہ کہ زبردستی آج تو بندِ قبائے موسمِ گل زار توڑیے
یا چھیڑنے کو ابر کے اک جھٹکا مار کر شلوار بندِ برقِ شرر بار توڑیے
جی چاہتا ہے لے کے بلائیں تمھاری آج پوریں[2] ان انگلیوں کی اِک اِک بار توڑیے

اِنشاؔ دکھا کے اور بھی اِک جلوۂ عروس
بندِ نقابِ شاہدِ اسرار توڑیے

۴۲۵

ہے یہ تو کیا کہ آپ کی دیوار توڑیے ٹکرائیے تو سیکڑوں کہسار توڑیے
گر خُم کے بل سے کیجیے اک حملہ تو ہیں آثارِ گنبدِ دوّار توڑیے
ہے دھن کہ دیجیے مولویِ روم کو شراب شہ کاسے[3] کے لیے سرِ خنگار توڑیے

---

[1] ان آٹھ اشعار میں داستان امیر حمزہ کے مشہور اشخاص کا نام لیا ہے اور انکے کچھ کارنامے بھی بتائے ہیں مثلاً لقائے بے بقا، بختک، نرگس جادو وغیرہ۔

[2] پورین توڑنا یا انگلیاں توڑنا ۔ جب عورتیں کسی کی بلائیں لیتی ہیں تو اپنے دونوں ہاتھ اس کے سر پر سے اتار کے اپنی انگلیاں چٹخاتی ہیں ؎

جو کھل کر اسکا جوڑا بال آئیں سر سے پاؤں تک بلائیں آ کے لیں سو سو بلائیں سر سے پاؤں تک (ذوق)

[3] شہ کاسہ = بڑا پیالہ۔ خنگار (= خنکار، خوندکار، خوندگار) = بادشاہ، سردار، مجازاً اعظم مولوی ۔ چونکہ مولوی روم کو شراب دینا منظور ہے اس کے واسطے ایک بہت بڑے پیالے کی ضرورت ہے پس مولوی کے سر سے کس کا سر بڑا ہوگا۔ اسی کے سر کو توڑتے ہیں اور اس کا کاسہ بناتے ہیں۔ نـ ۔ غزل۔

صیاد یہ تو رسم نیا ہو کہ یعنی آپ
بازوے مرغ تازہ گرفتار توڑیے
یوں چاہتے ہیں آج بہر کیف مے کشاں
یعنی کہ قفل خانۂ خمار توڑیے
لے دل طفیلِ سایۂ نعلینِ مصطفیٰ
خسرو کے سر کو مار کے پیزار توڑیے
سایے میں جس درخت کے آرام پائیے
کیا ظلم ہو کہ اُس کے ہی اثمار توڑیے
تبرید دیجے تو سر بیمار حرص پر
ظرف گِلِ شربت دینار توڑیے
اِس تاک پر یہ اپنی اُچھل چاند ہو کہ پھر
دروازۂ مقفل گلزار توڑیے
اِنشا یہ جی میں ہو کہ غزل اور پڑھ کے ایک
بندِ قبائے نخوتِ دل دار توڑیے

(۴۲۶)

یہ کیا کہ اُن کے دل کو نہ زنہار توڑیے
سو بار جا کے جوڑیے سو بار توڑیے
آؤ نہ مل کے بیٹھے ہیں بے شغل ہم سو کیوں
گٹ کیجے اُن سے پائی الے یار توڑیے
ہاتھ آوے کچھ اگر نہ سر رشتہ بگاڑ کا
تو لڑ کے اُن کے موتیوں کا ہار توڑیے
یا چھیڑ چھاڑ کے لیے اِک سنگ فرش سے
دس پانچ اُن کے رخنۂ دیوار توڑیے
یا لال جوڑی والیوں کی توڑ تاڑ پر
رغبت سے ایک غنچۂ گلنار توڑیے
شوخی تو دیکھو آج یہی قصد ہو کہ خیر
جس ڈھب سے ہووے خاطرِ دل دار توڑیے
وہ کچھ کہیں پر اپنی ہی بس گائے جائیے
اور تان اُدھر کو کوئی طرح دار توڑیے
یا کود پھاند چول بھی اُن کے پلنگ کی
بس ہو کے لڑنے بھڑنے کو تیار توڑیے
پھول اُن کی کیاریوں سے کسی اور روپ کا
کچھ کر کے بات چیت کی تکرار توڑیے
سبزے کو روند ڈالیے یا اُن کے باغ کی
نارنگیاں ہی چپکے سے دو چار توڑیے
اِنشا یہ روٹھ راٹھ ہو اِک تاؤ بھاؤ کی
اِس توڑ جوڑ کا نہ کبھی تار توڑیے

۴۲۷

پیسے کی چوٹ سے سرِ کم ظرف توڑ دے — یوں آبخورۂ خنکِ برف توڑ دے
آ ماجگاہ کیجے مجھے اور مجھ پر آپ — صد تیرِ ناوکِ نگہِ ژرف توڑ دے
شنجرفی اس دوپٹے کے اوصاف لکھیے تو — لے کر دوات و خامۂ شنجرف توڑ دے
دم پڑھ کے کیجے صیغۂ الفت تو ایک بار — صد قفلِ علتِ کتبِ صرف توڑ دے

بولا وہ باغ نامۂ انشاؔ کو دیکھ کر
بس ہو تو اس کے پھول سے یہ حرف توڑ دے

۴۲۸

پہلے عصا کے واسطے اک تاڑ توڑ دے — پھر جتنے ہیں پہاڑ کے سب جھاڑ توڑ دے
کیا کوہِ قاف گنبدِ گردوں کے سقف کو — میں چاہتا ہوں مار کے چنگھاڑ توڑ دے
ہوتی حقیقتاً جو یہ شورِ جنوں ابھی — کہہ بیٹھتا کہ چرخ کی اڑواڑ[1] توڑ دے
کچھ منہ سے پھوٹتی تو سہی پھر "نہیں" کہ "ہاں" — آپس میں ہر حجاب کی جو آڑ توڑ دے

بادل کی ایک پاڑ سی ہر گردِ بامِ چرخ
انشاؔ یہ دُھن ہے آج کہ وہ پاڑ توڑ دے

۴۲۹

جتنی اڑیاں تھیں بڑی اُن سے اڑی مینہ کی لگی — یوں جھڑی آنسوؤں کی دوں کو جھڑی مینہ کی لگی
بے طرح چھت سی بندھی یہ تو مجھے شکل کچھ آج — چوڑی چکلی بہت اور لمبی تڑی مینہ کی لگی
جھیلتے تھے جو کڑی آپ کے دیوانے لوگ — اُن کی اُن بیڑیوں میں اور کڑی مینہ کی لگی
مادیانِ سحری[2] بھرنے لگی کرچھالیں — اُس کے ہٹھول پہ جو اک آکے چھڑی مینہ کی لگی

---

[1] اڑواڑ — وہ کھمبا جس پر کسی چھت کا بوجھ روکا جائے۔
[2] سحر کو "مادیاں" یعنی گھوڑی سے استعارہ کیا ہے۔ کرچھالیں بھرنا یعنی کلیلیں کرنا۔ طرارے بھرنا۔

موتی اِن بوندوں کے گُتھ گُتھ کے لگے جھولنے تو
اُن کی دُلڑی سے نئی اور لڑی مینہ کی لگی

یاں سے گذرا تھا کوئی گبر بڑا سا شاید
ورنہ کیوں پاس بھلا مجھ کو سڑی مینہ کی لگی

تھا شجر کون کہ جس نے نہ طمانچہ کھایا
کون سا پھول تھا جس کو نہ چھڑی مینہ کی لگی

بیٹھے بیٹھے جو لگا پیچ چھاتی سے ہمیں
اب تو بجلی بھی گلے، ہو کے کھڑی مینہ کی لگی

کل تو سناٹے سے برسا ہی کیا ساری رات
آنکھ کم بخت نہیں کوئی گھڑی مینہ کی لگی

اب وہ کس ڈول سے آویں گے یہاں اے انشا
ساری فکروں میں مجھے فکر بڑی مینہ کی لگی

(۴۳۰)

بوسہ جو دیتے نہیں مجھ کو، تو جھڑکی ہی سہی
نہیں دروازہ جو کھل سکتا، تو کھڑکی ہی سہی

کچھ مری چڑ نہیں پر آپ کی خاطر کے لیے
باتیں جو ریجھ کی ہیں خیر وہ چڑکی ہی سہی

سڑی سودائی نہیں سڑکی جو مجھ پر پھب جائے
پھبتی سب لوگ کہیں سڑکی تو سڑکی ہی سہی

میں نے تو چھڑکی نہیں شیخ جی صاحب یہ شراب
چلو تم کہتے ہو ہاں چھڑکی تو چھڑکی ہی سہی

زڑ[1] تو بکتا نہیں، پڑھتا ہوں غزل میں انشا
پنچ مل زڑکی جو ٹھہراویں تو زڑکی ہی سہی

(۴۳۱)

وہ پری ہی نہیں کچھ ہو کے کڑی مجھ سے لڑی
آنکھ نرگس سے بھی دو چار گھڑی مجھ سے لڑی

واسطے تیرے مرا رنگ محل دشمن ہے
تیرے خاطر تو ہر اک چھوٹی بڑی مجھ سے لڑی

جھڑ لگا دی مری آنکھوں نے تو لو اور سنو
ٹکٹکی باندھ کے کیوں مینہ کی جھڑی مجھ سے لڑی

رات لڑ بھڑ کے جو چپ ہو رہے تو اُن کی عوض
بولتی تھی وہ جو سونے کی گھڑی مجھ سے لڑی

بیٹھے بیٹھے کہیں بلبل کو جو چھیڑا میں نے
تو نسیم، اُس کے بدل، ہو کے کڑی مجھ سے لڑی

---

[1] زڑ = مہمل باتیں۔ بیہودہ گفتگو + پنچ مل۔ سب لوگ مل کے۔

کون سی حور یہاں کھیلنے چوتھی آئی　　بوئے گل لے کے جو پھولوں کی چھڑی مجھ سے لڑی

روٹھ کر اُن کے گلے میں جو لگا تو اِنشا

ہر اِک اُس دُلڑی کی موتی کی لڑی مجھ سے لڑی

(۴۳۲)

زنہار ہمت اپنی سے ہرگز نہ ہاریے　　شیشے میں اُس پری کو نہ جب تک اُتاریے

اوضاع ڈھونڈ ڈھانڈ کے یاروں سے سیکھیے　　ہوتے نہیں جہان میں ہم سے نیاریے

اے اشکِ گرم، کریے دل کا علاج کچھ　　مشہور ہے کہ چوٹ کو پانی سے دھاریے

جو اہلِ فقر شاہ کُھاری کے ہیں مُرید　　پالے ہیں اُن سبھوں نے کبوتر کھاریے

گلنے کی دال یاں نہیں، بس خُشکہ کھائیے　　اے شیخ صاحب! آپ نہ شیخی بگھاریے

کل کھیرے ککڑی جن کو کیا کوس کاٹ کر　　آج اُس پری نے اُن کو دیے نرم آریے

ہو آب میں کدر تو ٹھہر جائے ٹک ایک　　دل میں کدورت آوے تو کیوں کر نتھاریے

ہے کون سی یہ وضع، بھلا سوچیے تو آپ　　باتیں اِدھر کو کیجے اُدھر آنکھ ماریے

پوچھی حقیقت ایک نے جو امنِ راہ کی　　تو بولے سر جھکا کے بچا وہ مداریے

خطرہ نہ آپ کیجیے، بس اب خیر شوق سے　　سونا اچھالتے ہوئے گھر کو سدھاریے

ہیں جو بلند حوصلہ اُن کی یہ چال ہے　　کیا پھر اُنھیں بگاڑیے جن کو سنواریے

پنڈت جی ہم میں اُن میں بھلا کیسی ہوئے گی　　پوتھی کو اپنی کھولیے، کچھ تو بچاریے

---

۵۱ نیاریے = وہ لوگ جو مُہری وغیرہ کی مٹی سے سونے چاندی کے تار نکالتے ہیں۔ تیز چالاک آدمی کو بھی کہتے ہیں۔

۵۲ شاہ کُھاری ایک مشہور صوفی گذرے ہیں + کھاریے کبوتر = ایک خاص رنگ کے کبوتر۔

۵۳ دال گلنا = کامیاب ہونا۔ ذلیل ہونا۔ با اثر ہونا + خشکہ کھائیے = چلتے بنیے۔ شیخی بگھارنا = اپنی بڑائی کی لمبی چوڑی باتیں کرنا

۵۴ کھیرے ککڑی کرنا = بے حقیقت سمجھنا + آریا = ایک قسم کا پھل کھیرے ککڑی کے ہم شکل۔

۵۵ کدر = گدلاپن = میلاپن =

۵۶ مداریا = جھوٹا فقرہ باز آدمی۔

اِنشا، کوئی جواب بھی دیتا نہیں ہمیں
بانگِ جرس کی طرح کہاں تک پکاریے

(۴۳۲)

اپنی کوٹی میں گر رات کو بھر لیتا ہے
تان بھیروں کی جو یہ مرغِ سحر دیتا ہے

خیر خواہی سے چمن کے عوض اے ابرِ بہار
باغباں آکے پکڑ میری کمر لیتا ہے

مجھے اُس نخلِ پُر از میوہ پہ آتا ہے رحم
پیاس کے مارے جو پیِ آب تبر لیتا ہے

کن نے اب یاد کیا اُس کو نہیں کچھ معلوم
ہچکیاں آج جو وہ رشکِ قمر لیتا ہے

پیاس بادل کی سمندر سے نہیں بجھتی جو
تو نچڑوا کے مرا دامنِ تر لیتا ہے

چھند[1] بند آپ کے اس عالمِ عیّاری کا
جوہرِ عقلِ فلاطوں کی خبر لیتا ہے

ایک کوڑی کو نہ لیجے جو فروشندہ کہے
"ہے بکاؤ، کوئی زنبیلِ عمرو لیتا ہے"

سجدہ[2] کرتا ہے یہاں آکے وہ مقراض بکف
مونچھ جو شیرِ نیستاں کی کتر لیتا ہے

اُٹھ چلے[3] ہے جو کوئی ہم سے وہ کیا اب کوئی
گانٹھ دُم اپنی میں سرخاب کا پُر لیتا ہے

اُشتر و ناقہ رہِ عشق سے گذرے کیا دخل؟
ٹھوکریں واں تو پڑا پائے نظر لیتا ہے

وہ ہی اِس موج وگل[4] و لالہ کی پاتا ہے تھاہ
ہاتھ کو سر سے بلند اپنے جو کر لیتا ہے

کیا فقط اُن کی نچھاور کے لیئے لے انشا
ق
اپنی مٹھی میں ہر اِک غنچۂ زر لیتا ہے

تاکہ چھڑکاو کرے سامنے اِک طور کے ساتھ
کھینچ سب خواجہ خضر آب گہر لیتا ہے

---

[1] چھند بند = فریب چالاکی۔ عیاری + کسی کی خبر لینا = کسی کو آزمانا ۔ اس سے بڑھکر ہونا۔

[2] سجدہ کرتا ہے = ہمارا نیاز مند ہے۔ ہم کو مانتا ہے۔

[3] سرخاب کا پَر گانٹھ لینا = کوئی جدت یا نئی بات کرنا۔ اُٹھ چلنا = بڑھ کے بات کرنا۔

[4] موج وگل ولالہ کی تھاہ پانا = اسرارِ حقیقت سے آگاہ ہونا + ہاتھ کو سر سے بلند کرنا = حفاظتِ سر کی فکر نہ کرنا ۔

۴۳۴

اک پھریری جو ترا خاک بسر[۱] لیتا ہو — تھام جبریلِ امیں اپنا جگر لیتا ہو

ساتھ اپنے کوئی اسبابِ سفر لیتا ہو — تو فقیر اُس گھڑی سر زانو پہ دھر لیتا ہو

چھیڑ چھاڑ[۲] اتنی اُڑا کون سکے اے قبلہ — برق سے وام کوئی مشتِ شرر لیتا ہو

دیکھیے کیا ہو چلے جاؤ میاں اپنی راہ — کون یاں ہم سے غریبوں کی خبر لیتا ہو

باغباں کا یہ نہیں جرم، نصیب اپنے کو رو — چھانٹ کر سب میں پکڑ میری کمر لیتا ہو

کوئی سرکارِ جنوں کو نہیں لازم نائب — کام ہیں جتنے وہ سب آپ ہی کر لیتا ہو

لہلہے کیوں نہ ہوں سبزے کہ سخن میرا سیکھ — دایۂ ابرِ بہاری کے ہنر لیتا ہو

سینۂ نخل سے آتی ہو اُبل دودھ کی دھار — کھینچ اُس کا جو کوئی طفل تبر لیتا ہو

ہو ویں پرلوک[۳] اُدے بھان تو لالہ گھنشام — اُن کے پھکنے کے لیے مول اگر لیتا ہو

نونہالانِ چمن کو ہو بھلا کیونکر چین — توڑ گل اُن کے کوئی، کوئی ثمر* لیتا ہو

اُن کی قازیں بھی ترانہ یہ سُنا جاتی ہیں — کہ تبر لیتا، تبر لیتا، تبر لیتا ہو

اِس زمیں میں وہ ہی اِک باغ لگا اب اِنشا
جو کہ طوبیٰ کی بھی چوٹی[۴] کو کتر لیتا ہو

یعنی اور ایسی غزل لکھ کہ بس اک مطلع چھٹ — جس میں ہر پھر کے یہی آوے تبر لیتا ہو

۴۳۵

گھبر شاخوں کو جو کل زخمِ تبر لیتا ہو — چین تب قاطعِ اقسامِ شجر لیتا ہو

---

۱ خاک بسر = عاشق سے مراد ہو + پھریری لینا = حالتِ وجد میں آنا، جذبۂ عشق کا اظہار کرنا۔

۲ چھیڑ چھاڑ اُڑانا = مقابلہ کرنا۔

۳ پرلوک ہو جانا = مر جانا + پھکنے کے لیے یعنی لاش جلانے کے لیے + اگر = مشہور خوشبو۔

* ق ۳: "کوئی، اور کوئی بر"۔ ۴ چوٹی کتر لینا = فوقیت لے جانا، بڑھ جانا۔

دیکھ جب پھل کی جگہ رشتہ تبر لیتا ہے
تب تو سکھ نیند یہ نجار پسر لیتا ہے

باغباں، خونِ جوانانِ چمن کی دولت
بوسۂ دستِ نگارینِ تبر لیتا ہے

میں تو انصاف پر اُس شخص کے غش کرتا ہوں
جو رگِ گل کے ڈرانے کو تبر لیتا ہے

پھر یہ باغ پر آیا کہ گل و بر کی طرف
جو کوئی ہاتھ اُٹھا دے تو تبر لیتا ہے

پھول یہ دیکھ ستم کے کہ درختوں کے تئیں
بر لیا چاہے تو توڑ ایک تبر لیتا ہے

کیا غضب ہے کہ بر و برگ کی جا اہلِ نظر
دیکھ ہر شاخ میں مقراض و تبر لیتا ہے

جتنی شاخیں کہ جھکی بار سے ہیں اب کے سال
ایک شخص اتنے ہی مول آج تبر لیتا ہے

اُن بے شاخ و بر و برگ وہ کافر نجار
مول صد تیشہ و منشار و تبر لیتا ہے

ہے بر و مند یہ بیداد کہ ہر شاخ سے توڑ
باغباں بر کے عوض ایک تبر لیتا ہے

یاس یہ باغ میں چھائی کہ درختوں سے کوئی
برِ نو خاستہ چاہے تو تبر لیتا ہے

عوضِ برگ و بر اس دہر میں سر پر ہر نخل
ہائے کیوں صدمۂ منشار[1] و تبر لیتا ہے

قحطِ ہیزم یہ ہوا ہے کہ وہ نجار پسر
بوسۂ دستۂ چوبینِ تبر لیتا ہے

حق تعالیٰ نے جو چاہا تو بس، انشاء اللہ
ایک دن چھین ہی تیرا یہ تبر لیتا ہے

کہہ کہانی کے سمے کی غزل اک انشاؔ اور
کہ بلائیں تری یہ پچھلا پہر لیتا ہے

(۴۳۶)

اے پری تیرے مزے ایک بشر لیتا ہے
اور خرّاٹے پڑا دیوِ سحر لیتا ہے

تکیہ جو فضلِ خدا ساز پہ کر لیتا ہے
وہ سُبک رد کوئی گرگنگھ کے پر لیتا ہے

اژدہائے شبِ یلدا کو کرے ہے ٹکڑے
اور اُن ٹکڑوں کو دھر زیرِ سپر لیتا ہے

اُس کو خواہش نہیں ہوتی ہے الوپ انجن[2] کی
باندھ کر سوت رہِ تارِ نظر لیتا ہے

---

[1] منشار = آرا۔

[2] الوپ انجن: ایک ایسا سرمہ جس کو لگا کر آپ سب کو دیکھیے اور کوئی آپ کو نہ دیکھ سکے۔

منہ پہ جوگی کے کھڑا دیں وہ پٹک مارے ہے — بس توکّل پہ فقط باندھ کمر لیتا ہے
نہ کوئی دیکھے اُسے اور وہ سب کو دیکھے — ٹوپی اِس روپ کی کب کوئی نڈر لیتا ہے
ضد سے ہر شاخ کی وہ بھتنے کی صورت نجّار — ہاتھ میں اِک کوئی نو من کا شجر لیتا ہے
فکر کی چیز تو رکھتا ہی نہیں کچھ اِنشا
خضرِ ہمّت کو فقط سامنے دھر لیتا ہے

۴۳۷

ہیں جو مرقعِ مہر و وفا کے سب سر رشتے بھول گئے — پھر گئے تم تو قول و قسم سے اپنے تو رشتے بھول گئے
جب دیکھو تب لاٹھی[1] ٹیکے کھٹ کھٹ کرتے پھرتے ہیں — اُڑتے ہیں کوئی شیخ جی حضرت اُن کو فرشتے بھول گئے
اہلے گہلے[2] پھرتے ہو صاحب سیرِ چمن میں اور یہیں — اپنے تڑپتے زخمی سب خون میں آغشتے بھول گئے
قاضی جیو کے دونوں بیٹے ہم سے کہیں گے ہے وہ مثل — "گھر میں فرشتے کے خارشتے"[3] سو خارشتے بھول گئے
نسل بڑی آدم کی اِنشا، کون کسی کو پہچانے
باعثِ کثرت ہم دیگر کے ناتے رشتے بھول گئے

۴۳۸

ہاں تیرے وصل میں بھی دم سرد ہے سو ہے — ٹپکے[4] کے ڈر سے چہرہ وہی زرد ہے سو ہے
خالی نہیں یہ علمِ رمل بھی مزے سے، واہ! — واں بھی تو زوج[5] اور وہی فرد ہے سو ہے

---

[1] اس شعر میں شیخ کے کبر سن کی طرف اشارہ ہے۔ کہتا ہے کہ ملک الموت شاید ان کو بھول گئے ہیں جب ہی تو یہ لکڑی کھٹ کھٹ کرتے پھرا کرتے ہیں + اُڑتے ہیں یعنی مرتے ہیں۔ م ٹھینگی بہ ق ۲ : " بولی "۔

[2] اہلے گہلے پھرنا = خوش خوش پھرنا۔ مزے سے فارغ البال پھرنا + خون میں آغشتے = خون آلودہ مقابلہ کرو۔ ؎

اُنھیں منظور اپنے زخمیوں کا دیکھ آنا تھا — گئے تھے سیرِ گل کو دیکھنا شوخی بہانے کی (غالب)

[3] مثل ہے فرشتے کے گھر میں خارشتہ یا ولی کے گھر میں شیطان۔

[4] اِس مصرعے میں ایک فحش اشارہ ہے جس کو ترک کیا جاتا ہے۔

[5] زوج و فرد = جفت و طاق۔ علم رمل کی اِصطلاحیں ہیں۔

کچھ اور بھی دوا ہے ترے پاس، اے مسیح — یا آفتاب ہی کی طلا درّد ہے سو ہے
شاکر نہیں ہے آدمی، یوں ہی اِسے مدام — اندوہ حَرّو[1] وغدغۂ برد، ہے سو ہے
یوں کہنے سُننے کو تو میاں مرد ہیں سبھی — پر سچ کہوں تو ایک جواں مرد ہے سو ہے
دیوار کیونکے پھاندیے، ناصح، کہ ایک سی — آوازِ پاسبانِ شب گرد ہے سو ہے

اِنشاؔ کمند پھینکنے والوں کی لوٹ میں
نرسنگے[2] والا کافرِ بیدرد ہے سو ہے

۴۳۹

دل میں بدولت آپ کے اک درد ہے سو ہے — وہ آہِ سوزناک و دمِ سرد ہے سو ہے
مخدومِ پیرِ مردِ جہاں گشت کی نمط — اپنا خیال بھی یہ جہاں گرد ہے سو ہے
مجنوں تو سوکھ ساکھ کے اک خار بن گیا — لیلیٰ کا چہرہ مثلِ گُلِ ورد ہے سو ہے
کھینچا کشش نے گرچہ انھیں مثلِ کہربا — پر عاشقوں کا رنگ وہی زرد ہے سو ہے
ہیں وہ کھلاڑی آپ کہ جس کی بساط میں — ہر سٹے[3] اِک دغل کی گھسی نرد ہے سو ہے
چھوٹا یہ عہد نامہ پڑا کس دلیل سے — تو صاحب کی مُہر اور وہی فرد ہے سو ہے
تِس پر نشانی آپ کی، سنہ ہجری بھی وہی — اِس سے نہ پھریے قولِ جوانمرد ہے سو ہے
درد اپنا ہر گھڑی ترے ہاتھوں سے اے عزیز — "در دے کہ دل بعشقِ تو می کرد" ہے سو ہے

اِنشاؔ، نشانِ قافلہ کی کچھ خبر نہ پوچھ
بانگِ جرس ہے اور وہی گرد ہے سو ہے

۴۴۰

یہ پیاس اپنی بجھے برف سے نہ شورے سے — بجھے تو نرگسِ ساقی کے آبخورے سے

---

[1] اندوہ حر = گرمی کا رنج + دغدغۂ برد = سردی کی فکر۔ ن۔ نرد
[2] نرسنگے والا۔ سنکھ بجانے والا۔
[3] ہر سٹے = ہر موقعے پر، ہر بازی میں + دغل = بے ایمانی۔

نشے میں کیوں نہ کروں غش دکھا دیے تم نے
وہ دونوں دیدے مے ناب کے کٹورے سے[1]

بلا سے جام نہ ہووے نہ ہو کہ یاں ہم لوگ
چڑھا گئے ہیں گھڑوں کے گھڑے سکورے سے

لگا کے خوان میں بھیجا نہ کیجے کچھ چیزیں
خدا کے واسطے ہم گزرے ایسے تورے[2] سے

نہیں جو رات کے جاگے تو کیوں ابھر آئے
یہ لال لال کچھ آنکھوں میں ڈورے ڈورے سے

بھرا جو میں نے دمِ سرد تو لگے کہنے
نرے ہی آپ دکھائی دیے چھچھورے سے

کل اُن کے پانوٗ لگا دابنے، تو یوں بولے
ہمارے سر کی قسم اور زورے زورے سے

یہی تو شغل ہے اِنشا کہ خط کے پردے میں
قلم چھپایئے کاغذ کے بند کورے سے ق

گھسیٹ ڈالیے جو مہرہ دار تا وصلے
کہ ہاتھ پانو ہیں اُن کے بھی گورے گورے سے

٤٤١

ہے آنکھوں پہ ساقی کی مے ناب کی پھبتی
پھب جائے نہ کیوں کٹورے پہ مہتاب کی پھبتی

نوکِ مژہ سے اشک لگے ڈھلنے بتدریج
تو نعرۂ دل نے کہی دُولاب کی پھبتی

ہے چاندنی اِس لطف کے ساتھ آج کہ مے نوش
سب کہنے لگے لُجۂ[3] مہتاب کی پھبتی

شفتالو سے سیب و ذقن اب کیونکے نہ مانگوں
ہے لب پہ ترے دانۂ عُنّاب کی پھبتی

رل خطِ شعاعی سے، جو پھولوں کا پڑا عکس
پانی میں، تو ہم نے کہی کمخاب کی پھبتی

جس پاس کہ سو لاکھ روپے کا بھی نہ ہو ملک
اُس شخص پہ اصلا نہیں نواب کی پھبتی

اک گرگٹی اور روپے کے پنکھے پہ تو ہرگز
پھبتی نہیں اسکندر و داراب کی پھبتی

ہر چند تکلف سے مخضّب ہوا زاہد
پر اس پہ نہیں کہتے کے ہم شاب کی پھبتی

غلیانِ[4] دم اُس لب کے تصوّر نے مٹایا
میں کیوں نہ کہوں شربتِ عُنّاب کی پھبتی

---

[1] کٹورے سے دیدے، آنکھ کی تعریف ہے۔

[2] تورا = اقسام کے کھانے جو تکلف کے ساتھ ایک بار باقاعدہ خوانوں میں بھیجے جاتے ہیں۔

[3] لجہ = سمندر یا دریا کی سب سے بڑی گہرائی۔ لجۂ مہتاب یعنی چاندنی کا دریا۔ نہ۔ کمر ٹکڑی کی۔

[4] غلیان دم = خون کا جوش۔ شربت عناب مُسکّن غلیان دم ہے۔

یاں جس کے سبب منہ پہ ہوائی لگی اڑنے[۵۱] اُن نے کہی اب آن کے مہتاب کی پھبتی
کیا لمعِ جبیں پر مرے نواب کے انشاؔ[*]
پھب جاتی ہر خورشیدِ جہانتاب کی پھبتی

(۴۴۲)

یارب ترا ہی ذکر یہاں جب نہ تب رہے ہر دم کے ساتھ ایک حرکت زیرِ لب رہے
بے چین میرے چھیڑے چھوئے سے نہیں ہوئے سوتے ہی آپ رات نہایت کڈھب رہے
لکھا گیا یہ قیس کو ہو مغتنم بہت جوں شمع، لیلیٰ آج اگر شب کی شب رہے
تم تو نہ آئے اور یہاں انتظار میں بہتیرے جام بادہ نمط جاں بلب رہے
ناشکر لوگ ہیں سو یہ ہو اُن کی گفتگو ہر دم کے ساتھ سیکڑوں رنج و تعب رہے
پروردگار سے ہی رہے چشم داشت اُسے جس کو مدام وردِ "امیرِ عرب" رہے
"تبّت یدا ابی لہب" پڑھ کے اِک عزیز ق یک چند بھاگ کر کسی کونے میں دب رہے
لوگوں نے ڈھونڈ کر انھیں پوچھا تو بولے آپ "واللہ" مورے بھاگنے کا یوہ سبب رہے[۵۲]
ہے "مالہُ وماکسب" آیا قرآن میں اِی مال یعنی ہووے سو وہ ماکاسب رہے
اہل و عیال کھاویں ہیں پھر کہاں سے کچھ مہنکا اِلٰہی فکر یہوئی روز و شب رہے
انشاؔ بھلا وہ زاہدِ دیرینہ کیا کرے
خود جس کی جھانک تانک ہیں بنت العنب رہے

---

[۵۱] منہ پر ہوائی یا ہوائیاں اُڑنا = چہرے کا رنگ فق یعنی سفید ہو جانا۔

[۵۲] مورے = میرے۔ یوہ سبب رہے = یہ سبب تھا۔ اِی = یہ۔ مہنکا = مجھ کو۔ یہوئی = یہی۔ ان مذاقیہ اشعار کا مطلب یہ ہے کہ ایک شخص نے جب سورۂ تبّت یدا سنی تو وہ بھاگ گئے۔ بھاگنے کا سبب پوچھا گیا تو انھوں نے کہا کہ جب قرآن میں "مالہ وماکسب" آیا ہے (ماکسب کو وہ ماکاسب سمجھے) تو پھر سب مال ماں لے لے گی میرے بال بچے کہاں سے کھائیں گے یہی فکر مجھ کو دن رات رہتی ہے۔

[*] ق ۳ : "پر تری ہو نور اب انشا"۔

(٤٤٣)

پگڑی تو نہیں، ہے یہ فرانسیس کی ٹوپی — یاں وقت سلام اُترے ہے ابلیس کی ٹوپی

ہر شیخ کے سر ایسی ہی تلبیس[1] کی ٹوپی — جس سے کہ پڑی کانپے ہے ابلیس کی ٹوپی

دیتے ہیں کُلاہ اپنے مریدوں کو جو صوفی — کہتے ہیں یہی تھی سرِ جرجیس[2] کی ٹوپی

سو ٹکڑے ہوئی یہ متعفّن کہ جہاں میں — ایسی تو نہ ہوگی کسی سائیس کی ٹوپی

ہُدہُد کو خوشی تب ہوئی جس دم نظر آئی — ہاتھوں میں سلیمان کے بلقیس کی ٹوپی

کل سوزنِ عیسیٰ ہیں پر و خطِ شعاعی — خورشید نے سی حضرتِ ادریس کی ٹوپی

کیوں واسطے جرّاب کے میری نہ ہو حاضر — غلمان کی اور حورِ فرادیس[3] کی ٹوپی

پریوں کے گھروں میں وہی چوری کے مزے ہیں — جن پاس ہو جنّوں کے جواسیس[4] کی ٹوپی

ممکن ہو تو رکھ دیجے بنا کر ترے سر پر — زربفت و مہ و زُہرہ و برجیس کی ٹوپی

انگریز کے اقبال کی ہے ایسی ہی رسّی — آویختہ ہے جس میں فرانسیس کی ٹوپی[5]

انشا مرے آغا کی سلامی کو جھکے ہے
سُکانِ سراپردۂ تقدیس[6] کی ٹوپی

(٤٤٤)

جی چاہتا ہے شیخ کی پگڑی اُتار لیے — اور تان کے چٹاخ سے اِک دھول مار لیے

۱؎ تلبیس = مکر، فریب، دھوکا۔

۲؎ جرجیس = ایک پیغمبر کا نام (سینٹ جارج) ہے کہ وہ تکلیفوں کے ساتھ مارے جاتے تھے اور پھر حکم خدا سے زندہ ہو جاتے تھے۔

۳؎ فرادیس (فردوس کی جمع)۔

۴؎ جواسیس (جاسوس کی جمع) نسخۂ ق ۲: "دھر"۔

۵؎ اس شعر سے یہ پتا چلتا ہے کہ انگریزوں اور فرانسیسیوں میں ہندوستان میں جو لڑائیاں ہو رہی تھیں اُن میں انگریز جیتے تھے۔

۶؎ سُکانِ سراپردۂ تقدیس یعنی فرشتے۔

سوتوں کو پچھلے پہر بھلا کیوں پکاریے
دروازہ کھلنے کا نہیں گھر کو سدھاریے
کیا سرو اکڑ رہا ہے کھڑا جوئبار پر
ٹک آپ بھی تو اس گھڑی سینہ اُبھاریے
یہ کارخانہ دیکھیے ٹک آپ دھیان سے
بس سون کھینچ جائیے، یاں دم نہ ماریے
ناصح نے میرے حق میں کہا اہلِ بزم سے
بگڑے ہوئے کو آہ کہاں تک سنواریے
انشاؔ، خدا کے فضل پہ رکھیے نگاہ اور
دن ہنس کے کاٹ ڈالیے ہمت نہ ہاریے

۴۴۵

تمارے ہات سے ساقی جو شیشہ توت گئی[1]
بلا ہوا کہ دگر تم بلا سے چھوت گئی
چہ جُوت جُوت دروغی کہ ناک فی دم ہے*
مغل جو تم سے ملا قسمت اُس کا پوت گئی
بسانِ بلبلِ شوریدہ اندریں باغم
بجاست ہجو عرب گر کہوں اموت گئی
مثالِ ماہیِ بے آب میں تڑپتی ہوں
نکل کے دلو سے آں مہ بہ برجِ حوت گئی
چہ چیز جالۂ مکری ست زال محتالہ
جو لے کے تارِ سخن را چو عنکبوت گئی
غطامۂ نخرۂ چوں فدائے نخرۂ او
اور اُس کے زلف کی جو آنکھ جپت سے توت گئی
جو اُس پری کو میں دیکھا یہی کہا انشاؔ
کہ فوجِ غزبلہ آئی مغل کو لوت گئی

۴۴۶

کیا چیز بھلا قصرِ فریدوں مرے آگے
کانپے ہے پڑا گنبدِ گردوں مرے آگے

---

[1] یہ مذاقیہ غزل ایک مغل کے لہجے میں کہی گئی ہے جو اردو نہیں جانتا تھا۔ اسی وجہ سے اس میں اکثر حرف جن کو وہ ادا نہیں کر سکتا ایسے حرفوں سے بدل گئے ہیں جن سے تمسخر پیدا ہوتا ہے۔ "اموت" (عربی: میں مرتا ہوں)۔ دلو اور حوت، دو برجوں کے نام۔ زال محتالہ = مکار بڑھیا۔ فوجِ غزبلہ یعنی ناز و ادا کرشمہ وغیرہ۔

*نسخۂ ق س: "چہ خوب خوب دروغی کہ ناک پہ دم ہے"

مرغانِ[1] اولی اجنحہ مانندِ کبوتر — کرتے ہیں سدا عجز سے غوں غوں مرے آگے
مطلق متوجہ نہ ہوں ہر چند گذر جائیں — صد قافلۂ لیلیٰ و مجنوں مرے آگے
تف بھی نہ کروں، لاد کے گو گاؤ زمیں پر — لادے کوئی گنجینۂ قاروں مرے آگے
منہ دیکھو جو نقارچیِ پیلِ فلک بھی — نقارے بجا کر کہے دوں دوں مرے آگے
ہوں وہ جبروتی کہ گروہِ حکما سب — چڑیوں کی طرح کرتے ہیں چوں چوں مرے آگے
بولے ہے یہی خامہ کہ کس کس کو میں باندھوں — بادل سے چلے آتے ہیں مضموں مرے آگے
ہے دورۂ گیتی جو ہنا یہ کروی شکل — بے شبہ و شک جھیلے کی چوں چوں[2] مرے آگے
مجرے کو مرے خسرو پرویز ہو حاضر — شیریں بھی کہے آ کے بلاوں[3] مرے آگے
بیتابیِ دل دیکھ کے سیماب سے بھر جائے — کف لادے اگر موجۂ جیحوں مرے آگے
کیا آ کے ڈراوے مجھے زلفِ شبِ یلدا — ہے دیوِ سفیدِ سحری جوں مرے آگے
وہ مارِ فلک، کاہکشاں نام ہے جس کا — کیا تاب* جو بل کھا کے کرے نوں مرے آگے
ہر مرحلۂ خمِ غدیر آنکھوں میں چھایا — کیوں چھپ نہ رہے خم میں فلاطوں مرے آگے

میں شاہِ خراساں کے غلاموں میں ہوں انشا
مصروف رہے[4] موسیٰ و ہاروں مرے آگے

(۴۴۷)

نشے میں آ کے جو گل مرشدِ مغاں سے لڑے، — تو بس یہ سمجھو کہ ہم سارے ہی جہاں سے لڑے
بسانِ چرخ زناں[5] پیر چرخ تو کیا مال — جو حکم ہووے تو بندہ فرشتے خاں سے لڑے

---

[1] مرغانِ اولی اجنحہ (یا اولی الاجنحہ) = بازوؤں والی چڑیاں یعنی فرشتے جو عرشِ اعظم کے قریب ہیں۔
[2] چوں چوں = بچوں کے بہلانے کا کھلونا۔
[3] بلاوں = عورتیں جب کسی بڑے مرتبے والے آدمی سے بات کرتی ہیں تو اس لفظ سے ابتدا کرتی ہیں جس سے عجز و انکسار مقصود ہوتا ہے۔
مجرا = تسلیم و آداب۔ * ق ۳ : "کیا دخل"
[4] مصروف رہے یعنی بحیثیت خادم مصروف رہے۔
[5] چرخ زناں = ناچنے والے۔ کیا مال ہے یعنی کیا حقیقت رکھتا ہے۔ چرخے کی بھی مال ہوتی ہے۔ چرخ، چرخ اور مال میں ضلع ہے۔

دعا یہ مانگتے ہیں اب کہ جس طرح سے رات ق
خفا ہو اپنے ہم اُس یارِ مہرباں سے لڑے

اُسی طرح سے الٰہی بہم ملاپ میں بھی
وہاں، وہاں سے لڑے اور زباں زباں سے لڑے

یہ رات آ گئے غصّے میں حضرتِ انشا،
کہ آگ بن گئے اور حملہ مے کشاں سے لڑے

(۴۴۸)

کر ڈالوں گا دیوار ابھی پھاند کے ٹکڑے
دربان کے تیرے لیے اور چاند[ہ] کے ٹکڑے

اُس طفلِ عرق کش نے گلاب آ کے جو کھینچا
تو میرے لیے بھیج دیے ناند کے ٹکڑے

اُن میں سے کئی ہیں جو بنارس کے دوپٹے
چٹکیلے تو رکھ چھوڑ دو، کر دو ماند[ا] کے ٹکڑے

اے بادۂ گلفام تری بھلا رے تیزی
جس ناند میں تھی کر دیے اُس ناند کے ٹکڑے

ہر چال تو کیا چیز ہے، یہ مست تو، انشا،
کر ڈالتے ہیں ہاتھیوں کی پھاند[۲ن] کے ٹکڑے

(۴۴۹)

ہونی نہ تھی سو اے دلِ پُر درد، ہو گئی
پوشیدہ بات چاہ کی بے پرد ہو گئی

دارو جو موتیا کی تھی شیشے میں، ساقیا
ٹھنڈک سے ماہتاب کی، سب سرد ہو گئی

فرہاد، آفریں تجھے۔ گو جی دیا، و لے
مشہور تیری بات، جواں مرد ہو گئی

ظاہر کی گرمیوں سے رہا کیا حصول پھر
جب جانبین کی تہِ دل سرد ہو گئی

چمکی جو برق، وادیٔ مجنوں کے ایک سمت
لیلیٰ سیاہ خیمے میں تھی، زرد ہو گئی

مانع کمند پھینکنے کی آج رات کو
آوازِ پاسبانیٔ شب گرد ہو گئی

ڈوبے ہوئے عرق میں تم آئے تو بزمِ عیش
سب غرقِ بوئے عطرِ گلِ ورد ہو گئی

ا ماند = جس کا رنگ اڑ گیا ہو یا ہلکا پڑ گیا ہو۔

ہ چاند = چندیا، کھوپری۔

۲ن ہاتھیوں کی پھاند = ہاتھی پکڑنے کا جال۔ ن۔ کھاند

جاری نہ ہووے دفترِ عالم میں دخل کیا
یاں دستخطِ حضور سے جو فرد ہوگئی

عاشق نے تیرے ایک دمِ سرد جو بھرا
خوبی نسیمِ صبح کی سب گرد ہوگئی

اِنشاؔ غزل اِک اور بھی لکھ یہ غزل تو خوب
ضرب المثل میانِ زن و مرد ہوگئی

۴۵۰

گرمی کی جو شکوہ تھی سب گرد ہوگئی
دو چار بوندیوں میں ہوا سرد ہوگئی

آگے تو اہلِ درد سے ربطِ درست تھا
پر اب طبیعت آپ کی بے درد ہوگئی

شاہِ جنوں نہیں بسرِ جوش اب کے سال
تھی اُس کی جتنی فوج سو نامرد ہوگئی

اِس داغِ دل کی شکل بھی سوزِ فراق میں
مانندِ آفتاب، جہاں گرد ہوگئی

اے مادرِ جہاں، ترے یُمنِ قدوم سے
وضعِ چمن بسانِ ابی ورد[1] ہوگئی

کر آب پاشی آن کے، اے ابرِ نوبہار
اوراقِ گل پہ جمع بہت گرد ہوگئی

کچھ، اے بگولے، تجھ کو خدا کا بھی خوف ہے
اک پردہ دار جاتی تھی، بے پرد ہوگئی

پریوں سے چو پڑے آ کے، جو اِنشاؔ نے کھیلی آج
ق
پوشاک بعضیوں کی وہیں زرد ہوگئی

اُن میں وہ سبزہ رنگ ملیں، جن کے روپ پر
غشِ عندلیبِ گل کدہ پرورد ہوگئی

جوڑے گلابی ایسے پہن، بعضی آئیاں
شرمندہ جن سے بوئے گلِ ورد ہوگئی

کالی گھٹا کی جشنیں ایسی ہی چھائیاں
بجلی کی گرمی، دیکھ جنھیں سرد ہوگئی

چتون کے ساتھ ساتھ لگی ہونے کو دھاند
ہر ایک چور آپ ہی واں نرد ہوگئی

۴۵۱

بھری وہ آتشِ عشق اِس دلِ فگار میں ہے
کہ لاکھ برق نہاں جس کے ہر شرار میں ہے

---

[1] ابی ورد ایک شہر کا نام جو ولایت ایران میں سرخس کے قریب ہے۔ وَرد گلاب کو کہتے ہیں۔ مادرِ جہاں سے مراد غالباً بہار۔

مزا جو آپ کے پستانے کے کچھ ابھار میں ہے / نہ سیب میں، نہ بہی میں، نہ وہ انار میں ہے ⁂

خدا کے واسطے، اے صاحبو، کہو تو سہی / کہ رسم مہر و وفا بھی کچھ اِس دیار میں ہے

کسی نے اُس کی شکایت جو کی تو میں بولا / وہ کیوں نہ جبر کرے؟ کس کے اختیار میں ہے؟

ملے شراب جوانانِ باغ کو کیوں کر / کہ آپ، پیرِ مغاں، رنجشِ خمار میں ہے

ہمیں جو دستۂ نرگس اُنھوں نے کل بھیجا / تو اُس کے معنے یہ ہیں، جان انتظار میں ہے

لگی ہے مینہ کی جھڑی باغ میں چلو جھولیں / کہ جھولنے کا مزا بھی اِسی بہار میں ہے

سوائے آپ کے یاں کون پوچھے عاشق کو / وہ کس شمار میں ہے کون سی قطار میں ہے

جو ہم سے پوچھیں تیری جان ہے کہاں تو کہیں / ہماری جان تیرے موتیا کے ہار میں ہے

یہ کون پھوٹ کے رویا کہ درد کی آواز / رچی ہوئی جو پہاڑوں کے آبشار میں ہے

پیالہ دور کر اے ساقی، اب تو رندوں کی / روانہ کشتیِ مے موجِ لالہ زار میں ہے

خرامِ ناز سے ٹک آپ آ کے کھو دیجے / اکڑ سما جو رہی سروِ جوئبار میں ہے

بگولے* وادیِ مجنوں میں اُٹھ رہے ہیں آج / مگر عماریِ لیلیٰ اُسی قطار میں ہے

کدھر سے آتی ہے آوازِ دوست، اے مطرب / نہ نطق اُنگلیوں میں ہے نہ چوبِ تار میں ہے

یہ چاہیے کہ تبختر میں ہوئے، سو معلوم / جو آدمی کو مزا عجز و اِنکسار میں ہے

مجھے یہ آج پری پیکروں نے لکھ بھیجا / ق / کہ آئیے، چمنِ نرگس اِنتظار میں ہے

پھوہار مینہ کی خوش آیند ہے بہت اِس وقت / شراب پینے کا موقع اِسی پھوہار میں ہے†

مجھے یہ آٹھ پہر سوچ ہے کہ کیا ہوگا / یہ ایک گل، سو پھنسا سو کروڑ خار میں ہے

بہم نہ ملنے کے شکوے عبث ہیں آپس میں / ہر ایک شخص لگا اپنے کاروبار میں ہے

بدل کے قافیہ اِنشا لکھ اور تازہ غزل‡
کہ یہ غزل جو سُنائی سو کس شمار میں ہے

⁂ ق ۳: میں یہ شعر نہیں ہے۔

* ق ۳: "بھبوکے"۔

† ق ۳: "بہار" (بجائے پھوہار، دونوں جگہ)

‡ ق ۳: "اور ایک غزل"۔

۴۵۲

عجیب لطف کچھ آپس کی چھیڑ چھاڑ میں ہے
کہاں ملاپ میں وہ بات جو بگاڑ میں ہے

کھڑی جو کوئی کواڑوں کی اپنے آڑ میں ہے
تو کیا نمود جھگڑے کی اِس دڑاڑ میں ہے

صبا یہ جاکے تو کہہ دیجو بیدِ مجنوں سے
کہ ناقہ شاہدِ حی کا کھڑا اُجاڑ میں ہے

یہ کاش دیدۂ درباں کے بیچوں بیچ پھرے
نکیلی چول لگی تیرے جو کواڑ میں ہے

سکونت اپنی کدھر ہو سکے، کہ مجنوں تو
پڑا اُجاڑ میں ہے، کوہکن پہاڑ میں ہے

یہ مجھ سے کہنے لگے ایک شخص تھے جو اکول[۱]
مزاج پوچھیے سچ سچ، تو چولھے بھاڑ میں ہے

ہزار طرح کی فکریں خراب کرتی ہیں
غرض نہ پوچھو کہ انسان کس لتاڑ میں ہے

گھر آئے شور سے دل بادل آج، دیکھ انشاؔ
کہ بے طرح سے پھنسی برق بھیڑ بھاڑ میں ہے

۴۵۳

مت ہاتھ اٹھا اپنے تو بسمل کے گلو سے
تا آبِ دمِ تیغ لبِ زخم تو چوسے

کیا اُن کو سروکار بھلا جام و سبو سے
وہ مست کہ ہو نشہ جنھیں نعرۂ ہُو سے

تارِ رگِ گل بھی نہ میسر ہو، تو جرّاح!
باز آئیے چاکِ دلِ بلبل کے رفو سے

اے شوخ پری چہرہ عجب لطف ہو جس دم
میں ہونٹ ترے چوسوں، مرے ہونٹ تو چوسے

تو سایہ فگن ہووے تو جوں سروِ چراغاں
ظاہر یدِ بیضا ہو مرے ہر سرِ مو سے

آہِ دلِ عاشق بھی، دمِ گریہ، کسی طرح
کچھ کم نہیں، اے فاختہ، سرو لبِ جو سے

تم تم یہ ترانے کے سے کیا بول ہیں، صاحب
نفرت جو مجھے "تم" سے ہے سو وہ نہیں "تو" سے

ہم نے تبھی جانا کہ کیا کوچ کسی نے
اک ابرِ سیہ اُن کے جو اٹھا سرِ کو سے

میں جھوٹ نہ بولوں گا مجھے تم سے ہے الفت
بیٹھا طرفِ کعبہ ہوں اِس وقت وضو سے

۱؎ اکول = پیٹو۔ بہت کھانے والا۔

کر قتلِ شہیدِ مئے الفت کو یہ بولے — ہر بوئے شراب آتی مجھے اس کے لہو سے
انشاؔ یہ جو ہر ریختہ گوئی کی عمارت
تو اس میں لگا اور فصاحت کے موسے[۱]

(۴۵۴)

معلوم نہیں روٹھے ہیں کس آئینہ رو سے — پانی جو اترتا نہیں غنچوں کے گلو سے
کیوں کر نہ لپٹ جاؤں صراحی کے گلو سے — بیعت مجھے پھر تازہ ہوئی دستِ سبو سے
اے حضرتِ خضر! اُن کو بھلا روند سکے کون — سبزے جو اُگیں آپ کے اِس آبِ وضو سے
ناصح! مجھے مت چھیڑ کہ رکھتا نہیں ہرگز — کچھ چاکِ گریبانِ سحر کام رفو سے
اب کوئی ہُما ہو تو اُسے ذبح کریں ہم — تعویذ بہت لکھ چکے ہُدہُد کے لہو سے
ہو اِک سرِ مو حیدرِ صفدر سے جسے بغض — الحق کہ وہ کافر ہے احادیث کی رو سے
عقبیٰ کی بھی کچھ فکر ہے انسان کو لازم — مرغی کی طرح بیٹھ کے انڈے ہی نہ تو سے
شغل سے کوئی غولِ بیاباں کی جو ڈھونڈے — تو بھی نہ ملیں شیخ جی صاحب سے مٹھو سے
ہے عشق کی وہ راہ کہ اب جس کی بدولت — ہیں بڑھ چلے چیلے کئی اِک اپنے گرو سے
کیا غم ہے، اگر خیر نہیں آنکھ لڑاتی — یہ نرگسِ شہلا، تو فقیروں کے کدو سے[۲]
دولت سے ترے حسن کی اے فتنۂ آفاق — تھے دوست مرے جتنے وہ بن بیٹھے عدو سے
اب قافیے باندھ اور ہی انداز کے، انشاؔ
ہے تجھ کو گذرنا شعرا کے سرِ کو سے

(۴۵۵)

چین آوے نہ کیوں ایسے پریزاد کی بو سے — بن مانگے دیے جن نے مجھے آن کے بوسے

---

[۱] موسا: وہ کھڑی لکڑی جو دیوار کی مضبوطی کے واسطے لگائی جاتی ہے۔

[۲] "فقیروں کے کدو سے" فقیروں کی بلا سے (بازاری)

اب بیچ کے لوگوں کی تو کیا چاہیے منّت — دل ہم نے دیا تھا سو اُنھیں کے تو بھروسے

معقول، چہ خوش، واچھڑے، انصاف کی خوبی! — جو شخص دعائیں تجھے دے تو اُسے کوسے

کیوں کس لیے کس واسطے، آزردگی اتنی — باللہ کہ تنگ آئے ہیں ہم آپ کی خو سے

کیا کیجیے، بن بولے رہا تو نہیں جاتا — اللہ کہاں تک کوئی اِس دل کو مسوسے

شیشے نہ ہوں وس بیس تو مستوں کی تسلّی — ساقی کوئی ہوتی ہے بھلا ایک سے، دو سے

ہر ایک قناعت کو فقط نانِ جویں بس — درکار نہیں اُن کو تکلّف کے سموسے

امرد[1] نہ کبھی کہیے مہ و مہر کو ہر گز — ہیں یہ بھی اُسی زمرے میں جو ہوتے ہیں کھوسے

کچھ فائدہ بھی بحث سے، اے ناصحِ مشفق — آتے ہو نظر تم مجھے کچھ بیہُدہ گو سے

اِنشا، غزل ایک اور قوافی میں تو کہہ ڈال
داد اُس کی بھی مانگ آ کے ہر اک ریختہ گو سے

۴۵۶

ہو توبہ شکن آج، دلا، تو سرِ نو سے — کپڑوں پہ چھڑک مے کو، اُڑا شمع کی لو سے

ہر عاشقِ صادق یہ ترا ایک بہادر — دس بیس تو کیا چیز، وہ ڈرتا نہیں سَو سے

اک بوسے پہ، دل، تجھ کو لگا دیتے ہیں ہم یوں — جیسے متمتّعِ ہو کوئی مالِ گرو سے

کر بیٹھے ہیں فضلِ خدا ساز پہ تکیہ — جب بن نہ پڑی بات کچھ اپنی تگ و دو سے

جان اہلِ توکّل انھیں اشخاص کو جو ہیں — محظوظ پیاز و نمک و گردۂ جو[2] سے

کیوں مغز پھراتے ہو مرا، ناصحِ مشفق — گر بچتے ہو جا کر تو کسی حرف شنو سے

یاد آتے ہیں اِک پیرِ مغاں کے مجھے ابرو — ہر اس سبب اِفراطِ محبّت مہِ نو سے

اے دل، وہ خوشا کشتِ برومند کہ جس کو — خطرہ ہی نہیں تہلکۂ وقتِ درو سے

افواجِ گل و لالہ میں ہر زلزلہ، اِنشا
اس بادِ بہاری کی سواری کے جلو سے

---

[1] امرد = جوان لڑکا جس کے ابھی داڑھی مونچھیں نہ نکلی ہوں۔ کوسا یا کھوسا = وہ مرد جس کے داڑھی نکلی نہ ہو یا بہت ہی کم بال ٹھوڑی پر ہوں۔
[2] گردۂ جو = جو کی روٹی۔

۴۵۷

یہ نہیں برق، اِک فرنگی ہے ... رعد و باراں تفنگِ جنگی ہے

کوئی دنیا سے کیا بھلا مانگے ... وہ تو بے چاری آپ ننگی ہے

واہ دلّی کی مسجدِ جامع ... جس میں برّاق فرشِ سنگی ہے

حوصلہ ہے فراخ رندوں کا ... خرچ کی پر بہت سی تنگی ہے

لگ گئے عیب سارے اُس کے ساتھ ... یوں کہا جس کو "مردِ بنگی[1] ہے"

ڈر، و وحشت کی دھوم دھام سے تم ... وہ تو اک دیونی د بنگی ہے

جوگی جی صاحب، آپ کی بھی واہ ... دھرم مورت عجب کڈھنگی ہے

آپ ہی آپ ہے پکار اُٹھتا ... دل بھی جیسے گھڑی فرنگی ہے

چشمِ بد دور، شیخ جی صاحب ... کیا اِزار آپ کی اُٹنگی ہے

شیخِ سعدیِ وقت ہے اِنشا
تو ابو بکرِ سعدِ[2] زنگی ہے

۴۵۸

شب خواب میں دیکھا تھا مجنوں کو کہیں اپنے ... دل سے جو کراہ اُٹھی، لیلیٰ کو لیا تپ نے

دیکھے ترے جلوے کو باہمن کی جو بیٹی بھی ... منہ سے وہیں کلمے کو یک بار لگے جپنے

ہے جنسِ پری سا کچھ، آدم تو نہیں اصلا ... اِک آگ لگا دی ہے اِس اَمردِ خوش گپ نے

اِس طرح کے ملنے میں کیا لطف رہا باقی ... ہم اُس سے لگے رُکنے، وہ ہم سے لگے چھپنے[3]

ہنگامِ سخن سنجی آتش کے زبانے[4] کو ... شرمندہ کیا، اے دل اُس شوخ کی گپ شپ نے

۱۔ بنگی = بھنگ پینے والا، بھنگڑ۔

۲۔ شیراز کا بادشاہ ابوبکر سعد زنگی۔ شیخ سعدی کے مربی تھے۔ یہاں مخاطب نواب سعادت علی خاں ہیں۔

۳۔ چھپنا ۔ (بالفتح) = کسی سے الگ الگ رہنا۔

۴۔ زبانۂ آتش = آگ کی لو۔

ہر امر میں دنیا کے موجود جدھر دیکھو — آدم کو کیا حیراں شیطان کی لپ جھپ نے
گرمی سے مرے دل کی اس موسمِ سرما میں — یہ گنبدِ گردوں بھی یک بار لگا تپنے
رہ وادیِ ایمن کی لیتا ہوں کہ گھبرایا — اس دل کی بدولت یاں مجھ کو طرفِ جپ نے
ہر ہم سے بھی ہو سکتا جو کچھ نہ کیا ہوگا — مجنوں سے جفاکش نے، فرہاد سے سرکپ[1] نے
چل ہٹ بھی پرے بجلی، دل بادلوں کو لے کر — دہلا ہی دیا تیری تلواروں کی شپ شپ نے

کب تک نہ کراہوں میں نالے نہ بھروں کیوں کر
مَیں کیا کروں، اے انشاؔ اب جی ہی لگا کھپنے

(۴۵۹)

مل گئے پر حجاب باقی ہے — فکرِ ناز و عتاب باقی ہے
بات سب ٹھیک ٹھاک ہے، پر ابھی — کچھ سوال و جواب باقی ہے
گرچہ معجون کھا چکے، لیکن — دورِ جامِ شراب باقی ہے
جھوٹے وعدے سے اُن کے یاں اب تک — شکوۂ بے حساب باقی ہے
گاہ کہتے ہیں شام ہو وے، ابھی — ق — ذرۂ آفتاب باقی ہے
پھر کبھی یہ کہ ابر میں کچھ کچھ — پرتوِ ماہتاب باقی ہے
ہے کبھی یہ کہ تجھ پہ چھڑکیں گے — جو لگن میں شہاب باقی ہے
اور بھڑکے ہے اشتیاق کی آگ — اب کسے صبر و تاب باقی ہے
اُڑ گئی نیند آنکھ سے، کس کو — لذتِ خورد و خواب باقی ہے
ہے خوشی سب طرح کی، ناحق کا — خطرۂ انقلاب باقی ہے
ہے وہ دل کی دھڑک سوچوں کی توں — جی پر اُس کا عذاب باقی ہے
جو بھرا شیشہ تھا ہوا خالی — پر وہ بوے گلاب باقی ہے
اپنی اُمید تھی، سو بر آئی — یاس شکلِ سراب باقی ہے

[1] سرکپ = سر کھپانے والا - سر کی بازی لگا دینے والا۔

ہر یہی ڈول جب تک آنکھوں میں   دم بسانِ حباب باقی ہر
مثلِ فرمودۂ حضورِ انشا
کچھ وہی اِضطراب باقی ہر

(۴۶۰)

یاں زخمیِ نگاہ کے جینے پہ حرف[1] ہر   ہر دل پر اپنے زخم کہ سینے پہ حرف ہر
زر خرچیاں کہاں تلک اپنی بیاں کریں   قارون کے بھی یہاں تو خزینے پہ حرف ہر
ملتے تھے چوتھے پانچویں، وہ وقت تو گیا   اب یہ کہ چار پانچ مہینے پہ حرف ہر
کیا دخل، وہ جو ہاتھ سے میرے پییں شراب   واں کہتے کہتے بات بھی پینے پہ حرف ہر
طوفانِ اشک، نوح علیہ السّلام سے   بولا کہ آپ کے بھی سفینے پہ حرف ہر
ناچیز آپ جانتے ہیں اِس قدر مجھے   اُلفت تو جاوے بھاڑ میں کینے پہ حرف ہر
ناصح جگر کے زخم کو جرّاح کیا سیے   یاں سوزنِ مسیح کے سینے پہ حرف ہر
یاں ہر بُنِ مسام میں خونناب ہر رواں   نکلے تو خوں ہی نکلے پسینے پہ حرف ہر
اِنشاؔ کی مُہر پڑھیے بھلا آشنا ہوا   ق کندیدہ کوئی اِس کے نگینے پہ حرف ہر
اب دھیان کرکے دیکھیے کیا ہی گٹھا ہوا
اِس کا ہر ایک، اپنے قرینے پہ حرف ہر

---

[1] حرف ہونا (کسی بات پر) = معیوب ہونا۔

رُباعیات

انشا نے فارسی اور اُردو دونوں زبانوں میں رباعیاں کہی ہیں۔ یہاں صرف اُردو کی رُباعیاں دی جاتی ہیں۔ معلوم ہوتا ہے کہ انشا رباعی، قطعہ، مخمس، مسدس وغیرہ کے مرد میدان نہ تھے۔ اُن کی رباعیاں بالکل سادی پھیکی اور بے مزہ ہیں۔ ان میں کوئی نکتہ یا وہ تڑپ نہیں ہے جو رباعی کی جان ہے۔ رباعی کی خوبی یہ ہے کہ اس میں اخلاق، تصوف، یا مذہب کا کوئی نکتہ یا کوئی رندانہ، مستانہ، اور آزاد خیال چند الفاظ میں مختصر اور جامع طور پر اس انداز سے ادا کیا جائے کہ سُننے والا عش عش کرنے لگے وہ اس کے دل میں اُتر جائے جس کو وہ کبھی نہ بھول نہ سکے جو سامع کی معلومات میں ایک غیر متوقع طور پر کوئی دلچسپ اضافہ کرے۔ اور اُس کا چوتھا مصرعہ بہت بلند ہو جیسا کہ منیر لاہوری نے رباعی کی تعریف میں ایک جگہ لکھا ہے ؏ ہر مصرعۂ اوبود چہارم مصرعہ۔ آپ کہیں گے کہ یہی بات قطعہ میں بھی ہو سکتی ہے یا ہونا چاہیے۔ بیشک قطعہ بھی مثل رُباعی کے اظہار خیالات کا ایک نام ہے جو محدود الفاظ میں سلسلہ بند ادا کیا جاتا ہے۔ مگر فرق یہ ہے کہ رباعی دو بیتوں سے زیادہ بڑھ نہیں سکتی (اسی لیے اس کو دوبیتی بھی کہتے ہیں) اور ایک خاص مقرّرہ انداز میں جس کو وزن یا بحر کہتے ہیں وہ خیال ادا کیا جاتا ہے۔ مگر قطعہ کے لیے نہ تو مقرّرہ تعداد کے اشعار کی قید ہے نہ کسی خاص وزن یا بحر کی مضمون کے اعتبار سے بھی قطعہ بہ نسبت رُباعی کے زیادہ وسیع ہے کیوں کہ اُس میں ہر طرح کا سلسلہ بند خیال باندھا جا سکتا ہے۔

انشا کی پہلی پانچ رباعیاں "طلب باراں" میں ہیں۔ جو ایک نہایت خشک مولویانہ مضمون ہے۔ اس کے بعد کچھ بامذاق رُباعیاں "اجنا" اور "اجناس" کی تحقیق میں ہیں۔

جن کی نسبت آبِ حیات میں ہے" اعلیٰ درجے کے اہلِ انشا میں ایک مولوی صاحب تھے انھوں نے فردِ حساب میں "اجناس" کو "اجنا" لکھ دیا۔ سعادت علی خاں تو ہر شے پر نظر رکھتے تھے۔ ان کی بھی نگاہ پڑ گئی۔ مولوی کو جواب دینے پر کمال ہوتا ہے انھوں نے کچھ قاموس کچھ صراح سے اجنا کے معنی بتائے۔ کچھ قواعدِ نحو سے ترخیم میں لے گئے۔ نواب صاحب نے انھیں اشارہ کیا۔ انھوں نے مارے رباعیوں اور قطعوں کے اُلّو کر دیا۔ . . . ." اب وہ رباعیاں سنیے!

(۱)

یارب بطفیلِ اشکِ چشمِ زہراؑ
فرما دے ابھی، اِک ابر آوے گہرا
جل تھل بھر جاویں، ہووے خلقت سرسبز
لگ جاوے اِسی گھڑی، جھڑی کا لہرا[۱]

(۲)

ہر خشک پہاڑ کی بھی چھاتی "یارب!
یہ گرم ہوا نہیں خوش آتی، یارب!
کر ابرِ کرم کو حکم برسے، ورنہ
ہر گاوِ زمیں کی جان جاتی، یارب!

(۳)

یا بارِ اِلٰہ مصطفیٰ کا صدقہ
اولادِ بتول و مرتضیٰ کا صدقہ
برسا دے مینہ، ہری بھری ہو خلقت
یارب شہدائے کربلا کا صدقہ

(۴)

جس وقت بڑے بھلوں کو رونا آوے
خلقت کے جگر جلوں کو رونا آوے
برسے، برسے ہی مینہ[+]، نہ برسے کیوں کر
کس طرح نہ بادلوں کو رونا آوے

(۵)

رو پا برسائیں گے روپہلے بادل
سونا برسائیں گے سنہلے بادل
اُمید نہ توڑ حق سے، اِنشاءاللہ
آپہونچے وہ دیکھ اہلے گہلے[۲] بادل

---

[۱] لہرا = تسلسل۔ [۲] اہلے گہلے = بے تکلف۔ کثرت سے۔

[+] ق ۳: "برسے ہی برسے مینہ"

(۶)

کیا ہاتھ ہلا کے پوچھتے ہو: ہر خوش؟ — ہم جیسے ہیں خوش، کبھی نہ ہوگا کَے[1] خوش
بس ٹھسکے ہی پڑتے ہیں نشے کی دھن میں — مَے پی کے مزاج ہو رہا ہے مَے خوش

(۷)

اجناس کے موقع میں اجنا دیکھو[3] — سلمائے علوم کا یہ سجنا دیکھو
اجنا جیسے ست کاں بروید زِ زمیں — یوہ تخمِ لغت کا تو اُبجنا دیکھو

(۸)

اجناس کی جا، گیا جو اجنا لہرا — گھر آیا لغت کا ایک بادل گہرا
تصویرِ ملھار کی دکھائی پھر تو — تفصیل نہ ٹھہری، راگ[2] مالا ٹھہرا

(۹)

دستارِ لغت تھیں نہ سجنا آیا — اجناس میں کو دیکیوں کے اجنا آیا
اجنا کوئی ڈھول والا ہوگا، اُس کا — کاغذ میں کہاں یہ ڈھول بجنا آیا

(۱۰)

اجناس کے بدلے لکھے اجنا کیا خوب — قاموس کے رعد کا گرجنا کیا خوب
از روے لغت نئی اُپج کی لی ہے — اُس تان کے "بیچ"* کا اُبجنا کیا خوب

(۱۱)

بدلے اجناس کے جو اجنا لکھیے — بادل کے گرجنے کو بھی گجنا لکھیے
اجنا رجنا کے باپ[*] کو کیوں کردے — ٹک آپ ہی اُن کا یاں پہ سجنا لکھیے؟

(۱۲)

اجناس کی فرد پر یہ اجنا کیسا — یاں ابرِ لغات کا گرجنا کیسا

---

[1] قدیم شاہان ایران جن کے نام کے پہلے لفظ کے تھا۔ مثلاً کیخسرو۔ کیقباد وغیرہ۔
[2] راگ مالا: وہ کتاب جس میں راگ کے اصول مندرج ہیں۔ ۴م: "بیچ"
[3] یہ رُباعی آبِ حیات آزاد میں ہے جس کی ردیف "آیا" ہے۔
[*] ق ۳: "کی بات کو"۔

گو ہوں اجنا کے معنی: جو چیز اُگے — پر ہر یہ نئی اُپج۔ اُجنا کیسا

(۱۳)

ترخیم کے قاعدے کا سجنا لکھیے — اور اپنے خر و جنا کو خجنا لکھیے[1]
منظور " اجی نہ لکھیے" لکھنا ہووے — تو کرکے مرخم اُس کو اجنا لکھیے

(۱۴)

بھاتا ہے بھوک پیاس سب کچھ سہنا — اور روزے میں اِنتظارِ مغرب رہنا
آپس میں سحر گہی کی چہلیں اور پھر — "بالصومِ غداً نویتُ" اُن کا کہنا[2]

(۱۵)

میں کوچۂ عشق کی جو کرتا ہوں سیر — آرام سے اور اس سے تو ذاتی ہے بیر
ہر لحظہ مری زباں پہ جاری، انشا — "ربّ یسّر" ہے اور "تمّم بالخیر"[3]

(۱۶)

اِحرام میں " لبّیک وسعدیک"[4] سے دل — خوش کرتے ہیں گو کعبہ رواں فعّال سب ل
ناقوسِ صنم سے ہم بھی یہاں سنتے ہیں: — سُبحانکَ ما خلقتَ ہٰذا باطل[5]

(۱۷)

ہر اُنس مجھے تو سب سے ہر کس سے بیر — کعبے میں بہت رہا ہے اب قصد دیر
اے زاہد و برہمن نہیں ہے کچھ فرق — یہ بھی اک سیر ہیگی وہ بھی اک سیر

(۱۸)

تھیں جس کے لیے وہ چہلیں تھیں تس کے لیے — ویسا پھر کون ہو کہ ہوں جس کے لیے

---

[1] "خر و جنا" یعنی گدھا اور اُس پر جو میوہ لدا ہوا ہے (؟)
[2] "بالصومِ غداً نویتُ" (نیت کی میں نے کہ کل روزہ رکھوں گا)۔
[3] "ربِّ یسّر و تمّم بالخیر" (اے اللہ، آسان کر دے اور خیر کے ساتھ تمام کر۔)
[4] "لبّیک وسعدیک" (میں حاضر ہوں اور مطیع ہوں)
[5] یہ قرآن کے اِس فقرے کا اقتباس ہے: "ربّنا ما خلقتَ ہٰذا باطلاً سُبحانک ..... (اے ہمارے پروردگار تو نے اس عالم کو بے فائدہ تو نہیں بنایا۔ تیری ذات پاک ہے.....)

آرام و شکیب و صبر و طاقت سب گئے
روؤں پیٹوں بھلا میں کس کس کے لیے

(۱۹)

دین و دنیا و نام و عزّ و تمکیں
تسکینِ دل و قناعت و صبر و یقین
خلقت کو اپنی تو نے سب کچھ بخشا
اللہ! مگر ہم ترے بندے ہی نہیں

(۲۰)

زاہد جو ہیں ہر اُن کو طاعت پہ گھمنڈ
اہلِ دنیا رکھیں ہیں دولت پہ گھمنڈ
واقف ہوں نہ طاعت سے نہ دولت سے میاں
ہر مجھ کو اگر تو تیری+ رحمت پہ گھمنڈ

(۲۱)

ہر چند کہ ہیں بحسب ظاہر ہم کم
حق ہم میں ہر اور حق میں ناحق ہیں ہم
باور جو نہ ہووے زاہدوں کو دیکھیں
پُتلی میں ہیں آنکھ کی ہر سارا عالم

(۲۲)

غم نے ترے ایک دم نہ دل خوش چھوڑا
تھا صبر جو یار، اُن نے بھی مُنہ موڑا
جلنا ہر عجب طپش سے اِس سینے میں
اللہ! یہ دل ہر یا کہ پکّا پھوڑا

(۲۳)

آنے کا ترے خیال جد سے گذرا
دل صبر و حیا سے اپنی تد[۱] سے گذرا
کب تک دیکھا کروں بھلا بیٹھا راہ
بس یار، کہ انتظار حد سے گذرا

(۲۴)

اپنی بھی نظر میں سب یہ گھاتیں ہینگی
ہاں تم ہو رقیب اور یہ راتیں ہینگی
کہتے جو ہو: تجھ کو میں بہت چاہوں ہوں
مُنہ پر کی میاں یہ ساری باتیں ہینگی

(۲۵)

ہاں مُنہ پہ کہیں تمھارے ہم سے ہر بیَر
رہتے ہی نہیں ہو، ہائے اِک دم بے غیر

+ ق: "بس مجھ کو ہر ایک تیری"

[۱] جد = جب۔ تد = تب۔ (پرانی زبان ہر۔)

کچھ اور تو کیا کریں گے، لیکن ضد سے — دے بیٹھیں گے جی ہی ہم پھر اپنا بس خیر

(۲۶)

میزان میں قیاس کی، ہنر سے عاری — جو شخص ہیں، طالع نے انھیں دی یاری
اعلیٰ درجے کو پہنچے وہ، ہم رہ گئے — کیوں ہو نہ گرانمایوں کا پلّہ بھاری

(۲۷)

کافر یہ کہے ہر حق پرستی سے گذر — ناصح کہتا ہر جوشِ مستی سے گذر
اِنشا جو تو مجھ سے پوچھے دونوں ہیں پوچ — جھگڑا کہیں چھوٹے، اپنی ہستی سے گذر

(۲۸)

میں نے جو کہا اُس سے یہ رو رو، پھر آہ — صد حیف کہ دل سے دل نہ ہووے آگاہ
وہ، ہاتھ کو پھیر اپنے منھ پر، بولا — سمجھوں گا بھلا تجھ سے میں، اِنشا اللہ

(۲۹)

بھلّہ رے تمھاری شان، بھلّہ رے دماغ — بھلّہ رے تمھاری آن، بھلّہ رے دماغ
مجھ سے کبھی بات بھی نہ کرنی، اللہ! — بھلّہ رے دماغ، جان، بھلّہ رے دماغ*

(۳۰)

شب نعش پہ پروانے کی گریاں تھی شمع — اور آتشِ فرقت سے فروزاں† تھی شمع
اتنے میں پتنگ کے سر سے تاجِ زرّیں — دیکھو تو‡ ستی ہو گئی بے جاں تھی شمع

(۳۱)

میں نے جو کہا مری طرف تو دیکھو — دیتا ہوں وگرنہ جی ہی دیکھو دیکھو
غُصّہ ہو لگے کہنے کہ ایں کیا، معقول! — خوبی خلطے کی واہ منھ تو دیکھو

(۳۲)

ٹھہرا ہے یہی جو دن ہر بھر نا جینا — ایسا مجھ کو تو کیا ہے کرنا جینا

---

* ق ۳: "بھلّہ رے تمھارے، جان، بھلّہ رے دماغ"۔

† ن: "معرفت سے سوزاں"۔ ‡ ق ۳: "دیکھوں تو"۔

جو دم کہ کٹے خوشی سے، سو بہتر ہے آخر تو یہ لگ رہا ہے مرنا جینا

(۳۳)

لازم یہ ادا و ناز سہنا ہی نہ تھا اور اُس کی طرف دیکھ کے رہنا ہی نہ تھا
اِظہار کیا کہ چاہتے ہیں تجھ کو کہہ بیٹھے ہم اُس سے جو کہ کہنا ہی نہ تھا

(۳۴)

لی چٹکیے سے میں نے جبکہ اُس کے چٹکی* بولی کہ پڑے جان پہ تیرے پُٹکی[۵۱]
پھر دانت تلے کھٹک کے ناخن یہ کہا بس چل بے اَب آشنائی تجھ سے کُٹ کی

(۳۵)

عالم کے بھی طور ہم نے کیا کیا دیکھے خوباں کے† لطف و جور کیا کیا دیکھے
شادی و غمی و ہجر و وصل، اے اِنشا کیا کیا دیکھیں گے اور کیا کیا دیکھے

(۳۶)

یوں میں نے سُنا کہیں، وہ کل ہی جاوے اِس غصّے سے جان کیوں نہ جل ہی جاوے
گھبرا گھبرا کے دم لبوں پر آیا اُف کیجیے اور بس نکل ہی جاوے

(۳۷)

جم جم[۵۲] تو بیٹھے اور دے مجھ کو جام جم جم تو بیٹھے اور دے مجھ کو جام
اِس دَور میں ساقیا بہ تکرارِ نگاہ‡ جم جم تو بیٹھے اور دے مجھ کو جام

(۳۸)

کی مے سے جو ایک بار توبہ، توبہ اے ساقی و اے بہار توبہ توبہ

---

* ق ۲: "اوس کو چٹکی"

† ق ۳: "کے بھی" ‡ م۔ ن: بہ تکرار نگہہ۔ مخزن فوائد: بہ تکرار نگہہ۔

[۵۱] پٹکی = پھٹکار۔ نفریں عورتوں کی زبان۔ کُٹ رہا کھٹ کرنا۔ توڑ دینا۔ ترک کرنا۔

[۵۲] جم جم صاحب فرہنگ آصفیہ یہ لکھتے ہیں سلامتی اور دولت و اقبال کے ساتھ اور اس کے آگے لکھتے ہیں دیکھو دیوان اِنشا اور تعریف نواب دولھا" اس سے یہ معلوم ہوتا ہے کہ یہ رباعی نواب دولھا کی تعریف میں کہی گئی تھی۔ جم جم عورتوں کی زبان ہے اور اس لفظ کے معنی اس رباعی میں یہ لیے گئے ہیں (۱) نت نت ہمیشہ (۲) دعائیہ یعنی سلامتی اور اقبال کے ساتھ اور (۳) خدا ایسا ہی کرے۔

بس کیجے معاف - مجھ سے تقصیر ہوئی
توبہ توبہ، ہزار توبہ توبہ

(۳۹)

پھر عشق ہوا ہے میرے جی کا جنجال
ہر وقت رہے ہے مجھ کو اس کا ہی خیال
اب دھیان کہیں ہے اور چیتون ہے کہیں
دل کا ہے اِن دنوں عجائب احوال

(۴۰)

جنّت کے فواکہ ہیں روپئے پیسے یوں
سمجھوں ہوں نصیبوں میں اگر اپنے ہوں
جو لذّت و لطف چاہو اِن سے لے لو
طوبیٰ کے سے پھل ہیں یہ کہ پھر جوں کے توں

(۴۱)

گذری دنیا میں خیر جیسی گذری
ہر طرح یہ غم میں ایسی تیسی گذری
پر وھاں کی خبر ملی نہ کچھ آج تلک
بیچارے مسافروں پہ کیسی گذری

قصائد

قصائد بھی مثل رباعیات کے زوردار نہیں۔ نہ اُن میں سودا کی سی بلند پروازی و مضمون آفرینی ہے نہ ذوق کی سی روانی و شیرینی۔ حق یہ ہے کہ اُردو کا کوئی شاعر صنف خاص میں سودا اور ذوق کا ہم پلّہ نہیں ٹھہر سکتا۔ مولانا محمد حسین آزاد جو شعرا کی تعریفیں خوب دل کھول کر کرتے ہیں۔ انشا کے قصائد کی نسبت لکھتے ہیں:

"قصیدے بڑے دھوم دھام کے ہیں۔ الفاظ کی شکوہ طبیعت کی بلند پروازی کی کوئی حد نہیں" وغیرہ وغیرہ۔ مگر آگے چل کر لکھنا پڑتا ہے کہ "وہاں قصیدے کی متانت اور وقار کے اصول ہاتھ سے جاتے رہتے ہیں۔ اس میں کبھی تو کلام میں شوخی اور ایک قسم کا بانکپن پیدا ہو جاتا ہے کبھی مبتذل ہو جاتا ہے۔" اس میں شک نہیں کہ قصیدے بڑی دھوم دھام کے ہیں مگر یہ دھوم دھام الفاظ کی ہے نہ کہ خیالات کی یعنی لفظی ہے نہ کہ معنوی۔ انشا کو عربی پر عبور تھا۔ اس لیے عربی الفاظ بلکہ جملے کے جملے بے تکلف بول جاتے ہیں۔ مگر بعض موقع پر وہ الفاظ غیر مانوس ہوتے ہیں اور لغت گردانی کی ضرورت پڑتی ہے۔ مگر اس میں بھی شک نہیں کہ زبان پر قدرت اور فارسی و عربی کا تبحّر اِن کے کلام کو بے ربط اور بدمزہ نہیں ہونے دیتا۔ الفاظ کے نگینے گو اچھے تراشے نہیں ہوتے مگر گرانقدر اور خوبصورت ضرور ہوتے ہیں جس سے زیورِ کلام بھدّے پن کے عیب سے محفوظ رہتا ہے۔

انشا کے ممدوح بھی بخلاف سودا اور غالب کے ممدوحوں کے بکثرت نہیں۔ حمد و منقبت اور نواب سعادت علی خاں والیِ اودھ کے علاوہ (جن کے دربار کے انشا ایک مشہور رکن تھے) اُردو کا ایک قصیدہ بادشاہِ دہلی شاہ عالم کی مدح میں۔ ایک قصیدہ بادشاہِ انگلستان کی سالگرہ کی مبارک باد میں۔ ایک شاہزادہ

مرزا سلیمان شکوہ کی مدح میں اور ایک دُلھن جان کی تعریف میں ہے۔ افسوس ہے کہ آخر الذکر کا کچھ حال ہم کو نہ معلوم ہو سکا۔

(۱) حمد میں

اے خداوندِ مہ و مہر و ثریا و شفق ۔۔۔ لمعۂ نور سے ہے تیرے جہاں کو رونق

بیٹھ کر مکتبِ ابداع[1] میں تو نے کھولے ۔۔۔ دفعتہً نسخۂ افلاک کے جوں سات ورق

تذکرہ پھر تو ہوا مسئلۂ وحدت کا ۔۔۔ عقلِ اوّل نے پڑھا تجھ سے مؤدب ہو سبق

ذات کی کُنہ کو تفہیم کریں کیا اوہام ۔۔۔ سیکڑوں نوع کے ہیں جس میں دقائق مُغلق

کیجیے گر نظرِ غور بہ انواعِ صفات ۔۔۔ خیرہ ہو ذہن کہے ہے: یہ مسائل ہیں ادق

روح کو حکمِ تعلق بہ جسد فرمایا ۔۔۔ تاکہ اشکالِ[2] ہیولا و صُوَر ہوں مشتق

مزج سے چار عناصر کو یہ دی کیفیت ۔۔۔ قیدِ ہستی نے کیا پردۂ اِطلاق کو شق

خلقِ اِنساں کو کیا، نامیہ اُس کو بخشی ۔۔۔ ہیئتِ جسم کو کر کے مُتشکّل زِ علق[3]

جلد دی لحم کی تصوین[4] کو تا غاذیہ سے ۔۔۔ ایک پردے میں قُوا اخذ کریں اپنا حق

ہیں سب اعصاب و شرائین و رباط اس لیے تا ۔۔۔ روح کی آمد و شد کو نہ رہے رنج و دِق[5]

واسطے فائدے کے سب یہ بنائے اعضا ۔۔۔ عاتِق[6] و کتف و ید و ساعد و رُسغ و مِرفق

سمع و ذوق و بصر و لمس و شم و وہم و خیال ۔۔۔ بن کہے تو نے دیے ہم کو، کریمِ مطلق!

صدقے اِس بندہ نوازی کے تری ہم جاویں ۔۔۔ باپ ماں ہوتے ہیں کب ایسے شفیق و اشفق

---

[1] ابداع = آفرینش۔

[2] اشکال - ہیولا، صور فلسفے کی اصطلاحیں ہیں۔ ہیولا = مادہ، صور = صورت کی جمع۔

[3] علق = خون بستہ۔

[4] تصوین = مضبوطی + غاذیہ = کھانے کی قوت۔

[5] دق = دقت و تکلیف

[6] عاتق = کندھا۔ کتف = شانہ + ید = ہاتھ + ساعد = کہنی اور کلائی کے درمیان کا حصہ + رُسغ = کلائی۔ مرفق = کہنی۔

جوہرِ صنع سے ہیں تیرے، مقولاتِ عشر — سب اُمورات ہیں ہر آن رفیق وارفق

فعل، مِلک، اَین و متیٰ، باکم و کیف وہم وضع — اِنفعال اور اِضافت ہر بہ ہر شے ملحق

تیری سطوت کی جو وادی کو نظر بھر دیکھے — توسنِ وہم کو یک بارگی آجائے عرق

بحرِ مواجِ حقائق سے گذر کون سکے — ہاں مگر فضل ہو تیرا ہی بجائے زورق[۵]

دادرا، سچ کہ سزاوارِ پرستش تو ہے — بے شک و شبہہ سمعنا و اطعنا الحق

روز و شب حضرتِ خلاق، ترے حکم میں ہیں — عرش و لوح و قلم و شش جہت و ہفت طبق

بھلا رے قلعۂ اقطارِ سمواتِ علا — قاف[۱]، پُشتہ نہ ہو جس کا، نہ سمندر خندق

ہر موالیدِ ثلاثہ[۲] کو علیٰ قدرِ الحال — تیرے ہی فضل سے محصول سدا سدِ رمق

لطف فرما جو ترا ظلِ ہمایوں ہوٹک — چشمِ تحقیر سے عنقا کی طرف دیکھے بق

فی المثل توسنِ ایام و لیالی پر بیٹھ — چرخ کو گر متوہم ہو کہ میرا ابلق

جلد ہی کیجیے مضمارِ حقیقت کی سیر — غیرت آ و وہی مجسم ہو کہے اے احمق

سعیِ بے فائدہ سے کیا تجھے حاصل ہوگا — راہ لگ اپنی یہ صحرا ہے بڑا لق و دق

سیکڑوں طرح کی خلقت کو تو اے رازقِ کل — بھیجتا نعمتِ الوان ہے بے طشت و طبق

تو نمِ فیض نہ چھڑکے تو میاہ الابحار[۳] — اُڑ چلیں ابخرۂ ارض سے مثلِ زیبق

حمد کے بعد یہ شکریہ ادا کرتا ہوں — شکر صد شکر ہے، اے حمد و ثنا کے اَلیق

کہ مجھے دینِ محمد میں کیا تو نے خلق — ورنہ تھے اور بھی انواع کے ادیان و فرق

قائلِ اُم و اب و روحِ قدس ایک گروہ — ہے، جسے عیسیِ مریم بھی کہے ہے افسق

راہبِ فاقہ کش اسلام کی گر بو پاوے — لوہو اپنا وہ کلیسا میں پیے مثلِ علق[۴]

ژند و آستا کے ورق کھول کے سب گبر و مجوس — ذکرِ زرتشت سنا کرتے ہیں بافراطِ شبق[۵]

---

[۱] قاف یعنی کوہ قاف۔ [۵] زورق = کشتی ناؤ۔

[۲] موالید ثلاثہ = جمادات نباتات۔ حیوانات + سد رمق = قلیل غذا۔

[۳] میاہ الابحار = سمندروں کا پانی + زیبق = پارا۔

[۴] علق = جونک۔

[۵] شبق = شوق۔

شرِّ وسواسِ شیاطیں سے بچالے مجھ کو
تیرے سایے میں چھپا آکے ہوں اے ربِّ فلق[1]

نہ تو کچھ دین سے بہرہ، نہ مجھے دنیا سے
سُن لے اِس بندۂ انشاؔ کی بھی اے میرے حق

وسعتِ رزق تفضّل ہو مجھے صحت ساتھ
جلد ایسی کہ نہ کرنی پڑے مجھ کو زق زق

رزق کے تو نے تکفّل کی قسم کھائی ہے
ہر قسم تیری تو اوفیٰ و اَبَرّ و اوفق[2]

عمر تا یکصد و سی سال عنایت ہو مجھے
لیک یہ شرط ہے اُس ساتھ نہ کچھ ہو لق لق

تاکہ مشغولِ عبادت رہے انشاء اللہ
ضائع اوقات کو کھویا نہ کرے حق ناحق

اپنے اطفال و عیال و پدر و مادر ساتھ
روز و شب وِرد و وظائف میں رہے مستغرق

مان اِس عرضِ تمنّا کو تجھے لازم ہے
خاطرِ احمدِ مختار و وصیِ برحق

قلمِ عفو مری لوحِ جرائم پر کھینچ
از پئے حیدرِ کرّار اِمامِ اَصدق

کلمہ منہ سے، دمِ نزع مرے جاری ہو
جب تک آنکھوں میں رہے جان کی ذرّہ بھی رمق

ہاتھ سے ساقیِ کوثر کے پلا دینا جام
عَطشِ روزِ قیامت سے نہ ہو مجھ کو قلق

اہلبیتِ نبوی کے لیے، اے بارِ الٰہ
کچھ نہ پہنچے مجھے آسیبِ جہنّم مطلق

(۲) منقبت میں

گرچہ افلاک کے سب پھونک دے اطباقِ آتش
منہ تو دیکھو کہ کرے آ مجھے اِحراقِ آتش[3]

نفسِ گرم وہ رکھتا ہوں کہ جس سے ہو جائیں
نسخۂ گل کے یہ مجموعہ اوراقِ آتش

آنکھ اگر مجھ سے ملا بیٹھے تو تقیید کو چھوڑ
بھاگ جاوے طرفِ عالمِ اِطلاقِ آتش[4]

چشمۂ نور ہو ہر ایک شرر سے جاری
آگ دینے کو مرے جھاڑے جو چقماق آتش

---

[1] فلق = صبح کی سفیدی + شرِّ وسواس اور فلق میں تناسب ہے۔

[2] سب سے زیادہ وفا ہونے والی اور سچّی اور موافق۔

[3] اِحراق = جلانا۔

[4] عالمِ تقیید = دنیا۔ عالمِ اِطلاق۔ دوسرا عالم جہاں تقیید نہیں ہے۔

میں وہ دل سوختہ ہوں گرم خروش اے بلبل — کہ مرے سامنے مطلق نہ ہو حراق[1] آتش

حیدری نعرہ اگر ہند میں کھینچوں، ہو ست، — ہو گریزندہ سوے وادیِ قبچاق[2] آتش

گرچہ میں نوعِ بشر میں ہوں ولیکن حاشا — کر سکے میرے عناصر میں نہ اِلصاق[3] آتش

سابقہ جب کہ مری آہ سے رکھتی ہو گرم — تب سے ہو برق شرر بار سے سباق[4] آتش

ق

بے ادب ہو کے اگر مجھ سے کہے، اے صاحب — ہو یہ مُدت سے جلا دینے کو مشتاق آتش

خواجہ خورشید کہ ہو باپ کی جا گہ اُس کے — صاف لکھ پھاٹ یہ کہہ بیٹھے "ہوئی عاق آتش"

میرے سینے کی اگر آگ سے واقف ہوتے — پوجتے رہتے سدا حضرتِ اسحاق آتش

برق و دشمن میرے گناہوں پہ جو مارے چشمک — ہووے گردن زدنی لائقِ شلاق[5] آتش

آنسو دو چار وہ رو ڈالوں ابھی گر ما گرم — جس کی امواج[6] میں مُشرف ہو باغراق آتش

خالقِ ارض و سما کا ہو وہ نوبت خانہ — کہ دُہل سینکنے کی جس کے ہو مشتاق آتش

ساتھ بجلی کے تڑپتے ہی کڑک اُٹھے ہو رعد — زور نقارہ ہو، یہ جس کی ہو مطراق[7] آتش

غوطہ زن لجۂ حیرت میں ہو فی الحال اگر — ہو مُشرف بہ قدمبوسیِ عُشاق آتش

اپنے مولا کی محبت میں ہوں میں مثلِ خلیل — کوئی ممکن ہو کہ دیوے مجھے شلتاق[8] آتش

"یا علی" جب کہ زباں سے کہے انشاء اللہ — کرۂ نار میں سب بجھ کے ہو بیباق آتش*

---

[1] حراق = بہت جلانے والی۔

[2] وادیِ قبچاق یا دشتِ قبچاق، ایشیا کے شمال مشرق میں ایک چھوٹا سا ملک ہو جہاں کے لوگ مشہور ہو کہ بہادر اور بے رحم ہوتے ہیں۔

[3] اِلصاق = لگ جانا۔

[4] سباق = بہت آگے۔

[5] شلاق = قدیم زمانے کے ترکوں کی ایک سزا۔

[6] جس کی امواج میں آگ کی بہت سخت گرمی ہو۔

[7] مِطراق = نقارہ بجانے کی چوب۔

[8] شلتاق = تکلیف، خرخشہ۔

* ق ۳: میں اس کے بعد کے اشعار نہیں ہیں۔

طائرِ سدرہ سے میں گرم سخن ہوں جس جا ... کب کرے مثلِ کُلاغ آ کے وہاں غاقِ[1] آتش

آنچ دوزخ کی نہ پھٹکے مرے دامن کے گرد ... گرچہ پیرو وہاں کی غضب شہرۂ آفاقِ آتش

کیوں کہ میں اُس کے غلاموں میں ہوں جس کا ہے نام ... سوکھ کر خار سا ضعف سے ہو قاقِ[2] آتش

یعنی وہ شیرِ خدا حیدرِ صفدر جس کے ... جملہ خدام سے پیش آئے بہ اخلاقِ آتش

روز و شب صفحۂ آفاق پہ جس کے ڈر سے ... مادرانہ کرے خاشاک پہ اِشفاقِ آتش

اُس کے اعدا کا جلانا جو نہ ہوتا منظور ... خلق کرتا نہ کبھی حضرتِ خلّاقِ آتش

اُس کے ذمے جو شفاعت نہ ہوئی ہوتی، تو ... دیتے عالم میں لگا معشرِ فسّاقِ[3] آتش

کیوں تپِ محرقہ دشمن کو نہ ہووے اُس کے ... پھونک دینے میں ہر از زمرۂ اَحراقِ[4] آتش

اُس کی صمصام کے اوصاف میں مطلع وہ پڑھوں ... چھوڑ دے سُن کے جسے نار کا مِصداقِ آتش

ذوالفقار اُس شہِ دیں کی ہے باحقاقِ آتش ... یہ وہ ہے آب کہ ایسی نہ ہو برّاقِ آتش

فرقِ[5] اعدا کو وہ جب کاٹے تو بُرّش کے ساتھ ... دوڑتی آوے وہ لپٹی ہوئی تا ساقِ آتش

نکلے اُس کے لبِ ہر زخم سے آوازِ حزیں ... کسوتِ آب میں ہر وائے یہ حرّاقِ آتش

اژدہا شکل جہاں زہر وہ اپنا اُگلے ... رکھے اُس دشت میں خاصیتِ تریاقِ آتش

اُس کے دُلدُل کے تصدق ہوں کہ جس کا ہے نعل ... ضو میں خورشید صفت ہو تو بہ اِشراقِ[6] آتش

اب دعائیہ پہ کر ختم قصیدہ اِنشا ... کہ بٹھائی تھی مضامیں میں بہت شاقِ آتش

پاسبانی کرو تم میرے متاعِ دیں کی ... کہیں ایسا نہ ہو، دے چپکے سے سرّاقِ[7]، آتش

۱۔ کلاغ = کوّا + غاق = کوّے کی آواز

۲۔ قاق = بہت دُبلا۔

۳۔ مَعشرِ فُسّاق = بدکار لوگوں کی جماعت

۴۔ اَحراق (جمع حرق) آگ۔

۵۔ فرق = سر + ساق = پنڈلی۔

۶۔ اِشراق = چمکنا، روشن ہونا۔

۷۔ سرّاق = چور، ڈاکو۔ مطلب: ایسا نہ ہو کہ کہیں چور چپکے سے میرے متاعِ دین کو آگ دے دے۔

اپنے دروازے کا مجھ کو بھی مجاور کیجے — دل میں بھڑکاتی ہے یہاں شدّتِ اشواق آتش
دیکھتے دیکھتے راہ آنکھیں پڑی جلتی ہیں — دوستوں کے ہوئے عینین کے اَعداق[1] آتش
لو بلا بھیجو ہمیں سوئے نجف، بہرِ خدا — کہ جدائی کی تمھاری ہے بہت شاق آتش
روزِ محشر میں بھروسا ہو تمھارا جس کو — روزی اُس کی نہ کرے حضرتِ خلّاق آتش
جس کو سرکار کی اُلفت نہ ہو، پھونکے اُس کو — رہے اِس امر میں یہ صاحبِ اِشراق آتش
بطنِ حُسّاد سدا نارِ جہنّم سے بھرے — دے اُنھیں رزق کی جا* قاسمِ ارزاق آتش
تا ابد طعمۂ ثعبانِ[2] مبین ہو وہ لعیں — مطلقاً اُس پہ نہ ہرگز کرے اِنفاق آتش
فی المثل آپ کے حاسد کو ہو گر میلِ غذا — نان اُسے شعلہ، شررِ شیر، ہو قیماق[3] آتش
یا شہنشاہ، حسین ابن علی کا صدقہ — نہ کرے عُنصرِ خاکی مرا احراق آتش
نزع کے وقت دکھانا مجھے اپنی صورت — تا نہ دوزخ میں مرے تن کی ہو مشتاق آتش
دیکھ جانا مجھے جنت میں، کئے ہو ناچار — بیدماغانہ مزاج اپنے کو ناچاق آتش
آپ کے ساتھ ہو فردوس میں انشاءاللہ — نہ کرے اُس کے عناصر میں کچھ احراق آتش
شعراُسن کے یہ بول اُٹھیں کہ ماشاءاللہ — لمعۂ نور سے رکھتی ہے یہ اِشراق آتش
آج تک ایسی بندھی ہے نہ بندھے گی گاہے — جب سے وارد ہوئی از کشورِ میثاق[4] آتش
آتش آتش کی ردیف اُس میں یہ گرما گرمی — بیٹھی یوں جس کے قوافی میں باغلاق آتش
صاحبِ علمِ لدُنّی[5] کا فقط ہے یہ فیض — ورنہ کب رکھتی ہے گنجایشِ اوراق آتش
فارسی میں وہ دھواں دھار قصیدہ سزاور — ساتوں دوزخ کو جلا جو کرے بسیاق آتش

---

[1] عینین کے اَعداق = آنکھوں کے ڈھیلے۔

* ن: "در روزی کی جا"

[2] ثعبان = اژدہا۔ قرآن شریف کی آیۃ "فاذا ھی ثعبانٌ مبین" کی تلمیح ہے۔

[3] قیماق = بالائی۔

[4] کشورِ میثاق یعنی بدوِ آفرینش۔

[5] صاحب علم لدنی = آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم۔

قلفیے اِس سے بھی صد چند ہوں مشکل جس کے — چھوڑ کر بھاگے جسے صفحۂ آفاق آتش

(۴۰) منقبت میں

ہلاؤ مِرْوَحَہ[1] آہِ سرد کو ہر گام — کہ دل کو آگ لگا کر ہوا ہوا آرام

درِ وصالِ دل آرام دور، رُہ مسدود — مراد مرحلہ گردِ وساوس[2] و اوہام

اَلَم مولّد[3] سودا و درد گرد اگرد — سوادِ دورہ صحرا مصور دود دام

وہ گردِ سُودۂ الماس[4] کل ہلال وار — ہوا کا لطمہ محلِّ ہلاک و درطۂ سام

ہوا مسوّدۂ سرد آہ ہر سرِ مو — محلِّ صد الم دودِ دل اصولِ سام

وہ آمد آمد گُل عہد لالۂ حمرا — مواد حادثۂ دم مسوّدِ احلام

احاطہ[5] آگ کا وہ لال لال گرما گرم — وہ لُوَوہ دود، وہ اُس کا علو وہ اُس کا کام

علو وصلہ صاعد[6] ہو کس طرح اللہ — حمام روح کو طولِ امل کا ہر سو دام

ملال و سوسۂ مرگ و روح سر و رُگم[7] — مآل وحال و کلال و حواس اور آلام

ہوا و حرص سواس صد کوا و رسور عمل — حصول ہم کو وہ کس طور ہوا ہم مرام

مگر محمد و مددگار دادرس ہو وہ — مہ سمار کرم مہر ساطعِ[8] الہام

---

[1] مِرْوَحَہ = پنکھا + ہوا ہوا یعنی چل دیا۔

[2] وساوس جمع وسوسہ + اوہام جمع وہم۔

[3] مولّد = پیدا کرنے والا + دود دام = چوپائے۔ نز گرما گرم۔

[4] سُودۂ الماس = پسا ہوا ہیرا + ہلاہل ایک زہریلا درخت + لطمہ = تمانچہ۔ درطۂ سام = موت کا بھنور۔

[5] یہاں سے کچھ اشعار بزبان نز کی چھوڑ دیئے گئے۔

[6] صاعد = بلند ہونے والا۔ چڑھنے والا + حمام = کبوتر۔

[7] سر درگم = یعنی گم ہو۔

[8] مہر ساطع = درخشندہ آفتاب۔

ہوا ارادۂ مداح اس طرح اس دم — کہ وا ہو سلسلۂ کاکلِ عروسِ کلام

کلام وہ کہ ہو وہ روحِ محملِ سلمیٰ — کلام وہ کہ وہ حاسد کو ہو رماح[1] و سہام

کلام وہ کہ وہ ہو ماہ مصرِ اہلِ ولا — کلام وہ کہ مصوّر ہو جو رسا سرِ عام

کلام وہ کہ وہ ہو مورِدِ سماعِ ملک — کلام وہ کہ وہ ہو مُسکرِ[2] گروہ کرام

کلام وہ کہ وہ ہو موسمِ گلِ احرار — کلام وہ کہ سکارا[3] کو ہو وہ کاسِ مدام

کلام وہ کہ ہو طور الکلام[4] اس کا اسم — کلام وہ کہ کُل اس کا ہو صارِدتّا کام

کلام وہ کہ ملوک الکلام کا ہو ورد — کلام وہ کہ وہ کل ہو کلامِ مدحِ امام

مدادِ[5] مردمکِ حور و کلکِ سدرہ کلا — کہ اُس کو سطرِ الواح داورِ اعلام

کہ ہو محوّطہ[6] لا الٰہ الا اللہ — رسول کا ولد عم و حاکمِ احکام

اساسِ دہر کا ملّاک[7] ارحم الرحما — امامِ کل وہ دلا سا دہِ کرام و عوام

وہ سلکِ گوہرِ اسرار داورِ دادار[8] — وہ اعلم العلما وہ رہِ ہدا کا ہمام

ہوا لامام و عم الرسول والدہ — امام عسکر و کرّار و حاملِ اعلام

ادھر کو دادرس مور ہو اگر وہ امام — اُدھر ہو مورِدِ سرسام[9] کاسۂ سرِ سام

---

[1] رماح جمع رمح معنی نیزہ + سہام جمع سہم معنی تیر۔

[2] مُسکر = نشہ میں لانے والا + کرام جمع کریم کی بمعنی بزرگ۔

[3] سکارا = نشہ میں مست + کاس مدام = شراب کا پیالہ۔

[4] اس قصیدہ کا نام طور الکلام رکھا ہے + صارِدتّا = اشارہ ہے آیۂ کریمہ کی طرف۔

[5] مداد = روشنائی۔

[6] محوّطہ = دائرہ = احاطہ

[7] ملّاک = بڑا مالک

[8] داور دادار = خدائے تعالیٰ۔

[9] مورد سرسام ہو یعنی اس کو سرسام ہو جائے + کاسۂ سرِ سام = سام (یہ رستم) کی کھوپڑی۔

رہا ہمام مددگارِ آدم و حوّا | رہا وہ مالک مولود و عالمِ ارحام
وہ مطرِ[1] کوہ ہمہ کا علوم کا داما | دمِ ہلاک ہوا آمدِ و الدِحام
ہوا مُسہّلِ[2] آمال اہل عُسر و رہا | سرورِ والدہ و والد و دلِ اعمام
مُعلم ملکِ سدرہ[3] سردرِ مسعود | کمالِ صدرِ مصلّا مکملِ اصوام
ہوا معطر و گل مسک ورہ ارم آسا | دراُس کا گل کدہ روح حور و روح مدام
مسلّم اُس کو وسادہ[4] رسول اکرم کا | عمادِ علم و درِ حلم و احکم الحکّام
گُلِ کلاہِ عُلا داورِ سراسر عدل | و داد اُو ہمہ وام آمد و مراد حمام
وہ مردِ معرکہ آرائے دور کوہ احد | دلاورِ ہمہ عالم محرکِ اَعلام
امامِ حور و ملک ماہرِ علومِ رُسل | سرورِ روحِ محمد موسّسِ[5] اسلام

ممدّ[6] و مالکِ معلوم ”وارادِ اللہ“ | ملال اُس کا کرو دور، دل کو دو آرام

مُطاعِ دہر ہو حلّال ہر معاملہ ہو | گرہ کو کھول کرو دل کو وا امامِ ہمام
عطا کرو اسد اللہ سرور اُس کو صلہ | اور آ ہوے حرمِ مدعا کو کرو دو رام
مراد اُس کو دو اور رکھو سالم الاولاد | دُوار[7] و سدر کرو دور صدمۂ آلام

---

[1] مطر = آب باراں + داما = سمندر + والدحام = یعنی حضرت نوح۔

[2] مُسہل آمال = اُمیدوں کو آسان کرنے والا + اہل عسر = پریشان حال لوگ۔ غریب۔

[3] ملکِ سدرہ = یعنی جبریل۔

[4] وسادہ = تکیہ مراد خلافت سے ہے۔

[5] موسّس = جڑ مضبوط کرنے والا۔ اس کے بعد کچھ عربی اشعار چھوڑ دیے گئے ہیں۔

[6] یہ شعر بطور مقطع کے لکھا ہے اور جس میں اپنا نام انشاء اللہ جو نقطہ دار ہے بدل کے وارادِ اللہ کر دیا جو غیر منقوطہ ہے۔ معنی دونوں کے ایک ہی ہیں۔

[7] دُوار ۔ چکرانے کا مرض۔ گھومنی سے جو آنکھ میں خیرگی پیدا ہو جائے۔

وداد آلِ محمدؐ مدام ہو ہمراہ — دوام ورد سحرگاہ ہو درود و سلام
طلاء احمر و الماس و لعل و دُر کا دو — گھر اُس کو اور مدامِ طہور[1] و حور و طعام
امام ہر دو سرا ہو عطا کرو مولا — سرور ہر دو سرا و السلام و الاکرام

ہوا الامامُ ورود الرسول صلِّ علیٰ — محمدٍ و علیٰ آلہٖ مدا الا عوام
رواج اور یہ ہر وہ ہو آشنائے انشا — کہ ہو رہا ہو وہ آگاہِ رسمِ اہلِ کلام

ہوا ارادہ دلِ رد کرو اِدھر للّٰہ — کہ ہو معطّل و معکوس کا سراسر کام
مراد[2] روح و یہ داد روح و ردِ ارم — مآلِ کلِّ امور سر و مآلِ کلام

ز فیض[3] شفقتِ ذی زینتِ نبی تقی — ہمہ مراد دلم داد واحدِ علّام
شہ[4] بلند نسب اب مجھے بھی دلوے — جبینِ لامعِ زینت حصولِ جشن مرام

---

(۴) منقبت میں

نوعِ بشر میں تھے نہاں آتش و باد و آب و خاک — عشق نے کر دیے عیاں آتش و باد و آب و خاک

---

[1] مدام طہور = پاک شراب۔

[2] یہ شعر صنعت مقلوب مستوی میں ہے یعنی اس کو اُلٹ کر بھی وہی الفاظ نکلیں گے جو شعر میں ہیں یعنی دونوں طرف سے ایک شعر پڑھا جائیگا۔

[3] پہلا مصرع صنعت منقوطہ اور دوسرا صنعت مہملہ میں ہے۔

[4] اس شعر کا پہلا مصرع صنعت رقطا میں یعنی ایک حرف نقطہ دار اور دوسرا بے نقطہ ہے اور دوسرا مصرع خیفا میں ہے یعنی ایک لفظ نقطہ دار دوسرا لفظ بے نقطہ اِس زمانے میں جبکہ نئے نئے الفاظ کی تلاش ہے اس صنعت کا نام صنعت کھچڑی رکھا جائے تو زیادہ مناسب ہے۔

آہ و نفس اور اشک کا معدن نشو ہر جسد — دیکھ لے یہاں تو تو اماں آتش و باد و آب و خاک
تن میں ہمارے جلوہ گر جب نہ تھے تب اِدھر اُدھر — پھرتے تھے مثلِ بیکساں آتش و باد و آب و خاک
جوش و خروشِ عشق سے کچھ نہیں تھا نہ ہوش و گوش — کرتے تھے نالہ و فغاں آتش و باد و آب و خاک
نورِ "نفخت فیہ" کا اِن میں جو آسما گیا — ہو گئے عرش آشیاں آتش و باد و آب و خاک
بل بے جھگڑے نور کے ٹکّے اُڑے سرور کے — قدرتِ حق کے تھے نشاں آتش و باد و آب و خاک
چھوڑ وہ باغِ بوستاں لائقِ سیرِ دوستاں — آئے تنوں کے درمیاں آتش و باد و آب و خاک
نحمدہٗ و نشکرہٗ نعبدہٗ و نسجدہٗ — زور ملا دیے یہاں آتش و باد و آب و خاک
کھیل کھلاڑی کے یہ دیکھ کیا ہی بہم یہ ہو گئے — ایک یہ ایک مہرباں آتش و باد و آب و خاک
چار سے آٹھ ہو گئے۔ کون سے؟ نو گنو، سنو — نور و ظہور و جسم و جاں آتش و باد و آب و خاک
بخششیں لاتعد[۵۱] ہوئیں حد و حساب سے فزوں — اپنے نسق پہ اب کہاں آتش و باد و آب و خاک
ہوش و ذکا و فکر و وہم شوق وجود سے لے آئے — واسطے اپنے ارمغاں آتش و باد و آب و خاک
بہرِ خدا تک آن مل ہو گئے ورنہ مضمحل — جاتے ہیں سوے لامکاں آتش و باد و آب و خاک
جب نہ رہے گا امتزاج[۵۲] روح کرے گی ابتہاج — دیکھیں گے سوے آسماں آتش و باد و آب و خاک
پھنک گئے، اُڑ گئے، بہے، دفن ہوئے جو اہلِ وجد — اُلفت انھیں ہوئی میاں آتش و باد و آب و خاک

ہیں۔ یہ بسانِ طائراں آتش و باد و آب و خاک — ڈھونڈتے ہیں اپنے آشیاں آتش و باد و آب و خاک
چاہتے ہیں قفس کو توڑ، ساری مؤانست کو چھوڑ — پھر ہوں اسی طرف رواں آتش و باد و آب و خاک
سوچ کمال ہو انھیں کس کا خیال ہو انھیں — جمع ہیں مثلِ دشمناں آتش و باد و آب و خاک
جان، پڑی غشی میں ہے، ایسی کشاکشی میں ہے — کیا کریں ملے بے زباں آتش و باد و آب و خاک
زیست کی کیا امید ہو روح جسد میں قید ہو — شیر سے صید ہیں یہاں آتش و باد و آب و خاک
پھانس جگر میں جو گڑی سانس اٹھے ہو ہر گھڑی — کہتے ہیں اُڑ چلو وہاں، آتش و باد و آب و خاک

---

۵۱ لاتعد = بے شمار + نسق = نظم و انتظام۔

۵۲ امتزاج = میل۔ روح و جسم کا تعلق + ابتہاج = خوشی۔

انشا بس آگے کچھ تو لکھ وصفِ دوازدہ امام
خاصے جنھوں کے چاکراں آتش و باد و آب و خاک

وہ حضراتِ اہلِ بیت ہیں جو علیہم السلام
چاروں ہیں اُن کے مدح خواں آتش و باد و آب و خاک

ہیں جو وہ بارہوں برج چرخ کو جن سے ہے عروج
حکم میں جن کے ہر زماں آتش و باد و آب و خاک

دیکھ مراتب اُن کے تو صلِّ علیٰ محمدٍ
تابع انھوں کے انس و جاں آتش و باد و آب و خاک

ابلق صبح و شام کی ہاتھ زمام اُن کے دے
اُن کے لیے ہیں ہم عناں آتش و باد و آب و خاک

گنتے ہیں اُن کو تاجِ فرق نور سحاب رعد و برق
جانیں ہیں اُن کو خسرواں آتش و باد و آب و خاک

اُن کی ولا کے واسطے دہر میں اس طرح ہوئے
موجبِ رونقِ جہاں آتش و باد و آب و خاک

جن کے سبب سے پائیں گے جن و بشر میں کر ظہور
حور و بہشتِ جاوداں آتش و باد و آب و خاک

کن فیکون سے تھا غرض خالقِ کل کو اُن کا خلق
ہوتے وگرنہ رائگاں آتش و باد و آب و خاک

اُن کے تفضلات سے رہ گئے زیرِ آسماں
شوکت و عزّ و علم و نشاں آتش و باد و آب و خاک

اُن کے عدو کے واسطے حق نے جحیم کی ہے خلق
دشمنوں کے ہیں درمیاں آتش و باد و آب و خاک

ق ہیں جو گروہ اشقیا اُن کے سب اہلِ بغض انھیں
جی کی نہ دیں کہیں اماں آتش و باد و آب و خاک

ایک جلائے ایک اڑائے ایک ڈبائے اِک گرائے
یوں ہیں لپٹ لپٹ کے جاں آتش و باد و آب و خاک

میرے عناصرِ وجود جیسے کہ ہیں یہ سب نمود
یعنی کہ ہیں جو دوستاں آتش و باد و آب و خاک

یک صد و بست سال تک اِن میں نہ آوے کچھ خلل
چھوڑیں نہ آشنائیاں آتش و باد و آب و خاک

جادۂ اعتدال سے اِن کو نہ ہووے انحراف
کچھ نہ کریں خرابیاں آتش و باد و آب و خاک

اِن میں کدورتیں نہ آئیں ایسا نہ ہو کہ روٹھ جائیں
دیں نہ بہم رکھائیاں آتش و باد و آب و خاک

جملہ قوا رہیں بحال ان میں نہ آوے اختلال
روح کے ہوویں پاسباں آتش و باد و آب و خاک

ق اور یہ غرض ہے کہ جب چھوڑے ہویتِ[1] بدن
اپنے طرق کو ہوں رواں آتش و باد و آب و خاک

میرے موادِ جسم کے اِن میں سے جس قدر ہیں وہ
پہنیں لباسِ عرشیاں آتش و باد و آب و خاک

مثلِ خلیل و عیسیٰ و نوح و ابوالبشر کریں
مجھ کو بھی شہرۂ جہاں آتش و باد و آب و خاک

ق بت کدۂ وجود میں گرچہ صنم پرستیاں
کرتے ہیں جوں برہمناں آتش و باد و آب و خاک

---

[1] ہویتِ بدن = وجودِ بدن۔

واقعی اس میں شک نہیں رکھتے ہیں یہ زمانے میں / ذوقِ پرستشِ بُتاں آتش و باد و آب و خاک

یوں ارکان جاویں مل مبدءِ کل کے ساتھ مل / کوئی نہ جانے سکے کہاں آتش و باد و آب و خاک

دامنِ شعلۂ فغاں تر ہو گنہ کی گرد سے / کیوں نہ ہوا ان سے اٹھ دھواں آتش و باد و آب و خاک

پرچم لطفِ احمدی سایہ فگن ہو، تا نہ ہوں / شاملِ خیلِ کافراں، آتش و باد و آب و خاک

مجھ کو جلا اُڑا، بہا، گاڑ نہ دیں گناہ میں / اے شفعائے عاصیاں آتش و باد و آب و خاک

انشا، اب آ گئے ختم کر تجھ میں ملے ہیں جس قدر / دیں گے وہ عرش پر اذاں آتش و باد و آب و خاک

دیکھ مرے قصیدے کا تو جبروتِ اُسطقش[1] / ہیں ارکان امتحاں آتش و باد و آب و خاک

(۵) بادشاہ عالی گہر کی مدح میں

جشن و نشاط و خوش دلی و عشرت و نعم / عیش و خوشی میں چین سے خوش وقت ہو بہم

فرخندگی بخت پہ نازاں تھے اپنی سب / ہر ایک نغمہ سنج تھا با طوطیِ اِرم

فیضِ سحابِ فرح سے تھی مزرعِ اُمید / گل گل شگفتہ تازہ و شاداب و سبز و نم

بلبل کو یہ طرب نہ ہو ہرگز بہ فصلِ گل / غنچوں کو یہ شگفت نہیں ہوتی صبح دم

قُمری کو وصلِ سرو کی اتنی نہ ہو خوشی / آہو کو یہ سرور نہ ہووے بہ وقتِ رم

جو کچھ کہ جوششیں تھیں غرض ان سبھوں کے ساتھ / ممکن نہیں کہ کیجے بیاں اُن سے بیش و کم

خدمت میں اُن سبھوں کی کیا میں نے التماس / شادی کی وجہ کیا ہے خبر پاویں کچھ تو ہم

بارے یہ کیا نشاط ہے ہم بھی تو کچھ سُنیں / خوشبو سے فرح کی ہو ہمارا بھی تازہ دم

شامل مجھے بھی کیجیے اِس عیش میں، کہ میں / حُضّارِ بزمِ خاص سے ہوں مورِدِ کرم

سلکِ گہر پہ وا صدفِ لب سے یوں کہا / اُن سب نے کیا تجھے نہیں معلوم یہ کہ ہم

دینے چلے ہیں اُس کو مبارک کہ آج وہ / شاہنشہِ زمانہ ہے بر مسندِ حشم

وہ واجب الاطاعت و مسجودِ خلق ہے / دوراں کے بیچ میں وہ جو ہے شاہِ محترم

معنیِ آیۂ "و اُولی الامر منکم" آ / تفسیر بیچ دیکھ لو، قرآن کی قسم

---

[1] جبروتِ اُسطقس = عناصر کا زور یعنی اس قصیدے کے اجزا کا زور شور۔

یعنی وہ شاہِ عالم و فخرِ جہانیاں | عالی گہر خجستہ سیَر، معدنِ ہِمَم
خورشید آسمانِ تہوّر، ملک جناب | عالم ہے جس کی ذات سے جوں ذرہ منتظم
شاہِ نجف نے قبضے میں دی جس کے ذوالفقار | وہ ٹکڑے جس سے ہوئے عدو بیش ہو نہ کم
ہر لاے نہی و نفی مخالف کے واسطے | ایجاب کر کے گر نہ وہ بولیں کہیں نعم
جو حسنِ خلق اُس میں ہے، ہے خَلق میں کہاں | ذاتِ ستودہ الغرض اُس کی ہے مغتنم
جس کی رِکاب میں ہیں سلاطینِ روزگار | گردن کشانِ دہر ہیں جس کے کہ سب خدم

مُستجمعُ[1] المکارم و مُستحسنُ الشّیَم | ینبوعِ فضل وجود و سخا، معدنِ کرم
میری زباں سے مدح کہاں اُس کی ہو سکے | توصیف میں ہے جس کی زبانِ قلم، قلم
طالع ہیں جس کے ایسے کہ تاجِ سکندری | کھاوے ہے اُس کے طالعِ بیدار کی قسم
ہے فوج فوج راحت و آرام جس کے ساتھ | ہے گنج گنج زوجِ تنعّم[2] سے ملتزم
خنکار[3] روم و کنگِ فرنگ اور شاہِ مصر | حاضر ہیں جس کی خدمتِ عالی میں دمبدم
مجرے کو باریاب اگر ہوں، زہے شرف | ضحّاک و کیقباد و کیومرث و کے و جم
خاقانِ چین کو چینِ جبیں اُس کی کھینچ لائے | ضیغم کے جیسے پنجے میں اک پنجۂ غنم[4]
دولت سرا کے جس کی غلامِ غلام سے | ہوشنگ[5] و سام و بیژن و اِسفندیار کم
ناگہ اُنھوں نے مجھ کو کہا تو بھی چل وہاں | حاضر ہو صُمت[6] چھوڑ، تکلّم کر ایک دم
حسب الاشارہ اُن کے یہ مطلع پڑھوں وہاں | اے معدنِ سخاوت و اے لجّۂ کرم

---

[1] یعنی اس میں سب بزرگیاں جمع ہیں اور اس کی عادتیں سب اچھی ہیں + ینبوع = سمندر۔

[2] ن = "ہے گنج زوج گنجِ تنعم"

[3] خنکار = بادشاہ۔

[4] غنم گلے بکری وغیرہ۔

[5] ہوشنگ، سام، بیژن، اسفندیار = قدیم زمانے کے مشہور پہلوان جن کا ذکر شاہ نامے میں ہے۔

[6] صُمت = خاموشی۔

ہر تجھ میں وہ کمال کہ ہم لوح وہم قلم — تیری رضا کو سب پہ مقدم کریں رقم

منطق میں تیرے حکم کے حیراں ہو رہ گئے — چاروں مقولے اَین و متیٰ کیف اور کم

کیا عرض عام و خاصّہ و کیا جنس و نوع و فصل — یا ضبط و ربطِ کُل تغاریرِ منسجم[1]

تفصیل وصف کو تری مجمل نہ کر سکیں — گو صَرف مل کے وہ کریں اس کو سب حکم

دریا تمام دہر کے ہو دیں اگر مداد — اشجار سب جہان کے ہو جائیں گو قلم

مشرق سے دل کے مہر معانی کریں طلوع — تاہم نہ تیرے وصف میں اک ذرّہ ہو رقم

ہو جائے سینہ دشمنوں کا چاک، دیکھ کر — طُمّ و طراق و کرّ و فر فوج کے حشم

ہمت کے تیری صیت[2] سے، اے معدنِ سخا — کھا کر کے شرم حاتمِ طائی ہوا اصمّ

اک دم تو دیکھنے کو نکالی تھی اپنی تیغ — اندامِ خور پہ لرزہ ہے تا حال ملتزم

اک طرح اس کی آب بھی چشمہ ہے فیض کا — دشمن کے دل سے دھونے کو اندوہِ درد و غم

جلدی کمیتِ خامہ میں اتنی کہاں کہ اب — ق گلگوں کی تیرے مدح سے کچھ ہو سکے رقم

مثلِ شرار نعل کے ہنگامِ ترکتاز — اس کی تڑپ سے برق رہے پیچھے سو قدم

شبنم عرق ہے بادِ صبا کا کہ ایک گام — ساتھ اس کے یہ چلی تھی جو کرنے لگی ہے دم

دو نعل مہر و مہ یہ فلک پر جو ہیں نمود — پوئیے سے اس کی اڑ گئے ہیں واہ رے قدم

ساحت میں جس کی تند روی کے بسانِ سنگ — کچھ توسنِ شعور بھی اب رہ گیا ہے تھم

گردوں شکوہ[3] کے ترے ہوتے ہی سامنے — ق پیلِ فلک نے ایک ہی ٹکر میں کر دی رم

اس کو کجک سے مار کے ہر چند کہہ رہے — چی چی پرد پرد و لگی کھل دیکھ میل سم[4]

بھاگا، سنبھل سکا نہ مہاوت کے کہنے سے — چنگھاڑ مثلِ رعد بہ فریادِ زیر و بم

گردوں گلو کبود ہے تا حال، دیکھ لو — مستک پہ اس کی خونِ شفق رہ گیا ہے جم

---

[1] تغاریرِ منسجم = مربوط تقریریں + ان دو شعروں میں منطق اور فلسفے کی اصطلاحیں بیان کی ہیں۔

[2] صیت = شہرت + اصم = بہرا۔ حاتم طائی اور اصم میں صنعت ایہام ہے۔ حاتم طائی = مشہور سخی + حاتم اصم = ایک مشہور صوفی۔

[3] گردوں شکوہ = ہاتھی سے مراد ہے۔

[4] چی چی پرد پرد = یہ الفاظ فیل بان ہاتھی کو روکنے کے لیے بولتے ہیں۔

یہ بات کچھ چھپی نہیں ہے سب پہ ہے عیاں — سچ ہے کہ اُس کی پشت سے اب تک گیا نہ خم

ہے عدل تیرے عصر میں اِتنا کہ بر فلک — بارہ بروج نظم و نسق سے ہیں منتظم

میزان و قوس و سنبلہ سرطان و دلو و حوت — عقرب، اسد، حمل سے لے ثور و جدی بہم

جوزا سمیت رہ گئے ہیں تیرے خوف سے — ورنہ زیادتی کریں ایک ایک پر بہم

باوصف ایک ایک کی خوراک ہے، و لے — کیا دخل دیکھے کوئی کسی کو بچشمِ کم

اقرب[1] سمجھ کے اپنے سے رہ جائے وہیں بس — عقرب کے نیش پر بھی جو رکھ دے حمل قدم

ہرگز جدی نہ دیکھ سکے سوئے سُنبلہ — کیا دخل پہنچے حوت کو سرطاں سے کچھ الم

حملہ کرے حمل نہ کبھی ثور کی طرف — آوازِ جدی سُن کے اسد بھی کرے نعم

اللہ رے یہ نظم ترا، بھلا رے نسق — اَضداد جس سے جمع ہیں آپس میں لاجرم

اِسلام تیرے عہد میں ازبسکہ ہے قوی — خوار و ذلیل کفر ہے آوارہ و دژم[2]

غم سے ہے تو نے مغ کو مسلماں کیا بقلب — پائی جو لو ہے کفر کی کچھ اُس میں مُنکتم[3]

تھا نقطہ[4] قشقہ غین کا، سو دور ہو گیا — اب عینِ فیض ہو کے بہے ہے بسانِ یم

سیم اُس کی سے مراد براری ہر ایک کی — ہے آخرُ المرام پرستندۂ حرم

یزداں پرست فضل نے تیرے کیا اُسے — تھا وہ جو کوئی معتکفِ خلوتِ صنم

قدرت خدا کی دیکھو تو اسلام کا شرف — دم مارنے کی جائے نہیں مارے کون دم

در حال کفر جس سے کہ سب کو ملال تھا — اِسلام لا کے اب وہ ہوا معدنِ ہمم

حاصل کلام یہ کہ غرض تیرے عدل نے — آزار دینے والے کو چھوڑا نہ ایک دم

اِنشا تری دعا میں ہے مشغول روز و شب — ہر وقت و ہر گھڑی و ہر اک آن، دم بہ دم

سب خوبیاں جہان کی تیرے نصیب ہوں — یارب طفیلِ شافعِ دیں ہر سرورِ اُمم

---

[1] اقرب اور عقرب میں تجنیس صوتی ہے۔

[2] دژم = حقیر۔

[3] مُنکتم = چھپی ہوئی۔

[4] نقطۂ غم میں غین کے نقطے کو قشقہ کہا ہے۔ جب وہ دور ہوا تو عین فیض ہو گیا۔

شاہِ نجف امیرِ عرب مرتضیٰ علیؑ — قبضے میں تیرے کردے عرب سے لے تا عجم
حامی ترے جمیع اُمورات کے رہیں — ق — اثنا عشر ائمہؑ جو ہیں مظہرِ اتم
بھیروں بھیاس گنکلی ٹوڑی اساوری — سارنگ و پوربی وایمن و کاہنڑا ابھم
تیرے ہی مجرے میں رہیں سازندے روز و شب — نوبت قیام دہر کو جب تک ہو ملتزم

شادی کے شادیانے ترے در پہ نت بجیں
کرنا و طبل و بوق و دہل جھانجھ و زیر و بم

(۶) شاہزادہ سلیمان شکوہ کی مدح میں

صبح دم میں نے جو لی بسترِ گل پر کروٹ — جنبشِ بادِ بہاری سے گئی نیند اچٹ [*]
دیکھتا کیا ہوں سرہانے ہر گھڑی ایک پری — جس کے جوبن سے ٹپکتی ہر پڑی گدراہٹ
عطر میں ڈوبی ہوئی زور ہر بو باس اس کی — بل بے دھج بل بے اکڑ بل بے تری نرماہٹ [†]
آفتاب اس کی جبیں کے جو مقابل ہووے — صدقے صدقے ہو کہے: اُف رے تری چمکاہٹ
موتیوں سے جو بھری مانگ وہ دیکھے اس کی — سیر سے تاروں بھری رات کی جی جاوے ہٹ [‡]
چاندنی میں نہ ہو معلوم کدھر ہو وہ پری — سر کے سوندھے کی مہک کی مگر آجاوے لپٹ
اُس دُرِ گوش پہ تھی زلف جو گنڈلی مارے — سانپ کے من کی اگر کیجیے تو پھبتی ہو نپٹ
جُھٹّی [§] وہ دونوں بھویں ہوے بے ظالم ابیدادا — انکھڑیاں سحر نگہ قہر، غضب گرماہٹ
ڈورے آنکھوں میں چھٹے ایسے ہی کافرِ خونخوار — کہ رگِ گل کی نزاکت کو لگا دیویں چٹ [۲]

---

[۱] اس شعر میں نو راگنیوں کے نام لیے ہیں۔ [**] م: ”نرمی“

[*] ن: ”آنکھ اچٹ“۔

[†] ق ۳: ”گرماہٹ“

[‡] ق ۳: ”جاوے اچٹ“

[§] ق ۳: ”وہ جھکی“

[۲] چٹ = زخم، رگڑ، داغ۔

پائے خم جیسے سیہ مست پڑا ہووے کوئی / گوشۂ چشم میں یوں خال رہا تھا وہ لپٹ

حرکت اُس کی تھی یوں غمزۂ چالاک کے ساتھ / رند جوں اینڈ کے میخانے میں لیوے کروٹ

چتون اٹکھیل بلا، نرگسِ جادو آنکھیں / نگہ ایسی ہے کرے برق کی چشمک کو الٹ

تیور اِس آن سے بگڑے ہوئے دونوں گویا / مستعد قتل ہی کر ڈالنے پر ہیں جھٹ جھٹ

شوخی اِس روپ سے اُس تارِ نظر پر کھیلے / آتا جاتا ہو رسن پر کوئی جس طرح سے نٹ

صفِ مژگانِ رسا میں یہ ستم تیزی کچھ / دستِ اندیشۂ عُشاق جہاں جاوے کٹ

منہ میں لیوے ہے جو چوٹی کو وہ اٹکھیلی سے / عقدۂ راس و ذنب چاند کو لگ جاوے جھٹ

کیوں نہ ہو غرقِ تحیر مَرَجُ البحرین[۱]، آ / بہم امواج میں آنکھوں کی یہ ہے اُلجھاوٹ

ناک اُس شوخ کی برزخ کی طرح بیچ میں ہے / تاکہ دو چشمے نہ ایک ایک سے مل جاویں جھٹ

تھا وہاں نامِ خدا عالمِ خود بینی گرم / اُس کے نتھنوں کی پھڑک میں تھی غضب گرماہٹ

لام تھے جوں بہم "الحمد" میں روپ ایسا ہے / کشش ایسی ہے، سدھوٹ ایسی ہے پاکیزہ لپٹ

گرچہ تمثیل یہ دلچسپ بندھی ہے لیکن / ایک مضمون سنو تم اور بھی پاکیزہ نپٹ

خوشنویسِ ازلی نے خطِ قرآنی سے / ہ کو[۲] اللہ کے یہاں نور سے دی چمکاہٹ

گال گدرائے ہوئے چوسنے کے لائق ہونٹ / غبغب و سیبِ ذقن بوسوں کے قابل چٹ پٹ

وہ دھواں دھار دھڑی، دانت سو موتی کی لڑی / تہ میں اندازِ تبسم کے رچی سرشاہٹ

گردن اس دھج سے، صراحی ہو مے سرخ کی جوں / خونِ عشاق چڑھا جانے کو حاضر غٹ غٹ

تھی بر و دوش میں بالیدگی ایسی ہی کہ صاف / جیسے کہتی ہو کسی ساتھ گلے سے تو لپٹ

آستیں کو چہ مہتاب نظر آتی ہے / اُس کے ساعد کی ڈلک میں تھی یہ کچھ پھیلاوٹ

سینہ جوں آئینہ شفاف، شکم ایسا صاف / جس میں مخمل کی شکن کی سی پڑی ستھری بٹ

شہرِ سبز[۳] اس کے وہ سب رونگٹے یا وادیِ نمل / سیلی ایسی ہے دھواں جیسے کہ سنبل کی لٹ

---

[۱] مَرَجُ البحرین = دو سمندروں کا ملنا۔

[۲] " " "کو اس کے نتھنوں سے تشبیہ دی ہے۔

[۳] شہر سبز "ایک شہر سمرقند کے نواح میں۔ سمرقند کا علاقہ اپنی سرسبزی اور زرخیزی میں ضرب المثل تھا۔ سبز درختوں کی ایسی کثرت تھی کہ دور تک سوائے سبزی کے کچھ دکھائی نہ دیتا تھا۔ وادیِ نمل = چیونٹیوں کی وادی جس میں مشہور ہے کہ حضرت سلیمان نے چیونٹیوں کو خطاب کیا تھا۔ سیلی = پیٹ اور سینے کے بالوں کی سیدھی لکیر۔

قمقمے نور کے نقیس اُس کی کچیں[۱] وہ دونوں
ہو اُنھیں دیکھتے ہی اور ہی کچھ للچاہٹ

گزکِ بادہ کشاں رنگترے سے دونوں
دل یہ چاہے کہ انھیں دوڑ کے لے جا گیے جھٹ[*]

نیم شگفتہ کنول چشمۂ خوبی کے دو
گول گول اُبھرے[+] ہوئے بھونرے رہے جن سے لپٹ

بنت انگیا میں ٹکی زور پڑاقے[۲] کی پھبن
دیکھ کر مارے مزے کے جھنجھی جی جائے اُلٹ

گدگداہٹ یہ اگر نات کی پڑ جائے نظر
چٹ کفِ دستِ خیال اُس سے وہیں جائے چمٹ

ہو یقیں دل کو کہ ہے حسن کے دریا کا بھنور
گھر کے ساری ہی نزاکت یہیں آ گئی ہر سمت

نقش پا اُس کے ذقن کا پھسل آیا ہوگا
دھیان میں بوسۂ عاشق کے تڑاقے سے رپٹ

بند شلوار سے چسپیدہ سواری وپ کے ساتھ
موم پہ مُہر کوئی گول سی جوں آوے اُچٹ

سیلِ خوں ہو کے تھما کوچۂ نیفہ میں خیال
کھوج میں اُس کی کمر کے یہ ہوئی اکتاہٹ

تھی رگِ جانِ تمنا کہ دکھائی نہ پڑے
لیکن آفت تھی وہ پیلام[۳] کی چُنّٹ کی سمٹ

بیچ میں یہ نہ کہوں تھی بگماں کچھ تو سُتے
جس کے باعث تھی خوش آیندہ یہ سب پھڑکاہٹ[++]

کیا کروں اُس کی بیاں خوش کفلی[۴] کا عالم
حُسن و خوبی نے وہیں آ کے کیا تھا جمگھٹ

گات زانو کی وہ پاکیزہ طرحدار کہ ہاے
دھیان کے ساتھ جہاں پاے نظر جاوے رپٹ

قامت ایسی کہ قیامت بھی کرے جس کو سلام
اُس کے اٹھلاتے ہوئے چلنے کی سُن کر آہٹ

شورِ محشر کو یہ کہہ بیٹھے خرام اُس کا صاف
دال فے عین لے دور پرے ہو چل ہٹ

چھلے ہر انگلیوں کی پوروں میں مہندی کے وہ شوخ
کہ نہ عباسی کی چُنّٹ میں بھی ویسی ہو سمٹ

---

۱ کچیں = چھاتی کی نوکیں۔

* ن: "جھٹ"۔

۲ پڑاقے کی = دو رنگوں کی جو یکے بعد دیگرے آتے ہیں۔

+ ق ۳: "پھرا"۔

۳ پیلام = ایک قسم کا کپڑا۔

++ ق ۳: "پھڑکا دٹ"۔

۴ خوش کفلی = سُرین کا خوبصورت ہونا۔

سرخی اُن ایڑیوں کی، موتیوں کو جو تی کے — گھنگچیاں کر کے دکھا دے تجھے اِک آن میں چھٹ
نشے میں قلقلِ صہبا سے یہ فرما اُٹھے — کیا خوش آتی ہے صدا مجھ کو یہ تیری غٹ غٹ
سرو و شمشاد و صنوبر سے کہے: چلتے ہو؟ — کھیلنے جاتے ہیں ہم آج چمن میں جھرمٹ
ندھڑک ایسی ہی بیباک کہ گر مے نہ پیے[1] — ریشِ قاضی میں وہ صہبا کی لگا دے تلچھٹ*

کچھ نہ گہنا، نہ جواہر، نہ تکلف، نہ بناو — سادگی اپنی سے مسرور، خوشی سے غٹ پٹ
کشتیاں دیکھ جواہر کی یہی کہہ اُٹھنا: — کس کو ہے ایسی غرض مفت کرے جو کھٹ کھٹ
بھلے لگیے جو بناوٹ سے بھلا کیا حاصل — فائدہ فرق سے لے پاؤں تلک جائے پٹ
بادلہ پوشی اور آراستگی اور سنگار — چاہیے گاؤنوں کو اپنے، کہ ہو جمگھاہٹ
سانگ ہولی میں حضور اپنے جو لاویں ہر رات — کہ کنھیا بنیں اور سر پہ وہ دھر لیویں مکٹ[2]
گوپیں ہو کے پڑی ڈھونڈیں کدم کی چھائیں — بانسری دھن میں دکھاویں وہ ہی جمنا تٹ[3]
گانو گوکل کا ہے، پینڈا ہے نرالا" یہ کہیں — گوالنیں بن کی کہیں ہنس کے "وہ ہے بنسی بٹ[4]"
گاگریں لیویں اُٹھا اور یہ کہتی جاویں: — دیکھیے وہ بندری جو درم ادی ہے نٹکھٹ
سونے روپے میں جو لد جائیں گنواروں کی طرح — دُھام گھر کو کہیں نزدیک کو بولیں "و نکٹ"
باندھیں مضمون جو رونے کا تو بول اُٹھیں یوں — چھائے ہر تین میں آنسو رہے جیسے کہ رہٹ
الغرض تھی جو اِس اوصاف سے موصوف اُس نے — اپنے مکھڑے سے دوپٹے کی مسلسل کو اُلٹ
مجھ سے سنمکھ ہو کہا: دولتِ بیدار ہوں میں — خوابِ غفلت سے لبِ اب چونک، گلے میرے لپٹ
مجلس آراستہ ہے سالگرہ کی اُس کی — جس کی ہر لحظہ دعا دینے میں ہے سب کو رٹ
یعنی وہ شاہِ سلیماں، کہ شکوہ اُس کی سے — نیرِ حشمت و اقبال کو ہے جمگھاہٹ

---

[1] یعنی قاضی مے نہ پیے تو اس کی داڑھی میں وہ شراب کی تلچھٹ لگا دے

* ن: "پر چھٹ"

[2] مکٹ = تاج۔

[3] [تٹ = کنارہ۔ مطلب: بانسری ایسی دھن میں بجائیں کہ جمنا کنارے کا سماں بندھ جائے۔]

[4] پینڈا = راہ، طور طریقہ۔ بنسی = بانسری۔ بٹ = برگد کا پیڑ۔ بنسی بٹ = برگد کا پیڑ جس تلے کنھیا جی بانسری بجایا کرتے تھے۔

جشن شاہانہ ہے ہیں سب اُمرا حاضر وقت
اُس کے مجرے کو کھڑے فوجوں کے ہیں غٹ کے غٹ

ہے یہ دھڑکا دُہل و کوس کی آوازوں سے
سینۂ گاوِ زمیں آج کہیں جائے نہ پھٹ

چیری[1] صاحب بھی یہ کہتا ہے در دولت پر
روح بخشندہ* ہے عیسیٰ کی قسم یہ چوکھٹ

ہیں سلامی کو کھڑے باندھ کے صف سب انگریز
مارٹین اور برن، روملی ایمل، ارنٹ[2]

بزم ایسی ہی مرتب ہے کہ سبحان اللہ
جس میں اقسام تماشا کا ہوا ہے جمگھٹ +

قدِ آدم ہیں کروڑوں ہی لگے آئینے
طرفہ گستردہ جواہر کے چھپرکھٹ سرکھٹ

ارغنوں[3] کی کہیں آواز کہیں ناچ کی ہے
خفقان جس سے کہ جاتا رہے اور گھبراہٹ

واسطے نذر کے کر تو بھی قصیدہ کوئی عرض
اُٹھ کمر باندھ ابھی جلد چلا چل جھٹ پٹ

سنتے ہی میں نے یہ دولت سے خوشی کا مژدہ
شرف اندوز ہوا خدمتِ اقدس میں جھٹ

باپیا محفلِ شاہانہ میں مطلع وہ پڑھا
جس کی سطوت سے ہوئی جان عدو کی تلپٹ

عازمِ جنگ ہو جس لحظہ تو گلگوں کو ڈپٹ
گاو سر پھینک کے جھٹ سام سا بھاگے جیوٹ

مار چنگھاڑ عرق زال کرے دہشت سے
پانو رستم[4] کا گل ولا پہ پھسل جاوے رپٹ

جامۂ چرمِ پلنگ اپنے بدن سے پھینکے
ہاتھ سے ریش و دو شاخ اپنی کو دے اکھاڑ

حیدری نعرہ تو جب روزِ وغا میں کھینچے
لشکرِ شام ترے آگے سے کھاوے گھونگھٹ[5]

بر سر قاف ہو گر قلعہ عدو کا بیتر سے
منہدم کر دے اُسے گاوِ زمیں کی کروٹ

---

[1] مسٹر چیری غالباً اس وقت لکھنؤ کے ریزیڈنٹ تھے

* ق ۲: " ادج بخشندہ"۔

[2] Martin, Burn, Romilly, Emile, Arnot.

+ ق ۲: میں یہ شعر نہیں ہے۔

[3] ارغنون = ارگن باجا۔

[4] پہلے شعر میں سام اور اس شعر میں زال اور رستم مشہور پہلوانوں کے نام ہیں۔ گل ولا = کیچڑ گارا۔

[5] گھونگھٹ کھانا = پسپا ہونا۔ [ق ۲: "لے لے گھونگھٹ"]

گر پڑیں ٹوٹ کے سو ٹکڑے ہو اِک آن کے بیچ — تیرے للکارتے ہی اُس کے کواڑوں کے پٹ
قہرِ خالق کا نمونہ ہے تری یہ شمشیر — لاکھوں سر ہاے عدو جس سے کہ کاٹیں[*] چٹ پٹ
کمرِ کوہ پہ لاگے تو کرے دو ٹکڑے — نہ جھڑے کچھ[†] نہ مڑے رک نہ رہے ایسی اکٹ
صاعقہ جس کے دمِ آب سے تھر تھر کانپے — صولتِ برق کو کہہ بیٹھے چمک جس کی "ہٹ"
الاماں بول اٹھیں قیصرِ روم و خاقاں — گر کہیں ہاتھ میں تو لے کے اُسے جاوے ڈپٹ
دیکھ کر تختِ ہوادار[۱] کی تیرے خوبی — کہکشاں ابر کے دامن کا بنا لے گھونگھٹ
گر نظر چرخ کرے چتر کو تیرے شاہا! — پنجۂ مہر سے لے اُس کی بلائیں چٹ پٹ
بادپا کا ترے کیا وصف کروں خوبی کا — بھلا رے اُس کی وہ جلدی وہ اُلٹ اور پلٹ
شرق سے غرب تلک ایسی کہاں ہے وسعت — کہ کبھی کھول کے دل تو اُسے پھینکے سرپٹ
پویوں جائے تو معلوم کرے[‡] یوں خلقت — کہ ابھی بادِ بہاری سے گیا جا کے چمٹ
ہوش کھو دیوے غزالانِ جہاں کے یک بار — چاروں پانووں کی جماوٹ وہ اُچک اور سمٹ
صاف آنکھوں میں چھلاوا سا دکھائی دے جائے — بات کہنے میں اگر باگ کہیں جائے پلٹ
یہ سبک دَو کہ جسے وہم نہ پاوے ہرگز — اِس قدر جلد کہ جوں نکہتِ گلشن کی لپٹ
گو بجنے کو ترے ہاتھی کے اگر رعد سُنے — رفعت و منزلت اپنی سے وہیں جاوے گھٹ
جب سواری میں تری بیٹھ کے وہ اُٹھے بزور — روم سے شام تلک ساری زمیں آوے سمٹ
ہفت اقلیم کے باشندے قدمبوس کریں — دیکھ اجلال دبیں سارے جہاں کے نٹ کھٹ
ایک ہی لقمۂ خرطوم میں وہ قافِ شکوہ — کِشتِ آمال کو کفار کی کر جاوے چٹ[§]
اس کے دانتوں کی بلندی کو اگر پیل سحاب — کبھی دیکھے تو یہی گذرے خیال اُس کا چٹ

---

[*] ق ۳: "جتنے کہ کاٹے تھیاں اگر جس نے" پڑھیے تو معنی درست ہوں گے۔

[†] ق ۳: "اور"۔

[۱] ہوادار = امرا کی ایک قسم کی کھلی ہوئی سواری

[‡] ق ۳: "کریں"۔

[§] ق ۳ میں یہ شعر نہیں ہے۔

ہاتھ عیسیٰ نے اٹھائے ہیں دعا کو دونوں — لیلۃ القدرِ[۱] فرح بخش کی پاکر آہٹ

ختم کرتا ہوں دعائیہ پر ان شاء اللہ — یارب اس در پہ ہو عالم کو خوشی کی آہٹ

صحت و جشن و نشاط و طرب و دولت کا — حسبِ دلخواہ رہے ذات سے تیری جگمٹ

خوبی و خرّمی و راحت و آرام و سرور — تیرے دروازے کی تا حشر نہ چھوڑیں چوکھٹ

وہ سہانی* رہے بجتی تری نوبت شب و روز — کہ جگر دشمنوں کا دویں ٹکور[۲] یں ہی اُکٹ

نوبتی گا دیں سب الغوزہ و شہنا میں سدا — دھرپت[۳] اور قول، خیال اور ترانہ تروٹ

دلیں جس وقت کہ وہ بولیں یہ لہرا اُٹھے — لے گیوے گیو متوار و جی مھاری انوٹ

تیرے ہی مجرے میں ہو نغمہ سرا صبح کے وقت — بھیروی[۴] گنکلی توڑی و الھیّا اور کھٹ

کرنا و دُہل و بوق کی آوازوں میں — ہم کو سوجھا کرے آرام و خوشی کی کروٹ

کھا کلا رنگ[۵] گریں تیرے سبھی اعدا یوں — راگ مالا میں کھنچی جیسے کہ ہو صورتِ نٹ

بس سلیمانِ جہاں تو ہی ہو اور دنیا ہو+ — جب تلک گنبدِ مینا میں رہے چپکاہٹ

(۷) نواب سعادت علی خاں کی مدح میں

نظر آئی مجھے کل باظفر و طوغ[۶] و علم — صورتِ فتح، مجسّم ہو بہ شکلِ آدم

---

۱ لیلۃ القدر سے یہاں مراد سیاہ گھٹا۔ اور برسات کی کالی گھٹا فرح بخش ہوتی ہے۔

§ ق ۳: "عالم کو" ۔ "تم۔ عالم نے"

* ق ۳: "شہانی"

۲ ٹکور ۔ نقارے کی آواز۔

۳ الغوزہ ۔ ایک قسم کا منہ سے بجنے والا باجا + دھرپت و خیال وغیرہ اقسام موسیقی ہیں۔

+ ق ۳: "تو ہووے اور دنیا ہو"۔

۴ بھیروی اور کنکلے وغیرہ راگنیوں کے نام ہیں۔

۵ "کلا رنگ" کشتی کا ایک داؤ ہے۔ مطلب = تیرے سب دشمن کلا رنگ کا داؤ کھا کر گریں۔

۶ طوغ یا توغ = نشان فوج۔ (ترکی)

سر پہ ایک خود دھری جس پہ بڑی سی کلغی — ڈھال کاندھے پہ پڑی ہاتھ میں شمشیر دودم
زرہِ حضرتِ داؤد گلے میں اُس کے — جبروت اُس کا فریدوں فروجمشید حشم
خضر و الیاس جلو اُس کے ہیں جوں چاؤشاں[1] — بھلہ ہے سطوت و فیروزی و اجلال و حشم
لمعۂ نورِ جبیں اُس کے ہے، طالع جوں مہر — سب رکاب اُس کی ہیں موجود صناد یدِ[2] عجم
اُس کی افواج کے گھوڑوں پہ کیا خوب جودھیاں — تو وہ فنکاری پڑے بھرتے تھے مثلِ ضیغم
دیکھ القصہ اُسے چونک گئیں یوں آنکھیں — دفعتہً چونک پڑیں جیسے غزالانِ حرم
باادب میں نے یہ معروض کیا: اِسمِ شریف — بارے فرمایئے اے مخزنِ الطاف و ہمم
تو یہ ارشاد ہوا تجھ کو نہیں کیا معلوم — نیّرِ طالعِ فیروز ہیں اُس شخص کے ہم
وہ سعادت علیِ عالیِ اعلیٰ جو ہے — معدنِ جود و سخا لجّۂ احسان و کرم
آج صد شکرِ خدا اُس نے کیا جشنِ جلوس — جس کی توصیف کی اِنشا میں قلم ہے ابکم[3]
یعنی نوابِ فلک رتبہ یمین الدولہ — ناظم الملک بہادر وہ وزیرِ اعظم
برزو و رستم و سہراب سے سَو جس کے غلام — بیژن و سام و نریماں سے کئی جس کے خدم
جس کے اشفاق سے ہے مزرعِ عالم شاداب — جس کے الطاف سے آسودہ ہے اصنافِ اُمم
شیر مردانِ وغا رستمِ دوراں، جس کی — بخششِ فیض سے شرمندہ ہے بذلِ حاتم
الغرض تہنیتِ جشنِ جلوس اُس کا سُن — سیدِ انشا نے کیا تازہ قصیدہ وہ رقم
کہ بس اُس طرزِ فصاحت کو سمجھ کر اُس کے — روحِ خاقانی و عرفی نے لیے چوم قدم
ہووے ارشاد تو اب مطلعِ ثانی وہ پڑھے — تھر تھرا اُٹھے جسے سنتے ہی کاؤس اور جم

کیوں نہ بخشے تجھے پھر شاہِ ولایت پرچم — تو منَ اللہ مؤیّد ہے خدا ہی کی قسم
اِنس و جن، ابر و ہوا کیوں نہ ہوں فرمانبردار — ہے ترے نام کو خاصیّتِ اسمِ اعظم

---

[1] چاؤش (ترکی) چوب دار یا نقیب جو بادشاہ کے آگے آگے چلتے ہیں۔

[2] صنادید (صندید کی جمع) ۔ اکابر۔

[3] ابکم ۔ گونگا۔

کیوں نہ ہو زیرِ نگیں تیرے سبھی ہفت اقلیم
سایۂ مہرِ نبوّت میں ہے تیری خاتم

اے وزیر ابنِ وزیر ابنِ وزیر ابنِ وزیر
کانپتے تیری شجاعت سے ہیں ضرغامِ اجم[1]

جو غلامانِ غلامانِ غلاماں ہیں ترے
سب مہیّا اُنھیں انواع کے ہیں ناز و نعم

عدل یہ عصر میں تیرے ہے کہ جس کے ڈر سے
شیر و بزِ غالہ میں ہے رابطۂ محبّت باہم

ہمہ گر اُلفت و شفقت ہی کچھ ایسی ہے کہ اب
بچّۂ شیر کو آ دودھ پلاوے ہے غنم

ق
غمِ معشوق سے کہتے ہیں گروہِ عشاق
عوض اُس کے کہ دیا کوئی گھڑی دل کو الم

آپ کے مسّے کو ہم نوچ جبیں سے لیں گے
ہم چپا کر کے تمھیں چھوڑیں گے، یا حضرتِ غم[2]

تیرے رتبے کا بیاں کس سے ہو، ماشاءاللہ
نہ فقط ہند ہی کے لوگ ہیں کچھ تیرے خدم[3]

تیری شمشیر کی بُرّش کی ہو کس سے تعریف
گھاٹ پر جس کے رہا خون ہے اعدا کا جم

حلقِ دشمن کے لیے زہر بھری آب کے ساتھ
صاف اک پرچۂ الماس ہے اور کاسۂ سم

کیا چمن بندیِ جوہر ہے پری زاد، اے واہ
تیغ میں اُس کی کہوں یا کہ گلستانِ ارم

ہے وہ ثعبانِ مبیں شعلہ فشاں خوں آشام
شکلِ برق و شفق و صاعقہ و موجِ یم

اُس کے جوہر جو جواہر سے بڑے مول میں ہیں
سو وہ ایسے ہیں کہ جیسے خطِ یاقوت رقم[4]

اُس کو کچھ جھڑنے سے اور مُڑنے سے خطرہ ہی نہیں
کمرِ کوہ پہ لاگے تو کرے صاف قلم[*]

کیوں نہ قبضے میں وہ کر لیوے جہاں، قاف تلک
رشکِ ابروئے پری اُس کی ہے ہر موقع کا خم

دیکھ کر کہتے ہیں سب اہلِ خراساں اُس کو
ایسی دیکھی نہ سُنی، شاہِ خراساں کی قسم

ہے سپر کی تری، پر زور قوی وہ اوجھڑ
کہ ہو جھٹ جس سے عدو رہ سپرِ ملکِ عدم[5]

---

[1] ضرغام اجم = شیر بیشہ۔

[2] چپا کر کے چھوڑنا = ذلیل کرنا + غم کی جبیں سے مسّا نوچ لینے کا یہ مطلب کہ جب غم کا نقطہ جاتا رہا تو وہ عم ہوگیا جس کے معنی چچا کے ہیں۔

[3] اس کے بعد کے چند فارسی اور عربی وغیرہ کے اشعار چھوڑے جاتے ہیں۔

[4] یاقوت رقم = ایک مشہور خطاط کا لقب ہے

[*] ن : "اُس کو قلم"۔

[5] اوجھڑ = ضرب، حملہ + رہ سپر = راہی + مطلب یہ کہ حملہ تو تلوار سے ہوتا ہے لیکن تو اگر اپنی ڈھال سے دشمن پر حملہ کر دے تو بھی اس تیری ضرب میں وہ قوت ہے کہ ایک وار میں دشمن کا کام تمام ہو جائے۔

باد پا کا ترے کیا وصف کروں جس سے ہے — ابلق مردمِ چشمِ پری پویہ میں کم
ایک دن اُس کے جلو میں جو کہیں دوڑی تھی — آج تک ناک میں ہے بادِ بہاری کا دم
قوتِ منفعلہ اُس کی سے ٹپکا ہے عرق — سب جوانانِ چمن کہتے ہیں اُس کو شبنم
اس کی کب گرد کو پہنچے ہے نسیمِ سحری — نکہتِ گل کی جو سرپٹ ہے سو اُس کا ہے قدم
ہے اُسی رخشِ فلک سیر کا اک نعل ہلال — دیکھنے آوے ہے ہر ماہ جسے ایک عالم
جی میں ہے اور بھی اک مطلعِ ثالث پڑھ کر — چھین لوں کالبدِ چرخ سے تاروں کی جھلم[1]

سامنے تیرے جو رستم بھی کبھی ٹھونکے خم — تو وہ ہاتھ اُس کا اُسی طور سے رہ جاوے جم
مدِ غیب سے ایسا ہی ہو اُلٹا پانسا — کہ مسل ڈالے اُسے ٹاپ میں تیرا ادہم
یاں فلک تو ہے ترا عالمِ تیر اندازی — کہ تجھے کہتے ہیں اُستادِ عرب اور عجم
طائرِ قبلہ نما پر بھی اگر کیجے خیال — تو وہ بھی تڑپے ہے گھر اپنے ہی میں اور لوٹے ہے دم
تیرے بندوق لگانے کا بیاں ہو کس سے — جانور اُڑتے گراتا ہے تو لاکھوں باہم
حکم انداز[2] تو ایسا ہے کہ جس کے آگے — بھول پرواز گئے طیر سب اور آہو رم
توپ خانے کی ترے سنتے ہی آواز اک بار — رعد اور برقِ شرربار ہوئے دونوں سم[3]
ہو سکے فوجِ ظفر موج کا اب کس سے شمار — اُس کے اعداد سے ہے ذاتِ خدا ہی محرم
تیرے دشمن سے نہ زائل ہو کبھی روسیہی — سینکڑوں غوطے وہ گر کھائے بہ آبِ زمزم
وصف تحریر کروں کیا ترے ہاتھی کا میں — بھلا رے اُس کی شکوہ اور وہ اُس کا خم و چم
کہکشاں اُس کی ہے مستک کی بلندی سے خجل — آنکھیں یوں اُس کی ہیں جوں نافِ غزالانِ حرم
دونوں کان اُس کے جو پاکیزہ ہیں آلی آلی — سو وہ ہیں طعنہ زنِ طیرِ مسیح[4] مریم

---

[1] کالبد = ڈھانچا، جھلم = زرہ کی طرح کی نقاب جو جنگ کے وقت منہ پر ڈال لیتے تھے۔

[2] حکم انداز = قادر انداز

[3] سم ہو جانا = متحیر ہو کے خاموش ہو جانا۔ [م:۔ "صم" ممکن ہے "اصم" بمعنی بہرا ہو]

[4] آلی آلی = سرخ سرخ، طیرِ مسیح چمگادڑ جسے مرغِ عیسیٰ بھی کہتے ہیں۔

فی المثل صورِ سرافیل ہے اُس کی خرطوم / وہ اُسے پٹکے زمین پر تو زماں ہو برہم

اژدہا کی سی سمیٹ اور لپیٹ اُس کی دیکھ / بعضے موسیٰ کا عصا کہتے ہیں، بعضے ارقم[1]

چیر اور پھاڑ ہی ڈالے ہے معاند کو ترے / اِس میں گو آئے وہ باعور کا بیٹا بلعم

شبِ یلدا میں کھلی حور کی جوں چوٹی ہو / دُم پری زاد جو ہے اُس کا یہ کچھ ہے عالم

دیکھ کر پانوؤں کو اُس کے یہی کہتا ہے خیال / سقفِ رفعت کے جہاں میں یہی چاروں ہیں عُم[2]

سونڈ میں برق کی زنجیرِ طلائی لے کر / اُس کی ٹکر کے اگر سامنے آوے اِک دم

تو کچھ اس روپ سے پھر بھاگ چلے پیلِ سحاب / کہ زمین نیچے سے آواز اِک اُٹھے کھم کھم

نہ ٹرکے اپنے مہاوت سے، وہ بہتیرا کہے / دھت بروسیل اکد پھر لگے یوں جی کھل سم

اب دعا مانگے ہے تیرے لیے اِن شاء اللہ / یارب آمیں کہیں سُن اِس کو ملائک باہم

ناظم الملک بہادر بھی ہو اور دنیا ہو / ہرتے پھرتے رہیں جب تک کہ یہ چاروں موسم

صحت و طولِ لقا و طرب و دولت و جشن / ذات سے تیری رہیں تا بہ قیامت توأم

تیرے ہی مجرے میں گایا کریں سب اہلِ نشاط / قول و آہنگ و نوا، ماتھا، ترانہ، سرگم[3]

بھیرویں کنگلی اور مالسری اور سارنگ / پوربی، گوری، یمن، پرج ہیں اور جتنے نغم

سامنے تیرے ہی ہر وقت رہے اِن کی صدا / تانیں لہراتی رہیں ایسے ہی جوں موجۂ یم

راجہ اِندر کے اکھاڑے ہیں ہو جوں پریوں کا ناچ / در دولت پہ ہمیشہ رہے یوں ہی چھم چھم

(۸) نواب سعادت علی خاں کی تعریف میں

کیا چیز دیو، مردِ سخنداں کے سامنے / پر جلتے ہیں فرشتوں کے انساں کے سامنے

صدمہ ہی پہنچے رعد کی گردن پہ ایک بار / آوے کبھی جو نعرۂ مرداں کے سامنے

جاری مری زباں سے ہوں سوزندہ رودِ شہد[4] / گویا اگر ہوں اہلِ صفاہاں کے سامنے

۱؎ ارقم = مارِ سیاہ، ناگ۔

۲؎ عُم = کُم، کھمبا

۳؎ ن: "نوا" یعنی ساز کو بجا کر درست کرنا۔ نوا موسیقی کے بارہ مقاموں میں سے ایک مقام۔ ماتھا: گانے کی ابتدا میں جو لے قائم کرتے ہیں۔

۴؎ زندہ رود شہد = شہد کا دریا۔ زندہ رود ایک دریا کا نام۔

دلچسپ تر ہے آمدِ صہبا سے جام میں — میرا ورود زمزمہ ستاں کے سامنے

ہر سنگ، رنگ، ڈھنگ[1] یہ اپنے کلام کا — ہوجائے جھٹ جو لعلِ بدخشاں کے سامنے

لیلیٰ کا ہاتھ پکڑے ہوئے قیس ہو نمود — گر آڑ کھڑا ہوں خارِ مغیلاں کے سامنے

میری بلائیں لیتی ہیں جنّاتِ عدن میں — حوریں ہمیشہ مجمعِ غلماں کے سامنے

ہوجاویں مست وحش و طیور و سباع سب — "ہوں" کر اُٹھوں جو دشت و بیاباں کے سامنے

قانونِ بوعلی سے نہیں کم کسی طرح — میرا کلام مردِ شفاداں[2] کے سامنے

ہر وحشت آدمی کی جو سر جھاڑ منہ پہاڑ[3] — چاہے تو ہووے شاہ بنی جاں کے سامنے

کیوں کر نہ یہ گھمنڈ ہو بیٹھا ہوں آج میں — کیسے وزیرِ اعظمِ ذیشاں کے سامنے

یعنی یمینِ دولہ بہادر کہ جس کا حُسن — ہوجاوے آفتابِ درخشاں کے سامنے

کیوں کر نہ کہیے ناظمِ ملکِ جہاں اُسے — ہیں جملہ جس کے دستِ زرافشاں کے سامنے

دی جس کے نام کو یہ سعادت علیؓ نے ہو — لیویں جسے نسیمِ بہاراں کے سامنے

برہانِ ملک و صفدر و منصور ذہ شجاع — چاکر ہوں جس کے سام و نریماں کے سامنے

ایسا ہر شیرِ ببر کہ جس کے جلال کا — مذکور ہووے قیصر و خاقاں کے سامنے

جو معرکے میں رزم کے دیوے کھڑا ہوا، — موچھوں پہ تاؤ شیرِ نیستاں کے سامنے

ہمت ہے اُس میں ایسی کہ یہ چرخِ کوزہ پشت — خم ہے اُسی کے رتبۂ احساں کے سامنے

انشاؔ، تو باریاب ہوا بزمِ خاص سے — خم ٹھونک لے نہ رستمِ دستاں کے سامنے

بارے سپیدیِ دمِ صبحِ وطن ہوئی — مدت کے بعد شامِ غریباں کے سامنے

اِس وقت اِک قصیدہ کوئی دھوم دھام کا — پڑھ اِس وزیرِ حاتمِ دوراں کے سامنے

جس کے ہر ایک شعر پہ دلچسپ شوخیاں — ہیں قوّتِ فصاحتِ سحباں[4] کے سامنے

---

[1] سنگ، رنگ، ڈھنگ = جواہر کی تین خوبیاں جن میں سے اگر ایک بھی کم ہوجائے تو اس کی قیمت گھٹ جاتی ہے۔ سنگ بمعنی وزن۔

[2] شفاداں = عالم فاضل جس نے بوعلی سینا کی کتاب شفا پڑھی ہو۔

[3] سر جھاڑ منہ پہاڑ = دیوانہ وار، وحشیانہ ابتر زیادہ۔ سامنے اس شعر میں مقابل کے معنی میں ہے۔ بجائے "یہ"

[4] سحبان = عرب کا مشہور فصیح

حاضر ہوا ہوں یوسفِ کنعاں کے سامنے
یا آگیا ہوں میں مہِ تاباں کے سامنے

یاد آوے تیری چشم کی شوخی تو پھر وہیں
ساقی کرے مُراقبہ فنجاں کے سامنے

گو بونواس[1] شہرۂ آفاق ہو، دے
کیا دخل ہو جو تیرے ثناخواں کے سامنے

آکر حضورِ اقدسِ عالی میں ہوں کھڑے
جو لوگ بیٹھ جائیں تمر خاں[2] کے سامنے

یوں طلق تیرے حکم میں، جوں خیلِ گوسفند
ہوں گلّہ گلّہ موسیِ عمراں کے سامنے

کم مرتبگی میں آتے ہیں اس طرح سے نظر ق
حُسّاد تیرے نطقِ غلاماں کے سامنے

جس طرح سے مسیلمہ[3] کے مہملات کا
ہو مرتبہ بلاغتِ قرآں کے سامنے

مذکور[4] ہووے تیرے جو ذہنِ سلیم کا
آجائے ذکر حضرتِ لقماں کے سامنے

قمری کی طرح طوقِ غلامی پہن ہی لے
جو آوتے تجھ سے سروِ خراماں کے سامنے

حُبِّ علی ہے تجھ کو یہاں تک کہ تیرا ذکر
جنت میں ہے اباذر[5]ؓ و سلماںؓ کے سامنے

ہے قوّتِ مقرّرہ کا تیری تذکرہ
مشہور فخرِ خطۂ یوناں کے سامنے

شادابی اُس میں ایسی کہ جوں خضرِ سبز پوش
بیٹھا ہوا ہو چشمۂ حیواں کے سامنے

اُڑ جائیں ہوش توسنِ بادِ بہار کے
گردو میں ہو کبھی ترے یکراں[6] کے سامنے

اُس کی روش کو دیکھے تو غش کھا کے لوٹ جائے
موجِ نسیمِ خیلِ غزالاں کے سامنے

سب کھیتیاں ہری ہوں، اگر تیرے فیل کا
لیں نام پیلِ ابرِ بہاراں کے سامنے

اُس کا سواد لونِ شبِ قدر کی نمط
ہووے نمود زمرہ مستاں کے سامنے

---

[1] ابونواس = ہارون الرشید کے دربار کا مشہور شاعر۔ بعضے نسخوں میں "بوفراس" ہے، یعنی ابو فراس ہمدانی جو سیف الدولہ کا عزیز قریب تھا، لیکن یہ قرینِ قیاس نہیں۔

[2] تمر خاں = امیر تیمور۔

[3] مسیلمہ کذاب = جو مدعی نبوت تھا، مہملات یعنی وہ فقرات جو مسیلمہ نے قرآن مجید کے مقابلے میں لکھے تھے۔

[4] ن: "مسرور"۔

[5] ابوذر غفاری اور سلمان فارسی حضرت علی کے مشہور رفیق اور طرفدار تھے

[6] یکران یعنی گھوڑا

دونوں وہ دانت اُس کے مسیحا کے ہاتھ سے
ہو ویں بلند صاحبِ عرفاں کے سامنے

ہر مرتبہ یہ عدل کا تیرے کہ مور ہو
اس عصر میں جنودِ سلیماں کے سامنے

گر برقِ تیغ کی تری دیکھے چمک عدد
تو سمجھے یہ کہ ہے دمِ ثعباں کے سامنے

تجھ کو ضمانِ ضامنِ ثامن مدام ہے
مقبول ہے تو شاہِ خراساں کے سامنے

انشا تری دعا میں ہے مشغول رات دن
اپنے کریم و قادرِ سبحاں کے سامنے

جب تک نہ ہو کمالِ درخشندگی نصیب
جرمِ سُہا کو مہر کے لمعاں کے سامنے

آساں رہیں یہ عُقدے کی غنچہ کشائیاں
تا ناخنِ نسیمِ بہاراں کے سامنے

حاضر رہے بہار و سرور و نشاطِ جشن
یارب ہمیشہ تیرے گلستاں کے سامنے

افواجِ روم و شام و ولایت نہ ہو سکے
ہرگز کبھی تری صفِ مژگاں کے سامنے

شایاں ہے یہی کہ ترے دستِ جود کا
مذکور کیجے موسمِ باراں کے سامنے

ہر چند ہوں میں بے سر و ساماں ولیک آج
آیا ہوں تجھ سے باسر و ساماں کے سامنے

کلغی مجھے بھی ہووے تعجب نہیں کہ تھا
ہُدہُد کے سر پہ تاجِ سلیماں کے سامنے

(۹) دُولھن جان کی تعریف میں

سحر بہار کی خوشبو میں آ گئی یہ لپٹ
کہ صاف چاند سے مکھڑوں کے کھل گئے گھونگھٹ

ہوا دماغ میں بادِ بہار کے یہ بھری
کہ گھوڑیاں عربی جائیں جس طرح سرپٹ

صبا کے جھونکوں سے کچھ ڈالیاں جو لہرائیں
تو خوب پھولوں کی چھڑیاں چلیں بہم سٹ سٹ

یکایک ایسا ہی عالم ہوا کہ عقل کہے
اکھاڑے پریوں کے گویا اتر پڑے جھٹ پٹ

چمن میں ایسی ہی اک چاندنی سی پھیل گئی
کہ ویسی تاروں بھری رات بھی نہ لے کروٹ

مزے میں آ کے جوانانِ باغ جتنے تھے
صراحیِ مے عشرت چڑھا گئے غٹ غٹ

نصیب سوتے ہوئے تھے جنھوں کے چونک پڑے
گئی اُنھوں کی بھی اِس ولولے سے نیند اُچٹ

صبا یہ آئی یقیناً ہے اُس کے کوچے سے
کہ جس کے نام میں ہے چاند کی سی جھمکاہٹ

وہ کون یعنی پری زاد عرف دولھن جان
بلائیں لیتے ہیں جس کی جہانیاں چٹ چٹ

گذر صبا نے کیا ہر جو اُس کے کوچے سے   ق   سہاگ لہر کی تاثیر کیجیے غور کہ جھٹ

نظر پڑا مجھے بلّور کا اِحاطہ ایک   مکان سارے مرصّع عجیب اِک جگمگھٹ

ستون صورتِ غلمان و مشک بیز شمیم   انوکھے ڈول کے ہر جا چھپر کھٹ اور سرکھٹ[51]

ہزاروں رنگ کے فوّارے اور چادرِ آب   ہر ایک سمت پری پیکروں کے غٹ کے غٹ

چھتوں میں موتیوں کی جھالریں لٹکتی ہوئی   سب ایک ڈال زمرّد ہر اِک کواڑ کے پٹ

کسی میں پارۂ الماس کے لگے کنڈے   جڑی ہوئی کہیں یاقوتِ سرخ کی چوکھٹ

لگے ہوئے کہیں شب چراغ اکثر جاے   ڈلک سے حسن کی بہت دور تک ہو پھیلاوٹ

کہیں تو شیشے کے فانوسوں کی چمن بندی   اور اُن کے بیچ سے چھٹنا پٹاخوں کا چٹ چٹ

کھڑے ہوئے حبشی وہ غلام با شمشیر   کہ حسن کی ڈھال کی رنگت سے ہو خجل سلہٹ[52]

سو کالے ٹیکے تھے گویا رُخِ نزاکت کے   کہیں نظر نہ لگے اِس لیے رہے تھے لپٹ

ہر ایک طعن یہ کرتا تھا شاہزادۂ گل   کرے نہ تو بھی صنوبر کو نیچے جھاڑ جھپٹ

کہیں شہانے کی آواز اور کہیں کا مود   کہیں تو رام کلی بھیرویں کہیں تھانٹ

بہاگ تھا، کہیں توڑی کہیں تھی مالسری   کہیں کِدارا، کہیں کنگلی، کہیں تھا کھٹ

کہیں تو پرملو کا ناچ تھا، کہیں سنگیت   قیامت اُن کی اُلٹنی تھی۔ اور تھہر پلٹ[53]

بنے ہوئے کہیں رادھا، کہیں کنھیا جی   پتمبر[54] اوڑھے ہوئے سر پہ رکھے مور مکٹ

وہی کریل[55] کی کنجیں تھیں اور بندرا بن   سہانی دُھن وہی مرلی کی، وہ ہی بنسی بٹ

نہانے دھونے وہی ٹھیک ٹھاک سب باتیں   وہ گوکل اور وہ متھرا نگر، وہ جمنا تٹ[56]

---

۵۱ سرکھٹ = مثل چھپر کھٹ کے ایک قسم کی مسہری۔

۵۲ سلہٹ = بنگالہ کے ایک شہر کا نام جہاں کی ڈھال مشہور ہے اور سنگترے بھی۔

۵۳ پرملو = ایک قسم کا ناچ + اُلٹنی اور پلٹ تانوں میں ہوتی ہے یہ موسیقی کی اصطلاحیں ہیں۔

۵۴ پتمبر صحیح پیتامبر = وہ زرد رنگ کی دھوتی جو کرشن جی باندھتے تھے۔

۵۵ کریل = ایک کانٹے دار جھاڑی۔ کنج = منڈوا۔

۵۶ تٹ = کنارہ۔

وہی وہ گوپیاں سولہ سو اور اُن کا روپ
سبھوں کے ڈول وہی اور وہی گھبراہٹ

وہی سراسری، چنپا کلی، وہی گہنے[1]
وہ ٹیکا، بینے، وہی جھمکے اور وہی انوٹ

اُسی طرح کے کنول توڑنے، کول ویسے
اُسی طرح کے پھسل پڑنے اور وہ ہی رپٹ

دھر اپنی چھاتیوں پر بین، کر[2] دکھاتے ہیں
جو اُن کی بانسری لیتی تھی کوئی چھین جھپٹ

دھرے تھے کشن نے جتنے کہ روپ جوں کے توں
وہ چیر گھاٹ، وہی سیوا کنج اور پنگھٹ

برہ وہی وہی او دھو سے کُل کی یہ بنتی
یہ آنسو اچھارہے ہر نین ما نجھ جیسے رہٹ

سکھی رہیں، رہیں آنند سوں، رہیں اوت میں
یہ بچارہیں کینوں کہ کیسی آئی بکٹ

کہیں جو دیکھو تو سب مار دھاڑ کا عالم
وہی کٹار وہی بکر مان وہی کھٹ کھٹ

او بار ولیشی وہی اور وہی کائیں چھ
وہی پہاڑ وہی ریت اور وہی اَوبٹ

صدا بلند اُسی ڈھب سے دیس گانے میں
کہ مہاری سانورو متوار و دے گیو ساوٹ

کہیں تو بھرتری کا سانگ سج کبیر کہیں
کہیں ہلاتے ہوئے سر کو اپنے باندھے جُٹ

کہیں تو سادھے ہوئے جوگ وہ پری زادیں
کہ راجہ اندر کے سبھا کو جو کریں چوپٹ

وہ چھیڑ چھاڑ بہم اِس طرح کی گرما گرم
کہ جن کی شوخیوں سے جی کو ہو سرور نپٹ

غرض کہ ہے وہ پری زاد ایسی ہی دلچسپ
رہا یہ باغ میں نکہت سے روپ جس کا جھٹ

شراب حسنِ نزاکت جو پاس ہو اُس کے
اُسی شراب کی حوروں نے پائی ہو تلچھٹ

نگہ میں اُن کی یہ کچھ نوک[3] جھوک جو دیکھے
تو وہ وہیں برقِ شرربار کو کرے تلپٹ

مقابل اُس کے جو آجائے رستمِ دستاں
تو اُس کے حق میں یہ کہہ بیٹھے پل میں پرے ہی ہٹ

وہ آہوانِ ختن، مشک نافہ ہو جن میں
مدام سونگھتے ہیں اُس کے سر کے بالوں کی لٹ

کبھی جو اُنگلیوں کی فندق اُس کی دیکھے تو
بہار بیر بہٹی کی طرح جائے سمٹ

مسی کے رنگ میں خنکار کو بھی دے غوطے
ادا و ناز سے سب روم و شام ڈالے اُلٹ

---

[1] سراسری، چنپا کلی، ٹیکا، بینے، جھمکے اور انوٹ یہ سب زیور ہیں۔ بینا = ایک قسم کا جھومر + سراسری موتیوں کا زیور سر کے لیے۔

انوٹ = ہندوانی زیور جس کو عورتیں پاؤں کے انگوٹھے میں پہنتی ہیں۔ بمقابل بچھوے کے جو پاؤں کی انگلیوں میں پہنا جاتا ہے۔

[2] کر (ہندی) ہاتھ۔ کر دکھاتے ہیں = ایک خاص انداز سے ہاتھ دکھاتے ہیں۔

[3] نوک جھوک = طراری تیکھا پن۔

یہی تو تین ہٹیں ہیں جہان میں مشہور
وہ کون راج ہٹ اور بال ہٹ کہ تریا ہٹ

ہزار کوس ولدر[1] وہیں کھسک جاوے
کبھی جو اس کے دبے پانو کی سنے آہٹ

بسانِ سیبِ جناں ہے جو اس کا سیبِ ذقن
زیادہ ہے ذقنِ حور سے بھی گدراہٹ

وہ گات ایسی طرح دار، کچ یہ پاکیزہ
کہ سبوتی میں نہ ہووے گی ایسی نرماہٹ

نہ کچھ بھی خسرو پرویز کو خیال میں لائے
غرورِ حسن پہ ہے اپنے ایسی ہی جیوٹ

لطیفہ بن کہے وہ چین نے سو کیا اِمکاں
کبھی دبی نہ وہ شہزادیوں سے یہ منہ پھٹ

جو فی المثل اسے شیریں بھی لے کوئی چٹکی
تو ساری ذات و صفات اس کی وہیں ڈالے الٹ

اگر خلافِ مزاج اس کے ہو کوئی حرکت
تو جاویں شاہدِ حق کے بھی سر کے بال کھسٹ

یہ تیزی آنکھوں میں اور اس کی تیغِ ابرو میں
کہ جیسے مردمِ جنگی کسی سے جاویں ڈٹ

جو اس کے توسنِ انداز کا کروں کچھ وصف
کہاں خیال کے گھوڑے میں ایسی دوڑ ڈپٹ

مناسبت اسے مہتاب سے چمک میں ہے
مگر یہ فرق ادھر چٹ[2] نہیں اِدھر ہے چٹ

وہ اپنی مانگ سنوارے جو لے کے آئینہ
تو کہکشاں کی وہیں قدر ساری جاوے گھٹ

بس اب دعا پہ کر انشا تو اس قصیدے کو ختم
الٰہی اس سے نزاکت سدا رہے غٹ پٹ

مدام عقدہ کشا رکھ، اسے زمانے میں
اسی کے ہاتھ رہے میرے دل کی سلجھاوٹ

دعائے خیر میں دن رات اس کی رہتا ہوں
علی الصباح سے بس شام تک یہی ہے رٹ

دعا یہی ہے کہ دنیا ہو اور دولھن جان
نشاط و جشن و طرب کا وہیں رہے جھرمٹ

رہے مدام سرو کار عیش سے اس کو
نہ ہونے پاوے کسی طور کا اسے اٹ سٹ

(۱۰) بادشاہ انگلستان جارج سوم کی تعریف میں

بگھیاں نور کی تیار کر، اے بوئے سمن
کہ ہوا کھانے کو نکلیں گے جوانانِ چمن

عالمِ اطفالِ نباتات پہ ہوگا کچھ اور
گورے کالے سبھی مٹھیں گے، نئے کپڑے پہن

---

[1] دلدر = افلاس، تنگدستی۔

[2] چٹ = بدنما دھبّا۔

کوئی شبنم سے چھڑک بالوں پہ اپنے پوڈر بیٹھ کر جلوے کی کرسی پہ دکھاوے گا پھبن
شاخِ نازک سے کوئی ہاتھ میں لے کر اِک بیت[۱] ہو الگ سب سے نکالے گا نرالا جوبن
نسترن بھی نئی صورت کا دکھاوے گا رنگ کوئچ* پر ناز کے جب پانو رکھے گا بن ٹھن
اپنے گیلاس شگوفے بھی کریں گے حاضر غنچہ و گل سبھی ہاں کھولیں گے بوتل کے دہن
اہلِ نظارہ کی آنکھوں میں نظر آوے گی باغ میں نرگسِ شہلا کی ہوائی چتون
اور ہی جلوے نگاہوں کو لگے گی دینے اوڑھی بانات کی کرتی میں شکوہِ سوسن
پتے ہل ہل کے بجاویں گے فرنگی طنبور[۲] لالہ لاوے گا سلامی کو بنا کر پلٹن
کھینچ کر تار رگِ ابرِ بہاری سے کئی خود نسیمِ سحر آوے گی بجانے ارگن
اپنی سنگین چمکتی ہوئی دکھلاوے گی آ پڑے گی جو کہیں نہر پہ سورج کی کرن
نے نوازی کے لیے کھول کر اپنی منقار آ کے دکھلاوے گی بلبل بھی جو ہے اُس کا فن
اردلی کے جو گراں ڈیل ہیں، ہوں گے سب جمع کرنا پھونکے گا جس وقت کہ آ سُکھدرسن
آوے گا نذر کو شبنم کی گھڑی لے کے حباب یاسمیں پتوں کی بینیں میں چلے گی بن ٹھن
نکہت آوے گی نکل کھول کلی کا کمرہ ساتھ ہووے گی نزاکت بھی، جو ہے اُس کی بہن+
حوضِ صندوقِ فرنگی[۳] کے مشابہ ہوگا اُس میں ہوویں گے پری زاد سبھی عکس فگن
جب ہوا کھا کے گھر آویں گے تو دیکھیں گے ناچ وضع پر ہند کی ہر باغ میں جن کا مسکن
کیا تعجب ہے جو فواروں کی ہو سارنگی رعد کے تبلے++ بجیں ایسے کہ ہوں مست ہرن
ٹانک لے بادلے کا آبِ رواں سے نیفہ ڈال کر سبزے سے ٹانگوں میں اِزارِ ساٹن
اوڑھی ایک لاہی کی بادل سے پہن کر پشواز گلِ مہتاب سے گوٹے کا لگا کر دامن

---

۱ کبیت = نازک پتلا بیت۔

* ق ۳: "کوچہ"۔

۲ فرنگی طنبور = کانسرٹ۔

۳ صندوقِ فرنگی سے شاید آئینہ دار میوزیکل باکس مراد ہے۔

+ ق ۳: "پھبن"۔ ++ ق ۳: "طبلے"۔ م: "طبل"

چاند تارے کے دوپٹے کو شبِ ماہ سے اوڑھ — منہ کی بوندوں کے بجاتی ہوئی گھنگرو چھن چھن
ناچنے کو ہو کھڑی آن کے چپلا بائی — چوکڑی بھولیں جسے دیکھ غزالانِ ختن
کوٹ کوٹ اُس میں بھرا ہے یہ قدرت نے جمال — روشنی مانگ لیں اُس مکھڑے سے پروینِ و پرن
یعنی وہ رشکِ پری، کہتے ہیں بجلی جس کو — تیرہ ہو جس کی جدائی سے جہانِ روشن
ہے وہ نک سکھ سے درست ایسی کہ سبحان اللہ — بل بے وضع، بل بے اکڑ، بل بے ترا مٹکا پن
لشکرِ ہند و حبش میں ہوئی حائل اک نہر — مانگ میں اُس کی عبث کرتے ہو کچھ اور سخن
چین سے راہ جبیں اُس کی بہت ہے پُر پیچ — ہے اسی پیچ سے خورشید بھی گم کردہ وطن
دو سرے جسم کے اوّل قلمِ قدرت نے — کھینچے تا اُن سے ہویدا ہیں یہ دو نقشِ کہن
کون دو نقشِ کہن یعنی جمال و جلوہ — دو سرے جسم کے ہیں دونوں وہی ناگ کے پھن
جن کا اُس شکلِ پری چہرہ پہ ہے ابرو نام — جن کی خاطر ہے مرے جی کا زمانہ دشمن
حق نے اُس شوخ کے چہرے پہ کیے دُہرے صاد[1] — شاہدین اُس کے ہیں بے شبہہ دو چشمِ پُرفن
ڈورے آنکھوں کے جو ہیں اُن کا بنا کر پھندا — لے گئے سینکڑوں دل کھینچ کے یہ دو رہزن
اُس کی مژگاں سے مرے دل میں کھٹکتی ہے پھانس — باز کی جست سے کچھ کم نہیں اُس کی چتون
ہے خطِ نسخ میں اللہ کے جو اُس کی ناک — کیوں نہ خود بینی انوکھی اُسے سب آوے بن
یا کوئی دائرے میں جیسے مثلث کھینچے — گول چہرے پہ ہے اِس طرح سے کچھ اُس کی پھبن
پارہ ہائے صدفِ نور تھے وہ دونوں کان — ایک ہی روح تھی اُن دونوں کی اور ایک ہی تن
باہر اُن میں سے نکل جب کہ ہوا جلوہ فروز — گوہرِ قدرتِ حق یعنی وہ روئے روشن
تب جدائی پڑی آپس میں، تو ناچاری سے — ایک نے یوں کو کیا، ایک نے وو ں کو مسکن
دونوں رخسارے ہیں وہ ایک فرنگی فانوس — شمعِ کافوریِ حُسن اُس میں ہوئی ہے روشن
یہ کسی چشمِ خُماری کا ہے گویا ڈورا* — ہے غلط فہمی اگر کہیے اُسے غنچہ دہن
نظر آئے مسی آلودہ وہ دنداں اُس کے — حُسن کے سین کے دندانے بہ وجہِ احسن

---

[1] دُہرے صاد: دونوں آنکھوں سے مراد ہے۔ دہرے صاد کرنا یعنی بہت پسند کرنا۔

*ق ۳: "چشمِ خماریں کا ہے گویا"

منہ میں حیرت سے کبھی کی تھی جو انگلی اُس نے — عکس نے اُس کے کیا اُس میں زباں ہو مسکن
لبِ نازک وہ سمٹ جاتے ہیں آہٹ سے مجھے — اُس میں آتے ہیں نظر بیر بہوٹی کے چلن
روشنی چاند سے مکھڑے پہ اِسی چاہ سے ہر — چاہِ نخشب اِسے اب میں کہوں یا چاہِ ذقن
صبحِ محشر کے بھی سر پہ بلا لاوے گی — کچھ قیامت ہے غرض اُس کی بیاضِ گردن
اُس کی گردن کے جو ڈورے کو اڑا جاوے تو جھٹ — چشمِ خورشید میں عیسیٰ وہیں مارے سوزن
دیکھ لے آ کے یہ دھواں دھار کھجوری چوٹی — گر نہ دیکھی ہو کسی شخص نے اُڑتی ناگن
اُس کے حلقوم میں ہے نغمۂ داؤد کا گھر[†] ق — اور گلے میں ہے کیا اُس کے صفائی نے وطن
کہ کبھی لگ نہ سکے اُس کو بلوریں گیلاس — ہووے بالفرض بہا اُس کی اگر ملکِ ختن
بسکہ ہے اپنے رُخِ خوب پہ عاشق وہ آپ — تا نظر آوے اُسے وہ رُخِ زیبا وہ بدن
ہیں دو آئینۂ تابندہ وہ دونوں شانے — داہنے بائیں اُنھیں رکھے ہے[‡] وہ رشکِ چمن
کیا کروں اُس بُتِ کافر کی کچوں کی تعریف — ہائے رے اُن کا اُبھار اور وہ اُٹھتا جوبن
نیم بشگفتہ کنول چشمۂ خوبی کے دو — گول گول اُبھرے ہوئے بھونروں سی جن کی ہے پھبن
وار پار آن کے یا بیٹھے ہیں چکوا چکوی — ہر وہ موتی کی لڑی بیچ میں دریائے جمن
پیر جلاتے تھے وہ دریائے نزاکت گویا — تو بنی چھاتی کے تلے رکھے ہوئے وہ پُرفن
پھٹیاں ہیں جو دھواں دھار بھلا میں اُن کو — گھنڈیاں ریزۂ نیلم کی کہوں سیام برن
یا ہوا کھانے کو مہتاب میں کالے دو ناگ — گنڈلی مارے ہوئے بیٹھے ہیں نکال اپنے من
تب بنا یا وہ شکم جب کہ بہشت[※] جمع ہوا — سو وہ اختر و دُرِ صافِ مہتاب میں چھن
حُسن کے بدرۂ سربستہ[۱] پہ ہے نازک کی مُہر — ناف کہنا ہے اِسے سخت اجی بیلاپن
یا انگوٹھی کی گھڑی ہے وہ نزاکت سے بھری — جس پہ قربان کیے سینکڑوں بجتے ارگن

---

† ق ۳: "نغمۂ داؤد گرہ" م : "نغمۂ داؤد گر" ۔ مگر یہ دونوں صورتیں صحت سے دور ہیں۔

‡ ق ۳: "رکھتی ہے" ۔ م : "رکھتی ہے" ۔ فرقِ صحت اُن میں سے ایک بھی نہیں۔

※ ن "بہت"

۱ بدرۂ سربستہ = منہ بند تھیلی + بیلاپن = بیوقوفی۔

ہائے ہوز† کی سی صورت ہے کروں آہ نہ کیوں — آہ کا پوچھو تو بے شبہہ یہی ہے مسکن

یا یہ کہیے وہ شکم آئنہ ساں ہے شفّاف — میرا ناسورِ جگر اُس میں ہوا عکس افگن

تھرتھراتی ہے‡ جو لٹ ماتھے پہ اُس کافر کے — اُسی کے عکس سے ٹھیری ہے رد ماوَل بن ٹھن

فی المثل فرض رگِ گل میں گرہ کیجیے اگر — ہم سے تب وصفِ کمر اُس کا ہو مہما امکن[1]

یاد دلواتی ہے چوٹی وہ کدم کی چھائیں — پیٹھ کیوں کر میں کہوں اس کو؟ وہ ہے بندرابن

چھاتیوں پر جو پڑا عکسِ دو گوشِ آکے تو پھر — کھونٹیاں اُس کی ہوئیں واہ رے شفّافیِ تن

تار لینے کو رگِ جانِ تمنّا کے لیے — رہ گئے دونوں سرے شکل طنبوروں کی بن

شاخِ طوبائے بہشت، اُس کے وہ دو بازو ہیں — اُن سے حاصل ہو وہی جی میں جو کچھ جاوے ٹھن

اور سفنقورِ نر و مادہ ہیں دونوں ساعد — مست ہوں دیکھ جنھیں مرد سے لے کر تا زن

اِک ہوا وصفِ کفِ دست میں ایسی ہی چلی — کہ لگا اُس کے سبب کرنے مرا جی سن سن

موجِ دریائے نزاکت وہ لکیریں اُس کی — اور پوروں کی دمک ایسی کہ جیسے کُندن

اُنگلیاں اُس کی سقنقور کے بچّے سی لیست — قوّتِ باہ کے ہیجان کو آشوبِ زمن

شاخِ مرجاں پہ نموداریِ شبنم ہی سمجھ — اُس کی اُنگلی پہ وہ ناخن کی سپیدی کی پھبن

آنکھ پڑتے ہی پھسل جاوے تو کچھ دُور نہیں — کہ پڑی نازکیِ ناز سے ہے یہاں رپٹن

چاہتا تھا کہ میں ٹک بڑھ چلوں آگے لیکن — اِتنے میں شرم نے پکڑا ہی مرا آ، دامن

ہیں وہی رانیں یہ کیلوں کے درختوں کی شبیہ — شوق کے پیل کو دکھلاتی ہیں جو جنگلی بن

وضعِ زانو کی طرحدار یہ پاکیزہ کہ ہائے — ساقِ سیمیں کو اگر پوچھو تو بلّورِ یمن

پانو تھے ایسے کہ ہو جیسے* سنہری مچھلی — اُن کے دھونے کے لیے چاہیے روپے کا لگن

آنکھیں اُس فندقِ پا سے یہ ملیں پریوں نے — کہ نظر آنے لگی نرگسِ شہلا کی پھبن

---

† ن: ”آہ موذی“۔

‡ ق ۲: ”پھر پھراتی ...... اُس کے کافر“۔ رد ماول (ردماولی سنسکرت) = پیٹ پر بالوں کی لکیر۔

[1] مہما امکن (عربی) = جس قدر ممکن ہو۔

* ق ۲: ”ایسے ہی وہ جیسے“۔

سُرخی اُن ایڑیوں کی موتیوں کو جوتی کے — گھنگھیاں کرکے دکھاوے تجھے یاں چنپا بن

اُس کی اِس سادگیِ وضع پہ صدقے کیجیے — ہیں غرض جتنے سنگار اور یہ جہاں تک ابرن

ہیں جو اِن خوبیوں کے ساتھ وہ ناچیں گی آج — اِس میں گر شک ہو تو پھر سُن لے نوا اے بوے سمن

آج ہے جون مہینے کی یہ چوتھی تاریخ — کیوں نہ اِس روزِ مبارک کی انوکھی ہو پھبن

اِس میں ہے سالگرہ اُس کی جسے کہتے ہیں — جارجِ ثالث و جمِ مرتبہ شاہِ لندن

عیش و عشرت کی یہ بو باس ہے اِس دن میں رچی — جیسے سیج مجھ کی ہو دو دن کی نول بیاہی دُلھن

دیکھے اِس شب کو تو مجنوں نہ ڈھلے لیلیٰ پر — راجہ نل کی نہ پڑے آنکھ کبھی سوے دمن

دھوم دھام ایسی ہوئی ہے کہ یہ دیکھی کس نے — چھٹتی ہے بارہ دری، اور اناروں کے چمن

جلوہ گر توپ ہوائی ہے ہزاروں ڈھب سے — جھاڑ شیشے کے ہوئے لاکھ طرح کے روشن

مینڈیں کھچی ہوئی ہیں اور بڑا کھانا[1] ہے — سارے اِک ڈال مرصع کے لگے ہیں باسن

بُرج[2] اُڑتے ہوئے گر دیکھے[†] تو یوں عقل کہے — جوگی جے پال چلا، مار[‡] ہوا پر آسن

ق

پھرتی گھوڑ بہلیں ہیں اب اُڑتی ہوئی چاروں طرف[§] — کچھ تعجب نہیں ہے سُن کے جو اِن کی گھن گھن

منتظر چرخ پہ خود حضرتِ عیسیٰ آ دیں — دید یہ بزم کریں چھوڑ کے منہ کی چلمن

کچھ نہ لندن ہی میں یہ زمزمۂ عیش ہے آج — ہند میں بھی تو ہر اِک گھر میں ہے تبلے کی پرن

یہ خبر سُن کے ہوا شاد وہ فخرِ آفاق — جس کے مقدم کے سبب ہے یہ جہاں رشکِ چمن

یعنی نوّاب فلک مرتبہ یمین الدولہ — حاتمِ عہد، جمِ وقت، فلاطون زمن

ناظم الملک بہادر وہ جنابِ عالی — دب گئے جس سے زمانے کے سب آشوب و فتن

وہ سعادت علی عالیِ اعلیٰ حشمت[*] — جس کی ہے نکہتِ اقبال سے عالم، گلشن

---

[1] بڑا کھانا: ڈنر سے مراد۔

[2] بُرج: غبارہ جس میں چراغ جلا کر اُڑاتے ہیں۔

[†] ق ۳: "یہ بلوم اُڑتے ہوئے دیکھے"۔ غالباً "بلون" کو کاتب نے "بلوم" لکھا ہے۔

[‡] ق ۳: "مارے"۔

[§] ق ۳: "گھوڑ بہلیں...... چار طرف"۔

[*] سب نسخوں میں "جس سے" ہے جو صحیح نہیں۔

کن نے اِس شان کا دیکھا ہے وزیرِ اعظم
جس کے گھر ہووے سلاطین کا مَقَرِّ دامن[1]

صفدرِ معرکہ منصور و شجاع و غازی
پُر دل و پیل کش و شیر فگن قلعہ شکن

انتظامِ زرسا اُس سے ہوا ایسا کچھ
منتظم رشتے میں جس طرح سے ہوں دُرِّ عدن

فصل کے کیڑے بنے اُس کے عدو مرنے کو
کیوں کہ اُس کو نہ کہوں کوکبِ[2] تابانِ یمن

ہر یہ بُرہاں سے ہویدا کہ مُبارز ایسا
آنکھ اپنی سے نہ دیکھے گا کبھی چرخِ کہن

جس گھڑی باندھ کمر عازمِ میداں ہو وہ
پٹیتا آوے ہما بر سرِ نعشِ بہمن

دیکھ لے اُس کے تگاور[3] کی ابھی جولانگاہ
سام و گودرز کا دیکھا نہ ہو جن نے مدفن

جس جگہ دیکھے سناں اُس کی چمکتی رن میں
تو یقیں ہے کہ دبے پانو کھسک جائے پشن[4]

زور یہ اُس کے عطا حق نے کیا بازو میں
ق
ہو اگر روزِ وغا اُس کا عدو روئیں تن[5]

خاک تو وہ کی طرح دم میں بنا دے غربال
تیر انو آب فلک رتبہ مخالف کا بدن

کیا کرم اُس کا بیاں کیجے کہ دور اُس کے میں
ہے دُرِ ناب گداؤں کا طرازِ دامن

جود کا لفظ جہاں اُس کی زباں پر گذرے
وہ زمیں تا بہ قیامت ہو گُہر کا مخزن

اِس خوشی کا یہ سبب ہے کہ سب انگریز کے راز
اُس فلک دبدبہ پر آئنہ ساں ہیں روشن

اور انگریز پہ بھی ہیں جو وہ اسرارِ حضور
پرتو انداز ہیں جوں آب میں سورج کی کرن

جب بہم رابطے یہ ہوں تو نہ ہووے کیوں کر
اِس ہما سایہ کا دل گنجِ طرب کا مخزن

کیونکہ مالک ہے سب انگریز کا وہ شاہِ بزرگ
جس کا جارج لقب اور بندہ ہے سلطانِ ختن

وصف میں اُس کے سو مطلعِ رنگیں ایک اور
روپ سے جس کے ہو شرمندہ بہارِ گلشن

---

[1] مقرِ دامن: جائے قرار اور جائے امن۔

[2] کوکبِ تابانِ یمن یعنی سہیل یمن جس کے متعلق مشہور ہے کہ جب یہ ستارہ چمکتا تھا تو چمڑا خوشبو دار ہو جاتا۔ حرامی بچے مرجاتے اور ساتھ ہی کیڑے کوڑے بھی فنا ہو جاتے تھے۔ اس آخری جز کی طرف اس شعر میں اشارہ ہے ؎

ولد الزنا ست حاسد منم آنکہ طالع من
ولد الزنا کش آمد چو ستارۂ یمانی
(نظامی گنجوی)

[3] تگاور = گھوڑا + سام و گودرز = مشہور ایرانی پہلوان [4] پشن = شاہنامہ کا ایک مشہور ہیرو۔

[5] روئیں تن = اسفندیار کا لقب جس کے جسم پر تیر و تلوار اثر نہیں کرتے تھے۔

اُس کے یوں فرق پہ ہے تاج مرصّع کی پھبن — صبح کو جیسے نمودار ہو سورج کی کرن
باندھتا گر سرِ اعدا سے نہ وہ کلّہ مار — شکرِ ایزد نہ بجا لاتے کبھی زاغ و زغن
اُس کی بخشش سے نہ بھر جاویں جو جل تھل کیا دخل — جھڑ لگا دینے کو دنیا میں وہ ہے جوں ساون
قدر ہے علم کی کی اُس نے یہاں تک کہ بہم — سیکڑوں جمع ہوئے فضل و ہنر کے خرمن
اُس کی افواج نے جا کی مددِ قیصرِ روم — مصر کے ملک سے سب مار نکالے دشمن
قوم نے اُس کی جو دوڑائے سمندر میں جہاز — وہ کیا کام، سکندر سے نہ جو آیا بن
جستجو دیکھ، نئی اور نکالی دنیا — رائج اُس میں بھی کیے اپنے یہ جیسے کہ چلن
ایک الگ ٹرسی* ایسی ہے بنائی جس کو — کبھی دیکھے تو فلاطوں رہے سرکن برکن[1]
ٹیپو سلطان کا قصّہ وہ سُنا ہو وے گا — کر کے کیا کام پھرا وہاں جو گیا تھا رجمن+
لارڈ محکّام نے ایسے ہی کیے اِک دو وار — دفعۃً کانپ گیا جس کے سبب سب دکھن‡
قومِ انگریز یہ ہیں ایسے کہ جن سے کانپے — آوے گر فوج عفاریت سمیت آہرمن§
دبدبہ اُن کو خدا نے وہ دیا جن کے حضور — چیز کیا ہے وہ بھبکین[2] وہ کہاں کا راون
جیت کر آوے لڑائی جو مہا بھارت کی — تو جُدھشٹر بھی کرے نذر سرِ جرجودھن
کیوں نہ اِس قوم سے ظاہر ہو شجاعت ایسی — اِن کے ہے سر پہ وہی مہر لقا سایہ فگن
تھرتھراوے وہ سمک گاوِ زمیں ہے جس پر — وہ فلک رُتبہ اگر ہاتھ میں لے اپنے ڈگن
دل میں ہے کر کے مخاطب اُسے اِک مطلعِ نو — پڑھیے ایسا ہی کہ غش سُن کے کریں اہلِ سخن

---

* ق ۳ میں اس طرح ہے یعنی (Electricty) مطبوعہ نسخوں میں "الگ طرز سی" جو صحیح نہیں۔

+ یعنی "رجمنٹ"۔

[1] سرکن برکن = متحیر پریشان

‡ ق ۳: "لارڈ احکام سے ایسے ہی ہوا اک دا ہدہ دفعۃً جس کے سبب کانپ گیا سب دکھن"۔

[2] بھبکین۔ مہابھارت کا مشہور پہلوان۔ جُدھشٹر (یا یدھشٹر) اور جرجودھن (یا دُریودھن) مہابھارت کی نمایاں شخصیتیں ہیں۔

§ ق ۲ میں یہ شعر نہیں ہے۔

بیٹھے جب تخت پہ تو وقتِ سخاوت بن ٹھن — مورچھل ہاتھ میں لے کر ہو کھڑا راجہ کرن[1]

جود کا بھی ترے کچھ اور نیا ہے انداز — اور ہی ہاتھوں میں ہے تیرے سخاوت کی پھبن

یعنی تو سر پہ رکھے جس کے کہ اک خالی ہاتھ — وہ جسے چاہے اُسے بخش دے مُلکِ ارمن

مانگنے کی ہے ترے دور میں سائل کو قسم — چاہیے گو اُسے تختِ کئی و اقلیم ختن

ق کیوں کہ عادی ہیں ترے دور میں سب اہلِ دول — کہ جسے دیکھیں فلاکت سے گرفتارِ محن

عجز کے ساتھ کہیں اُس سے کہ لیجے صاحب — ہاتھ میں لعلِ بدخشاں، ہو وگر دُرِّ عدن

عدل سے تیرے برابر نہ ہو عدلِ کسریٰ — کیے اُس کو جو کوئی سو کہہ گیا اُس کا دہن

ق حکم سے تیرے جہاں تک کہ زمیں ہے معمور — بسکہ ہے چور کے اخراج کی* ہر جا قدغن

جا چھپا دُزدِ حنا ہاتھ میں محبوبوں کے — اِس سوا اُس کو کہیں اور نہ سوجھا مامن

اور کہیں زخم میں رہ جاوے اگر چور ذرا — تو وہیں واسطے جرّاح کے ہے دار و رسن

مل گئے خاک میں کب کے وہ سیہ بخت سبھی — جو اُڑا جاتے تھے آنکھوں سے چُرا کر انجن

اِس ستم پر کہ لگا دے دلِ پروانہ میں آگ — شمع کو گاڑتے ہیں تا بہ کمر لے کے لگن

بزمِ شاہانہ کو اب قصد یہی ہے میرا — عربی بول کے دکھلاؤں تک اِک سیرِ یمن[2]

ہو سکے وصف تری کرچ کا کس سے پورا — ہے نمونہ اُسی کا مہرِ درخشاں کی کرن

آنکھ بھر دیکھے اُسے گیو تو تیور جل جائیں — چاہ میں کانپ اُٹھے اُس کی چمک سے بیژن

کیا ترے سامنے ہو سکتے ہیں وہ کوردنمک — اپنے خاوندِ خداوند کے جو ہیں دشمن

صادق آئی وہ مثل حق میں ترے حاسد کے — ہے جو مشہور نٹی ناگنی اُڑتی بے پھن‡

ق رزم گہ میں غضب آلودہ تو جس دم آوے — ہفت کشور کا اگر والی ہو تیرا دشمن

کھلبلی فوج میں ایسی ہی پڑے اُس کی کہ وہ — ہووے ارمان جیسے ہووے وہیں† جاں کندن

---

[1] راجہ کرن = ہندو اصنامیاتی زمانے کا ایک بڑا راجا جو سخاوت میں مشہور تھا۔

* ق ۳: "در کا"۔

[2] اِس کے بعد کے عربی ترکی اور فارسی اشعار چھوڑ دیے گئے۔ ‡ م: "بیر پھن"

† ق ۳: "ارمان بھری جیسے وہیں"۔

مو پریشاں ہوں کہیں خویش و برادر روتے — کہیں بیٹیں اُسے اگر پسر و دختر و زن

علم گر تیرے زمانے میں نہ ہوتا رائج — اور ترا ملک نہ ہوتا علما کا مامن

بسکہ تمیز کسی فن کی نہ رہتی باقی — بو علی بیٹھتے بن کر سبھی گنگ و الکن

تھے ریاضی میں جو ماہر حکمائے یونان — سب بجاتے تھے وہ نقارۂ الملک لمن

پر ترے عہد میں موجود جو ہوتے تو انھیں — ایک لڑکا یہی کہتا کہ بڑے ہو کوڑن*

ہوئیں تصنیف کتابیں جو ترے عصر میں ہیں — اُن کے آگے کتبِ ماضیہ تقویم کہن

سامنے اُن کے ہر تحریرِ مجسطی[1] ایسی — جس طرح ہووے نئی جنس کا میلا بیٹھن

اب دعا مانگے ہر انشا۔ کہو ان شاء اللہ — مل کے آمین کرو آمین سب اے اہلِ سخن

جب تلک مزرعۂ سرسبزِ فلک ہر شاداب — اُس پر انجم رہیں جب تک کہ یہ خرمن خرمن

جب تلک پھولیں پھلیں سارے یہ اشجار جہاں — جب تلک بادِ بہاری سے ہو زیبِ گلشن

جب تلک ماہ کے گھوڑے کی فلک ہو بگھی — جب تلک شام کے ہو ساتھ شفق کی پلٹن

جب تلک چرخ کہن شکلِ گورنر میں رہے — صاحبِ شرق[2] میں جب تک کہ ہوں جرنل کے چلن

شاہِ انگلش یہی جارج رہے باعزم و شکوہ — سب کو بخشا کرے نت سیم و طلا لاکھوں من

فیض ایسا رہے اُس سے کہ کرے حکم تو جھٹ — آن میں لیوے پکڑ روپ طلا کا آہن

فتح و فیروزی و شادی رہیں سب اُس کو نصیب — طبعِ اقدس کی ملالت نہ بھرے پیرامن

کمپنی نور کی[3] جب تک کہ رہے یہ قائم — بادشاہی رہے اُس کی بھی بہ وجہ احسن

جب تلک کرسیِ زریں پہ یہ خورشید رہے — رونق افزائے فلک خلعتِ شاہانہ پہن

ناظمِ الملک بہادر سے اور انگریزوں سے — رابطے یوں ہی رہیں اور محبت کے چلن

یہی خواہش ہر مرے جی کی الٰہی سن لے — ق — دولت و حشمت و ثروت پہ کریں وہ قدغن

کہ نہ جاویں کہیں بے حکم انھیں دونوں کے — کبھی آپس میں کسی ڈھب سے نہ ہووے آن بن

دونوں سرکاروں کا اقبال رہے روز افزوں

دوست سب شاد ہوں، پامال رہیں سب دشمن

---

[1] مجسطی: علم ہیئت میں بطلیموس کی مشہور کتاب [2] صاحب شرق = آفتاب [3] کمپنی نور کی یعنی ایسٹ انڈیا کمپنی۔ * پن: "پڑھے ہو کوردن"

کلامِ غیر منقوطہ

صنائع بدائع کے اعتبار سے اِنشا کو اُردو کے ساتھ وہی نسبت حاصل ہے جو خسرو کو فارسی کے ساتھ ہے جب شاعری حدِ کمال کو پہنچ جاتی ہے تو شاعر کے دل میں یہ خیال پیدا ہوتا ہے کہ اب وہ جو کچھ کہے گا وہ ضرور مقبول ہوگا۔ اس کو لوگ بطیبِ خاطر سنیں گے اور پسند بھی کریں گے لہٰذا اب وہ اپنے کلام میں ایسی ایسی جدّتیں اور نئی نئی ترکیبیں کرنے لگتا ہے جس سے اُس کی قادر الکلامی کا سکّہ لوگوں کے دلوں پر بیٹھ جائے۔ تمام صنائع بدائع کی ایجاد غالباً اسی طرح ہوئی ہوگی کہ شاعر پہلے سیدھی سیدھی باتیں کہتے کہتے اپنے کلام میں کچھ تراش خراش کرنے لگتا اور اسی کو وہ اُس کی زینت سمجھتا ہے تاکہ لوگ اُس کو قادر الکلام مانیں اور کسی طرز میں بھی عاجز نہ سمجھیں۔

ہلکی پھلکی صنعتوں سے یہ جدّت شروع ہوئی پھر معنوی صنائع کی نوبت پہنچی اس کے بعد ایسی راہیں ڈھونڈھی جانے لگیں جو بہت مشکل اور دشوار گذار تھیں۔ انھیں تنگ و تاریک راہوں میں صنائع منقوطہ و غیر منقوطہ (جس کو مہملہ بھی کہتے ہیں) تحت النقاط، فوق النقاط، رقطا، خیفا وغیرہ کو بھی سمجھنا چاہیے۔

قدما ایسے لفظی تکلفات کو زیادہ پسند نہیں کرتے تھے مگر جب کلام میں تخیّل کی کارفرمائی شروع ہوئی تو خیال کی پیچیدگیوں پر لفظی پیچیدگیاں بھی اضافہ ہوئیں اور اسی وجہ سے کلام بے مزہ ہونے لگا مگر ظاہر ہے کہ مذاق مختلف ہوتے ہیں۔ یہ رنگ بھی بعض طبائع کو اتنا پسند آیا کہ ایک زمانے میں اس کا رواج ہوگیا۔

دوسرے صنائع سے تو یہاں غرض نہیں البتہ صنعت مہملہ یا غیر منقوطہ پر فارسی

میں امیر خسرو نے اور اُردو میں انشا نے طبع آزمائی کی۔ اِنشا نے تو ایک مختصر دیوان لکھ ڈالا۔ مگر ایسی قیود کے ساتھ مزیدار شعر کیونکر ہو سکتے تھے۔ مزہ ایک طرف بہت سے اشعار کا تو مطلب ہی ہماری سمجھ میں نہ آیا۔ محض تبرکاً اور تکمیل کلیات کی غرض سے ان کا دیوان بے نقط بھی شامل کیا جاتا ہے۔ جب انیس اور دبیر ایسے اُستادوں نے اِس صنعت میں طبع آزمائی کی تو انشا کو بھی معاف رکھنا چاہیے۔ اِنشا نے صنائع منقوطہ در قطا و خیفا میں بھی اشعار کہے ہیں مگر وہ دو ایک سے زیادہ نہیں۔

چونکہ کلام غیر منقوطہ نہایت مغلق اور اسی وجہ سے بے مزہ بھی ہے لہذا بجائے پورے دیوان کے کچھ اشعار بطور نمونے کے دیے جاتے ہیں۔

اور کس کا آسرا ہو سرگروہ اس راہ کا
آسرا اللہ اور آلِ رسولُ اللہ کا

اہلِ عالم کا سہارا آسرا کس کام رکھ
ہر سحرگہ آسرا وا للہ اُس درگاہ کا

لو دکھاؤ لمعہ اسرار کوہِ طورِ حمد
گرد کردو معرکہ سو لاکھ مہر و ماہ کا

ہو اِلٰہا ہر طرح کا ہم کو آرام و سرور
دور کردو سوہلا آلام اور اکراہ کا

اللہ اللہ، کس طرح ہو درکِ اوہام و حواس
کوہ کا عالم اُدھر کو طور اِدھر سُو کاہ کا

دم کو ہوگا مدرکہ سا ہمرہِ اہلِ عدم
"آہ" اگر معلوم ہو معدوم سر سودا "ہ" کا

واہ ہر دم کا وہ طورِ وعدہ امداد اور
روکھا عالم اور وہ سوکھا دلاسا آہ کا

ہو اگر درکار، اِنشا، روح اور حورِ اِرم
ماسوا اللہ ہالک کر وِرد اِلّا اللہ کا؛

رہ و رسمِ حمد ادا کرو۔ الم اور درد ہوا ہوا
دِرِ سر گل کدہ اِرم سرِ راہ ولولہ دا ہوا

کہو آ اُس امردِ سادہ کو دلِ اہلِ سکر کو گدگدا
کہ مرا دو آس کا گل کھلا ہر کوہسار ہرا ہوا

رہا کل رہس کا معاملہ وہ ہرا اور رادہا کا رس کو رس
وہ اداس لوگ وہ سارا سُر وہ سُر اور رنگ ادا ہوا

کہو اُو عطارد و اُو سہا مع لوح و سدرہ کہا کرو
کہ آلہ داور داور سس مددِ گروہ گدا ہوا

اُسی اساسِ سلسلہ درا کو سراہ اِنشا اِدھر اُدھر
کہ مُرادِ محملِ مدعا مصرِ اہلِ دعا ہوا

دلِ اہلِ ولا کو سُرور رہا الم او رہر اس وہ دُور ہوا — کہ علوِ محامدِ آلِ رسول موار دِ لمعۂ طور ہوا
کہو مہر و عطارد و ماہ و سہا کہو سدرہ و کلک سرور ہوا — سر دو صد آہ عدو کو رکھا سر مردک لمحد غور ہوا
کہو لوگو اُس امر و سادہ کو اسرِ دعدۂ مہر کو آگ لگا — کہ مراسم عہد وداع کو آہ صد آہ مرو رِ دہور ہوا
اسد اللہ امام ہمام مدد کرو حاکم دارِ سلام مدد — دم رحم حوالہ ہر اہلِ سوال کو کاسِ مدام طہور ہوا

کرو انشا درود کا ورد سدا سحر او رمسا کہو صلِّ علےٰ
کہ درودِ محمدؐ عالم کل سرکار امار دو حوز ہوا

ہُو واہ ہو سوواہ وا او لمحد اُو گادِ طلا — گہر لعل و گوہر کا لگا کو لمحد اُو گا دِ طلا
لاحال لا اور راگ گا کرو لولہ اور کود آ — سر سادہ کر سر دُم ہلا او لمحد ا دگا دِ طلا
گو سالہ ہو کر گھاس کھا مرسوم اور معمول کر — اِس حال اور اُس حال کا او لمحد ا دگا دِ طلا
موسم ہوا ور عدکا اور کوہ اُو دا کلکلا — صحرا ہرا اور لہلہا او لمحد ا دگا دِ طلا

گرد رہِ طور دوا دو لمعۂ انشا کو ملا
سرکار موسیٰ کا عصا او لمحد ا دگا دِ طلا

ملا رگا کہ سر کو ہسار لال ہوا — عروسِ لالہ کو طاؤس وار حال ہوا
ہوا کو عطر لگا اور گل کھلا ہر گاہ — وہ ماہ مالکِ عمر دہ ودو سال ہوا
ملا اساسِ علوم و کمال سو ہم کو — حوالۂ امراء گو کہ ملک و مال ہوا
ولا ارم کو سدا دملول والا دوہ+ — سو کس کو علم کہ طوطا ہوا کہ لال ہوا
صد آہ آہ کہ مددِ درودِ صلِّ علےٰ — محمدؐ و علےٰ آلہ محال ہوا
رہا معاملہ ہمراہِ عکس اس حد کو — کہ لال لال وہ گل گورا گورا گال ہوا
گرا ارادۂ ملک سرور، کرو ملا — سماع و دولولہ وحال کا کمال ہوا
رہا معاملہ اِس طور ہمد گرکہ مدام — اِدھر کو وعدہ ہوا اور اُدھر سوال ہوا

ملا وہ ماہ کہ کر الحمد للہ، او انشا
کہ دور لاکھ طرح عالم ملال ہوا

دلِ کم حوصلہ کو گو کہ سدا درد رہا — ہمدم اُس کا گلہ آلودہ دمِ سرد رہا

+ سب نسخوں میں اسی طرح ہے۔

المدد المدد او معرکہ آرا کہ مدام | مرد اس معرکہ کا داورِ سہام مرد رہا
آہ وہ محمل لیلا وہ ذرا وہ صحرا | کہ سدا حوصلہ اُس مرحلہ کا گرد رہا
بلکہ موردِ الہام رہا اور سدا | مدرکہ در طمعِ آمد و آورد رہا

سحر اُس گل کو ملا عطر اور انشا سو کوس
وا، سرِ راہ، درِ گل کدہ ورد رہا

ہم دم سرِ کہسار ہوا لہلہا سارا اور مور وہ کوکا | سو کوس اُگا اور کھلا لالۂ حمرا اس آگ کو سلگا
آلودۂ مکر و حسد و حرص ہوا ہو صد طولِ امل رکھ | گہ سر کو ہلا اس طرح او مرد کہ+ ملا علم و عمل اعلا
کر مرحلۂ رسم و رہِ علم کو سلوک مسرور ہو ہر دم | ہو سوے عمل او ولولۂ آدم دہرا رکھ حوصلہ اعلیٰ
حمام ہوا وہ ہر ہوا گرم سراسر کر کاسۂ دل دور | کہہ اُس کو تو او حور کہ دھو دھا کر ادھر لا کورا سا کورا
رحم و کرم و مہر کرو ہمدموں آکر آؤ ادھر آؤ | آؤ کہ ہلا سلسلۂ کاکلِ سودا دو ہم کو دلاسا

آرام محل سارا طلا کار مرصع کرو لولہ انشا
در طور سہا امرد کم عمر مہ آسا گا راگ کدارا

ہم کو آرام ہو دلا کس طرح | اور وہ کام ہو دلا کس طرح
حاسدِ آلِ احمدِ مرسل | اہلِ اسلام ہو دلا کس طرح
ہو سراسر کلام ستر و سرور | سو سرِ عام ہو دلا کس طرح
ہو اگر کام آگ کا معدوم | گرم حمام ہو دلا کس طرح

آہ ہو انشا مدام رم والا
آہ وہ رام ہو دلا کس طرح

موسم گل کا لہلہا سارا آہ گروہِ اہلِ صلاح | دور ہوا کل کاسۂ دل کا آہ گروہ اہلِ صلاح
لالہ کھلا سو کوس سراسر رعد وہوا کا وہ عالم | ولولہ دل کا معرکہ آرا آہ گروہ اہلِ صلاح
اہلا گہلا سرد ہوا اور عطرِ عروسِ گل کو ملا | لطمہ ہوا کا سو للکارا آہ گروہ اہلِ صلاح
گھور رہو لو مور وہ کوکا گا لو مل کر راگ ملار | ہر سر کہسار او دا او دا آہ گروہ اہلِ صلاح
آلِ رسول اللہ سوا ہو آسرا کس کا انشا کو | اور ہو کس کا اُس کو سہارا آہ گروہ اہلِ صلاح

+ م: "او مرد کہ"

او گدا کو سدا دو ورع و صلاح | واہوا کو سدا دو ورع و صلاح
راہ و رسمِ عمل سو کل معدوم | سالکا کو سدا دو ورع و صلاح
موسم رعد و کوہسار ہوا | لہلہا کو سدا دو ورع و صلاح
امرد سادہ رو کو گھور اور کود | حال لا کو سدا دو ورع و صلاح

کس کو رحم و کرم سوا اِلٰہا
آسرا دو سدا دو ورع و صلاح

حورِ عروس مدعا صلّ علےٰ محمدٍ | عطر سہاگ کا لگا صلّ علےٰ محمدٍ
واہ وہ عالم اور ادا سہرا ملا دلا ہوا | طورِ سحر سو رس مسا صلّ علےٰ محمدٍ
سلسلۂ کلام کرم اور ہوا وہ سرد سرد | وصل سہا و مہر کا صلّ علےٰ محمدٍ
واردِ معرکہ ہوا مہرہ ماہ و مہر کو | اور عطاردِ سما صلّ علےٰ محمدٍ
آس مراد کا ادھر اور ادھر کو گل کھلا | گل کدہ سارا لہلہا صلّ علےٰ محمدٍ
معرکہ دھوم دھام کا وہ محل اور اس کا وہ | کار مرصّع و طلا صلّ علےٰ محمدٍ
صدر صدور رسم و راہ حاکم محکمہ ہوا | مہر ملوک کا لکھا صلّ علےٰ محمدٍ
طرّۂ لعل و گوہر اور سلسلہ ہار کا کھلا | وا درِ کرم ہوا صلّ علےٰ محمدٍ
صلّ علےٰ محمدٍ آلِ رسول کا رہا | ہم کو مدام آسرا صلّ علےٰ محمدٍ

سورۂ حمد اور درود ورد اِلٰہا واہ وا
واہ کرو واہ وا صلّ علےٰ محمدٍ

آمد آمدِ گل ہوا اور وہ سادہ رو امرد | دورِ کاسۂ مل ہو اور وہ سادہ رو امرد
کرم کرو ادھر آؤ کہ روح ہو مسرور | دکھا دو ہمسرِ موسیٰ کو کوہ لمعۂ طور
وہ دودِ آہ سحرگاہ اہلِ درد دلا | ہوا مسوّدۂ کاکلِ الم ردو حور
ہر اہل سدرہ ہمارا محمد رہا ہر دم | وہ لوح و کلک و سہا و عطارد و مہ و حور
درود ورد کرو واہ واہ صلّ علےٰ | محمدٍ و علیٰ آلہ کہ دکھ ہو دور
صلاح کار ہمارا ملک رہا کس کام | کمال و محکمۂ علم و حکم صدرِ صدور

گدا ادا، ادھر آلمحد حمار آسا   کلاہ دہر کو معکوس رکھ ورع در گور
مدام اُس کو اِلٰہا و سادہ آرا رکھ   کہ لاکھ طرح کا عالم مدام ہو معمور
مدارِ کلِ مہمّ و اعدلُ الاُمرا   لہٗ السعادہ، اولی الحکم، عدالہ مسطور

عطا کرو اسداللہ امام اِنشا کو
علوِ حوصلہ و کاسۂ مدام طہور

ہو دل آرام کا اگر وسواس   اوّلاً کرو داغ ورگِ حواس
سرِ کوہِ وداد سوسو کوس   ودد دوام اور لاکھ طرح ہراس
راہ کوہِ ولا، دمِ صمصام   اور وہ کوہ سودۂ الماس
وارد وصادر آہوے صحرا   حملہ آور اسد سراسر کاس
کر الٰہا ملال دل کا دور   کہ رہا سالہا کمال اوداس

کرم، اُو سرِ گروہِ اہلِ سلوک
وارد اِنشا ہوا لگا کر آس

مدرکۂ طمع کھلا آہ ہوا و آہ حرص   اہلِ کرم گدا ہوا، آہ ہوا و آہ حرص
سلسلۂ سلوک وا دار داگر ہو لحد ا   طولِ امل کو کر عصا آہ ہوا و آہ حرص
وسوسۂ رہِ عدم اور مدارِ عُمر کم   دردو الم سوا ہوا آہ ہوا و آہ حرص
کہہ امراءِ عصر کو کہہ علماء دہر کو   اور کا کھو دو آسرا آہ ہوا و آہ حرص

اِنشا اساس عدل کو گو امراءِ عصر را
ہم صلحاءِ دہر را آہ ہوا و آہ حرص

ہمدمِ دام، آہ راہِ صراط   دمِ صمصام، آہ راہِ صراط
وہ سلک کل مع العمود اُدھر   اِدھر اوہام، آہ راہِ صراط
وہ احد، راہ دور مو آسا   اور ہر گام آہ راہِ صراط
کہہ دلا، وارِدِ حرم ہو کر   راہِ احرام، آہ راہِ صراط
سہل ہو گر مرور مردہ، مگر   اہلِ اسلام، آہ راہِ صراط

مرد صالح کدام و کو طالع   مورد عام، آہ راہِ صراط
کھول کر صومعہ کہہ او انشا
وہ دد و دام، آہ راہِ صراط

ولولہ کر موحدا، حال ادھر اُدھر سماع   واہ در آو را اور آ حال اِدھر اُدھر سماع
موسم رعد، وہ ہوا، گل کدہ سارا لہلہا   مور ہو اور کر صدا حال اِدھر اُدھر سماع
ہو کر واو موحدا کو دو کرا ہو گرم ہو   اور کہو آہا آہا حال اِدھر اُدھر سماع
ورع کدام کو صلاح، علم کر اد کو عمل   معرکہ گرم راگ کا حال اِدھر اُدھر سماع
حور دا مارِ د سرور گھور کر انشا سر کھلا
کردۂ عدم کو دا حال اِدھر اُدھر سماع

ادھر آ سر گروہِ اہل سلوک   سر کہسار مور ہو کر کوک
گلۂ طالع آہ ہو کس طور   مالک اللہ اور ہم مملوک
صمدا داورا الٰہا رحم   کر عمل کا مسودہ محکوک
حال سرکار دل کہو سو کم   ہمرہِ آہِ سرد سو سو ہوک
درہم دل کو مس کر و انشا
سکہ اُس حور کا ہوا مسکوک

او ہوا سحر، او حور سرک دور سرک   دور ہو دور سرک دور سرک دور سرک

موسم گل کا ہوا گہرا سہاگ   کاسۂ مُل کا ہوا گہرا سہاگ
حور و مہر و ماہ اہل سدرہ کو   سُمِ دُل دُل کا ہوا گہرا سہاگ
سرگرد ہو سرگرد ہو سرُّہٗ   سرو صلصل کا ہوا گہرا سہاگ
سرمُو دکھا مردود لحد کا سحر   اور مُہُل کا ہوا گہرا سہاگ
لوگو انشا کو دوا اِک السک دو
دام کاکل کا ہوا گہرا سہاگ

واہ وا سر گروہ اہل کمال — وہ سما اور راگ کا وہ حال

وہ کلاہ و ردا وہ عمامہ — وہ عصا وہ سلاح وہ رومال

طول آمال اور سوء عمل — واہ ورع و سدا دہا کل ملال

اور رسوا ہو آؤ اور کھولو — سر سودا ہلا ہلا کر گال

کہو اس طرح سکر اور شروا — کلمۂ مہملہ سو ساہ کمال

گاؤ سر سادھو کو دکو دکہو — ہر ادھر آؤ اور لاؤ گلال

اور انشا کو دکھو دا کھولو

عرس اور ولولہ کرو ہر سال

آہ موسیٰ وہ طور کا عالم — اور اُس راہِ دور کا عالم

وہ ادا آؤ کھا دو واہ کہو — گرد اُس ماہ و حور کا عالم

لاؤ دار و وہ دو کہو اُس کا — شکر، راح و سرور کا عالم

ملکا اوس معلم آسا ہو — علم صدر الصدور کا عالم

لا کلام اللہ اور مطالعہ کر — کلک و لوح و سطور کا عالم

واہ، وہ عہد وہ کلام وہ عمر — وہ رسولِ حصور کا عالم

واہ وہ سدرہ وہ ہوا وہ ملک — وہ مدام طہور کا عالم

امردِ سادہ رو کو گھور انشا

اور کہہ واہ حور کا عالم

طور سحر کا دولہا کا سا حور عروس کا گل سا ہو سم — لاؤ امرد کا سہ مل کا ہم کو دکھلا سارا عالم

محرم گل اُس حال اور سر کا اور ہوا کس طور سراسر — آہ دلارام آہ دلارام آہ آؤ ہمدم آہ او محرم

اُودِ رم آہو گردِ سوادِ دورۂ صحرا ہم کو دکھلا — راہِ دلا اور محملِ سلما اور ذرا کا سلسلہ ہر دم

لالۂ کھلا سو کوس سراسر کوہ اور صحرا لال ہوا گل — کو دکلام حال کرا سدم دُم کو ہلا کر گا گا سر گم

رعد و ہوا کا معرکہ گرما گرم رہا اور مور وہ کو کا

انشا اللہ حمد ادا کر دور ہوا کل درد و الم

لاؤ عروس مدعا کہ دو سہا و ماہ کو عطر سہاگ کا لٹؤ کا گل دودِ آہ کو
معرکہ وداع کا وارد اگر ہو کر سلام سلسلۂ دُرا کو اور عالم گرد راہ کو
سدرہ ملک ہوا دورۂ سرد آہ سرد سدرہ کو کر دعا سلام اور سلام گاہ کو
عکسِ کلاہ ہالکٹ، اور ہلک کلاہِ ملک آہ کلاہ آہ آہ دور کر اس کلاہ کو

اوس احد و صمد سوا آلہہ کو کدام اِلہٰ
اِنشا اساس دہر کو ہدم (ہے) اور اِلٰہ کو

سلسلہ گر کلام کا وا ہو سامعِ درد دل کو سودا ہو
دل کو سو طرح کا سرور ہو آہ وہ دل آرام گر ہمارا ہو
داورا ماہِ مصر اہل ولا ملک دل کا وسادہ آرا ہو
راحماً لِعِ حکم حاکم عصر مہر و ماہ و عطارد آسا ہو

کر موحّد دعا کہ اِنشا کا
کار ہر دو سرا اِلٰہا ہو

سرگروہ گدا حماک اللہ آہ کا کر عصا حماک اللہ
ہو حصول مرادِ ہر دو سرا اِدھر آکر صدا حماک اللہ
کر دعا اور آل احمدؐ کا رکھ سدا آسرا حماک اللہ
وردِ حمد و درود کر ہر دم کا ملاً عاملاً حماک اللہ
موسم گل ہو اور ہو گلدم گل کدہ لہلہا حماک اللہ
رحم اللہ کا ہوا او حور آس کا گل کھلا حماک اللہ

اہلِ عالم کو کہہ مدام اِنشا
صادراً واردا حماک اللہ

دلدار آمد الحمد للہ روح و گل و مل آورد ہمراہ
دود دلم داد مرہم سمارا گردم ہلاہل در کاسۂ ماہ
گرد سر او گرد دمہ و مہر ہر کس کہ دارد وردِ سحرگاہ

گر زاو عدو را آگاہ حالم — صد آہ صد آہ صد آہ صد آہ
گر عدلِ داور آرد لوا را — داؤد گردد مطرودِ درگاہ
درد و الم ہا دارد دلِ ما — در دورِ عالم ہر سال و ہر ماہ
ہر کس کہ آرد آرام ردحم — دردا کہ دارد ہر لمحہ اکراہ

اِنشا دمادم دردِ دورِ عالم
سر کرد آہ ہم اللہ اللہ

رُباعیات

کس کام وہ وعدہ دم دلاسا اور دھوم — گہرا گہرا سہاگ کُل رسم و رسوم
لو دل کو ادا دکھا کر کہ ہوا — ہم کو سرکار کا ارادہ معلوم

ہو عطر سہاگ کا لگا کر مسرور — آرام محل رکھ اِسم دل کا او حور
وہ طور دکھا کہ ہم کو کُل ہو معلوم — موسیٰ کا عالم اور وہ لمعۂ طور

کم ہوگا دلدَر اور دُکھ کا عالم — کر وِردِ درود کا مُسلّم ہر دم
رکھ آس سدا کہا کر اِنشا اللہ — اللّٰہم ارحم ارحم ارحم ارحم

مخمس

آگ لگاؤ گرم ہو آہ رہا سہا کرو — وہ کہ ڈراؤ والا ہو اُس کو اکل کھرا کرو
دور کرو دوراؤ کو سارا گلا ہوا کرو — ہم کو ملو دَلو کھُلو کھو لو گرہ کو وا کرو
آؤ کھلو ملو کھُلو گو دکو گد گدا کرو

گو کہ مسوس کو س لو اور طولہ گو کہ کھاؤ — رَ دلا کرو کہ دھوم دھام آؤ گر ملو ملاؤ

گرم رہِ سلوک ہو مرُوحہ مہر کا لاؤ | دُور کرو دُہاگ کو لہرا سہاگ کا لگاؤ
دکھ کو سکھا کر آگ دو راکھ کو سرمہ سا کرو

واہ ہوا کا عالم اور موسم رعد لہلہا | دہر کو عطرِ گل ملا، وا درِ کہ ارم ہوا
گاہ کہو اہو اہو، گاہ کہو آہا آہا | مور ہو کو کو کو کو دکھو کمال کا دکھا
گاؤ ملھار اور گرم معرکہ راگ کا کرو

ماہرِ حال ہم رہو اہل سلوک ہو اگر | حاکم طور دم رہو، اہلِ سلوک ہو اگر
گردِ سرِ حرم رہو اہل سلوک ہو اگر | در صددِ ہم رہو، اہل سلوک ہو اگر
گو عدم ورود ہو سر کو اُدھر رکھا کرو

حالِ ورد وہ ہوا محمل سرگروہ ورع | دور کہ گردوہ ہوا محمل سرگروہ ورع
ہمسرِ ورد وہ ہوا محمل سرگروہ ورع | مرحلہ گردوہ ہوا محملِ سرگروہ ورع
ولولۂ سماع کو سلسلۂ ورا کرو

لاکھ مراحلِ حسد سالکو لو دکھا دو اور | لاکھ حمارِ وہم کو لاؤ لدا دو لا دو اور
کوہ علوم و علم کو حملہ کرو ہلا دو اور | طولِ امل کو سر دھرو سوءِ عمل ملا دو اور
دو کھو دکھا دو ہم کو گل اور کہو کہا کرو

وسوسۂ ملال کو رکھو اُدھر کھلو کھلو | مسلو اوکاسو گدگداؤ گھر کرو اور رہو سہو
دھوکا دو دُکھ کو کھل کھلا دل کو لگا ہلو ملو | اِنشا ادھر کو آؤ لو اور دلاسا دل کو دو
صلح مصالحہ کرو حمد و ورد ادا کرو

نثر

الحمد للہ کہ آس مراد کا گُل کھِلا عطر سہاگ کا لگا کر اہلا گہلا وہ ماہ رو دولہا سا ہو کر

امردکم عمر سادہ سالک ماہر وہمراہ ملکہ گوہر آرا وار دِ آرام محل ہوا سلسلہ کاکل کا محاورہ اُردو کا کھلا اور کلمہ وکلام کا در وا رہا ؎

دل کھلا اِنشا ادھر سُر راگ کا لگّا لگا ۔۔۔ لاک کا لگّا لگا اور آگ کا لگّا لگا

اللہ کا رحم اور رسم ورسولؐ ادا کر اُس ہم عمر محرم اسرار دلارام کا گلگلا سا گال ملا اور گدگدا کر اُس کو کہا مور کوکا او حورِ اِس ملھار کا اور لہرا لہرا کر راگ گا اہا ہا اہو ہو ہو۔

مثنویات

(۱) مُرغ نامہ

حمد ہے فرض اُس کی وقت سحر ‎ ‎ جس نے کاٹے ہیں مرغ روح کے پر
تن کے کھانچے میں کر دیا ہے بند ‎ ‎ کہ وہ یک چند وھاں رہے خرسند
مرغ زرّین آفتاب فلک ‎ ‎ نسر طائر سے لے کے تا بہ مُلک
اور سُکّانِ عالمِ لاہوت ‎ ‎ یاد میں اُس کی ہیں سبھی مبہوت
کُنہ میں جس کی ذہن کا طاؤس ‎ ‎ خلق کرتا ہے طائر افسوس
کیا کہوں وہ کہ کیا کھلاڑی ہے ‎ ‎ اُس سے غافل ہے سو اناڑی ہے
کرکے تن مرغ روح کا ڈھانچا ‎ ‎ جس نے ڈھانکا[ن] سپہر کا کھانچا
حکم سے جس کے اس زمانے میں ‎ ‎ یعنے دنیا کے مُرغ خانے میں
رات دِن ماکیانِ اوجِ سپہر ‎ ‎ روز دیتی ہے ایک بیضۂ مہر
نیند کو چھوڑ، صبح ہے نزدیک ‎ ‎ بانگ ہوتی ہے چونک "صاح الدّیک"[لہ]
دیکھ تو کیا ہی نور کا ہے وقت ‎ ‎ طرفہ نور و ظہور کا ہے وقت
محوِ ذکرِ خدا ہیں جملہ طیور ‎ ‎ آدمی ہو کے تو کرے ہے قصور
سُن نصیحت مری بسمعِ قبول ‎ ‎ تو بھی ٹک یادِ حق میں ہو مشغول
وقت، سیمرغ کرکے یہ معلوم ‎ ‎ قاف پر بولتا ہے یا قیوم

لہ صاح الدیک = (عربی) مرغ بولا۔ ‎ ن : "ڈھاپنا"

اُٹھ کہ وقتِ نماز جاتا ہے / وقتِ راز و نیاز جاتا ہے
آگ لگ جائے تیری غیرت کو / لعنت اس تیری آدمیت کو
مرغ جو جانور ہے دیوے اذاں / اور سویا کرے تو اے انساں

کر ثنائے رسول راہ نما / جس کی نعلین کا ہے سایہ ہما
صلوات اس پہ بھیجیے جاوید / ہے جو ایک آسماں پہ مرغ سفید
گر حمایت کرے نہ اس کی آل / نہ جمیں مرغ عقل کے پر و بال
بسکہ شاہِ جہاں قمر تمثال / وہ سلیماں شکوہ با اقبال
مالکِ ملک و صاحبِ دیہیم / وارثِ تاج و تختِ ہفت اقلیم
بادشہ زادۂ ہمایوں فر / فخرِ تیمور و بابر و اکبر
اور جنابِ وزیر آصف جاہ / جس کی اختر سے ہے زیادہ سپاہ
لڑنے بھڑنے سے ذوق رکھتے ہیں / مرغ بازی کا شوق رکھتے ہیں
کیوں اولوالعزم کو نہ بھاوے یہ رزم / یعنی ہے اس کی رزم بھی ایک بزم
شغل ہے جن کو ترک تازی کا / کھیل ہے اُن کو مرغ بازی کا
گوشِ دل سے یہ سُن لے میری بات / اِن میں ہیں انبیا کے چند صفات
صبح خیزی ہے اور شجاعت ہے / اور ہمت ہے اور غیرت ہے
کیوں اِنھوں کا نہ جنگ پر ہو مزاج / صرف اِس قوم کو ہے تاج کی لاج

اب مجھے بھی یہ شوق ہے اس کا / کہ سمجھتا ہوں مرغ کو عنقا
قصد پالی کا جب کہ کرتا ہوں / کیا ہی ڈگ لمبے لمبے بھرتا ہوں
داب اپنی بغل میں اک مرغا / چلتا رپ رپ قدم ہوں میں پرغا[۵]
چمنستاں میں دیکھ تاج خروس / چاہتا ہوں کہ لیجے اِس کو بھی چوس

---

[۵] پرغا = تیز رو ۔

مثل فولاد مرغ ہیں اپنے ‏ ‏ داد بیداد[1] مرغ ہیں اپنے
پہلوانوں کے ہیں اُنھوں میں صفات ‏ ‏ لات و عزّا کو توڑے اُن کی لات
پاس اپنے جو مرغ ہے عباوا ‏ ‏ ہے وہ اسفندیار کا باوا
ہے جو پٹھا وہ سامنے ہوتا ‏ ‏ بیٹا رستم کا زال کا پوتا
بڑھ مُنہیا سا جو ایک ہے پٹھا ‏ ‏ اُس کا پالی میں ہے بندھا ٹھٹھا[2]
وہیں دھوکڑ[3] وہ ایک ہے آفت ‏ ‏ کیا کہوں اُس کی جرأت و قوت
چاہے گر چونچ سے تو وہ سنڈا ‏ ‏ توڑ ڈالے سپہر کا انڈا

ہیں غرض خوب خوب عالی مرغ
ہے بجا کہیے گر اُنھیں سیمرغ

---

(۲) زنبور

اِن بھڑوں نے کیا یہ اب کے قہر ‏ ‏ کہ ہوا زرد پوش سارا شہر
دیکھیے اُن کی مٹک جوانمردی ‏ ‏ سب پر ایک اپنی پھیر دی زردی
باغ میں بھر جو خیل خیل گئے ‏ ‏ سارے چنپا کے پھول پھیل گئے
موے کی زرد زرد ڈھلیاں ہیں ‏ ‏ یا گلِ اشرفی کی کلیاں ہیں
کیا کہے اُن کو کوئی دانشمند ‏ ‏ کر دیے ہیں اُنھوں نے رستے بند
مولسریوں کے نیچے دیکھیے جب ‏ ‏ کھرنیاں سی بکھر رہی ہیں سب
جا کے کوٹھوں کی کوئی دیکھے بہار ‏ ‏ زرد چنبیلی کے پڑے ہیں ہار
اُڑ گئی وہ سفیدی اور اودی ‏ ‏ اب جدھر دیکھو زرد داؤدی

---

[1] داد بیداد = جنگو۔ لڑائی میں بہادر۔

[2] ٹھٹھا بندھا ہے = بڑی شہرت ہے۔

[3] دھوکڑ = زور آور۔ بڑا زبردست۔

پھر جو شاخوں سے ہر شجر کے اُڑے — تو املتاس ہی کے پھول جھڑے
بھر گئی نیش و پر سے ہر کیاری — بھٹ کٹیّا سی لگ گئی ساری
سارے زنبور یہ جو اُڑ لاگے — سب نے کیسریے[1] کر لیے باگے
ساری دیواروں پر قطار قطار — زرد مرچوں کے سوکھتے ہیں ہار
گایک[2] اور نایک اور سپر دائی — لگے گانے بسنت رُت آئی
شکل بن پھولیں درم بن کریاں — بن گئیں شاخِ زعفراں پریاں
تھے درختوں کے جو بندھے ٹٹے — اُن میں زنبور کے لگے چھتے
بن گیا تاک خانۂ زنبور — ہو گئے زرد خوشۂ انگور
آئے زنبور کو اِلٰہی مرگ — جن کی دولت ہوا یہ دل صد برگ
مادیانِ نسیمِ خوش رفتار — ق — صدقے ہوتی تھی جس پہ بادِ بہار
ٹوٹی اُس پر بھڑوں کی جو ٹڈّی — تو لگی چال چلنے وہ پھڈّی
سیوتی کھا کے مر گئی ہیرا — رہ گیا، سو گلاب کا زیرا
یہاں جو فوّارے اب اُچھلتے ہیں — سونے کی ٹڈّیاں اُگلتے ہیں
بدلے موتی کے دیکھ یہ عالم — آ کے پکھراج رد گئی شبنم
اب جو خشکا کوئی پکاتا ہے — سو مزعفر پلاؤ کھاتا ہے
ہو کے بیچ اِن بھڑوں کا آئینہ — بن گئی ٹھیک ٹھاک فاگینہ
چاندنی کا جو پھول تازہ ہے — سو وہ اِک نرگسی دو پیازہ[3] ہے
شہد اُگلا جو ان بھڑوں نے سہ چند — پھول جتنے تھے بن گئے گلِ قند

زرد رُو کاسۂ شراب[4] ہوئے
سب مگر نرگسی کباب ہوئے

---

۱ کیسریا = زعفرانی + باگے = کپڑے جوڑے۔
۲ گایک = گانے والا + نایک = جو گانے میں اُستاد ہو + سپر دائی = سازندے۔
۳ نرگسی دو پیازہ = ایک قسم کا قورمہ۔
۴ نرگسی کباب = ایک قسم کے کباب۔

در زبان اہل برج

اک جو بھونرا بھڑوں نے گھیر لیا
خوب سا اُس کو ہیر پھیر لیا

تو لگے کہنے نند گانو کے جاٹ
لال جیو ہوں تو ہیں اوپن کے بھاٹ

سُدھ رکھت ہیں تمھارے مالے کی
جو ہو بیرے پھوڑے والے کی

آئی کانن کے بیچ بھو آپن
آج بہتے دناں موں مرلی دھن

کشن جیو ہو کریل کو جنگل
جھاڑ آپن لینے ہیں اب ڈنگل

کوٹھ کلا بہوت کے بنائے دھام
دوارکا بیچ جا لیا بشرام

برج بنتا کے سُرت لیت نہیں
اجو رنجک ہو تمکاں سیت نہیں

یوں کہت کام بن مہا راجا
دھن مہاراجا دھن مہاراجا

دیو کی نندن تمھارے ہم سا داس
کس نہیں آت ہو ہمارے پاس

تم بنا سون ہے یہ بنسی بٹ
ناہنا چیر گھاٹ نان آسٹ

پھیر چاہت نہ کر یہ بندرابن
سری گوپال آپ کے درشن

کہنو نرست ہے تمکاں سیوا کنج
جمنا جل موں بھری بھڑوں کی بنج

ق

وہ جو کھاتے ہیں پان میں زردا
گھس گئی اُن کے کان میں زردآ

تھی چمن میں جو نرگس شہلا
دست و پا اُس کے خوب سے سہلا

آخر کار کر دیا بیمار
اُسے یرقان کا ہوا آزار

بسکہ مہرے دکھاوے اور پیندے
سینکڑوں کوس لگ گئے گیندے

دیکھیو اب کے روپ مارے کا
سورج ایک پھول ہے ہزارے کا

اِن بھڑوں کا یہ کچھ ہوا احوال
جس طرح ہوں نبولیاں پامال

غور کیجے ٹک اُن کے فرع و اصول
سینکڑوں کوس ہیں ترئی کے پھول

گھاس میں ارہریں سی پھول گئیں
ہرنیاں اپنے ہوش بھول گئیں

اِن بھڑوں نے دیا یہ سب کو بھوگ
لے کے بستر ہوا نے سادھا جوگ

بل بے زنبور تیری شان و شکوہ
بھر گیا جعفری سے دامن کوہ

بوئے گل اپنے ہوش بھول گئی
سامنے اُس کے سرسوں پھول گئی

آکے بادل برس گئے سونا
اِن بھڑوں سے بھرا ہر ایک کونا

کس لیے کوئی مفلس اب ترسے
یہاں بھی دکھن کی طرح ہُن برسے

فوج زنبور دیکھ مور و ملخ
ہوئیں ٹھنڈک سے چھاتیاں سب یخ

کیا رہی بات رونے دھونے کی
آگئی ٹڈی ایک سونے کی

تھی جو دریا کے گرد کی ریتی
وہاں ہوئی زعفران کی کھیتی

اُن کے اُلجھیڑوں میں جو آکے پھنسے
قہقہہ مار کر نہ کیوں کہ ہنسے

کھیل کر اپنے جی پہ آتے ہیں
گال لوگوں کے توڑ کھاتے ہیں

غلطے کی خوبی ہونٹ توڑ لیا
جسے چاہا اُسے بھنبوڑ لیا

گھاس ہر چھپروں میں یا سر کی
سب میں رنگت سما گئی بھڑ کی

ان کی آفت جو دشت نے جھیلی
پھولی اس میں بھی زرد چنبیلی

گانٹھ ہلدی کی ہیں یہ زہریلی
سانپ کی طرح ہو کے لہریلی

بوالعجب قہر ہیں یہ سب زنبور
ہلدیا زہر ہیں یہ سب زنبور

بسکہ چمٹی جو آکے یہ بدبخت
ہو گئے زرد پوش سارے درخت

زعفرانی پہن کے ایک قبا
اُڑ چلی اب چمن میں باد صبا

دیکھ زنبوروں کے پروں کی جھلک
بیضۂ مرغ بن گیا یہ فلک

ہر سفیدی تو آپ کی سردی
بیچ میں وہ زمین سو زردی

نیش زنبوروں نے زبس توڑے
سب نے مانجھے کے پہنے میں جوڑے

جو کوئی نیک بخت جنتی ہو
اس کی پوشاک بھی بسنتی ہو

ہوئے دشمن جو کونے کونے کے
بن گئے سب پلنگ سونے کے

بن گئے چوب زرد کے پائے
اور اسی وضع کے وہ پروائے

اور اونچوں کے دل میں بیٹھا چور　　لگ گئے خود بخود فرنگی تور
خوب روئی یہ توشکوں میں بھری　　ساری اُڑ چلیاں جیسے زرد پری
اور تکیوں کے کیا کروں اوصاف　　چڑھ گئے سب پہ زرد زرد غلاف
بل بے زنبور تیرا چھو منتر　　شبّو کے رنگ کی ہوئی چادر
زرد ریشم کے ہو گئے کشتے　　اور کیسر میں سب لگے پشتے
بسکہ زنبور وہاں جو پس کے موئے　　زرد شالی لحاف سارے ہوئے
اور دوپٹوں کی کیا کروں تکرار　　پس گیا اُن پہ آکے ہارسنگار
شکل ہر شے نے پکڑی سونے کی　　واقعی ہے جہان سونے کی
بھڑ کی صورت تو تھی ہی ساری یہاں　　نہ رہا اُن کے دل میں کچھ ارماں
ان لعینوں کی دیکھیے جلدی　　جا کے دریا میں گھول دی ہلدی
اپنی نیشیں پروں میں جو دھر دیں　ق　مچھلیاں سب سنہریاں کر دیں
ایک بھونرے نے جو دیا طنبور　　نکلے پلٹن بنا بنا زنبور
کھول اپنے پروں کی بان نشان　　اُف بے اے کافرو تمھاری شان
ایک رنڈی کا نام تھا کیسر　　ناک کی اُس کے توڑ دی بیسر
چھوڑ دی اُس پہ ٹوٹنے کی چڑیا　　اُڑ گئی اُس کی سونے کی چڑیا
نقرئی تھے جہاں تلک کہ ظروف　　ہوئے وصفِ طلا سے سب موصوف
اشعۂ[1] آفتاب عالم سوز　ق　میں یہ کہتا ہوں دیکھ کر شب و روز
زرد پھرکی سی جو لگی پھرنے　　سو پھرائی ہے کون سی بھڑ نے
ہو گیا سونا تانبا روپا رانگ　　کچھ عجب روپ کا یہ آیا سانگ
آندھیاں زرد زرد جو چلیاں　　ہو گئیں زرد شہر کی گلیاں
سارے زنبور ہی اب آئے نظر　　ہر کچھ انشا بسنت کی بھی خبر
اور کچھ لکھیے سو یہ کیا مقدور　　کاٹے کھاتے ہیں ہاتھ میں زنبور

---

[1] اَشعۂ ۔ بمعنی شعاع کی جمع اَشِعَّۃ میں مشدد ہے ۔ (عربی)

پہنچے اب تا بہ آسمان زنبور　　بن گئے شاخِ زعفران زنبور
آگے بس خیر اب بکھیڑا ہی
بھڑ کے چھتّے کو تو نے چھیڑا ہی

(۳) کھٹمل

کچھ یہ کھٹمل بڑھے ہیں اب کے سال　　کہ ہوئی سب زمین لاؤں لال
چھا گئے ہیں جو سارے یہ بدبخت　　شاخِ مرجاں بنے تمام درخت
گھسی ایک اُن کی جا بجا لڑ ہی　　بیخ جو ہی سو مونگے کی جڑ ہی
ہو گئے سرخ بید سارے سرو　　لال مرغی بنے تمام تدرو
بسکہ جا کر جمے قطار قطار　　ہو گئی لالہ نرگسِ بیمار
دشت اور کوہ پر کیا جو دخل　　نخل یاقوت بن گئے سب نخل
اِن لعینوں کا یہ سہاگ ہوا　　تھا جہاں سبزہ لال ساگ ہوا
بس جدھر دیکھو ہی انھیں کا غل　　بن گیا ہر زمانہ لال مغل
کافروں نے یہ قہر کام کیا　　چوں قزلباش قتل عام کیا
کھار دے سے لپٹ گئے سب جھاڑ　　بن گئے لال ڈانگ سارے پہاڑ
موج دریا کو کر دیا خون ناب　　جانور سارے ہو گئے سرخاب
ان کی رگ رگ کی بسکہ فوج ہوئی　　لال ڈگی تمام فوج ہوئی
رات سکھ نیند کو جو ترسے ہی　　اُس کی آنکھوں سے خون برسے ہی
دیکھ ان کھٹملوں کو یوں چالاک　　صبح نے بھی کیا گریباں چاک
کر نظر اس بہار کا عالم　　آنسو لوہو کے رو گئی شبنم

ہے یہ لوہو بھری کچھ ان کی نقل
کہ تنگا پو میں نہر کی ہے عقل

ہوکے بے چین جو اُچھلتے ہیں
منہ سے فوارے لعل اُگلتے ہیں

جتنے تھے بید مشک کے شیشے
بن گئے خونِ خشک کے شیشے

دہ بڑی جو گلاب کی خُم ہے
سو وہ خاصی شہاب کی خُم ہے

کون کہتا ہے ان میں آب بھرا
حوض میں آکے سب شہاب بھرا

جتنے تھے آسمان پر تارے
ہو گئے سوج پھول انگارے

لال مخمل کی اک پہن کے قبا
ہو گئی سُرخ پوش بادِ صبا

خوب دیکھو تو فرش سے تا عرش
ہے سقرلات سرخ ہی کا فرش

نظر آتے ہیں سُرخ ہفت طبق
پھولی پھرتی ہے اُن کے بیچ شفق

جا انھوں نے لیا جو جیت جوا
آبشاروں سے بھی شہاب چوا

یہ جو پلٹے غرض کہ ہو بھٹی
گِل مختوم ہو گئی مٹی

خونِ منصور ہو گئی سب ریت
جتنے صوفی تھے سارے آئے کھیت

یہ جو خونی لپٹ لپٹ کے موے
کوہ شنجرف سب پہاڑ ہوے

چادرِ ماہ تھی جو کوٹھے پر
لے لیا اُن نے گیرُوا بستر

سوہاگا نے لگا ہر اِک مُطرب
سکھرے بیچ سے ہوئے غائب

جتنے تاکوں میں تھے لگے انگور
اُن کو اِن سب نے کر دیا ناسور

کپڑے تھے جن کے زعفرانی پاس
ارغوانی ہوئے اُنھوں کے لباس

ہوئی گلشن میں سب حنا بندی
بولی نرگس کدھر چھپے بندی

چھٹے چاروں طرف سے جو کھٹل
چھپے ہو گئے گل مخمل

آگئی موجِ لالہ بر سر جوش
اُڑ کے سب پھول گر پڑے مدہوش

ہوگیا سب زمانے کا دنگل
اُن کی دولت کریل کا جنگل

برج بے اختیار یاد آیا
اور سُہانے درختوں کا سایا

چوتڑ اُن بندروں کے دھیان پڑے
سینکڑوں جن کو ہار پان چڑھے

کھٹملوں نے زبس دیے بُتّے ۔ بن گئے لال بیگ سب کُتّے

تاک پر جا کے اُن کی ریل چڑھی ۔ کیا منڈھی کھٹملوں کی بیل چڑھی

معدنوں کو جو کر دیا مبہوت ۔ سارے الماس بن گئے یاقوت

سر سے بس دُم تلک لیا جو ڈھانپ ۔ بن گئے کھنکھجورے کالے سانپ

نظر آتا نہیں کوئی ہرگز ۔ جتنے کپڑے تھے بن گئے قرمز

پرِ کنجشک پر بھی قہر کیا ۔ لال مینا کا اُس کو روپ دیا

نہیں اس قوم سا کوئی لیچڑ ۔ نوشکیں ان سے بن گئیں کیچڑ

جس طرح ہووے آن لگتے ہیں ۔ چارپائی کے کان لگتے ہیں

جس جگہ اِن کی جان چھوٹی ہے ۔ سُرخ کمخواب کی سی بوٹی ہے

نہ فقط یہ چمن کے بیچ میں ہیں ۔ ہوتے دولھا دلھن کے بیچ میں ہیں

بولے ہر کوئی تیز ہوش بنی ۔ میری چادر پلنگ پوش بنی

ہر طرح سے یہ جھانک لیتے ہیں ۔ عیب جس کا ہو ڈھانک لیتے ہیں

بھلا رے کھٹملوں کا تیکھا پن ۔ ساری نکیوں میں اُن کا ہے مدفن

اور پلنگوں میں جتنے سیروے ہیں ۔ رکھتے اپنے لباس گیروے ہیں

ساری چولوں میں یہ جو گھس آئے ۔ صاف مونگے کے بن گئے پائے

کہتے تھے لالہ دیو کی نندن ۔ پٹیاں بن گئیں رکت چندن

یان ارجن کے بن گئے سب بان ۔ اور ادوائنوں نے کھائے پان

کبھی اُن کی جو کچھ شکایت کی ۔ ایک پنڈت نے یوں روایت کی

ایک راون کا پوت تھا جے مل ۔ اس کی اولاد ہیں یہ سب کھٹمل

راون اُکسا تبھی نوار بنی ۔ لوہو پینے کی اُن کے دل میں ٹھنی

کیوں نہ دیں چارپائی پر ڈنکا ۔ چھٹ گئی اُن کی سونے کی لنکا

سو یہ سونے کو لیتے ہیں جب تاڑ ۔ کرتے ہیں اپنی سی اکھیڑ پچھاڑ

متصل ہے سو تلے ہر اُن کے پڑی ۔ چین کیوں کر یہ لیوس کوئی گھڑی

راچھسوں کی [illegible] کیوں نہ باندھیں ساکھ
ایک سے ہوتے ہیں یہ نوّے لاکھ

کیوں نہ ہر فرد ہووے غیرت دار
قوم کے اپنے یہ بھی ہیں سردار

لاکھوں پستے ہیں مارے جاتے ہیں
پھر وہی رولا کر کے آتے ہیں

کھا لیا جو جھپٹ کے کھالوں کو
دھرتے ہیں نام سونے والوں کو

چال شبخون کی ہے اِن کو یاد
یعنی اس کام کے یہ ہیں اُستاد

لال لال ان کی کُرتیاں دیکھو
سُرخ پلٹن کی پھُرتیاں دیکھو

بات کچھ کھولتے نہیں ہرگز
منہ سے کچھ بولتے نہیں ہرگز

کچھ نہ فرزین ہے نہ فیر یہاں
کوئی دم مارے سو بخیر یہاں

نہ تو سنگین ہے نہ یہاں بندوق
نہ تو باروت کا کوئی صندوق

کاٹ کھانے ہی پر یہ بس غش ہیں
ہیں تو جنگی پر ایک آتش ہیں

توپ خانہ نہیں کچھ آپ کے ساتھ
لوہو پیتے ہیں پر یہ ہاتھوں ہاتھ

بھیتری مار سب کو دیتے ہیں
اور لوہو کو چاٹ لیتے ہیں

موٹے موٹے ہیں ایسے جوں بندق
اُنگلیوں پر لگا لیاں فندق

نہ تو کچھ بولتے نہ چالتے ہیں
غصہ جب باندھ کے نکالتے ہیں

کام رکھنا حنا سے کچھ نہ رہا
اُن کی رنگینیوں نے صاف کہا

سارے محلوں میں جاگ ہے ہم سے
اب تو گہرا سہاگ ہے ہم سے

آئے جی چار پائی بھی بولی
نیند کیا ہے یہ ایک ہے ہولی

کھٹلوں نے گلال چھڑکا ہے
رنگ اک لال لال چھڑکا ہے

ناچتے ہیں وہ مل کے چھوٹے بڑے
ہیں گے غش میں پڑے دھڑوں کے دھڑے

بس یہی شور ہے ہر ایک طرف
بجتے پھرتے ہیں جوتڑوں کے دف

گو کوئی نیفہ اپنا پھاڑے ہے
لیک کھٹمل کی کیا اُکھاڑے ہے

کہیں بالوں میں گھس کے جوں کی جگہ
سر کے بھیجے کو کرتے ہیں آگہ

تکیہ ہے یا رضائی یا کہ لحاف
چڑھ گئے سب پہ سُرخ سُرخ غلاف

دائیوں کے ہوئے دوپٹے سرخ
اور بچوں کے چھینٹے بٹنے سرخ
کون ان موذیوں کا منہ توڑے
پہنے ہیں سب نے سونویں جوڑے
جھوٹ پنڈت کی وہ روایت ہے
وہ تو جنوں کی ایک حکایت ہے
پر یہی جانتے ہیں اہل یقیں
ہیں یہ سارے لعین ابن لعیں
یا تو یہ ہیں یزید کی اولاد
یا کہ بے شبہ نسل ابن زیاد
جوں جوں مرتے ہیں بڑھتے جاتے ہیں
اور لوگوں کو نوڑے کھاتے ہیں
کام ہے ان کے ہی مریدوں کا
ڈھیر جو گنج ہے شہیدوں کا
ایسی ہے کھٹملوں کی آئی فوج
کہ سمندر سے جیسے اٹھے موج
ہوئے یک بار ہاتھی گھوڑے سرخ
اور سواروں کے سارے جوڑے سرخ
پاؤں سب وحشیوں کے پھول گئے
ڈھاک سے جنگلوں میں پھول گئے
الغرض تھا جہاں جہاں دنگل
بن گیا کھٹملوں کا وہاں جنگل

بس بس انشا نہ چھیڑ اب آگے
لوگ ہیں ساری رات کے جاگے

---

(۴) ہجو پشہ

مچھروں کو ہوا ہے اب کے یہ اوج
دب گئی جن سے مرہٹوں کی فوج
سو کھے سہمے ہیں کالے کالے ہیں
یہ بھی پر کوئی گھوڑے والے ہیں
ہیں دوپٹے میں صاف گھس آتے
اور لحافوں میں ہیں سما جاتے
اُن کے بھنّاٹے کی ہے یہ آواز
تار جس سے کبھو نہ ہو دم ساز
نیش گو اُن کے ریزے ریزے ہیں
جڑتے بھنکار کر یہ نیزے ہیں
ناک میں ہر طرف سے ہو کے دخیل
پھونکتے ہیں یہ صورِ اسرافیل
آسمان و زمین و عجز و نیاز
جس سے اُڑ جائے ہے یک آواز

ہے سیہ پھول کی کلی اِن سے — سب کو ہے ایک بے کلی اِن سے
کس کو یہ چین لینے دیتے ہیں — نیند آنکھوں کی لوٹ لیتے ہیں
آندھیاں اِن سے کالیاں چلیاں — بھر گئیں سارے شہر کی گلیاں
اِن کو مل ڈالیے جو اُنگلی پر — پھول آتا ہے صاف ایک نظر
کیونکہ کالے ہیں آپ لوہو لال — ادھ کھلی جس طرح سے ہو کچنال
چاٹ لیتے ہیں امردوں کا گور — کہتے ہیں آکے کانا باقی کر
بسکہ لپٹے ہی رہتے ہیں ہر دم — حبشی ہو گیا ہر ایک عالم
چاٹ لی صاف گل دموں کی دُم — رہ گئیں وہ بچاریاں گم صُم
بسکہ کافر لپٹ لپٹ جو موے — تختے صندل کے آبنوس ہوے
ہوئے مچھّر بہت سے جو ساٹھی — جتنے بھینسے تھے بن گئے ہاتھی
لوگ بجلی کی طرح ہیں بے کل — چھا گئے مچھّروں کے دل بادل
کیچوے تھے سو کالے ناگ بنے — شعلے مُنہ سے نکال آگ بنے
اب یہ کیا ٹھہرا اے اِلٰہ ہوا — خون دنیا کا سب سیاہ ہوا
دیکھیے ہائے مچھّروں کا قہر — اپنے دانتوں میں بھر گیا ہے زہر
ہر بنِ مو کی لے چکے ہیں فصد — اور کیا جانے اُن کا کیا ہے قصد
بس جدھر دیکھو ان کو ہے اک راہ — نکلے ہے سب کے دل سے دودِ سیاہ
خال رخسار نازنیں ہیں یہ — مگس شیر و انگبیں ہیں یہ
بھاگ جانے کی کس کو ہے منزل — چاہے ہیں سب نے اِن کے کالے تِل
اَرنے اوپلوں کو گو جلا دیجے — سینکڑوں دھونیاں لگا دیجے
ہیزم تر سے گو کہ نکلے دود — کب بھلا† بھاگتے ہیں یہ مردود
یہ سمجھتے ہیں دود کو ہندی — تاڑ لیتے ہیں ہندی کی چندی
لاکھ چمکا وے پھول کی تھالی — نیل مل کے کوئی چمک والی
تھوڑے سے کم یہ ہوں سو کیا ممکن — جوں کی توں ہی رہے گی وہ پن پن

† ق ۳ "کہیں"

بدلے بقالی کے بلکہ سورج کو — کوئی ہاتھوں جھلادے تو بھی تو
برسوں جھولا کرے گا وہاں خورشید — پر یہ مچھر نہ ہووینگے ناپید
آنکھ کے تِل میں یہ تو گھستے ہیں — گوشۂ دل میں یہ تو گھستے ہیں
دیو ہو یا کہ بھوت یا جن ہو — دال فے عین اُن کی سُن رفن ہو
ایسی بنگی سی یہ بجاتے ہیں — جس سے سب لوگ لوٹ جاتے ہیں
ہر کسی سے ہے ان کو راز و نیاز — سب کو مل دیتے ہیں یہ روغن قاز
بات کیا ہے کہ کان لگتے ہیں — یہ بنولوں میں سب کو رکھتے ہیں+
واہ کچھ زور ہے بجا ہیں یہ — یعنی نمرود کے چچا ہیں یہ
آگے کیا لکھے کوئی ان کا بھید — پڑ گئے کاغذوں میں لاکھوں چھید
آکے مچھر جو پھر دو چار ہوئے — حرف بے نقطہ، نقطے دار ہوئے
کیوں نہ نوکِ قلم رہے ششدر — گھس گیا اُس کی ناک میں مچھر
دانت مچھر کے وہاں جو اڑنے لگے — جتنے فقرے تھے سب بگڑنے لگے
تھے سیاہی سے لکھے جتنے حرف — مچھروں نے کیا انھیں شنجرف
فرق بین السطور کچھ نہ رہا — خطِ مسطر پہ نور کچھ نہ رہا
مچھروں کی یہ کچھ ہوئی گچ پچ — لگا کاغذ بھی کرنے اب پچ پچ
پیش آئے کچھ اس طرح مچھر — نہ رہا امتیاز زیر و زبر
اور کچھ جھینکنا عبث مت جھینک — تیری بینی کو دیکھ آئی چھینک؟
قصد اپنا یہی ہوا بالجزم — کہ بس اب اور کیجیے کچھ عزم
جا بجا کھا کے داغ نور افشاں — ہوگیا صفحہ باغ نور افشاں
ارے مچھر یہ ہیں وہی دشمن — ہوئے زہاد جن سے تر دامن
یہ جو ایک شدّ و مدّ کا قصہ ہے — سو غرض مچھروں کا حصہ ہے
الغرض قوم یہ بہت بد ہے — نام دیکھو تو کیا مشدّد ہے
بھر کے منہ پھر کہو تو تم مچھر — جن کے لوہو سے بھر گیا جھجّر

+ ق ۳: "جھکتے"

کھانے پینے میں سب دخیل ہوئے
آگے لِپٹہ تھے اب تو فیل ہوئے
سونڈیں ہیں مثل فیل ان کے پاس
کیوں نہ کھو دیویں سب کے ہوش و حواس
نہیں مچھر یہ فیل خانہ ہے
کجلی بن ان سے سب زمانہ ہے
کس نے رکھا ہے مچھر اِن کا نام
ان کو کہیے تو کہیے لشکرِ شام
یوں ہوئی شام یوں یہ آلاگے
آدمی اِن سے اب کہاں بھاگے

لفظ اِنشا نہ بول لایعنی
مچھر آکر اُڑا گئے معنی

---

(۵) ہجو مگس

مکھیاں اب کے یہ بڑھیں بے ڈول
کر لگا ایک جی کو آنے ہول
کس طرح ہو بہار تازہ دماغ
کرتے ہیں آبشار اِستفراغ
اب درختوں پہ جتنے پتے ہیں
شہد کی مکھیوں کے چھتے ہیں
صبح کا بھی مزاج ہے برہم
کر رہی ہے بچھر بچھر شبنم
جان کر مکھیوں کو جنسِ دغل
سو نکھتے ہیں گل اپنی اپنی بغل
مکھیاں مار مار جو ہارے
سبب آسیب ہو گئے سارے
لگی یوں کرنے پھول پر بھن بھن
جس طرح آ چڑھے کسی پہ جن
پھیلی سب گلستان میں مکھی
گھس گئی گُل کے کان میں مکھی
تاک جتنے تھے یہ ہوئے مبھوت
جس طرح آ چڑھے کسی پر بھوت
مکھیوں کا ہی کارخانہ ہوا
جبشتان سب زمانہ ہوا
اب تو بازار ہے انھیں کا تیز
اور سب کچھ سیا ہی فالیز
یہ جو دنیا سوادِ اعظم ہے
اوڑھے ایک آن کالی جاجم ہے
مکھیوں کا بلند پایا ہوا
سایہ سب اِن کے زیرِ سایہ ہوا

---

† ق س ہ "سے لگے کسی کو" ۔ م: "سے چڑھے"

تلقلِ مے کی اُڑ گئی وہ ہوا   چائے سے آ کے مل گیا قہوا

طاق پر ہر دھرا جو شیشۂ مے   لگئی ہر اُس کے بھی نصیب میں قے

ٹک صبا کی پھریریاں دیکھو   سانسیں یہ گھری گھریاں دیکھو

جان نرگس کی کرتی ہر مالش   کس سے جاکر یہ کیجیے نالش

گھریاں لیتی ہر بہار چمن   نکہت آئی سو مُنہ پہ دھر دامن

دیکھ آدھی زبان سوسن کی   بولتی ہر نسیم گلشن کی

دیکھ اِن کے پروں کی ایک جھلک   گمسی ہوگیا یہ اسپ فلک

کھِلکھِلا کر انار جو ہیں ہنسا   دام میں مکھیوں کے آن پھنسا

اُس کی وہ لال لال بتیسی   نہ لگی کا فروں کو جو جی سی

لے کے دانتوں کو سب سیاہ کیا   اور ہونٹوں کو بھی تباہ کیا

ایک لکھوٹا سا جم گیا بس خیر   باغ میں یہ ہوئی عجائب سیر

ایک ذرا اس کو دیکھیے آپ نگاہ   کس طرح کی دھڑی جمائی واہ

مُنہ میں مکھی نے ٹھونس دی مستی   کون ایسی بھلا ہو چھپتیسی

بن گئے لوگ بھوت کی صورت   کالے پتھر کی جیسے ہو مورت

باہمنوں کو کیا اُنھوں نے دنگ   پڑھ کے سکلا مبر دھرم پشتنگ

ہوگئی آندھی ایک کالی بلا   لیک بس مکھیوں سے کچھ نہ چلا

جس کسی چیز کا کھلا صندوق   تڑسے چھوٹی وہاں سے ایک بندوق

بس سے مکھی بھی سامنے آئی   جو دھری چیز تھی سیہ پائی

خاصے ململ کے رکھے تھے جو تھان   سو قلم کار ہوگئے وہ ندان

جیسے باروت سی کوئی مل جائے   سرو کا حال یہ ہوا اے وائے

کیوں نہ ہر ایک شخص ہو بے کل   مکھیوں کا گھرا ہر دل بادل

مُہریاں ساری کھِل کھِلاتی ہیں   سب کو آواز یہ سناتی ہیں

دیکھیو پان یا ڈلی کچھ ہو   لونگ اِلاچی بڑی بھلی کچھ ہو

گرچہ پچھے تو جی کو رو کتے ہیں
لیک پرنالے سارے او کتے ہیں
جتنے امرد تھے سب ادھیڑ ہوئے
پٹھے ہرنوں کے کاٹے بھیڑ ہوئے
بن گئے پاڑھے خوک کے بچے
ہو گئے بھونرے تھوک کے بچے
بنی آدم کی ٹولی کی ٹولی
بیٹھی بولے ہر شیر کی بولی
لکھنؤ یا کہ شہر دلّی ہے
ہر کہیں بس یہی چبلّی ہے
لگے معشوق کہنے عاشق کو
چل بے اڑ پا دیہاں سے مکھی ہو
ان کے ہاتھوں سے لوگ جلتے ہیں
ہاتھ سے ہاتھ اپنے ملتے ہیں
لیک فضلِ خدا سے یہ مکھی
آنکھوں دیکھی ہے پر نہیں چکھی
جبکہ کھانے کو کچھ کھلاتا ہے
سب مجھے اللہ ہی بچاتا ہے
سایہ ہے یہاں امام جعفر کا
دل سے میں ہوں غلام جعفر کا
لکھے انشا اب آگے کیا احوال
سطریں کی سطریں کر دیاں پامال
فقرے پہلے تو منہ سے چاٹ لیے
نقطے پیچھے سے مکھیوں نے دیے
میں نے ناحق انھیں مسل ڈالا
اے نواب اور ہی کھلا لالا
جھلملے سے جو رہ گئے تھے حرف
خود بخود ان پہ ہو گیا شنجرف
کہیں تو سر چپک گئے ان کے
کہیں پر بھی ابھر گئے بھن کے
قتل پر ان کے کی جو بے صبری
بن گیا صفحہ کاغذِ ابری
جی قلم کا بھی اب تو متلایا
پیٹ میں تھا سو سب نکل آیا

---

(۶) شکایت زمانہ

کروں کیا جورِ گردوں کی شکایت
جہاں دیکھو اسی کی ہے حکایت
نہیں یہ دیکھ سکتا خانہ آباد
کہ ہو کوئی کسی ڈھب سے کہیں شاد
ستانے بن نہیں کچھ کام اس کو
کہاں بن دکھ دیے آرام اس کو

نہیں معلوم منظور اس کو کیا ہے — بُری چتون سے کافر دیکھتا ہے
کمر بس ظلم پر اس نے ہے باندھی — یہ ظالم ہے اڑا دینے کو آندھی
جہاں دو دل لگاوٹ سے ہوئے گرم — تو اک آفت اُٹھاتا ہے یہ ہٹ دھرم
یہی تو رات دن ہے اس کو اک فکر — سوا اس کے نہیں بس اور کچھ ذکر
کہ ہوویں دو جنیں جو حسب دلخواہ — سو آپس میں جدا ہوں قصہ کوتاہ
عداوت پر تو سب کی مستعد ہے — خصوصاً عاشقوں سے اس کو کد ہے
بندھا یہ قصہ جب تک دم میں دم ہو — شکایت نامۂ گردوں رقم ہو
محبت جس سے اک پیدا ہوئی تھی — طبیعت سخت ہی شیدا ہوئی تھی
بہت تھی عنقریب اُس کی حویلی — پڑی دوری تو اب اللہ بیلی[1]
اجی ہمسائگی تھی اک پری ساتھ — بہت سا اُنس تھا جلوہ گری ساتھ
ہزار افسوس چھوٹا وہ محلّا — کیا فوجِ الم نے آکے ہلّا
جدائی ہو گئی اے وائے قسمت — ہوئی بیٹھے بٹھائے یہ قیامت
بہت یاد آ رہی ہیں اب وہ باتیں — ہم کس عیش سے کٹتی تھیں راتیں
ہوئی مجھ سے یہ اُس کو دوستی تھی — کہ بہتیروں کو بیٹھے کوستی تھی
لڑانے یکدگر سینے سے سینے — وہ گھبراہٹ کے آجانے پسینے
وہ چبھنا اُن کچوں کا اس طرح سے — کہ گدرے آم ہوویں جس طرح سے
مسک جانا وہ انگیا کا پھبن سے — وہ اُس کا دیکھ رہنا بانکپن سے
ہوا سیمرغ دل سینہ میں پر کٹ — گئی سونے کی چڑیا[2] ہاتھ سے چھٹ
شراب تند دے ایسی ہی ساقی — کہ جس سے غم رہے مطلق نہ باقی
گلابی لا کے رکھ دے وہ مرے پاس — کہ ہو دلھن بنے کی جس میں بوباس
وہ مے دے جس سے اُٹھے دل کو اک لوچ — یہ سارے دال فے ہوں فکر اور سوچ

---

[1] اللہ بیلی ۔ خدا حافظ ۔

[2] سونے کی چڑیا ۔ بہت قیمتی چیز ۔ یہاں اسی عورت سے مراد ہے ۔

فلک کی آنکھ ہو جس پر جھپکتی | زمیں مارے مزے کے ہو تھلکتی
نہیں ہر شوق کے ہاتھوں سے بھیجا | پڑا اُچھلے جو دو دو گز کلیجا
چمک جاوے جو میرا جوہر عقل | تو مَیں تجھ سے حکایت اک کروں نقل
سناؤں ابتدا سے پھر وہ قصّہ | کہ فی الواقع یہی تیرا ہو حصّہ
کہوں اک آپ بیتی وہ کہانی | کہ ظاہر جس سے ہو آتش زبانی
سُنی تھی حسن کی اک شہرۂ شہر | نہایت چلبلاہٹ ساتھ حد قہر
چبھی تھی یہ جگر میں عشق کی پھانس | کہ شعلہ بن نکلتی تھی ہر اک سانس
ہمیشہ وردِ جاں تھا شعر اُستاد | یہی پڑھ پڑھ کے تھا سرگرم فریاد
نہ تنہا عشق از دیدار خیزد | بسا کیں دولت از گفتار خیزد
غرض مشتاق تھا اُس کا بہت جی | سمائی دل میں تھی ایک بے کلی سی
کہیں القصّہ حسبِ اتفاقات | ہوئی اِک باغ میں باہم ملاقات
چلا واں جو گیا میں بے تحاشا | تو مت پوچھو کہ دیکھا کیا تماشا
نظر اس ڈھب سے آئی وہ پری وش | کہ دل اور جان نے اپنی کیا غش
گئی آنکھوں تلے بجلی سی اک کوند | سمندِ ناز نے ڈالا اُسے روند
کہا دل نے مرے دیکھی جو وہ مانگ | کہ ہو[1] یہ رات آدھی کچھ دعا مانگ
حواس و ہوش میرے ہو گئے تار | ہُوا میں مانگ چوٹی میں گرفتار
بہم آنکھوں سے آنکھیں لڑ گئیں خیر | عجائب نرگستاں کی ہوئی سیر
وہ شوخ و شنگ دیدے اُس پرن کے | کہ ہوں جس طرح دو بچّے ہرن کے
نظر آیا وہ گکھڑا سیب کا سا | بندھا یاں ڈول کچھ آسیب کا سا
یہ رخساروں میں اُس کے فربہی تھی | ہوئی جس سے خجل اکثر بہی تھی
نگاہ مست تھی ایسی ہی بے باک | کہ بس دیکھے جدھر باندھے اُدھر تاک

---

[1] مقابلہ کردہ

پھنسا ہر مانگ میں دل اب بتا میں جاؤں کدھر | کہ آدھی رات اِدھر ہو اور آدھی رات اُدھر

ہزاروں آبلے جوں تاک انگور | بہم پہنچائے دل نے ہو کے مجبور

کہوں اُس کی جبیں کو کس طرح چاند | کہ اُس سے لاکھ حصّے چاند تھا ماند

سہانا تھا کچھ ایسا روپ اُس کا | کہ سایہ چاہتی تھی دھوپ اُس کا

یہ نک سک سے نزاکت میں بھری تھی | کہ بس جو بات تھی اس کی پری تھی

نگہہ وھاں کر رہی تھی یوں اشارا | کہ ہو جہاں ماتھے چاند اور ٹھوڑی تارا

جٹی دونوں بھویں یہ داد بیداد | کہ ہو دلچسپ جیسے شعر استاد

یہ تھے کچھ سُرخ سُرخ آنکھوں کے ڈورے | رگِ گل پر جو رکھیں سو نہورے

صفِ مژگاں میں تھا ایسا ہی انداز | پڑے جھڑتے ہیں جس سے سیکڑوں ناز

برنگ گل نظر آئے وہ دو کان | کہ اُن کا وصف کرنا کیا ہے امکان

کروں کچھ بھی جو تعریفِ دُرِ گوش | تو اُڑ جاویں صدف کے سنتے ہی ہوش

نہ کیوں کر آرسی سے مست ہوتی | وہ گردن تھی صراحی دار موتی

گلاوٹ بازوؤں کی چشم بد دور | وہ دونوں مچھلیاں جیسے سقنقور

لگا کر ناخن پا سے وہ تا فرق | سراسر حُسن کے دریا میں تھی غرق

پھبن سج دھج کچھ ایسی تھی تڑاقا | کہ پژمردوں کو جس سے ہو افاقا

نظر آئے جسے وہ سوتواں[1] ناک | نہ ہووے پھر وہ ساری عمر غمناک

یہ عالم تھا کچھ اُس کا واہ جی واہ | کہ لکھیے نسخ میں جوں ہائے اللہ

نہ کیونکر اُس کی خود بینی ہو ایسی | کہیں دیکھی بھی ہے بینی ہو ایسی

قیامت کرتے کیا لگتی اُسے ڈھیل | کہ تھی وہ بیچ صورِ سرافیل

پھڑک نتھنوں کی پھر ایسی ہی اچھی | تڑپے جوں نیر نے میں جائے مچھی[2]

وہ ظالم کے مسی آلودہ دنداں | جھلک میں موتیوں سے تھے دوچنداں

پڑے ہونٹوں میں تھے ایسے دمکتے | کہ ہوں جوں رات کو جگنوں چمکتے

---

[1] سوتواں ناک = کھڑی ناک۔

[2] مچھی یعنی مچھلی۔

یقیں ہو اُس کو جو دیکھے وہ پستاں — کہ بیشک یہ ارم کے ہیں گلستاں

بنے دو بُرج سونے کے یہاں ہیں — کسوٹی کے کلس اُن پر عیاں ہیں

غلط فہمی تھی کہنا یہ بڑی بات — عبث ضائع ہوئے ناحق کو اوقات

یہ کہنا تھا کہ دو سونے کے ٹھکّے — لگائے آنکھ جن پر تھے اُچکّے

نہ جی الماس اور نیلم کے گنے — بہم چھوٹے بڑے تھے یا اکنے

زلس تھا صاف سینہ پیٹ بھی صاف — بدن آئینہ ساں بُراق شفاف

شکم پر رونگٹوں کا ذکر کیا تھا — فقط وہ عکس خوبی کا پڑا تھا

ستارہ سی دمکتی تھی بڑی ناف — بھلا کوئی کرے کیا اس کا اوصاف

وہی تو حُسن کے چشمہ کی تھی سوت — نہ تھی وہ ناف، تھی اک جاگتی جوت

یہی کہتی تھی اُس کو دخترِ رز — کہ ہے یہ تو بعینہ ہائے ہوّز

کروں کچھ اور اعضا کا تو کیا ذکر — کہ ناحق کے اب اتنی ہے کہاں فکر

کہے دو شعر لیکن فارسی ہیں — کہ سچ مچ حسن کی وہ آرسی ہیں

زہے مضموں کی عالی دماغی — چڑھا دیں بلبلیں جن کو چراغی

مپرس از بند شلوار از دگر ہیچ — حکایتہا ست اینجا ہیچ در ہیچ

بنافِ آں گرہ کن چشم خود باز — کہ زیرِ مُہر دارد بدرۂ ناز

اُسی میں آ گئے مضمون سارے — لگے ہر سمت سے ہونے اشارے †

چڑھا اس جوش پر دریائے مہتاب — کہ کوسوں تک بھرا سیلاب سیماب

دلکنے ‡ یوں لگے سب بُرج پکّے — کہ سچ مچ جیسے ہوں چاندی کے ٹھکّے

ہوا واں تن بدن سے مل کے پارا — چمکتے تھے پڑے جیسے کہ تارا

زمیں اُس وقت لگتی یہ بھلی تھی — کہ گویا ایک چاندی کی ڈلی تھی

درختوں کو اُس انداز و ادا نے — دیے تھے بادلے کے شامیانے

غرض وہ شوخ میری پا کے آہٹ — لگی دکھلانے اپنی چلبلاہٹ

خجالت سے پسینے میں ہوئی غرق — چمک کر یوں گئی آنکھوں سے جوں برق

---

† اس کے بعد ۹ شعر حذف کر دیے گئے ‡ دلکنا = چمکنا دمکنا =

لگی کہنے ہوئی ہے عقل کچھ گم
زنانے میں گھس آئے کون سے تم +

کہا اب خیر سے گھر کو سدھارو
کسی کا مفت میں تم جی نہ مارو

ڈھٹائی پر تمھاری جی ہوا غش
لگائی تم نے میرے جی میں آتش

نہ باندھے کوئی کچھ طوفان شیطاں
چلو اب جاؤ بھی اللہ نگہباں

وہاں مجھ کو زبردستی گئی سوجھ
مزے میں آکے بدمستی گئی سوجھ

لگاوٹ سے ہوئی جب دل کو تسکین
تو میں نے پشت خار[1] اُن سے لیا چھین

اُنھوں نے بھی لپٹ کر ایک باری
رضائی شال کی میری اُتاری

بدلے میں پشت خار آیا اِدھر کو
رضائی لے گئیں وہ اپنے گھر کو

رکاوٹ آگئی پھر کچھ جو ناحق
ہوئے دونوں کے سینے رنگِ گل شق

ہوا مدت میں جو پھر وصل دلدار
تو شدت سے کیا اُن نے مجھے پیار

یہ اپنا زور فتنہ پن جتایا
کہ مجھ کو عطر فتنے کا لگایا

نہ ہونے پائی تھی تسکین دل کو
کہ کوئی لے گیا بس چھین دل کو

کچھ ایسی بات جھٹ درپیش آئی
کچھ آپس میں ہوئی وہیں جدائی

حقیقت کی نہ پوچھو بعد چندے
ملا اُن نے دیا تھے جس کے بندے

ہوا پر جو میسر وصل دلخواہ
ملاقاتیں ہوا کیں تا بہ یک ماہ

تصدق تیری قدرت کے خدایا
کہ دو بچھڑے ہوؤں کو پھر ملایا

یہ آیا سوچ اک دن بیٹھے بیٹھے
کسی کے دل میں جیسے چور پیٹھے

کہ ہر یاں جو میسر عیش و آرام
سو ہرگز پیر گردوں کا نہیں کام

تعجب ہے نہیں درپے جو ہوتا
یہ دشمن ہے پڑا کس نیند سوتا

زمانے نے کیا اس بات کا رشک
بھر آیا چشم میں خورشید کے اشک

بیاں قسمت کی خوبی کیا کروں آہ
بہت بغلیں[2] بجاتا تھا کہ ناگاہ

---

[1] پشت خار = ایک پنجہ جس سے پیٹھ کھجاتے ہیں۔ + اس کے بعد دو شعر حذف کر دیے گئے۔

[2] بغلیں بجانا = خوش ہونا۔

طرب نے مجھ سے اپنے مُنہ کو موڑا
فلک نے تفرقے کا سنگ چھوڑا

خوشی کب دیکھ سکتا ہے یہ کم بخت
کہوں کیا حال دل سنگ آمد و سخت

وہ شکل آنکھوں میں اپنی چھا رہی ہے
طبیعت سخت ہی گھبرا رہی ہے

لبوں پر آہ ہے اور جی میں ہے درد
بھرا کرتا ہوں جب تب میں دم سرد

مجھے کچھ کھانے پانی کا نہیں ہوش
تصوّر سے اُنھیں کے ہوں ہم آغوش

لگی ہے آگ سی اک دل میں میرے
سمائی وحشت آب و گل میں میرے

یہ گھر سنسان اب اُن بن لگے ہے
کسی کو جس طرح سے جن لگے ہے

الٰہی صحبتیں پھر ہوں وہ باہم
نہ چھوٹیں عاشق و معشوق ایک دم

بہت سا یہ ترا بندہ کراہا
کرم کر پھر ملا دے، بارِ الٰہا

وہ جو دشمن ہیں سو ناپید ہوویں
پڑے سر پیٹیں اپنا اور روویں

اُسی ڈھب کی ملاقاتیں رہیں پھر
وہی راتیں وہی باتیں رہیں پھر

---

(۷) فیل

صدقے آنکھوں کے تیری ساقی
ہے مجھ کو ہوس ابھی تو باقی

ایسی ہی شراب دے دھواں دھار
بڑھ جائے یہ جس سے سُکر کا تار

اطراف جلش میں جو بنی ہو
انگور سیاہ کی جنی ہو

تیزی میں سیاہ مرچ سی ہو
جھونک اُس کی نکیلی کرچ سی ہو

وہ جس کے بڑے بڑے ہوں جوہر
صدقے جن پر ہوں لعل و گوہر

لا بادہ بوضع حورِ طنّاز
جس سے کہ چمن چمن اُگیں ناز

دارو ایسی کہ ہو اولی العزم
جس سے چمک اُٹھے صورتِ بزم

تو میرے حوالے دخترِ رز کر
پھر قول کی مجھ سے پخت و پز کر

دے مجھ کو وہ جام صورتِ بدر — ہو رات یہ جس سے لیلۃ القدر
سمجھے جسے نشۂ سر افراز — لیلائے سیاہ خیمۂ ناز
ہو جس میں لپیٹ اژدہا کی — صورت دیوار قہقہا کی
جس سے کٹ جائے زاہد خشک — جس میں کہ گھلا ہو نافۂ مشک
جس سے سب وال فے ہو وحشت — عنبر کی بھری ہو جس مین نکہت
ہو جس سے کہ دُور یاوہ و پوچ — کر جائے سوادِ دل سے غم کوچ
ہو جس سے کہ دل کو اور ہی لوچ — اُڑ جاویں دفعتہً یہ سب سوچ
خاطر مستوں کی جس سے ہو جمع — روشن وہ کرے مراد کی شمع
ظاہر جس سے ہو حُسن کی سوت — جس سوت سے نکلے جاگتی جوت
جس سے چھٹ چاندنی کرے کھیت — چمکے تاروں کی وضع سے ریت
جس میں ہوں معجزات عیسیٰ — غش جس سے ہو راہبِ کلیسا
یہ چار طرف گھٹا جو چھائی — ہر زلف صنم کی یاد آئی
بادل آئے ہیں عیش کے جھوم — اس وقت نہ رکھ تو مجھ کو محروم
ایسا کر دے مجھے سیہ مست — تا برق کی طرح دل کرے جست
کر ایسی ہی مے میں یاس کو غرق — جس سے بھڑک اُٹھے شعلۂ برق
جس سے کہ سرور یاد آوے — انشا اللہ مراد پاوے
ہووے نہ تو اور دے مجھے کچھ — جس میں یہ پیاس تو بجھے کچھ
سرک مت مجھ سے ارے تو رہ وا — گر ہووے نہ مے تو چھیڑ تھوا
تا میں کہوں ایک تازہ قصہ — ہر یہ تو فقط ترا ہی حصہ
قصہ نہیں ایک باغ ہر یہ — مسرور کن دماغ ہر یہ
مطلق نہیں اس میں کذب کا دخل — ہر صدق سے پر ثمر ہر اک نخل
اے صاحبِ فہم و عقل صائب — سُن مجھ سے لطیفۂ عجائب
میں تیرے حضور وہ کروں نقل — جس پر کرے وجد دانش و عقل

تھے سترہ سو بیانوے سال — وہاں عیسوی اے بجاہ و اقبال
انگریزی مہینا تھا دسمبر — جن میں ہوئی بات یہ مقرر
بیری کے ضلع میں گرفتار — ایک فیل ہوا بڑا نمودار
گویا خرطوم اژدھا تھی — صورت دیوار تھمبا تھی
تھا کوہِ شکوہ و خوب صورت — بے شبہہ و شک گنیش مورت
ہاتھی کا نام تھا بہادر — صدقے اس پر سے بے بہادر
چنچل پیاری تھی مادہ فیل ایک — جس پر ہو جائیں غش بد و نیک
باہم رغبت کو جو ٹٹولا — تو آ کے مہاوت ایک بولا
چاہت نے مچائی ہے یہاں دھوم — ہوتا ہے مزاج سے یہ معلوم
بے گفتۂ شیخ شہر و مفتی — کھیلیں گے یہ آج کل میں جفتی
دو دل باہم جو ہوویں راضی — پھر کیا کریں اُن میں آ کے قاضی+
باہم ہوتی ہے بوسہ بازی — کیوں دل کی کلی نہ ہووے تازی
صحبت آپس میں ہے بہت گرم — باقی نہ حجاب ہے نہ کچھ شرم
ہتھنی کا ایک پانو اگلا — تھا باندھ مہاوتوں نے رکھا
چھوٹا پھرتا تھا یوں ہی ہاتھی — مستی رہتی تھی اُس کی ساتھی
گو تھا یلہ کچھ بندھا نہیں تھا — جاتا وہ کہاں کہ دل وہیں تھا؟
ٹپکا پڑتا تھا اس طرح سے — ساون کی گھٹا ہو جس طرح سے
باس اس کی مدام سونگھتا تھا — مارے مستی کے اونگھتا تھا
خرطوم سے لے کے گل کی شبنم — ملتا تھا منہ سے اپنے ہر دم
ازبسکہ وہ فیل صدمہ کش تھا — چنچل پیاری کی بو پہ غش تھا
جو لوگ تھے گرد پیش کے کل — دانستہ وہ کر رہے تغافل
پھر سترہ سو ترانوے تھے — بست و ہشتم وہ جون کی تھے
تاریخ کہ بڑھ گیا بہادر — بے خوف و تردد و تفکر

+ اس کے بعد کا شعر حذف کیا گیا ہے ++ یلہ = آزاد =

خواہش کا وغدغہ جو بیٹھا | چنچل پیاری پہ آن بیٹھا
حملے ہوئے چند بار ایسے | ٹکراتے ہوں دو پہاڑ جیسے
ہر چند نہ پھولی گل کی کیاری | دریا کی طرح عرق تھا جاری†
پھر وقت صباح اُس کے بن بعد | گرجا وہ فیل جس طرح رعد
بھر آیا گلوں کے منہ میں پانی | پھر بات ہوئی وہ بار ثانی
لکھتے ہیں جان کارِشن ایسا | اِنشا نے کیا یہ نظم جیسا
لی اُن کی خوشی نے جب کہ کروٹ | آیا میں فیل خانے میں جھٹ
کیا دخل زیادہ جو کہوں میں | شاید لیفٹننٹ کر گروں میں
دو گھنٹے بجے تھے دو پہر پر | پھر بات ہوئی یہ جب مکرّر
چھوڑا ہاتھی کو اپنے آگے | ہتنی کے نصیب سوتے جاگے
دونوں میں رہا مساس تا دیر | کہتے ہیں لوگ جس کو ہت پھیر
ہاتھی بھی سونڈ ڈالتا تھا | ہتنی کی وہ شے سنبھالتا تھا
ملتا تھا وہ فیل واہ وا جی | خرطوم سے جائے شرم اُس کی
ہتنی بھی بسانِ کسبی اُس دم | تھی مارے مزے کے شاد و خرّم
خرطوم سے عضو تولتی تھی | کیا جانیے کیا ٹٹولتی تھی
بھاری تھا خوب بیٹھے گدا | کہتی تھی لگے پر وہ اکڈا
کیا میں کہوں اور اُس کی حالت | ہر طرح اُٹھاتی تھی ملالت
ہتنی پہ سوار یوں ہوا فیل | جس طرح کسی کو کوئی دے کیل
گردن میں ڈال اپنی خرطوم | ہاتھی نے مچائی اس گھڑی دھوم
اگلے پاؤں کو پیٹ پر دھر | پھیل اپنا کھلا دیا سراسر
ہتنی نے دونو پاؤں اگلے | چھدرا رکھے تھے واں مزے سے
ہاتھی ہتنی سے ہو گیا جفت | دیکھی یہ سیر خلق نے مفت
اس وضع کو دیکھ سب رہے تھے | شانے ہتنی کے دب رہے تھے

† اس کے بعد کا شعر حذف کیا گیا

نقشہ اس کا جو فارسی ہے
گویا شفاف آرسی ہے

اس کام کا پڑ گیا جو سایا
سب جانوروں نے غل مچایا

تھے جتنے کہ ارنے اور گینڈے
اکھڑ پڑے اپنے اپنے اینڈے

اُٹھی دل سے پہاڑ کے ہوک
صحرا صحرا میں پڑ گئی کوک

جنگل میں مچ گیا جو منگل
واں گونج گیا تمام جنگل

کہتی کوئل بُرا بھلا تھی
تھرّاتی مزے میں کوکلا[1] تھی

تھا طعنہ زن اس صدا سے تیتر
ہے یہ بھی نگوڑی کتنی ایتر

دیکھی یہ غرض کہ جس گھڑی سیر
بولا بولی میں اپنی ہر طیر

اُچھلا سیمرغ بھی ہوا پر
بالیدگی آگئی ہما پر

ناچے یہاں ریچھ اور اُدھر مور
کیا خوب یہ سیر کچھ ہوئی زور

نل جیسے کہ ہووے نل کے اندر
نکلے یوں فوج فوج بندر

باہم سمٹ آئے لاکھوں لنگور
جیسے تھتّی میں کالے انگور

لپٹے جو بہم تو پھر نہ چھوٹے
بارہ سنگوں کے سینگ ٹوٹے

کرنے لگے کبک سارے قہ قہ
چہ چہ ہوئی اور خوب پہ پہ

شیروں نے بھی خوب ڈنڈ پیلے
ہونے لگے یک دگر میں ریلے

پی آب حیات عیش کے گھونٹ
یک بارگی ناچنے لگے اونٹ

بے ساختہ مچ گیا جو ہلڑ
چلّا اُٹھے تمام گیدڑ

ناندے ہو اُچھل اُچھل کے ارنے
سانسیں لگے اُلٹی اُلٹی بھرنے

ناچے سب ریچھ خوب سنگیت
گانے لگی لومڑی ہر اک گیت

قمری کہ سرو کی خوشامد
بولی کہ چہ خوش چرا نباشد

بس خرد و بزرگ ہوگئے مست
اس بات سے گرگ ہوگئے مست

---

[1] کوکلا = ایک قسم کا پرندہ مثل فاختہ یا کوئل کے

آئی یہ تھبھے کی آندھی — چھت جانوروں نے آکے باندھی
کیڑے جتنے تھے کلبلا سے ئے — چوہے بھی بلوں سے باہر آئے
آپس میں گتھ گئے بھو سے لے — بادل نے ہاتھی اپنے بھوٹے+
راجہ اندر کا وہ اکھاڑا — پریوں نے کود چاند اُجاڑا
غولوں کے چڑھی نہ ہاتھ جوگوں — جنگل میں لگا دی آن کر دوں
خوش ہوگئی روح رستم و گیو — بولے جنّات بم مہا دیو
پریوں نے پہن پہن کے زیور — آپس میں بہت لڑائے تیور
تھے یار جو اپنی اپنی گوں کے — چیتے پاڑھے ہرن سو چونکے
رگڑیں بہتوں نے ایڑیاں وال — ٹوٹیں لاکھوں کی بیڑیاں وال
ایسا ہی ہوا مزے کا رولا — جس سے گئی عقل سب کی بَولا
دریا کے منہ پہ آگیا کف — باندھی مرغابیوں نے اک صف
اس وضع سے سب نہنگ نکلے — جیسے کوئی پی کے بنگ نکلے
تاڑوں نے یہ بات جو ہیں تاڑی — اُن ہیں سے لگی ٹپکنے تاڑی
اس کام کے دھیان میں اُڑیں سب — تھیں جتنی کھجوریں چو پڑیں سب
تھے سوکھے درخت کے جہاں ٹھنڈ — بیٹھے چڑیوں کے جھنڈ کے جھنڈ
لپٹنٹ ہوئی جو سخت گاڑھی — بڑ نے بھی کھسوٹی اپنی ڈاڑھی
یوں دیکھ کے اُن کو چست و چالاک — سب رہ گئے اینڈ اینڈ کرتاک
دریا کے جو گرد کی تھی ریتی — سب بن گئی زعفراں کی کھیتی
ڈالیں پیپل کی جھک رہیں کل — پھوٹیں اُن میں سے شاخ سنبل++
جنگل کو یہ کام جو خوش آیا — جھاڑوں پر عشق پیچہ چھایا
لی باد بہار نے پھریری — سانس ایک بھری صبا نے گہری
مارا بلبل نے آکے جو پر — ایک اوس سی پڑ گئی گلوں پر
جب تھم نہ سکی ہنسی وہ مطلق — سینے ہوئے ہر انار کے شق

+ م: "ہوسلے" ++ اس کے بعد تین شعر حذف کئے گئے

نیلا سوسن کا ہو گیا رنگ | تبدیل چمن کا ہو گیا رنگ
آنکھیں نرگس نے موند لیں جھٹ | چہرے پہ کیا صبا نے گھونگٹ
انواع طیور میں ہوا غل | لپٹی ہر شاخ گل سے بلبل
دُم اپنی نچا نچا کے گلدم | یکبارگی آپ میں ہوا گم
گل شبو نے بھرا دم سرد | صد برگ کا چہرہ ہو گیا زرد
جو سرو پہ بیٹھی فاختہ تھی | سو وہ بھی حواس باختہ تھی
کر آب نشاط سے گلو تر | غٹ غوں کرنے لگے کبوتر
ماری بلبل نے جو ہیں ایک چو چخ | دامن میں گل کے لگ گئی کھو چخ
باقی نہ رہا کسی کو کچھ ضبط | یکبارگی سب کو ہو گیا خبط
رقصاں طاؤس خوش نما تھا | ایسا ہی قصۂ ہما تھا
سب کے ہوئی دل کو ایک واشد | چونڈی کو پھلا کے بیٹھا ہدہد
سیمرغ و عقاب اور ققنس | غش ہوتے تھے لیک بالتشخص
اس ڈول کی چال خوش جو آئی | چڑھ آئی گجائی پر گجائی
نکلی مینڈک کی فوج کی فوج | اوپر نیچے یہ دیکھیے اوج
لذت اُس بات کی جو چکھی | بیٹھی مکھی پہ چڑھ کے مکھی
کہنے لگے یوں وطن کے بھائی | دیکھا ہی شئے کو بے حیائی
موند آنکھ کلی کھلی جو دل کی | آپس میں لگے یہ کہنے نکی
چالیس اسگھن کے پھر پچھا ڈسں | کودن سطھے یہ کاج پارسن
بنیوں نے بھی باٹ اپنے تولے | اے کہ مکہ رام جانے بولے
سب مرہٹے بھی ہلا کے بھالا | بوے وادارے اکڑے آلا
دیکھیو تو حلیم ملا اہ کال | اپنا درک اب ہوا ہی حیراں
ہر جا او شو مذاق اس یولدی | ہر ترک اوری قو شولغہ کولدی
دُم حبب ہتنی کی خوب سوجی | سب سکھ بول اٹھے واگرو جی

جاری ہوئی ایک نشاط کی نہر
لہرا اُٹھی سرور کی لہر

چالاکی جفت گشتن اسپ
گو اُن میں نہ تھی ولیک دلچسپ

مدت آتنی ہی اور درخواست
تھی ویسی ہی صاف بے کم و کاست

کانپا ہر شخص کا کلیجا
اُن سے حرکت ہوئی یہ بیجا

عالم نے انھوں کو آ کے گھیرا
مستک پر میں نے ہاتھ پھیرا

ایک اُن پہ خوشی برس رہی تھی
باقی پھر بھی ہوس رہی تھی

سونڈیں آپس میں لڑتیاں تھیں
برچھی سی نگاہیں پڑتیاں تھیں

پھر شام کے وقت دھرم ساگر
لائے اُنھیں فیل بان جا کر

رغبت دونوں کو پھر ہوئی واں
سب ہو گئے اہل دید حیراں

پر میں نے نہ دی انھیں اجازت
تا پھر بھڑ جائیں کر کے رغبت

یہ میں نے سنا کہ ایک بار اور
پہلے بھی ہو چکا تھا وہ طور

یہ بات مہاوتوں نے اُس دن
مجھ سے نہ کہی قبولی اُس دن

جس دن یہ ہوا تمام مطلب
ہاں ہاں لگے کرنے آن کر سب

اس بات کو دل میں تو کرو غور
مانع ہوتا نہ میں سو کس طور

مدت گھنٹوں کی کل تھی چوبیس
جس میں کہ چڑھا تھا اُن پہ ابلیس

تھے کر چکے چار بار وہ کام
تو بھی لیتے نہ تھے کچھ آرام

تھا اُن کا قصد بار پنجم
آنکھیں چمکیں بسانِ انجم

ڈرتا تھا مبادا کچھ خلل ہو
تب تو میں نے کہا کہ روکو

بس اے مئے عاشقی کے ساغر
ہو جائیں گے یہ نحیف و لاغر

دو روز کے بعد وہ بہادر
مستی کے مارے پھر ہوا اُڑ

آیا اُس پر کہ ڈالے پھر ڈول
چنچل کے دل میں ایک ہوا ہول

لاتا تھا جب کہ سونڈ ہاتھی
وہ مارتی اس کو پشت پا تھی

چنچل سے تو دوستی ہوئی کٹ
ایک اور تھی مادہ فیل اُس جھٹ

ہر وقت بہادر اُس کے تھا گرد ۔۔۔ شیطان کا تھا وہ ایک شاگرد
چہلیں کیا کہیے جو وہاں تھیں ۔۔۔ آپس میں بوسہ بازیاں تھیں
آمیزش گو وہ چاہتا تھا ۔۔۔ دل ہی دل میں کراہتا تھا
ایک روز بحسب اتفاقات ۔۔۔ تیّار ہوا پئے ملاقات
اُٹھی دل میں جو اُس کے جوشش ۔۔۔ ہتنی پہ سوار ہو کے کوشش
کرنے تو لگا ولیک اندر ۔۔۔ کچھ راہ نہ پائی اس سے باہر
کھولا اس نے دہانۂ مشک ۔۔۔ آنکھوں سے ٹپک پڑے ہیں اشک
شرم اس کو نہ کچھ نہ کچھ حیا تھی ۔۔۔ تھا وضع غریب کا وہ ہاتھی
رہتا ہر وقت مستعد تھا ۔۔۔ اُس بات پہ وہ بہت بجد تھا
چنچل پیاری بغیر وہ دن ۔۔۔ اُس کو نہ ہوا نصیب لیکن
دیکھی نہ کسو نے ہوگی اب تک ۔۔۔ جفتی ان ہاتھیوں کی بیشک
انگریز جان کارش راقم ۔۔۔ قصّہ ئے ہوئے وے مترجم
ہیں فارسی میں کلارک صاحب ۔۔۔ وہ خاص حضور کے مصاحب
انشا سے یہ ترجمہ بعینہ ۔۔۔ موزون ہوا ہر اے کہ دمہ
حسب الحکم جناب عالی ۔۔۔ منظوم ہوئے ہیں یہ لآلی
وہ ناظم ملکِ ہفت کشور ۔۔۔ منصور و شجاع و عدل گستر
کاؤس حشم وزیرِ اعظم ۔۔۔ جمشید شیم سہ مکرّم
کسرا شوکت حضور پر نور ۔۔۔ باعزم و شکوہ و شانِ فغفور
دی جس کو علی نے ہر سعادت ۔۔۔ یارب رہے اُس کو یہ امارت
جب تک کہ رہے یہ فیل گردوں ۔۔۔ نقارہ بجے اُسی کا دوں دوں

سُن لے تو اس کو بار اِلٰہا
اِنشا اللہ نے جو چاہا

متفرقات

مخمسات

(۱)

آپ خدا نے جب کہا صلِّ علےٰ محمدؐ — کیوں نہ کہیں پھر انبیا صلِّ علےٰ محمدؐ
عرش سے آتی ہے صدا صلِّ علےٰ محمدؐ — نورِ جمالِ مصطفےٰ صلِّ علےٰ محمدؐ
صلِّ علےٰ نبینا، صلِّ علےٰ محمدؐ

عرش کی کچھ نہیں فقط قائمۂ جلیل پر — لوحِ جبینِ مہر پر چشمۂ سلسبیل پر
ثبت یہی نقوش ہیں عدن کی ہر فصیل پر — ہر خطِ نسخ سے لکھا شہپرِ جبرئیل پر
صلِّ علےٰ نبینا، صلِّ علےٰ محمدؐ

لمعۂ ذاتِ کبریا باعثِ خلق جزو و کُل — فخرِ جمیعِ مرسلیں رہبر و ہادیٔ سُبُل
نور سے جس کے ہوگئی آتشِ کفر بجھ کے گُل — بعد نماز تھا یہی وِردِ وظیفۂ رُسل
صلِّ علےٰ نبینا، صلِّ علےٰ محمدؐ

میری زباں کہاں کہ ہو وصفِ دوازدہ امام — آلِ نبی و ہاشمی ہیں وہ ائمۂ انام
یاد کر اُن کو صبح و شام کہیے علیہم السلام — نورِ جمالِ ذاتِ حق اُن میں سما رہا تمام
صلِّ علےٰ نبینا، صلِّ علےٰ محمدؐ

بھیجتے ہیں سدا درود وحش و طیور انس و جن — حور و بہشتِ جاوداں کس کو ملے ہیں اُس کے بن
واہ عجیب چیز ہے قلب ہو جس سے مطمئن — انشا اگر نجات تو چاہے تو پڑھ یہ رات دن
صلِّ علےٰ نبینا، صلِّ علےٰ محمدؐ

۲

چھائی یہ گھٹا زور ہے اے ساقیِ بدمست | ٹک دستِ سبو سے تو لگانے دے مجھے دست
بجلی کی تڑپ دیکھ نہ کر فکر کو اب پست | امشب بچمن نکہتِ گل مستِ شراب است
من مستم و بردخترِ رز عینِ شباب است

جائز نہ رکھ اتنا بھی ستم آہ! تو ہم پر | سبزے کی تراوٹ کی طرف کچھ تو نظر کر
افسردہ نہ کر دل کو زرا دیکھ تو ادھر | از نسترن و نرگس و نسرین و صنوبر
در صحنِ گلستاں عوضِ آب گلاب است

اے جانِ بہار آہ! تو پھر روٹھیو اب من | آ سیر کریں بھر لیں گل و غنچہ سے دامن
دستار پہ دھر لیویں زرا طرۂ سوسن | ہر نخل ترو تازگی آورد بہ گلشن
ہر سبزہ نگر کش بچمن تا کمر آب است

خواہش یہی اپنی ہے اگر پوچھے تو در اصل | میرے ترے اس وقت میں اک دم بھی نہو فصل
ایام گئے ہجر کے صد شکر، ہوا وصل | زنجیر اگر توبہ شود بگسلد ایں فصل
ایما ہمہ از چشمکِ برق است و سحاب است

ہم سے تجھے باہم جو ہے سر رشتۂ یاری | خاطر شکنی کر تو نہ اس وقت ہماری
فوارے پڑے چھٹتے ہیں اور نہر ہے جاری | بے مے نتواں زیست دریں بادِ بہاری
الحال صبوحی زدن از بہرِ ثواب است

نے نغمے سے کچھ کام، نہ ہے زمزمہ درکار | حاجت نہیں مطرب کی یہاں سن لے مرے یار
جو لطف کہ اس میں ہے سو آہنگ سے دشوار | از جنبشِ برگِ گل و اشجارِ پُر اثمار
صوتِ عجبے بے دف و بے چنگ و رباب است

کرتی تھی نسیمِ سحر آرائشِ بستاں | لے آئی شگوفے کی جھکور ایک کہ حیراں
دل اس سے ہوا آئنہ دارِ چمنستاں | از بوئے گل و یاسمن و سنبل و ریحاں
ہرگز نہ بدل طاقت و نے صبر نہ تاب است

و کچھ بات نہیں آتی ہے اب مجھ سے بنِ انشا — جو شخص کہ ہو محو کرے کیا سخن، انشا
خمخانۂ وحدت میں ہے میرا وطن، انشا — مدہوش شدم بر روشِ ایں چمن، انشا
از آب نبو داست، فقط از مے ناب است

(۳)

مخمس ترجیع بند در مدح شاہزادہ مرزا سلیمان شکوہ

بلطفِ صفدرِ ضرغامِ دیں جنابِ امیر — چمک کھڑی ہو سلیماں شکوہ کی شمشیر
یہی کہے ہے "دعا مانگ" ہر صغیر و کبیر — خدا کرے یہ مبارک ہو ایسی عیدِ غدیر
کہ نذرِ جشنِ جلوس اب کے سال دیوے وزیر

عجب طرح کا زمانے کو ہووے عز و شرف — کہ شاہ جس میں سلیماں، وزیر ہو آصف
صدا بلند ہے اب تو یہی ہر ایک طرف — خدا کرے یہ مبارک ہو ایسی عیدِ غدیر
کہ نذرِ جشنِ جلوس اب کے سال دیوے وزیر

شتاب زیب دہِ تخت و تاج و ملک و حشم — شہا جہان میں کر دیں تجھے اِمامِ اُمم
غرض امیرِ عرب بخش دیں تمام عجم — خدا کرے یہ مبارک ہو ایسی عیدِ غدیر
کہ نذرِ جشنِ جلوس اب کے سال دیوے وزیر

نہ رہنے پائے زمیں پر جو غیر اُڈلک ہو — عدو جو ہووے ترا سو عدم کو سالک ہو
یہ خانہ زاد ترا بخشیُ الممالک ہو — خدا کرے یہ مبارک ہو ایسی عیدِ غدیر
کہ نذرِ جشنِ جلوس اب کے سال دیوے وزیر

رہے ترے ہی اقالیم سبعہ زیرِ نگیں — ہر ایک ہفت ہزاری ہوں ہوں جو تیرے قریں
یہ سن مخمسِ اِنشا سبھی کہو "آمیں" — خدا کرے یہ مبارک ہو ایسی عید غدیر
کہ نذرِ جشنِ جلوس اب کے سال دیوے وزیر

---

(۴)

میں اپنا دلِ مضمحل بیچتا ہوں حیا کس لیے ہو خجل، بیچتا ہوں
نہیں بیچنے میں خجل، بیچتا ہوں یہ سودا تو دیکھو کہ دل بیچتا ہوں
لے شیشے کو زیرِ بغل بیچتا ہوں

نہیں اس میں کچھ ریب، تکرار تا کہ ۔ روِیّہ یہی ہے، صفا ہاں ہو یا رہے
کہ اُن میں سے یعنی بکاؤ ہو جو شے جو ہو مال کھوٹا وہ گھر میں رہے ہے
میں بازار میں اس کو چل بیچتا ہوں

گرے مول پر کیا کوئی جی چلا اب کہ ہاتھوں سے اس کے بہت میں جلا اب
رہوں جی ہی جی میں نہ کیوں تلملا اب لگا کہنے قیمت تو کہیے بھلا اب
کہ اِتنے پر اِس کو اصل بیچتا ہوں

نہ کر مول اِس کا، تو چپکا ہی بس رہ کہ اِس کی نہیں قدر سے کچھ تو آگہہ
جو کچھ بیچے تجھ سے وہ ہے مردِ ابلہ خریدا ہے اِس ڈھب سے دل بھی کہیں، کہہ
یہ سمجھے ہو آنب اور کٹھل بیچتا ہوں

نگہ ہی کا سودا ہے۔ بگڑو مت، جی یہاں جی کا سودا ہے بگڑو مت، جی
سپاہی کا سودا ہے۔ بگڑو مت، جی یہ راضی کا سودا ہے بگڑو مت، جی
میں کیا یہ بجنگ و جدل بیچتا ہوں؟

کہاں کی لگائی "کہو جی کہو جی" چہ خوش، خوب ظلطے کی کیا خوب، لو جی!
بہت آپ ہیں جی چلے، تو کہو جی بڑی ہے گی جلدی خریدار کو، جی
زرا رہ تو جاؤ، نچل بیچتا ہوں

عبث ہوش بک بک سے کیوں کیجیے گُم پسندیدہ وہ بات ہے نزدِ مردم
کہ جس کے سننے سے نہ کچھ ہو تلاطم اگر مول پوچھو ہو یہاں واجبی تم
تو دل کو میں دل کے بدل بیچتا ہوں

اسے ہاتھ سے اپنے کھویا کھو تم — یہی ہی خریدار ہو، یا نہ ہو تم
محبت کے بیچ آگے بو، یا نہ بو تم — یہی مول دل کا ہی۔ لو، یا نہ لو تم
مَیں اس کو میاں آج کل بیچتا ہوں

جو باغِ بلاغت کی دیکھی بہار اب — لٹا کر گُلِ آفریں صد ہزار اب
لگا دی بس انشا نے بھی یہ پکار اب — سخن کا خریدار ہو جو نثار اب
میں اُس پاس اپنی غزل بیچتا ہوں

(۵)

مخمس غزل میر سجاد ایہام گو

وہ جو معمار[ل] کا اکڑ کے تنا — مَیں نے پتھر بھی ڈھوئے پر نہ منا
تب تو پڑھنا یہ میرے دل میں ٹھنا — راج اٹھاوے ہی جس بنا کو بنا
منہدم آخرش کرے ہی فنا

جیسا مَیں ویسا کوئی عاشق نئیں — ہی کہیں عشق بھی تو صادق نئیں
پاڑھا چیتا، ہرن بھی فائق نئیں — دل کی وحشت کے کوئی لائق نئیں
جنگل اور بن کیا ہی سیر گھنا

مرتعش یہ نحیف خاک جیے — ہل ہلاتا نہ کیونکہ زہر پیے
کب تلک زخمِ دل کو اپنے سیے — دیکھے اُس کے تئیں بناو کیے
کبھی ایسا نہیں بناو بنا

جیب و دامن جوہر دریدۂ صبح — رات کی ہی یہ نور دیدۂ صبح
صاف شفّاف ہی دمیدۂ صبح — ہی بہت لطف سے رسیدۂ صبح
کس تجلّی کا ہی یہ نور چھنا

ل معمار کا یعنی معمار کا لڑکا۔

انگلیاں چوسنے کو ایک دم کے — پرورش یافتہ ہے عالم کے
طفل ساں ہٹ کرے ہے تھم تھم کے — پالنے میں پلا نہ ہو غم کے
زادۂ دہر نے نہ ایک جنا

مت سمجھیو سحاب ہے یہ دود — نہیں تارے، یہ بالو ہے موجود
جیسے بھڑ بھونجا فکر بیٹھے کود — بھاڑ سا یہ جھکے ہے چرخ کبود
خود بخود ہے بھنا بخود یہ چنا

عشق کی جن نے کی ہو منزل طے — جوں کنھیّا بجائے برج میں نے
نور سے اُس کے جلوہ گر ہر شے — اَناالحق کے کون لائق ہے
میں ہوں میں، وہ وہ، اور کون اَنا

کس پہ غصّہ ہو کیجیے فریاد — کس کو جا، دیجیے مبارک باد
سیّد انشا یہ کہہ گئے اُستاد — مدح و ذم کس کی کیجیے سجّاد
کرلے اپنے نبیؐ، علیؑ کی ثنا

(۶)

مخمس قصیدہ مولوی حیدر علی

جناب مولوی حیدر علی بلند مقام — کہ زمرۂ علما لیتے ہیں انھیں کا نام
کلام اُن کا یہ ہے مدّظلّہ العلّام — رسول حق کا محمدؐ نبی خیرِ انام
ہے فخر کون و مکاں تجھ اُپر درود و سلام

محن وہ ذاتِ مقدّس پہ اپنی سہتے ہیں — سخن سے آپ کے دریائے فیض بہتے ہیں
سندیلے میں یہی پڑھتے مدام رہتے ہیں — خدا ملائکہ صلوات تجھ پہ کہتے ہیں
صباح و شام و مدام اور لیالی و ایام

چمن میں کہتی پھرے ہے گلوں سے موجِ نسیم — درود ورد جو کیجے تو ہے ثواب عظیم

بہار کہتی ہے یہ شعر واجب التعظیم ہے امر تم کو بھی صلّوا و سلّموا تسلیم
ہے امتثال امر واجب اے ذوی الافہام

اگرچہ اشک میں جوں سیل موج بہتا ہوں مقدر اپنی جو قسمت میں ہے سو سہتا ہوں
زباں کو ہے حرکت لب خموش رہتا ہوں بموجب امر خدا میں صلوٰۃ کہتا ہوں
کہاں صلوٰۃ ہے میری کہاں وہ عالی مقام

کسی سے کوئی جو جبّار کے صفات کہے وہ چاہیے کہ پھر اس دن کو کالی رات کہے
گناہ گار کے کیا باعث نجات کہے مگر حدیث میں آیا جو کوئی صلات کہے
صلوٰۃ اُس کی ہے مقبول مفضل منعام

ظہور جلوۂ عالم میں ہے یہ سب اُس کا فرشتے کرتے ہیں مذکور جب نہ تب اُس کا
طیور سدرہ بھی رکھتے ہیں ذکر اب اُس کا جو میں نے عقل سے پوچھا کہ کیا سبب اُس کا
کہا کہ ملہم حق نے یہ مجھ کیا الہام

پڑھو درود ابھی پھر تو خیر ہل چل ہے میسر آج جو ہے بات سو کہاں کل ہے
درود آئینۂ دل کو مثل صیقل ہے کہ وہ ہی مبدء اوّل سے نور اوّل ہے
اُسی کے نور سے عالم کو ہے وجود انجام

پیے گی اُمّت مرحومہ جرعۂ کوثر نہ فسخ و رسخ سے خطرہ نہ مسخ ہونے کا ڈر
محمد عربی ہے جو اپنا پیغمبر وہ ہی نبی تھا جب آدم تھا آب و گل اندر
وہی ہوا ہے سبھی انبیا کا فصّ ختام

مدار آیۂ لولاک و خلقت آدم حبیب حضرت خلّاق و خواجۂ عالم
ملیک و مالک و ملّاک کعبہ و زمزم وہی ہے روز جزا شافع جمیع اُمم
رضاء اُس کی ہے منظور خالق علّام

یہ نوش ساغر وحدت سے اُس نے کی ہے مے کہ شرط شئے و بلا شرط شئے بشرط اشئے
کیے ہیں اُس نے ہی بس مرتبے یہ سارے طے اُسی کے حسن کا جلوہ یہاں وہاں بھی ہے
یہاں بھی نام اُسی کا وہاں بھی اُس کا نام

کیا ظہور جب اُس نے ہوئی عجائب سیر   جبیرا سوکھ گیا، گر پڑے ہزاروں دیر
رجوع نوعِ بشر کو ہوئی بجانبِ خیر   یہاں سے جانیے محبوب وہی ہے نے غیر
چنانچہ آیتِ یحبب[1] دلیل اُس پہ تمام

یہ شعر، عظمۃ للہ! مجھ کو بھاتا ہے   کہ جس گھڑی اِسے پڑھتا ہوں چین آتا ہے
عجب طرح سے یہ جملہ مزے دکھاتا ہے   جو کوئی تحفہ، کہ محبوب آگے لاتا ہے
مُحب اُس سیتی خوش ہوئی سبب ہے مدام

یہ بات سخت ہی مشکل تھی، کیجیے ٹک غور   جواب ویسا مُدلّل، سوال کا سو یہ طور
مکالمہ یہ بہم ہو چکا، تو بس فی الفور   سبب یہ کہہ کے کہا عقل نے کہوں کچھ اور
تو سُن کے کیجیے پھر مومنوں کے تئیں اِعلام

ہوا مقولہ منقول، عقل سے، یہ حصول   کہ سب درود کا پڑھنا سدا کریں معمول
جو خوف صدمۂ سردی ہو یوں بھی ہے مقبول   اگرچہ شرطِ ادب ہے کہ اسمِ پاکِ رسول
زباں سے نکلے وضو ساتھ، یا لکھیں اَقلام

وضو درود میں گو ہو نہ، میرے بھائی، شرط   صلوٰۃِ خمسہ میں شارع کو ہے یہ بھائی شرط
یہی تو مُجتہدِ وقت نے سُنائی شرط   ولے نمازِ خدا میں طہارت آئی شرط
درود بیچ نہیں شرط اے خجستہ[2] شیام

یہ راز سمجھے ہے وہ جو کہ ہو فنا فی اللہ   بصارت اور بصیرت ہو تب تو سوجھے راہ
عجب طرح کا یہ مضمون بندھا کہ واہ ہی واہ   سبب جو اُس کا بیاں میں کروں خدا ہے گواہ
کہ شرح اِس کی میں دقّت ہے نزدِ ذی اَفہام

بلند عرش بریں سے بھی اُس کا پایا ہے   خدا نے نور سے اپنے اُسے بنایا ہے
پھر اُس کے سایہ ہو کیوں کر، وہ آپ سایا ہے   شروع صلوٰۃ کہ اللہ اکبر آیا ہے
درود اُس کے سے پایا صلوٰۃ نے انجام

نہیں بہم عشرات واحاد میں تکرار   اگر مئات اُلوف آدیں ہے احد ہی بکار

---

[1] [سورہ آل عمران (۲۹)] [2] خجستہ شیام = مبارک اصل۔ شیام = مٹی۔ سب نسخوں میں "خجستہ صیام" ہے۔

اسے سمجھ لے ٹک ایک غور سے کہ ہیں اسرار صلوٰۃ واحمد و رحمت بیک عدد ہیں شمار
حساب جفر میں ہیں متحد بلا اوہام

دلوں کو عشق کی گرمی جو دی تو گرمایا وہ شعلہ برق ہو کڑکا ہے پھر نہ شرمایا
برس پڑا وہ جو بادل تھا خوب گرمایا صلوٰۃ صورت احمد یہ حق نے فرمایا
یہ شان اسم کی آوے وہ کیسا جس کا نام

کرے ہے وقت سحر آفتاب جیسے طلوع اسی طرح سے سمجھتے ہیں اُس کو اہل رجوع
زہے کمال رجوع و خضوع و فور خشوع قعود دال ہے اور سجدہ میم حا ہے رکوع
چہارم حرف الف چاہیے سو آیا قیام

اگر عبادت رب ودود ہے منظور تو کر خیال کہ گویا ہوں میں اُسی کے حضور
"فانہ" کے تخیل کو ہے یہ بات ضرور سمجھ کے دیکھ یہاں کون ناظر و منظور؟
ہر ایک رمز خبر میں اٹھاؤ دل سے لئام

رکھے ہے منزل "لایعنی" طریقت اور شریعتوں سے ہے کچھ عشق کی شریعت اور
حقیقتہً جو سنو، تو یہ ہے حقیقت اور صلوٰۃ عظمت حق ہے وہاں عظیمت اور
جو کوئی منکر حق ہے، وہ ہے اَلَدُّ خصام[1]

اگرچہ کھینچے مصور طلسم کی تصویر ولے نہ کھینچ سکے اُس کے جسم کی تصویر
تجلیات کی ہے اور قسم کی تصویر جو کوئی پاک ہو لاوے گا اسم کی تصویر
وہ پاوے نفع عبادت ہو اور اُس کا نام

درود کے جو موظف ہیں اُن کو راحت ہے انھیں کے واسطے آمادہ قصر جنت ہے
یہ راز سمجھے ہے وہ شخص جس کو دقت ہے صلوٰۃ حق سے نبی پر بمعنی رحمت ہے
لکھا ہے اس کو کتب بیچ مردمان اعلام

مدیح اُس کے ہیں ہر خاص و عام عالم پر یہ سایہ اُس کا رہے گا تمام عالم پر
وہ ذات پاک ہے رحمت تمام عالم پر اُسی کے حکم سے ہے صبح و شام عالم پر

---

[1] اَلَدُّ خصام = جھگڑالو دشمن جو حق کی طرف مائل نہ ہو۔

جو ہووے رحمت رحمت اُپر تو عین تمام

مجاز والے نہیں جانتے حقیقت سے شے نشا یہ اُن کو ہر پی ہر جنھوں نے عشق کی مے
ملی یہ بات ہوا جبکہ دشتِ اُلفت طے صلوٰۃ عبد سے معنے میں طلب رحمت ہر

سوا سوال کے بندوں سے کچھ نہ ہووے کام

جو حق پرست ہیں اُن کو نہیں ہر مطلق بیم سرائے پیرو احمدؐ ہر خلد وا رنعیم
درود بھیجنے پر وہ کرم کرے گا کریم خدا رحیم ہر۔ محبوب اُس کا وہ بھی رحیم

سوال رحمتِ رحمت پہ کیوں نہ ہوگا لزام

اگرچہ مردِ مسلماں کو ہر عبادت شرط وے نجات کو ہر اُس کی ہی عنایت شرط
رسول اپنے کی جنتی ہوئی اطاعت شرط سوال کرنے کو کیا چاہیے طہارت شرط

سوال ایسا کہ جس کا ہمیشہ ہو اِبرام

وہ رستگار ہیں جو اُمت پیمبر ہیں بشر وہ جملہ ملائک کی طرح بے شر ہیں
اُنھیں کے واسطے جنت میں سب بنے گھر ہیں یہاں تو طاہر و عاصی سبھی برابر ہیں

نہیں ہر فرق یہاں درمیانِ خاص و عوام

نہ ڈر تو خوفِ قیامت سے گو گذر ہے وہاں رسولِ خالقِ داور سا راہبر ہر وہاں
حساب کا جو وہ جھگڑا ہر مختصر ہر وہاں زبسکہ پُر ہوں معاصی سے کیا خطر ہر وہاں

جہاں صلوٰۃ وسیلہ ہو روزِ حشر قیام

قصیدہ مولوی صاحب کا تھا برائے ثواب مخمس اُس پہ ہر انشا سے ایہا الاحباب
سمجھ کے کہتے ہیں وہ دام ظلہ الوہاب نبی و آلِ نبی اور اس کے سب اصحاب

درود پڑھ کے سبھوں پر کر اختتامِ کلام

(۷)

مخمس بر قطعہ مرزا جان طپش

کیوں کر مرزا جان طپشؔ سے غازیں نہ ساری بیر کریں
اُس سے یہ قتلِ عام ہوا ہر چاہیے حالت غیر کریں
کیا لازم تھا کہ کے یہ قطعہ دفعِ قشونِ طیر کریں
فصلِ بہار آئی گلشن میں چلو طپشؔ ٹک سیر کریں

شاخ پہ گل کی ہر مست ترنم ہر ایک مرغ گلستانی
سرگم پدی لیتی ہر کوئل کوئی[1] منہ کو چڑھاتے ہیں
ٹپا ٹوئی کرتے ہیں بگلے اگلے دھوم مچاتے ہیں
یہ جو ترانہ خوب بنا ہر اس کو بیٹھے گاتے ہیں
لے چہکے ہی اوجِ ہوا پر بول یہ اُڑتے جاتے ہیں

تم درناتم تم درناتم دیم تنا در تا دانی
طوطی، مینا، کلچڑی، چاپنو ہوگئی سب کو حیرانی
جانوروں کے سر پر ٹوٹا جب کہ غضب یہ سلطانی
سرخابیں سب ڈوبیں لہو میں بن دانے اور بن پانی
چونڈا ہلا کر بولی بلبل میرے لٹورے اے جانی

تم دری ناتم تم دری ناتم تا در آیا تا دانی

---

[1] ق ۳: "کوکتے"

قطعات

۱

اُس کھلاڑی کے بھلا کرتب کو کیا لکھے کوئی
بوند بھر پانی کو جس نے چاند سا ٹکڑا کیا
"ہُو" کے کہتے ساتھ یہاں سے وہاں تلک جو کچھ کہ ہے
ہوگیا سب واچھڑے تو سوچ تو کیا کیا کیا

۲

قطعہ تاریخ مسجد سالار بخش

مرد ہے نتھو کی دولت خرچ کی مسجد کے بیچ
تجھ کو اب چوروں† سے بھی اک راہ ہے سالار بخش
امرِ نامشروع پر موقوف کچھ ہرگز نہیں
بخشنے والا ترا اللہ ہے سالار بخش
کیوں نہ ہو ہیرا کی بیٹی یہ تری پہلی ڈلک
بول اُٹھے سب کہ# قُرص ماہ ہے سالار بخش
آکے ہیڑا پیچ سے یوں مسعودِ غازی کہہ گئے
ہے یہی "تاریخ مسجد" واہ ہے سالار بخش"
۱۲۲۱ھ

۳

بزِ نر نے کل پوست کندہ کہا
یہ ہمخوابہ اپنی سے، اے بربری
نہ رہی تو نہ رہ تھانروں کا یہ کام
نر بٹھی کٹا نے نری تھی نری
یہی قول سجاد کا یاد رکھ
نہ کر ہم سے کُھریاں[1] عبث اے کھری
نجیبوں کے گھر میں نہیں کوئی نر
چماروں کے حصّے پڑی ہے نری

---

[1] کھریاں کرنا = اکل کھری باتیں کرنا۔ + ق ۳: "چوروں"۔ # ق ۳: "اُٹھے یہ سب کہ"

۴

قطعۂ تہنیت سالگرہ جناب عالی

ہر طرف سرو قبا پوش پڑے پھرتے ہیں
کھولے کیوں دل کی نہ ہر غنچۂ خوشحال گرہ

بدرہائے زر و اجناس کے از بہر نثار*
بیٹھے سب کھولتے ہیں صاحبِ اموال گرہ

یہ لیے گوہر شب تاب کہ بس خیر اپنا#
کہکشاں دینے لگی کھول کے رومال گرہ

آج نوابِ فلک رتبہ یمین الدولہ
ناظم الملک بہادر کی ہوئی سال گرہ

جب تلک عقد ثریا رہے انشاء اللہ
یوں ہی پڑتی رہے یہ تا صد و سی سال گرہ

مٹھی* ناڑے کی برس گانٹھ سے بھر لیں تو مدام
پھر نئے سر سے وہی ٹھہرے جُدی سال گرہ

رشتۂ عمر میں دیتے رہیں تاروں کی نمط
خود رسولؐ و علیؑ و فاطمہؑ و آلؑ گرہ

۵

قطعۂ دعائیہ شاہزادۂ سلیمان شکوہ در تہنیت نوروز

خداوندا بحقِ جانشینِ احمدِ مرسل
اسی نوروز میں محکوم روم و روس ہم دیکھیں

قشونِ قاہرہ حاضر جلو میں شاہ کے ہو کے
کریں گردن کشانِ دہر سب پابوس ہم دیکھیں

پڑھیں خطبے میں اس کا اسم اعظم سکہ ہو جاری
عدو جو کوئی ہو یارب اسے محبوس ہم دیکھیں

عمل اس کا ہو جوں شاہ جہاں بائیس صوبوں میں
گلے میں اپنے بھی اک خلعتِ ملبوس ہم دیکھیں

وہی تخت مرصع اور وہی پھر چتر حاضر ہو
زمرد کے بنے ویسے ہی پھر طاؤس ہم دیکھیں

دعا مانگے ہے انشاء اللہ اے یار دکھوائیں
سلیماں کا جلوسِ میمنت مانوس ہم دیکھیں

---

* ق ۳ : "ہوکر" # ق ۳ : "آتنا" * یہ شعر ق ۳ میں نہیں ہے۔

(۶)

قطعۂ تہنیت جشنِ نواب ناظم الملک سعادت علی خاں بہادر

آج ہی زور ہے کچھ دھوم کی شادی، انشا | جس سے آغوشِ وزارت میں رچی بجے عروس
اہلِ نظارہ کی آنکھوں میں سمائی ہے اگر | فرِ کسریٰ و فریدون و جم و کیکاؤس
یوں زری پوش ہوئے کرسی زرّینہ کے گرد | جیسے گلشن میں پھریں جلوہ کناں ہو طاؤس
شرق سے غرب تلک غرب سے لے کر تا شرق | روس سے روم تلک دم سے لے کرتا روس
کوئی سو بار پھر آوے تو نہ دیکھے ایسی | شوکتِ نوبت شاہانہ و آوازۂ کوس
کیا تعجب ہے اگر دیکھ کے یہ نور و ظہور | گبر دیرینہ مُلقّب ہو بہ عبد القدوس
سطوتِ صاحب محفل کے نظر کرنے سے | بانگِ لبیک کرے سازِ صدائے ناقوس
ذہن ایسا کہ ارسطو بھی کرے شاگردی | مدرکہ یہ کہ بہ از مدرکۂ جالینوس
آسماں تاروں بھری رات کی کھاتا ہے قسم | کہ زہے طالع اگر ہم بھی ہوں یہاں کے فانوس
شکر ہے یہ کہ مراد آج بر آئی صد شکر | چُھٹ گئے جتنے کہ تھے قیدِ الم کے محبوس
کشتِ اُمید تر و تازہ ہوئی خلق کی آج | کوئی اِس وقت کسی طرح نہیں ہے مایوس
قدسیاں مستعد آمیں کے لیے ہیں۔ کچھ بول | تا کرے تیری مدد بادشہِ کشورِ طوس
ناظم الملک بہادر کو یہ، اِن شاء اللہ | ہو مبارک صدوسی سال تلک جشنِ جلوس

(۷)

قطعۂ تہنیت صحتِ فرزندِ نواب سعادت علی خاں بہادر

تیرے نوابِ جہاں تاب کو، انشا اللہ | ثمرِ نخل برومند مبارک ہووے
روشنی اُس کی ہے دُنیا میں رہے اور اُس کو | شادیِ صحتِ فرزند مبارک ہووے

(۸)

ہے لکھنؤ تو عالیٔ وا علیٰ سے ہم عدد — کیونکر نہ اِس کو نادِ علیاً کی ہو مدد
اچھی طرف نہ جائیے ایسا ضرور کیا — جوں ابنِ سعد لائیے کوفے ہی کی سند
جائز ہے اس دلیل پہ آکر اگر کہے — فخرِ معاویہ میں کوئی خارجی اشد
بارہ مہینے برج بھی بارہ فلک میں دیکھ — بارہ ہی بارہ اُن میں بھی ہیں تو نہ رکھ حسد
بارہ دہا کے بارہ ہی پاوے اکائیاں — نام معاویہ کو ٹٹولے اگر خرد
بارہ بغیر کار روائی کہیں نہیں — ہر حال مومنین بڑائی پہ حد سے حد
نام خدا یہ شہر بہشت زمانہ ہے — ہیں لاکھوں اِس میں پھول کی صورت کے سرو قد
ہوتی ہے اس میں تعزیہ داری امام کی — اس کی مدد کو ہیں حسنین اور اُن کے جد
دشمن کو لکھنؤ کے لبِ آب چاندنی کو سونپ — پر اُس کی دُم میں باندھ کے ایک پرچۂ نمد
سب اس کی عزت اور سعادت علی سے ہے — قائم رہے ہمیشہ الٰہی وہ تا ابد
حاکم ہے اِس کا ناظمِ ملکِ جہانیاں — بخشی خدا نے ہے جسے لمعِ جبین و خد
نوابِ نامدار سلامت رہے مدام — باندھے وہ لے کے شرق سے تا غرب اپنی حد#

(۹)

ہے فوت شاہِ عالمِ فخرِ جہانیاں — وہ غم کہ جس سے ہر بنی آدم کو غم ہوا
دو بار سر جھکا کے کہا آفتاب نے — "تاریخ بادشاہ کی ہے عالم کو غم ہوا"

۲۱۹ = ۱۲۲۱

(۱۰)

نہ عربی نہ فارسی نہ ترکی — نہ تال کی نہ سم کی نہ سُر کی
تاریخ کہی ہے کسی لُر کی — حویلی علی نقی خاں بہادر کی

(۱۱)

کہنے مصرعے پڑے مجھے لاجم — لیک ہے عقل میری اس میں گُم
ایک مصرع کی بڑھ گئی ہے دُم — حویلی علی نقی خاں بہادر دام حشمتہم

ن ۳: " ایک سدا

افراد

بس اُسی کے لطف سے زندہ ہیں وہ جو حافظ اور کریم ہے
نہ دوا ہی ہے نہ غذا یہاں، نہ طبیب ہے نہ حکیم ہے

اختیاری تو نہیں آپ سے جو دوری ہے — سخت لاچار[†] ہوں میں، عالم مجبوری ہے

حضرتِ عشق آپ ہیں کچھ زور شئے، نام خدا — واہ رے خُلطے! اے لو کیا خوب، اے نام خدا

صورتِ آدم میں عالم ہے خدا کے نور کا — وہ پری غلمان سا مکھڑا اُجھکڑا حور کا

آہ کل دل کو ہوا درد کہ رکھا ہم کو — جنبشِ چینِ جبینِ بتِ چین نے بے چین[۱]

ناک کے نیچے ہم اُس گُل کی ناک لگائے بیٹھے ہیں
کون سے مُنہ پر غنچۂ زنبق ناک لگائے بیٹھے ہیں

چنگلِ شاہبازِ ناز مجھ سے دوچار کیجیے — وادیِ دل میں آیئے سیر شکار کیجیے

کب تلک ابر کے پرتو سے رہے گیلی دھوپ
بار الٰہا نکل آوے کہیں چٹکیلی دھوپ

---

[۱] اس شعر کا پہلا مصرع غیر منقوط اور دوسرا منقوط ہے۔ † ق ۳: ”ناچار“

پہیلیاں

(۱)

نام سبحانَ ربّیَ الاعلےٰ　　کون ساہرَ بنا تو مجھ کو بھلا
جس کے صدقے سے خود بخود انشا　　ہو یہ ظاہر مرے خدا یہ لا

(آلہی)

(۲)

منہ میں ناہر بیٹھے مرگ　　ایسو اُچھلے جیسے درگ
بگلا طوطا وا کے سنگ　　اور بہت سے اُہ میں رنگ

(اسپ)

(۳)

کٹ جاوے تو ہو گدہا　اُلٹا مکھ ہو سوئے　　پورن کھالی پھارسی[1] سچ مچ سورج ہوئے
مورت جا کے جیون پرے ہردیں ہوت پران　　یہاہ پہیلی میں کہی بوجھو چتر سجان؟

(خور)

(۴)

اُلٹی مرکی کا سا روپ　　تریا واکی سگری دھوپ
چرن کٹے[2] تا چھوٹا ہوئے　　روس کے بیچا ہر دے بوئے

[1] یعنی فارسی۔ [2] سے۔ تی [3] پر

واکے ہردے موری کیل   کاہو سمجھے کوؤ* بیل
اوہ کا بیکھ ہوں عربی ناؤں   جو بوجھو تو پاؤ گاؤں

(سورج)

۵

پانی ما اور پانی باپ   اُس کا اشارہ بوجھیں آپ[۱]

(آب)

۶

بوبہل جن نے بولی ترکی   باندر بن کے دیوے گھُر کی[۲]
لیت نہیں تو اُس کے ساتھ   ایک میاں ہوں آدیں ہاتھ
ایک جواہر ہیں ہیرا نکسا   جاسے پھول اوسن سے یکسا
ترکی سمجھے، سو یہ بوجھے   اِنشاؔ واکو سب کچھ سوجھے

(سیب والماس)

۷

ہر نصف تو اسم ذات کی سی صورت   دن کی صورت، نہ رات کی سی صورت
کام آوے وہ دردمیں جو لکھے اِنشاؔ   تو ہو قلم و دوات کی سی صورت

(آہ)

۸

باس سو باس اور سگری مار   سیدھا اوھکا† تار بہ تار

---

[۱] پانی کی عربی "ماء" اور فارسی "آب" اور "اب" عربی باپ کی ہے۔ [۲] [سیب کو ترکی میں "آلما" کہتے ہیں ع۔ص]
* مطبوعہ نسخے "کوؤبیل" ق ۳: کوؤ نہ بیل" + ق ۳: اوس کا۔ اوھکا تار بتار۔

پھار سی اُلٹو ڈالوں مار ‏ ‏ گو+ ہوں عربی یا نردبار
گیہوں اُپجے واکے بیچ ‏ ‏ سوچو تو یا اوچ اور نیچ

(مشک)

(۹)

بھاری الٹو کو کر ہووے ‏ ‏ کوؤ نہیں جو واکو کھووے
یہ کم آلئے سیدھے بہت ‏ ‏ ہر یہ پہیلی ایک اُچھت
دیکھو وا کی جھاڑ سمیٹ ‏ ‏ سب کون کا بیٹھ کے پیٹ
واکی تر کی جیس لیلاٹ ‏ ‏ گیلے انچھر لیوے چاٹ

(مکھی)

+ مطبوعہ نسخوں میں "کودھوں" ہے

دیوان ریختی

(انتخاب)

ریختی عورتوں کی زبان میں مخصوص رنگ کے اشعار کو کہتے ہیں ۔مگر واضح رہے کہ شریف عورتوں کی گھریلو زبان سے ریختی کی زبان بالکل مختلف ہوتی ہے۔ ہم نے کسی شریف گھر کی عورتوں کے منہ سے وہ بولی ہرگز نہیں سُنی جو ریختی میں مصنوعی طور پر بولی جاتی ہے۔ یہ ہم اس لیے لکھتے ہیں کہ غیر اقوام کے لوگ غلطی سے یہ نہ خیال کرلیں کہ ریختی کی زبان مسلمان عورتوں کی عام زبان ہے۔ ہم کو تو تعجب ہے کہ اشعار ریختی سوائے مرد شاعروں کے ہم نے کسی عورت شاعرہ کے دیکھے نہ سُنے بلکہ شریف عورتوں کے سامنے جب اس قسم کا کلام پڑھا جاتا ہے تو اُن کو ناگوارِ خاطر ہوتا ہے اور کراہت کے ساتھ اُس کا تمسخر اُڑایا جاتا ہے۔

اس کو زبان اُردو کی خصوصیت سمجھنا چاہیے کہ برخلاف دوسری زبانوں کے مردوں کی بولی سے عورتوں کی گھریلو زبان کسی قدر مختلف ہوتی ہے بعض الفاظ عورتوں کے لیے مخصوص ہیں جن کو وہ اپنے آپس میں بولا کرتی ہیں اور جن کو مرد اپنی تقریر و تحریر میں ہرگز استعمال نہیں کرتے بلکہ پڑھی لکھی عورتیں بھی جب کچھ نظم و نثر لکھتی ہیں تو ایسے الفاظ اور عبارت سے پرہیز کرتی ہیں۔

ریختی کن من چلے صاحب کی ایجاد ہے ہم کو نہیں معلوم ۔ البتہ یہ ضرور کہہ سکتے ہیں کہ اس کا رواج لکھنؤ میں آصف الدولہ اور سعادت علی خاں کے

عہد میں بہت تھا اور چونکہ یہ رنگ بعض طبائع کو پسند آگیا اُس عہد کے بعد بھی قائم رہا۔ ممکن ہے اب بھی ہو۔ اسی وجہ سے بعض جدّت پسند شعرا نے اس صنفِ خاص میں طبع آزمائی کی اور کلام کے لحاظ سے بعض مضحک اور زنان منتری تخلص اختیار کیے مثلاً "جان صاحب" "بیگم" وغیرہ۔ اور قدر دان امیروں نے اُن لوگوں کی بڑی قدر و منزلت کی۔

ہمارا خیال اگر غلط نہ ہو تو ہم کہہ سکتے ہیں کہ سو، سوا سو برس اُدھر کی ریختی شاعری نے اب زمانۂ حال کی آزاد شاعری سے چولا بدلا ہے۔ دونوں میں وہی بیباکی اور آزادی۔ دونوں میں وہی فحش رمز و اشارے دونوں میں صنف نازک کے مخصوص جذبات اُبھارنے کی کوشش۔ دونوں کا ایک خاص جماعتِ نسواں میں مقبول و محبوب ہونا غرضکہ یہی اور اسی قسم کی اور بھی مشابہتیں ہیں جن سے یہ دونوں اصنافِ شاعری آپس میں بہنیں بہنیں معلوم ہوتی ہیں۔

نواب سعادت علی خاں کے زمانے میں چونکہ عہدِ برہان الملک اور شجاع الدولہ کی لڑائی بھڑائیوں سے لوگوں کو نجات مل گئی تھی۔ لہذا اب وہ امن و اطمینان کے ساتھ رنگ رلیوں اور عشرت پرستیوں میں مصروف ہو گئے تھے۔ کوئی چیز اس میں اُن کی مزاحم و مانع نہ تھی۔ شاعری بھی ایسی حالت میں اپنا رنگ بدل دیتی ہے، چنانچہ دردؔ و میرؔ و سوداؔ کی سنجیدہ و متین شاعری نے اب ایک دوسرا رُخ اختیار کیا۔ انشاؔ رنگینؔ اور جرأتؔ پیدا ہوئے جنھوں نے قدیم رنگ کو چھوڑا تو نہیں مگر ایک مخصوص رنگ کا اُس پر اضافہ کیا جو انبساطی اور دل خوش کن ہونے کی وجہ سے لوگوں میں مقبول ہو گیا اور تھوڑے سے تغیر کے ساتھ ریختی بن گیا۔ جرأت کو صنف نازک کے ساتھ جو ایک خاص دلچسپی تھی وہ اس حد تک بڑھی کہ بیچارے اپنی آنکھیں کھو بیٹھے اور پھر بھی چشم نمائی نہ ہوئی۔ انشاؔ اسی اتحادِ ثلٰثہ کے ایک مشہور رکن تھے مگر چونکہ وہ عربی، فارسی، ترکی وغیرہ کے بھی عالم تھے لہذا اُن کی اُردو شاعری مختلف زبانوں

کے امتزاج سے ایک معجون مرکب بن کر رہ گئی۔ اُن کے کلام میں عمدہ اشعار اور نازک خیالات کے ساتھ ساتھ ایسے اشعار بھی نکل آتے ہیں جن کو پڑھ کر یقین نہیں آتا کہ یہ ایک ہی دماغ سے نکلے ہیں۔ ان کا مصرع " میں ہوں ہنسوڑ اور تو ہے مقطع میرا تیرا میل نہیں" خود اُن پر صادق آتا ہے کہ بیک وقت ایک ہی شخص ہنسوڑ بھی ہو سکتا ہے اور مقطع بھی۔

انشا کے ریختہ کلام کے ساتھ اُن کی ریختی کو بھی شامل کرنا، خاص کر اس نئی روشنی اور تہذیب کے زمانے میں جبکہ اخلاق کا معیار بہت بلند ہو گیا ہے ہم کو اچھا نہیں معلوم ہوتا۔ کچھ بے جوڑ سا معلوم ہوتا ہے مگر دو وجہوں سے شامل کیا گیا۔ ایک یہ کہ ایسا نہ کرنے سے اُن کا اردو مجموعۂ کلام ناقص رہ جاتا اور ان کے دماغی ترقی اور تنزل کا اندازہ ہم کو نہ ہو سکتا۔ اب جس طرح اُن کے متین و سنجیدہ اشعار پڑھ کر اُن کی اعلیٰ قابلیت اور ذہنی رسائی کا علم معلوم ہوتا ہے، اُسی طرح اُن کے مذاقیہ اور ریختی کے کلام سے ان کی شگفتہ طبعی اور انبساطی رنگ کا پورا پتا چلتا ہے۔ دوسری وجہ یہ ہے کہ جب آج کہ آزاد شاعری کے کمالات کی زمانہ پوری طرح قدر اور خیر مقدم کر رہا ہے تو پھر بیچارے انشا نے کیا قصور کیا کہ اُس کا کلام و کمال قدر دانوں کی نگاہ سے پوشیدہ رکھا جائے؎

(۱)

جب سے کہ سامنا ہے اس چاہ کی گلی کا
ہر ورد مجھ کو حضرت مشکل کشا علیؑ کا

مرجھا گیا دل اپنا، تو نقشہ یاد آیا
بے اختیار مجھ کو اک پھول کی کلی کا

نرماہٹ انگلیوں کی اُن کی نہ پوچھ مجھ سے
ہے صاف واں تو عالم اک مونگ کی پھلی کا

. . . .

؎ ان تین قلمی نسخوں میں سے صرف ایک (ق) میں ریختی کا دیوان شامل ہے جس سے صرف پہلی ۳۲ غزلوں کا مقابلہ ہو سکا۔ باقی کے لیے م پر اکتفا کیا گیا ہے۔

ہاتھوں سے تیرے میں تو کمبخت عاجز آئی — جو کام ہے نگوڑا تیرا سو ہلبلی کا

میں کیا کہوں دوگانا[۱] اس کل کے دوڑنے سے — جو حال ہو گیا ہے اس پانو کی نلی کا

کیوں کر قدم رسولوں[۲] جاکر بھروں نہ چوکی — رکھیے جو آسرا تو ایسے مہابلی کا

دل گدگدا[۳] رہا ہے جس شخص پر کل اس کے — زانو کے نیچے گھوڑا تھا بھیمرا تھلی کا

جوڑے بغیر[۴] گذرے کس طرح مرد و زن کی — یہ چال ہے ولی کی یا کام ہے للی کا

انشا سوائے اپنے اللہ کے جہاں میں
ہے کون کھولنے والا اس دل کی بیکلی کا

۲

وصف بیاں کیا کروں رات کے مہمان کا — آدمی زادہ بنا جان بنی جان کا

رات جو میں نے سنا قصہ پرستان کا — خواب میں آیا نظر تخت سلیمان کا

تجھ سی پری بھی کوئی ہووے تو شاید کہ ہو — ہم نے تو دیکھا نہیں آدمی اس شان کا

بس وہ[۵] گیا مردوا، ٹھور رہا غش ہوا — بھاپ لگا گدگدا جس کو تری ران کا

یہ بھی تو اک ہے پھبن، دھوپ کی ہو جوں کرن — بیچ لنگا پہن بادلے کے تھان کا

بات جو کہنی نہ تھی، سو وہ دوا سے کہی — منہ نہ دکھاوے خدا آپ سی نادان کا

ٹل تو مرے پانوؤں کی آن کے ٹک انگلیاں — پھینک دے رابیل[۶] تو ہار مدن بان کا

---

[۱] زناخی بگیا، دوگانا وغیرہ ایسے الفاظ ہیں جو صرف وہی عورتیں آپس میں بولتی ہیں جنکا ذکر اشعار ریختی میں آتا ہے۔

[۲] قدم رسول لکھنؤ میں ایک محلہ ہے جہاں کوئی متبرک نشان بتایا جاتا ہے۔ یہ محلہ "قدم رسولوں" کے نام سے مشہور ہے [جیسے محلہ پیر جلیل کو "پیر جلیلوں" کہتے ہیں] چوکی بھرنا = کسی مزار پر نذر نیاز کرنا + مہابلی = بڑا طاقتور یعنی صاحب باطن بزرگ +

[۳] دل گدگدا رہا = دل بے چین ہے + بھیمر اتھلی غالباً دکن میں کسی مقام کا نام جہاں کے گھوڑے مشہور تھے۔

[۴] [ق : "چھیڑے بغیر ..... حال ہی دہلی کا ....] - للی = نامرد۔

[۵] بس وہ گیا = یعنی بے کار ہو گیا - گیا گذرا - ٹھور رہا = اسی جگہ رہ گیا - [ق میں شعر ۲، ۳، ۴ نہیں ہیں]

[۶] رابیل اور مدن بان = بیلے کی قسمیں ہیں۔ یہاں رابیل کسی عورت کا نام ہے۔

تیری تو 'انشا' کبھی بات نہ باور کرے
جامہ پہن کر اگر آوے تو قُرآن کا

(۳)

اللہ کرے سلامت، جم جم رہے یہ بیڑا
ہے جس کے دم قدم سے دنیا کا سب بکھیڑا

. . . .

بندی کی دشمنی میں ناحق جو ہوں، الٰہی
لگ جاوے اُن کے منہ پر از عیب کا تھپیڑا
ٹھنڈک کو انکھڑیوں کی، وہ بڑ بھلا لگا دو
جس میں کہ آنولے کی پُٹ ہو، نہ ہو بہیڑا

باجی سے اپنی ہنس کر کل وہ پری یہ بولی
کیوں تم نے میرے انشا اللہ خاں کو چھیڑا

(۴)

کروں بستار[1] کیا اپنی دوگانا کی رُکھائی کا
دماغ اگر انھیں میں گھُس رہا ساری خدائی کا

. . . .

وہی جانے کہ کیوں کر بات چیت اُن تک پہنچتی ہے
دوا کا آسرا ہے یاں، بھروسا کچھ نہ دائی کا
بھلا حاصل، جو دیدے[2] دھوئے سو بار سات پانی سے
کہ یاں گھر گھاٹ سب معلوم ہے اُن کی صفائی کا

. . . .

. . . .

(۵)

چوٹی یہ تری سانپ کی ہے لہر، دوگانا
کھاتی ہوں ترے واسطے میں زہر، دوگانا

---

[1] بستار = بیان۔

[2] دیدے یعنی آنکھیں + گھر گھاٹ = کل حقیقت۔

چتون تری بس دیکھتے ہی یاد پڑے ہے — دِلّی کی وہی چہل، وہی نہر، دوگانا
نوج ایسے کہیں او رہوں گھر کھوج مٹے لوگ — سب تاڑ گئی ہے یہ بڑا شہر، دوگانا
بَن بیٹھے ہیں دولہا دُولھن اس وقت جو ہم تم — تو لاکھ روپئے کا تو بندھے مہر، دوگانا
میں تجھ سے سمجھ لوں گی، بھلا کون ہے انشاؔ
اللہ! اری تو ہے[1] بڑی قہر، دوگانا

۶

تم لئے پربیتی[2] کہانی تو نبیڑی، انّا — آپ بیتی تو کوئی بات نہ چھیڑی، انّا
پلپلی ٹھیکری اک ڈھونڈ کے لادے جس سے — اپنی رگڑا کروں میں پانو کی ایڑی، انّا

. . . .

کُٹ زناخی سے ہوئی دوستی، اچھّا تو ہوا — کٹ گئی یعنی مرے پانو کی بیڑی، انّا
نہیں سنکار[3] لیا تو نے، تو پھر انشاؔ نے
میرے دروازے کی کیوں چوُل اکھیڑی، انّا

۷

. . . .

تھام تھام آپ کو رکھتی ہوں بہت سا لیکن — کیا کہوں، تھم نہیں سکتا مرا اندر والا[4]
اپنے کوٹھے پہ کچھ اس ڈھب سے زفیلا[5] کہ مری — لے گیا جان اڑا ایک کبوتر والا

---

[1] [ق : "اللہ رے! تو، تو ہے"۔]

[2] پربیتی = جو دوسروں سے تعلق رکھتی ہو۔ "جگ بیتی" بمقابلہ آپ بیتی کے۔

[3] سنکارنا = اُبھارنا، آمادہ کرنا۔

[4] اندر والا = (غالباً) دل

[5] زفیلا = سیٹی بجائی۔ [ق : "کچھ اک ڈھب"۔ عربی لفظ "زفیل" سے اُردو مصدر "زفیلنا" بنایا ہے۔ ع۔ ص]

شیدی عنبر کے جو آنے کا یہ ڈر ہی کہ کہیں وو ہی قصہ نہ ہو درپیش صنوبر والا

آدمی زادہ وہ، انشا ملے اِن پریوں سے
اُڑ گیا ہووے نگوڑا جو کوئی پر والا

۸

آگ لینے کو جو آئیں، تو کہیں لاگ لگا، بی بی ہمسائی نے دی جی میں مرے آگ لگا
نہ بُرا مانے، تو بوں نو بیچ کوئی مٹھی بھر بگیا ہی تیری کیاری میں ہرا ساگ لگا
بیٹھے بیر اگن اگر اپنے درختوں میں، تو پھر پھول اور پھل کی جگہ دے وہیں بیراگ[1] لگا
اُڑ گئی[2] فاختہ کیوں سرو پہ دم دیتی ہے اجی! اِس کا نہ کچھ اچھا مجھے کھٹراگ لگا

شوق سے سونگھنے، انشا مرے بالوں کی باس
دے چغل خور کے ہونٹوں میں تو اک ناگ لگا

۹

ہائے چھلیل آنسو کے بدلے نکلے نہ کیونکہ وہ سن تیری چوٹی ٹلے کا یہ تِل میری آنکھ کے تِل میں بیٹھ گیا
جھونک گیا خاک آنکھ میں سب کی ایک بگولا جو آیا بند توڑا کر، پردے اُٹھا کر، اِس محمل میں بیٹھ گیا

ہی یہ نبختی[3] کون سی منزل؟ اِنشا اِس کا نام بتا
ڈر سا میرے دل کے اندر اِس منزل میں بیٹھ گیا

۱۰

اپنا جو جتاتا ہو ہمیں زور نگوڑا صدقے اُسے کر ڈالیے۔ در گور، نگوڑا

---

[1] ق میں یہ شعر نہیں ہے۔

[2] اُڑ گئی = کم بخت

[3] نبختی = بے نصیب، کم بخت

سوتی تھی مزے میں کہ گئی نیند اُچٹ ہائے ۔۔۔ کیا جانیے کیسا یہ ہوا شور نگوڑا

جنیاں، یہ سنو اور کہ بو باس پہ میری ۔۔۔ پر اپنے ہلاتا ہے ہوا مور نگوڑا[1]

میں چیخ پڑوں کیوں نہ، جو لے چٹکی میں اپنی ۔۔۔ ڈالے مسل اُنگلی کی مری پور نگوڑا

ہمسائے میں کونبھل[2] ہوئی کل رات کو، انشا

گھس اُن کے زنانے میں گیا چور نگوڑا

فرد

. . . .

۱۱

. . . . ۔۔۔ . . . .

لو شمع کی نکلتی ہے اِن آنسوؤں کے ساتھ ۔۔۔ پانی میں ہے یہ آگ لگانا بہت بُرا

کیوں آٹھ آٹھ آنسو رُلاتا ہے مجھ کو تو؟ ۔۔۔ ہے گا کسی کے جی کا ستانا بہت بُرا

دل سوز ہے ددا مری، پر اُس کا ہر گھڑی ۔۔۔ لگتا ہے اُنگلیوں کا نچانا بہت بُرا

بھر آئی میری آنکھ، تو اِنشا نے یوں کہا:

لگتا ہے مجھ کو ٹسوے گھلانا[3] بہت بُرا

---

[1] [ق میں یہ شعر نہیں ہے۔]

[2] کونبھل یا کوبھل = سیند۔ نقب۔

[3] ٹسوے گھلانا = موٹے آنسوؤں سے رونا۔ [ق: "آنسو گھلانا"]

۱۲

بیگما میں جو بُری ہوں، تو بھلا تجھ کو کیا؟
پہنے پوشاکِ زری ہوں، تو بھلا تجھ کو کیا؟
تو تو آگٹی نہیں جائے گی مرے عیبوں میں
اری میں عیب بھری ہوں، تو بھلا تجھ کو کیا؟
اپنی بجلی کی سی تو چھب کی خبر لے باجی
گرم میں گو کہ ذری ہوں، تو بھلا تجھ کو کیا؟
کسی کا باغ تو لوٹا نہیں ہے، میں اپنی
گود پھولوں سے بھری ہوں، تو بھلا تجھ کو کیا؟
نئے دھانوں کی سی کھیتی کی طرح سے انشا
ڈہڈہی[2] اور رہری ہوں، تو بھلا تجھ کو کیا؟

۱۳

رنگ ہے آنکھ کی پتلی میں اُسی کا جھلکا
چھوڑ دنیا میں دیا جن نے یہ پتلا کل کا
مشک کی طرح سے گال اپنے پھلاتا کیوں ہے
ارے او سقّے کے لونڈے، تو نہ پانی چھلکا
پک رہی ہے یہ جو کھچڑی[3] سی سبھوں میں جن سے
اُس کی اب تک نہ گلی دال، نہ چاول لٹکا
ہاتھ آیا، سو ہتیلی سے ہتیلی ملنا
چولھے اور بھاڑ میں جاوے یہ نگوڑا اچکا

۱۴

چبھتی ہے یہ تو نگوڑی مجھے بھاری انگیا
کوئی سادی سی میرے واسطے لا ری انگیا
گوکھرو، لہر، بنت، ڈاک، ستارے کیا چیز
اس سے ہو جاتی ہے کم بخت گنواری انگیا
گیند اِک میں نے جو پھینکی تو جھجک کر اُن نے
کچھ عجب ڈول سے کل اپنی سنواری انگیا

---

[1] [ق میں یہ شعر نہیں ہے۔]

[2] ڈہڈہی = شوخ رنگ والی۔

[3] کھچڑی پکنا = چپکے چپکے باتیں ہونا

بی بی مغلانی جو سی لائی تھیں آئی نہ پسند
بیگما جی نے وہ سر اُن کے سے ماری انگیا[1]

. . . .

. . . .

اوڑھنی مجھ سے جو بدلی، تو اجی باجی جان
وہ بھی اِک دیکھے جو ہو بھاری سے بھاری انگیا

تھی عجب کوئی سگھڑ جس نے یہ کاڑھے بوٹے
واچھڑے، بن گئی اِک پھولوں کی کیاری انگیا

نورج پہنے کوئی شبنم کی کٹوری صاحب
تارے یوں ڈوب گئے، وِوں کو سدھاری انگیا

. . . .

ہاتھ اِنشا کا کہیں چھو جو گیا، تو بولیں
تیرا مقدور ہے، کہ تو چھیڑے ہماری انگیا!

۱۵

تو قیامت بے سری ہے حد بُرا تیرا اگلا
خوش نہیں آتا ہمیں، بی فاختہ! یہ چوچلا

روپ آتو کا پکڑ بیٹھے کوئی کالی بلا
تب تو بے سٹے پڑھیں کالو بلا کالو بلا[2]

کیوں پڑا تھلکے نہ جی میرے کلیجے میں بھلا
ہے تمھارا روپ ایسا جیسے سونے کا ڈلا[3]

سیل[4] کے کونڈے اُسی کے آج ہیں کیا اے دوا
ہے چھوٹا سا جو لڑکا تیری گودی کا پلا -

جان صدقے اُس پری پر یوں کہا جن نے مجھے:
"آپ بیتی کہہ، کہانی کچھ کسی کی مت چلا"

دل میں ایک اِنشا کے چٹکی لے پرے کو ہٹ گئیں
واچھڑے معقول! یہ کیا تھا بھلا صاحب، بھلا!

۱۶

تم نے جو میرا اوڑھا دوپٹا ہے یہ دوگانا بات کڈھب
لگتا ہے اسی میں دونوں کو بٹا ہے یہ دوگانا بات کڈھب

---

[1] [ق میں شعر ۴، ۱۰ نہیں ہیں]

[2] یعنی آتو (اُستانی) کی صورت بنائے + بے سٹے = بے تکلف + کالو بلا یعنی فالو ابلیٰ [3] [ق میں اس غزل کا بس ایک یہی شعر ہے]

[4] سیل کے کونڈے = موچھوں کے کونڈے + چھوٹا = بیوقوف.

ایسی نہ چالیں چل تو، ہی ہی چاؤ بھری، جو لوگ کہیں:

آپس میں ہر ان کے سٹّا[1] ہر یہ دوگانا بات کُڈھب

روکھی پھیکی کڑوی کسیلی، ہوتی ہو جو ہم سے تم

چاہے ہر[2] جی میٹھا کھٹّا، ہر یہ دوگانا بات کُڈھب

ہانتھا پائی خوب نہیں کچھ، جانے دو ایسی باتوں کو

لگ گیا میرے مُنہ کو مُہنّٹا[3]، ہر یہ دوگانا بات کڈھب

خط پڑھنے کو ڈیوڑھی کے اوپر چاہیے کوئی بوڑھا سا

اِنشا تو ہر ہٹّا کٹّا، ہر یہ دوگانا بات کڈھب۔

فرد

پڑ گئے چاہ میں بادل کی طرح لگّے اب وہ جو لہراتے ہوئے کھیت تھے چھڑکے اب[4]

۱۷

لہر[5] میں چوٹی کی تیری، ڈر کے مارے کانپ کانپ

چونک چونک اٹھتی ہوں میں راتوں کو کہ کر "سانپ سانپ"

نوج تم کوٹھے پر آتیں، اے بڑی دائی، ایلو

لوگ سب سوتے ہوئے تم نے جگائے ہانپ ہانپ

---

[1] سٹّا = سانٹھ گانٹھ۔ میل ملاپ۔

[2] [ق : چاہتا ہر]

[3] مُہنّٹا = ناخون کا نشان [یا کھرونچا]

[4] یہ شعر صرف م میں ہر۔

[5] "لہر" یعنی خیال۔

کوئی اُنگل، خیر سے، اونچی ہوئی، تو کیا ہوا
قد بڑھایا بیگمانے میرے قد سے ناپ ناپ[1]

تو جو کہتی ہو کہ مجھ کو بھانپتا[2] ہے اِک جنا
کیا ڈرانے مجھ کو لگتی ہو یہ تیری بھانپ بھانپ

ہو بڑا جگرا ترا، اِنشا۔ ارے تو ٹھہر ہو
کب تلک میں تیرے کرتوتوں کو رکھوں ڈھانپ ڈھانپ

(۱۸)

مردوں سے پَرَیتج تو مت یہ حُسن ہو پری، کم بخت
اب بھی آ، تو۔ جانے دے۔ درگذر، اری کم بخت

مت اُجڑ گئی سی پڑ، اور غش نہ کھا کھا۔ گر
بے کلی نہ کر، آخر چین لے ذری، کم بخت

چاہ کیا، بڑی دائی ؟ صورت اُس کی کیسی ہو ؟
میں نہیں سمجھتی یہ تیری زرگری[3]، کم بخت

ہاتھ میں سدا اپنے رکھیو دل کو اِنشا کے
بات مان، اِسی میں ہو تیری بہتری، کم بخت

(فرد)

تجھے کچھ شرم بھی ہو؟ بیٹھ پرے، او کم بخت   تاڑ جاویں گے بڑے لوگ، ارے او کم بخت[4]

---

[1] یعنی ناپ ناپ۔

[2] بھانپتا ہو = تاکتا ہو، بُری نگاہ سے دیکھتا ہو۔

[3] زرگری = ایسی بات چیت جو سمجھ میں نہ آئے۔

[4] [ق میں غزل ۱۸ اور یہ فرد نہیں ہو۔]

۱۹

. . . .

. . . .

. . . .

لوگوں کے چرچے کا ہوتا جو تجھے ڈر، اِنشؔا
تیری کیوں آنکھیں بھلا پھوٹ نہیں، منہ سے پھوٹ[1]

۲۰

بس بلائیں نہ لے مری چٹ چٹ — اے دوگانا، تو ایک ہی نٹ کھٹ
سچ کہوں تو ہی جو نہ ہو، تو یہاں — چین مجھ کو نہیں کسی کروٹ
مجھے لُوٹے جو رات کو، اُس کا — سینہ پُو کی طرح سے جاوے پھٹ
دم دِلاسا عبث نہ دے، انّا — چل پچّی[2]، دور ہو، پرے بھی ہٹ

چوٹ اِک دل کو لگ گئی، اِنشؔا
جب سُنی اُس کے پانو کی آہٹ

۲۱

سانسیں یہ ٹھنڈی کیا راتوں کو بھرتی ہو عبث
اٹکی کسی سے ہو۔ اجی ہم سے مکرتی ہو عبث[3]

---

[1] [ق: "منہ سے تو پھوٹ" (ردیف)] [2] چل پچّی (چچی) تحقیر کا کلمہ [بمعنی چل باتیں نہ بنا۔]

[3] [ق میں یہ غزل نہیں ہے۔ م میں بتادیا ہے کہ یہ رجز کے دو وزنوں (۱) مثمن سالم (مستفعلن مستفعلن چار بار) اور مثمن مطوی مخبون (مفتعلن مفاعلن چار بار) میں پڑھی جا سکتی ہے۔ پھر بھی پہلے مصرعے میں "سانس" دوسرے میں "اٹکی کس" لکھا ہے۔ م ۳ میں ان کے علاوہ چوتھے شعر میں "پھراس" ہے۔ یہ غلطیاں وزن اور معنی دونوں میں خلل ڈالتی ہیں۔ ع۔ ص)]

میری دوگانا اور میں یونہیں ہیں جیسے ریختہ
دونوں کی جانیں ایک ہیں۔ ملنے جو کرتی ہو عبث

کوٹھے پہ پیاری مت پھرو کانٹے بھری ہیں سیڑھیاں
خطرہ لگے ہے کیوں بھلا چڑھتی اُترتی ہو عبث؟

چاہے نہ وہ جو آپ کو کیوں پھر اُسی کو چاہیے
ایسے پہ مرتی ہو عبث، جی سے گذرتی ہو عبث

اِنشا سے ملتی[1] کیوں نہیں عِشق ہو بھلا، تو دیر کیا؟
جی ہی پہ کھیلی ہو، تو پھر لوگوں سے ڈرتی ہو عبث

۲۲

سارے بھوتوں سے پرے ہے یہ مواخوجا خبیث
مجھ کو گھورا ہی کرے ہے یہ مواخوجا خبیث

رات بھر کھانسا کرے ہے نیند آتی ہی نہیں
موت کے اب دن بھرے ہے یہ مواخوجا خبیث

بونٹ کی جو ڈالیاں آئی تھیں بائیں باغ سے
سو گدھا بن کر چرے ہے یہ مواخوجا خبیث

تو تیتے کیا جوڑتا ہے اس کو مجھ تک کھینچ لا
دیکھیو کو کا! ارے ہے یہ مواخوجا خبیث

بیگما، اِنشا سے چھپی نہ کھیلو بس کرو
رشک کے مارے مرے ہے یہ مواخوجا خبیث

۲۳

کوئی چاہت میں کسی شخص کی بدنام ہو نوج
اے دوا جان، وہ کمبخت بُرا کام ہو نوج

روٹھنے دو، جو کوئی روٹھے، دوگانا جنیاں
اُس سے ملنے کا اجی پھر مجھے پیغام ہو نوج

مردوا مجھ سے کہے ہے چلو آرام کریں
جس کو آرام وہ سمجھے ہے وہ آرام ہو نوج

آگیا تیری رضائی میں پسینہ مجھ کو
گرم ایسا بھی نگوڑا کوئی حمّام ہو نوج

---

[1] یہاں "ملتیں" چاہیے۔ لیکن ہو سکتا ہے کہ شاعر نے "نہیں" کے آگے ایک "ہو" کو مقدر فرض کر لیا ہو۔ ع۔ ص]

دن دہاڑا ہی رہے جی تو بچے، اے انشا
کلموہی کالی بلا، ہائے وہ پھر شام ہو نوج

۲۴

صدقے اپنے نہ ہو اُس کے کوئی قربان ہو نوج
ایسے لوگوں کا کسی شخص کو ارمان ہو نوج
یوں اشارے سے کہا مجھ سے خفا سی کیوں ہو
جان اور بوجھ کے ایسی کوئی انجان ہو نوج
پڑھوں لاحول نہ کیوں، ہے ترے تجھے شیطان لگا
لاگو ایسے کے کوئی، اے موئی شیطان ہو نوج
باجی کہتی ہیں کہ اک مردوے پر غش ہے تو
مفت ایسا بھی کسی شخص پہ بہتان ہو نوج
مل کے اِنشا سے پشیمان ہوئی میں تو بہت
دل لگا کر کوئی ایسے سے پشیمان ہو نوج

۲۵

بگما چاہ کے دریا کے بڑے پاٹ کو سوچ
ندھڑک پانو نہ دھر، پہلے تو گھر گھاٹ کو سوچ
بہے جاتے ہیں پہاڑ، اِس میں کہاں عقل بیڑا
دھار تلوار سے بھی تیز ہے، اِس کاٹ کو سوچ
اے ددا، یاں سے چلی جا تو دبے پانو ابھی
دیکھ کمبخت کھٹولے کو نہ تو کھاٹ کو سوچ
ٹاٹ کے ٹکڑے پہ کھینچا جو انھیں، تو بولیں
میرے کپڑوں کی طرف دیکھ اور اِس ٹاٹ کو سوچ
موتیوں میں انھیں آنکھوں کی ترازو پر تول
ارے اِنشا نہ تو بنیوں کی طرح باٹ کو سوچ

۲۶

کیا کسی باغ میں ہے آج پڑی سوتی صبح
کیوں مرے سامنے کمبخت نہیں ہوتی صبح
کالے بادل نہ گھر آتے تو ارے، اے لوگو
آبرو آج مری مفت میں کیوں کھوتی صبح

لے [۴، م۴: "نہ کچھ"]

ہیں جو بکھرے ہوئے سبزے پہ، تو کیا بھر گودی | لائی تھی تیرے نچھاور کے لیے موتی، صبح؟
پیالیاں گل کی جو دھوئیں تو بلا سے، باجی! | کاش دھبّے کو مرے دل کے بھی کچھ دھوتی صبح
ہر کسی شخص کی اُمید کی کھیتی ہو ہری | بیج ایسا کوئی، مالن! انہیں کیوں بوتی صبح
میری آتو جی یہ بوڑھی ہیں کہ اُن کی گویا | رات، پالی ہوئی جلشن ہے یہ اور پوتی صبح

اوس پھولوں پہ پڑے تو نہ سمجھیو، اِنشا
یہ کسی کے لیے ہے آنسوؤں سے روتی صبح

فرد

کیا بلا ہوتی ہے کچھ ایسی ہی دلّی کی طرح
کہ پڑے پھرئیے جلے پاؤں کی بلّی کی طرح[۱]

۲۷

کھلکھلاتا ہے مرے آگے جو ہو کر گستاخ | کیا بھلا[۲] گل نے نکالی ہے کوئی تازہ شاخ
کان کی لو میں گھُسے موٹی سی بالی کیونکر | جس کا ہو سوئی کے ناکے سے بھی ننھا سوراخ
اری ہنس مکھ تو اسے "پھول کلی" کہہ کے پکار | کھلی پڑتی ہے یہ کرتی ہوئی لوگوں سے مزاخ[۳]

کرتی ہے تنگ مجھے گھورے ہے کیوں اِنشا کو؟
کیوں ری لونڈی، اری نرگس! اری او دیدہ فراخ[۴]

۲۸

بلائیں میں نے جو لیں اُن کی کل چٹاخ چٹاخ | تو کس مزے سے کہا بگیا نے "چل گستاخ!"

---

[۱] جلے پاؤں کی بلی (مضطرب۔ بیقرار) عورتوں کے محاورے میں آوارہ گرد عورت۔

[۲] [سب نسخوں میں: "ربلا"] [۳] مزاخ یعنی مذاق (بازاری تلفظ)

[۴] دیدہ فراخ = بے شرم۔ بے حیا۔

شب برات جو آئی، تو دیکھیو انشا
کہ بج رہی ہو پٹاخوں کی کیا چٹاخ پٹاخ

۲۹

میں ترے صدقے گئی، اے مری پیاری، مت چیخ مت جگا نیند بھرے لوگوں کو واری، مت چیخ

. . . .

اپنا چونڈا[1] نہ ہلا، دُم نہ پھلا، اے بلبل کہہ دیا میں نے نہیں تجھ کو کہ: ہاں ری مت چیخ
کیوں مرا مغز پھراتی ہے، اری میتا چپ اُڑ گئی، دور بھی ہو، جیسے گنواری مت چیخ

چیخ چنگھاڑ مچاتی ہوئی اِنشا سے نہ مل
بتواب منتیں کرکے تری ہاری، مت چیخ

فرد

میں نے جو حوض میں اک موم کی چھوڑی بطّخ
تو لگی دھوم مچانے یہ نگوڑی بطّخ

۳۰

. . . .

کل کی طرح سے آج نہیں اشرفی بندھی میرا جو آپ نے یہ ٹٹولا اِزار بند

. . . .

تقصیر کیا ہوئی تھی کہ اِنشا پہ رات کو
وہ گپھے دار آپ نے تولا[2] اِزار بند

---

[1] چونڈا نہ ہلا = سر نہ ہلا۔

[2] تولا = یعنی مارنے کے لیے دکھلایا۔

۳۱

. . . .

تیرے ازار بند کی کیا بات ہے پری | ہے سب ازار بندوں میں چھیلا اِزار بند
بجلی سی ایک کوند گئی اپنی آنکھ میں | کالی گھٹا میں تیرا یہ پھیلا اِزار بند

. . . .

. . . .

. . . .

. . . .

۳۲

. . . .

. . . .

ہے ظالم، اے دوگانا، ترے ڈھیلے پائچے | نیفہ گلابی اور وہ نیلا ازار بند
ہے زہر اس میں تو، دو موہے سانپ سے بھی تھر | نیفے میں تیرے ہے جو سجیلا ازار بند

انشا کو اور اپنی نشانی نہ دے، اری
سٹ سے نکال دے نہ یہی لا ازار بند

۳۳

اے دوگانا مجھ سے کشتی کھیلنے کا ہے گھمنڈ | تو کیا کر آج ہی سے تو بھی اِک اکیس ڈنڈ
جو پری مہندی[2] لگاوے اس کے باندھے ہاتھ پانو | تو بتی کیا کیا مزے ہے یہ موئی شفتل ارنڈ

---

[1] [ق: "میری"]

[2] مہندی لگاکے ارنڈ کا پتا باندھتے ہیں۔

تب کہا جاوے اگر دولھا دُلھن ہم عمر ہوں
مِل گیا ناکند گھوڑی سے بچھیڑا ابھی اکھنڈ
اے بڑی دائی گئی گذری ہوئی باتیں نہ چھیڑ
نوچتی کیوں ہے بھلا اِس دل کے زخموں کے کھرنڈ
. . . .
آپ کی گائین کی کیا تعریف کیجے، واہ واہ!
کوئی دھوبی گھاٹ پر جس روپ گاتا ہووے کھنڈ
پھر رہے ہیں اپنی اِن آنکھوں میں اِنشاؔ رات دن
دُہرے دہرے نور تن، اور گورے گورے اُن کے ڈنڈ

۳۴

چیلے اِک جوگی کے دیکھے ہم نے ایسے لُنڈ مُنڈ
لوٹ جاویں دیکھ جن کو سینکڑوں پریوں کے جھُنڈ
تم تو کیا ہو، بیگما؟ ڈنڈ وت کرتے ہیں یہاں
سب مہاراجوں کے راجا جی بڑے ہی ہیں جو مُنڈ
ایک مُحلّی[1] پر خفا ہو کر دوگانا نے کہا
کیا کرے تجھ کو بھلا کوئی ارے اے سوکھے ڈنڈ
سینکڑوں آنکھیں کنھیا بن کے غوطے کھا گئیں
کیوں کر اِنشاؔ ناف کو تیری نہ سمجھے برما[2] کُنڈ

۳۵

اجی! کس ڈول سے بن جائے ہے گھوڑا، کاغذ
ہم بھی دوڑانے لگیں، لاؤ نہ تھوڑا کاغذ
ادھ مُوا تو نے تو کر ڈالا بہت سا نوچا
پر کبوتر نے نہ وہ چونچ سے چھوڑا کاغذ
اپنی انگیا ہی میں رکھتی ہوں دوگانا کا خط
ہو گیا ہے مری چھاتی کا یہ پھوڑا کاغذ
اُس سے کہہ دو کہ نہ بھیجا کرے لکھ لکھ کے ہیں
مجھے بدنام کرے گا یہ نگوڑا کاغذ
چھیڑ تو دیکھ، پٹاخے کی طرح اِنشاؔ نے
یوں دکھا کر مجھے پٹ دینے سے پھوڑا کاغذ

---

[1] مُحلّی = خواجہ سرا جو محل یعنی زنانے میں آتے جاتے ہیں۔

[2] [یعنی برہما کُنڈ۔]

۳۶

جاکے کیلوں میں چھپو، سب سے اکیلے ہوکر　　تاڑلے کوئی تو تن جائیو کیلے ہوکر

. . . .

. . . .

۳۷

کیا پڑی پھرتی ہے اُس کی ہر طرف رف رف نظر　　ہے پری، بّراق سا چہرہ کسی کی حف نظر
مارے مستی کے دوگانا جان بھی پس پس گئیں　　آگیا جو گومتی کے مُنہ پر اُن کو کف نظر
اُن کے ہاتھوں سے ڈھولینڈی[1] اپنے دل میں ہو گئی　　جن کے ہاتھوں میں وہ آتا ہے سنہری دف نظر
ہیں پری سے ایک جوگی جی، بڑے صاحبِ کمال　　دور سے آتا ہے جن کا دیکھو! وہ منڈف[2] نظر
وہ جھمکڑا اور ادائیں دیکھ اُس اٹکھیل کی
مجھ کو، "اِنشا"، آگئی پریوں کی صف کی صف نظر

۳۸

خانمی چاہ ہے وہ جھاڑ بہاڑ　　سینکڑوں گھر کیے ہیں جن نے اُجاڑ
جو مجھے ٹوکے سو، الٰہی کرے،　　ہوتے سوتے[3] کو اپنے کھا وے پچھاڑ
تیرے کوٹھے پہ رات، مار کمند،　　چھپ رہے تھے ہم ایک مُنڈیر کی آڑ
ٹوٹ جاوے کہیں یہ تیری چول　　ارے او بے شرمے نگوڑے کواڑ
کس لیے اپنے ساتھ لاتی ہیں　　آپ اِن لونڈیوں کی دھاڑ[4] کی دھاڑ

---

[1] ہولی کا دوسرا دن جب دھول اُڑاتے ہیں۔
[2] منڈف [یعنی منڈپ] جوگی کی جھونپڑی۔ [م: "آتا نظر ہے جن کا وہ منڈف نظر" جس میں پہلا "نظر" زاید ہے۔ ع۔ص]
[3] ہوتے سوتے (ہو) عزیز و اقارب۔
[4] دھاڑ = انبوہ، فوج۔

کیا کروں، جانتی ہوں چاہت میں ‌ ق ‌ لاکھ طرحوں کی ہے اُکھاڑ پچھاڑ
جب تلک ہو سکے، دوگانا جان! ‌ کیجے اپنی طرف سے دوڑ دَپاڑ[1]
آگے پھر یا نصیب، یا قسمت ‌ جو بدا ہو سنوار، یا کہ بگاڑ
لے چل اِنشاؔ مجھے کھجور تلے
یہ تو ہے مرد، نام اِس کا تاڑ

۳۹

دن میں سو بار بچھا بیٹھیے گر جاے نماز ‌ اپنے کرتوتوں سے پر ہم کوئی آتے ہیں باز
. . . .
بیگما نے جو کیا جھک کے سلام آنو کو ‌ آغا مینا نے سُنائی اُسے یوں ہی آواز
پوتوں پھلنا تجھے اور دودھوں نہانا[2] ہو نصیب ‌ بیاہ ہو سونے کے سِہرے سے تِری عمر دراز!
بیگما جان، بڑی شرم کی ہے یہ تو بات
گھُٹ گئیں بطخے سے اِنشاؔ کے تمھاری بی قاز

۴۰

کوئی کم بخت ہمارا نہیں ایسا دل سوز ‌ کہ ملا دیوے کسی ساتھ ہمیں آج کے روز
گورے دولہا کے لگی ہاتھ دُلھن جو گوری ‌ نقرے گھوڑے کے نصیبوں سے ملی گھوڑی بوز[3]
میری طوطی کو پڑھایا کرو، آنو جی، تم ‌ خوب بولے گی، اجی، ہے یہ ابھی نَو آموز
ٹھہرے گی خوب سی تُسر اور "پچک" کی لڑکو! ‌ آویں گے انڈے لڑانے[4] کو کل آغا نوروز

---

[1] دوڑ دَپاڑ = دوڑ دھوپ = سعی و کوشش۔

[2] "پوتوں پھلنا دودھوں نہانا" دعا ہے، یعنی بہت سی اولاد ہو۔

[3] بوز تیز گھوڑا = بوز اک تیز اور سفید رنگ کا گھوڑا۔

[4] انڈے لڑانا = ایک قسم کی قمار بازی جو نوروز کو ہوا کرتی تھی۔

بھیج دی اُن نے انگوٹھی مجھے فیروزے کی
اس کے یہ معنی کہ ہیں تو ہیں خوابہ فیروزہ
گُلِ چمن، یہ جو چمک ساتھ پڑی پھرتی ہے،
شاید اب اِس کا کوئی یار ہوا ہے زردوزہ

جوں ہی کھینچا تھیں اِنشاؔ نے تو بس گر ہی پڑیں
اجی، لاحول ولا، تم سی کڑی یہ نابوزہ[1]

۴۱

باجی کی باس میں جو رچی اک جنے کی باس
تو ٹھیک ٹھیک ہو گئی دولھن بنے کی باس
ہیں یہاں دھرے جو پھول پھپولوں کے، اِن کو سونگھ
صدقے گئی تھی، ہے یہ تری سونگھنے کی باس
بٹنا نگوڑا، کہنا بھی، کچھ لفظ ہے بھلا؟
ہم تو یہی کہیں گے، اجی، اُبٹنے کی باس
چاہت کی آگ سے یہ پھُنا دل کہ، اے ددا
گودی میں اپنی بھر گئی بھونے چنے کی باس
اُس پدمنی کی آنکھوں پہ بھونروں کی بھیڑ ہے[2]
ہو گی کسی پری میں نہ اِس طمطنے کی باس

پھولوں کی بو بھی پھولی اب، اِنشاؔ جو تو منا
اُن میں سما رہی تھی ترے روٹھنے کی باس

۴۲

گود پھولوں سے بھری میری، دوگانا، شاباش
تیری کھیتی ہو ہری، میری دوگانا، شاباش
اوٹ میں اپنی دکھا دے مجھے اُس شخص کو آج
میں ترے صدقے، اری میری دوگانا، شاباش

. . . .

پہنی اِنشاؔ کے دکھانے کو جو دھانی پشواز
بن گئی سبز پری میری دوگانا، شاباش

---

[1] نابوز = سُست، کمزور۔

[2] پدمنی = نہایت حسین وجمیل و نازک اندام عورت۔ پدم (یعنی کنول کے پھول) کے مانند نازک [بھونرا کنول کے پھول پر عاشق سمجھا جاتا ہے۔ ع۔ س]

۴۳

نہیں زیور کی کچھ پھبن پر غش — مَیں تو ہوں تیرے سادہ پن پر غش
آ اے رابیل، ہو گئی میں آج — گورے گورے ترے بدن پر غش
یوں ہی ہیں غش ہوئی دوگانا پر — راجہ نل جیسے تھا دمن پر غش
کیا ہی سنّاٹے کی ہوا آئی — ہو گئی جان اس کی "سَن" پر غش

باغ کی سیر میں ہُوا انشا
تیرے پیجامے کے چمن پر غش

۴۴

باجی تم چاہتی ہو بندی سے جیسا اِخلاص
اجی، دو کواریوں میں نوج ہو ایسا اخلاص

نہ بتولے[۱] مجھے دو، یہاں سے اُڑنچھو ہو جاؤ
کس کو کہتے ہیں محبت، اجی، کیسا اِخلاص؟

او پری دل سے نہ مل اُن سے جو کھیلیں حرفت[۲]
جیسے مُنہ، ویسی تھپیڑ، ایسے کو ویسا اِخلاص

پاس کچھ ہووے، تو چاہت بھی پڑے کچھ معلوم
سچ کہ آندھی ہے، بڑھا دینے کو، پیسا، اِخلاص

ہیں یہ دولھا دُلھن اخلاص و محبت، اِنشا
جیسے جل بخت[۳] یہ کم بخت، وہ تیسا اِخلاص

---

[۱] بتولے = جھوٹی باتیں۔

[۲] حرفت کھیلنا = دھوکے بازی کرنا + جیسا منہ ویسا تھپڑ۔ محاورہ ہے۔

[۳] جل بخت = نصیبہ جلا ہوا۔ یعنی کم بخت، بدنصیب۔ بختوں جلی = بدنصیب عورت۔

۴۵

کام کسی پھول سے یہاں ہے نہ کلی سے غرض
ہے مجھے، اے بیگما، تیری گلی سے غرض

چڑیا[1] کے پھندے چھڑادے وہی داتا سخی
صدقے گئی، ہے یہی "بندہ علی" سے غرض

اوروں کے سر جا چڑھو مجھ سے نہ بولو دوا
رکھو نہ اُجڑی ہوئی بختوں جلی، سے غرض

خوش نہیں آتا یہاں پان الاچی سنو
رکھتے ہیں ہم تو ترے مُنہ کی ڈلی سے غرض

آئی ہوں اِنشا فقط میں تو یہاں سیر کو
پھل سے نہ مطلب مجھے کچھ، نہ پھلی سے غرض

۴۶

مت دیا کر تُنت نئے ہر روز، یونہیں دم غلط
چال وہ چل، بیگما، ہو جس میں اپنا غم غلط

چار دن کی چاندنی ہے پھر اندھیرا پاکھ ہے
سچ تو یہ ہے، ہے یہ سارا حُسن کا عالم غلط

آئے وہ، جم جم سے پہنچے مجھ سے مت کہیو ذرا
جانتا دل کی خدا ہے یہ سب جم جم غلط

دیکھیو یوں کو ذرا قربان ایسے وہم کے
یہ بھی ہے کیا بات جو تم سے کہیں کچھ ہم غلط

اے نہ، صاحب، دخل یہ کیا ہے کہ اِنشا کے سوا
بھید سے اپنے جو کوئی اور رہو محرم، غلط

۴۷

کب زناخی مرے پاس آئی تھی کل رات، غلط
مجھ سے اُس سے ہوئی کس طرح ملاقات، غلط

---

[1] "چڑیا کے پھندے چھڑائے"۔ اشارہ ہے ایک کھیل کی طرف جسے چھوٹی لڑکیاں کھیلتی ہیں۔ اور "تاتی تاتی پوریاں" کہلاتا ہے۔ اس میں بچے ایک دوسرے کا کان پکڑ کر بیٹھتے ہیں اور تاتی تاتی پوریاں کہتے جاتے ہیں۔ آخر میں ایک لڑکی کہتی ہے "کوئی اللہ کا بندا" (یا بندہ علی) چڑیا کا پھندا چھڑادے۔

چارپائی وہ لگا، پھاند کے، آئی کس راہ
ایسی دیوار بڑی سی ! اجی، یہ بات غلط

وہ نگوڑی کوئی چڑیا تھی کہ اُڑ پہنچی یہاں
ہاتھ کیوں کر لگی کھِلّی کی اُسے گھات؟ غلط

چٹکیوں میں ہی اُڑا دیویں گی یہ شاگردیں
آتو جی کی کوئی یہاں کتنی ہے اوقات؟ غلط

فکر کر اپنی تو کس فکر میں ہے، اے اِنشا
ہے لگاوٹ کے سوا سارا طلسمات غلط

۴۸

شرط ہے رکھنا لحاظ، اِتنی بھی مت ہو بے لحاظ
سانس مت بھر، او دوگانا، چپ رہ، او بے لحاظ

سمدھنیں آویں گی تیرے دیکھنے کو، بیگما
اُن کو تو یہاں سے اُٹھا دے ہوویں جو جو بے لحاظ

ہوتے سوتوں سے کہو اپنے ہے خوش، اے واچھڑے!
دال فے ہو یہاں بھلا کہتے ہو کس کو بے لحاظ؟

نین مٹنی[1] اِس قدر بن جایئے، کیا فائدہ؟
تاڑ سب جاویں گی، بی! اِتنی بھی مت رہیے لحاظ

صبر کا اِنشا سے مت رکھیو کہیں ہرگز خیال
کچھ لحاظ اُس کو نہیں ہے۔ ہے وہ اب تو بے لحاظ

۴۹

نہیں یہاں کسی آشنا کی توقّع
ہمیں ہے بس اپنے خدا کی توقّع

اُڑنچھو[2] ہوئیں دائی جی تو کبھی کی
رہی اب تو بڑھیا دوا کی توقّع

اجی بی بی سیدانی صدقے گئی تھی
مجھے ہے تمھاری دعا کی توقّع

---

[1] نین مٹنی = جو ذرا ذرا سی بات میں رو دیتی ہو۔

[2] اُڑنچھو ہونا = چل دینا۔ شعبدہ گر لوگ چیزوں کو "چھو" کہہ کے اُڑا دیتے ہیں۔ اسی سے یہ لفظ بنا ہے۔

جنھیں برف و شورہ میسّر نہ ہووے — انھیں ہو تو پھوا ہوا کی توقّع
نہ کوٹھے پر آئے کبوتر اُڑانے — گئی ٹوٹ کل بیگما کی توقّع
نہ صاحب، یہ چھوٹوں کے سردار نکلے — نہ رکھے کوئی اِن بچا کی توقّع

پڑی ہے جو مشکل تو کیا ڈر ہے اِنشا
کہ رکھتی ہوں مشکل کشا کی توقّع

فرد

ہم نے یہ دیکھا ہے اک میلی کچیلی کا دماغ — ایڑیاں رگڑے جہاں مجنوں کی لیلیٰ کا دماغ

فرد

ہے درختوں سے زیادہ اُس کی شاخوں کا دماغ — بڑھ گیا یعنی اناروں سے پٹاخوں کا دماغ

۵۰

بیگما جی، ہے یہ چوٹی دار آہوں کا دماغ — ہاتھ جوڑے جن کے آگے بادشاہوں کا دماغ
سینکڑوں ہاتھی کوئی لاوے نہ تو بھی لدسکیں — کم نہیں بادل سے کچھ میرے گناہوں کا دماغ
سُن صنوبر کی کہانی، اے دواجی، بڑھ گیا — اِن نگوڑے حبشیوں، بھتنوں، سیاہوں کا دماغ

اُس پری کی آنکھ میں کوئی سماتا ہی نہیں
تھرہے اِنشا وہاں تیکھی نگاہوں کا دماغ

۵۱

لے، تو جھوٹی ہی کہانی نہ اری بے انصاف — کل بھی وعدے سے نہ آئی نہ اری بے انصاف
شمع کی لَو تو مرے دیدوں سے نکلے ہے دیکھ — تو نے یہ جان جلائی نہ اری بے انصاف
دم دلاسے ہی رہے، تو نے بُرائی کے سوا — کچھ نہ کی ہم سے بھلائی نہ اری بے انصاف
اپنی کھٹ چالیوں[1] سے باز نہ آئی، آخر — دم مرا ناک میں لائی نہ اری بے انصاف

---

[1] کھٹ چال = دھوکے بازی - کر و فریب -

سب سے کہہ دی وہ جو اِنشاؔ سے سنی تھی تُونے
نہ ہوئی اِتنی سمائی نہ، اری بے انصاف

۵۲

نہیں جاتی کہیں مہمان، مرے دل کا شوق — تم کو کیا اِس سے دوا جان، مرے دل کا شوق
ہار گوٹوں کے یہ مل ڈالوں گی میں پانوؤں تلے — چیر پھینکوں گی یہ دُلیّان، مرے دل کا شوق
بات چیت ایسی طرح کی مجھے آتی ہی نہیں — نہیں اِس کا مجھے ارمان، مرے دل کا شوق
طعنے مت دو مجھے، ہاں ہاں، اجی ہو جاتی ہوں — جان اور بوجھ کے انجان، مرے دل کا شوق
منّتیں مت کرو اِنشاؔ کی طرف سے، اُس پر
میں نہیں کرنے کی احسان، مرے دل کا شوق

۵۳

بگیا، چاہ بھی پہاڑ ہے ایک — اِس میں اِک ٹھنڈی سانس جھاڑ ہے ایک
اپنی آنکھوں میں، اُس پری کے بغیر، — شہر آباد اور اُجاڑ ہے ایک
ہم سے کیا اُڑ سکے کوئی، پیاری — لاکھ تاڑوں میں اپنی تاڑ[1] ہے ایک
ہے جو دروازہ وہ دوگانا کا — ق — اُس میں بن چول کا کواڑ ہے ایک
اُس کی زنجیر بھی نہیں لگتی — آگے پھر شرم ہی کی آڑ ہے ایک
لاکھ طرحوں کے ہیں سنوار، اِنشاؔ
اور یہ نام کو بگاڑ ہے ایک

۵۴

مَیں نے دیکھی ہے اُس کے کان میں لونگ[2] — کیوں خوش آوے نہ مجھ کو پان میں لونگ

---

[1] تاڑنا = ٹھیک اندازہ لگانا۔ [2] کان میں لونگ = خالی کان نہ رکھنے کے لیے عورتیں اکثر تنکا یا لونگ کان کے چھید میں پہن لیتی ہیں بجائے اس میں۔

ہر جگائی ہوئی دوالی[1] کی　　تھر ایک، اُس کے پاندان میں لونگ
کیا ہی جوڑا ملا، جو از غیبی　　گھُس گئی بن کے اس کے کان میں لونگ

. . . .

میں جھجک اُٹھی، لے کے اِنشا نے
کل چھپا دی جو میری ران میں لونگ

۵۵

چڑھ کے کوٹھے، دھوپ میں تم تو اُڑاتی ہو پتنگ　　اے دوگانا، چاندنی میں یہاں اُڑا جاتا ہے رنگ
کھلی چاندی کی طرح سے ہر تھلکتی چاندنی　　آج کوٹھے پر لگا دو میرے سونے کا پلنگ
بات آتو جی کی کچھ، ہرگز نہیں تو مانتی　　سچ تو یہ ہے، بیگما، تو نے بُرے سیکھے ہیں ڈھنگ
کیا بھلی لگتی ہے اٹکھیلی کسی کی، واہ وا　　اور وہ نام خدا اُٹھتی جوانی کی اُمنگ
جان صدقے اُس پری کے، جن نے اِنشا سے کہا
اب ترے ہاتھوں سے یہ بندی بہت آئی ہے تنگ

فرد

بیگما، جس طرح ہوتی ہے جوانی کی اُمنگ
تو اسی ڈھب سے سمجھ دِلّی کے پانی کی اُمنگ

۵۶

. . . .

کیا چیز ہے جو دھیان میں اپنے نہیں، اری　　ہوں پات پات میں بھی اگر تو ہے ڈال ڈال

. . . .

---

[1] دوالی کی جگائی ہوئی : یعنی پڑھی ہوئی لونگ - جادو کی لونگ -

تکیوں کو دھر کے اپنی بدل، اُٹھ پلنگ سے — اپنا لحاف اُن پہ اُڑھا اُن پہ شال ڈال

. . . .

یارب لگائی آگ ہو جس نے یہ بیر کی — پانی کی دیگ میں اُسے لے کر اُبال ڈال

ہولی میں جوگن ایسی بنی وہ کہ جس کو دیکھ — آزاد لوگ بھول گئے اپنی چال ڈال

. . . .

میں صدقے تیرے، تو مرے نالوں کی راہ سے — جتنا بھرا ہو دل میں دھواں سب نکال ڈال

ہرگز غبار دل میں کچھ انشؔا سے تو نہ رکھ
سینے کی آرسی[۱] کو، زناخی، اُجال ڈال

۵۷

ارے بی، ایک ہی عیّار ہو تم — ناک چوٹی میں گرفتار ہو تم

چھیڑ کی بات سوا اور نہیں — یعنے لڑنے ہی پہ تیّار ہو تم

کس سے اقرار ہوا، جو ہم سے — کرتی ہر بات پہ انکار ہو تم

بیٹھتے پاس نہیں جو آ کر، — کیا مری شکل سے بیزار ہو تم

سچ نہ بولے کبھو انشؔا سے، چلو
اجی سب جھوٹوں کے سردار ہو تم

۵۸

ہر اِن دنوں میں اُن کی جو آواز ڈوک میں — تو کھُر دُھراہٹ اور رہی ہر نوک چوک میں[۲]

باجی، نکالے ہاتھ دوشالے سے کون اب — پانی پلا دے تو ہی مجھے اپنی اوک میں

تیزی کٹیلی آنکھ میں ہر بیگما کی جو، — سو دھاریں چھُری کی، نہ چاکو کی نوک میں

---

[۱] سینے کی آرسی یعنی دل + اُجالنا = زیور کا چمکانا۔

[۲] آواز ڈوک میں ہونا = سن بلوغ کو پہنچنے پر آدمی کی آواز کا کچھ بھاری پڑ جانا۔ نوک چوک = طعن آمیز باتیں۔

ہر مست باس کی جو دوگانا میں اِک بھنک[1] — سو دخل کیا کہ ہو جو کسی مست بوک میں
دربان ہر وہ ایک بچھوڑا، سو عمر بھر — بیری اصیل[2] ہی کی رہا روک ٹوک میں
باھمن کے لڑکے کھول کے پوتھی بچار تو — مجھ سی پری بھی ہوگی کوئی اِندر[3] لوک میں؟

اِنشا کی بات چیت میں جو چھیڑ چھاڑ ہے
سو لذّت النّسا میں کہیں ہے، نہ کوک[4] میں

۵۹

میں تو کچھ کھیلی نہیں ہوں ایسی کچی گولیاں[5] — جو نہ سمجھوں بی زناخی جی تمھاری بولیاں
منہ بنائے بیگیا ہے تو پڑی پھرتی ہیں آج — ٹھنڈی سانسیں بھرتیاں، اُس کی کئی ہمجولیاں
انتظاری میں تری کل باغ سے جو رنڈیاں — لائیاں تو پھول نرگس ہی کے بھر بھر جھولیاں
بس کہیں چپکی بھی ہو ایسی کوئی نوّے کروڑ — جیب میں میری بھری ہیں بولیاں اور ٹھولیاں
کیا کسی کے درد سمجھیں رنڈیاں یہاں کی اجی — ٹھوس ہیں اوپر سے اور اندر کے دل سے پولیاں
پائینچے ڈھیلے قبائیں سب نے کیں اب ٹھیک ٹھاک[6] — اڑ گئے وہ لمبے دامن اور اونچی چولیاں
کچھ نہیں معلوم۔ پوچھو کون سا میلا ہے آج — جاتیاں ہیں جو کھچا کھچ ڈولیوں پر ڈولیاں

مطلب اِنشا کا سمجھتیں ہی نہیں، اے وا چھڑے
بیگمیں اور خانمیں ہیں ایسی ہی تو بھولیاں

---

[1] بھنک = ہلکی بو۔ بوک = جوان بکرا۔

[2] اصیل = لونڈی۔

[3] اِندر = دیوتاؤں کا راجا، اندر لوک = اندر کا مقام حکومت۔ یہاں پرستان مراد ہے۔

[4] کوک = کوک شاستر + "کوک شاستر" اور "لذّت النّسا" کتابوں کے نام ہیں

[5] کچی گولیاں کھیلنا = ناواقف ناتجربہ کار ہونا۔ [م: نہ "سمجھوں گی زناخی جان"]

[6] اس شعر سے اِنشا کے زمانے اور نیز اُس کے قبل کا طرز لباس معلوم ہوتا ہے۔

فرد

پھولوں کے اِن دنوں میں لچھن سے جھڑ پڑے ہیں
شاید کہ اُس پری کے دامن سے جھڑ پڑے ہیں

۶۰

تھیں تو پردے والیاں مجھ کو "پرے ہٹ" بولتیں
انگلیاں تھیں پر سبھوں کی دل سے چٹ چٹ بولتیں

تھی کھلی کنڈی تو کیا تھا؟ تھا سہارا ہاتھ کا
کچھ نہ کچھ چولیں کواڑوں کی تو چٹ پٹ بولتیں؛

یا نہیں، تم سچ کہو اے یہ بھی ہوتا پھر بھلا
بطخیں، سو میں تمھاری کیوں نہ منہ پھٹ بولتیں (ق)

بیگمانے لے لیا شیشہ، تو ساری گاسیں ہے
کیا صراحی بن کے ہیں اُس سے غٹا غٹ بولتیں

تاک کے سائے میں آ کر بیٹھ پائیں باغ میں
بلبلیں ہیں سن کے انشاؔ تیری آہٹ بولتیں

فرد

کل دوگانا بن جو پریاں باغ میں گھبرا گئیں تاک پر سب اُن کی چوٹی دار آہیں چھا گئیں

فرد

کیا ترے سر آ چڑھے چاروں کے چاروں لاماں! شاہ دریا، شیخ سدّو، زین خاں، ننھے میاں[1]

---

[1] یہ چاروں نام اُن فرضی اشخاص کے ہیں جو عورتوں کے سر آتے ہیں۔

سوتنیں کم بخت وہ، جو بیر دوڑاتی رہیں
اُن سے آخر کیا ہوا؟ اپنا کیا پاتی رہیں

۶۱

اَرے دل کچھ انھیں تیری خبر نہیں — تری چاہت میں نگوڑے اثر نہیں[1]
نہ کروں شکوہ شکایت سو کیوں بھلا — میری حالت پہ تجھے کچھ نظر نہیں
جو کبھی ایک گھڑی "ہاں" بھی ہو گئی — تو رہی پھر وہی دو دوپہر "نہیں"
جو کہا میں نے کہ غش ہوں، تو وہ پری — یہ لگی کہنے کہ کچھ اس کا ڈر نہیں

ابھی اُڑ لا گیے قازوں [ہی] کی طرح
یہی افسوس ہے انشا، کہ پر نہیں

۶۲

کیا یہ چھیڑ کہانی کی باتیں آ کے ہم سے چھیڑیاں — سینکڑوں تم سے یہاں رگڑا کیے ہیں ایڑیاں
قید سے چاہت کی لگا کھا سکے[2] تو کچھ وہی — پانوؤں میں ہوں جس کے کوئی لاکھ من کی بیڑیاں

۶۳

مدھ میں جوبن کے بھری ہیں یہ جو لونڈوں گھیریاں — لیتیاں ہیں صحن اور کوٹھوں پہ سو چک پھیریاں
سب کی سب کُھڑ گنجیاں، ساری کی ساری ڈھیریاں — دیکھ لیں بس ہم نے، رانی جی، تمھاری چیریاں[3]

---

[1] غزل ۶۱ بحر غریب مسدس مخبون (فعلاتن فعلاتن مفاعلن) میں ہے اور مقطعِ غزل کے پہلے مصرعے کی تقطیع یوں ہوگی:
"ابھ اُڑ لا | اگَیِ ہے قازوں | ہِ کی طرح".
+ [ہی] اضافہ کرنا وزن کے لیے ضروری ہے۔ ع۔ ص]

[2] لگا کھانا = مقابل ہونا۔ [3] ڈھیری بھینگی، احول چشم۔ چیری: لونڈی۔

۶۴

نظر آویں ہیں اُس میں پڑھنے کے گُن جسے کھیل میں بھی لگی ہو یہی دُھن:
الف دو زبر اً، دو زیر اٍ، دو پیش اٌ ق سو نامِ خدا بگیا ہر، اری سُن
سنی تھی کسی سے جو بحرِ تقارُب اُسے کرلیا گھنگروؤں کا تفنُّن
کہ تولے ہر اپنے سبق پر، یہ کہہ کر: "فعولن، فعولن، فعولن، فعولُن"
کرم عام ایسے یہ تینوں کہ انشا
تصدّق ہوا ان پر تنبورے کی تُن تُن

۶۵

بلا سے اگر آئی ہولی، کہارو نہ مجھ سے کرو بولی ٹھولی، کہارو
کہا میں نے ہنس کر: بھلا کیا کروں میں تو ہنس کر کے اُن نے کھٹولی، کہارو
مٹک چال چلنے پہ مت مان کیجو کہ حاضر ہر اپنی مجھولی[ع] کہارو
کناری لگی کیسی کیسا لال ہو تی یہ کس گانو کی ہر گی بولی، کہارو
ٹکے، پیسے، صدقے کیے، کیا بلا ہیں روپئے دوں گی میں بھر کے جھولی، کہارو
مجھے چپکے پہنچا دو انشا کے گھر تک
نہ پوچھو کہ "کے پیسے ڈولی" کہارو

۶۶

نگوڑی چاہت کو کیوں سمیٹا عبث کی جھک جھوری[۱] جھیلنے کو
دوگانا، پڑ جائے پھکی ایسی تمھاری اٹکھیل سے کھیلنے کو

ع مجھولی = [نہ بہت بڑی نہ بہت چھوٹی۔ یہاں] ایک قسم کی بہلی [مراد ہے]۔

۱ جھک جھوری = (یہ لفظ گیتوں میں آتا ہے) ہاتھاپائی۔ نوچ کھسوٹ۔ دھینگا مشتی۔

ہزار فوجوں کو جو کہ ریلیں، کہیںٔ گے ہم تو نہ مرد اُن کو
اری، تو جگرا سراہ اُن کا کہ جا ویں پریوں کے ریلنے کو
ڈھکیل دینے سے تیرے کو کا، لچک سی اُن کی کمر میں آئی
بلا سمیٹے اور آگ لگ جائے ایسے نیہرے ڈھکیلنے کو
پھسل پڑی جو گلاب اُن پر، ہو چونکی آتو، تو یوں ہی بولی
گئی تھی میں ہو کے خوب پیاسی گھڑوں سے پانی اُنڈیلنے کو
نصیب جاگیں گے، بیگما جی، تو میں بھی ایک رتجگا کروں گی
ابھی تو، اِنشؔا کے ہاتھ سے، یاں پڑے ہیں پاپڑ سے بیلنے کو

٦٧

بات وہ لایئے، کم بخت، جو چت چاہی[1] ہو
اجی، بس جاؤ بھی، کچھ تم تو بڑی واہی ہو
پھر جو بول اُٹھوں گی کچھ میں، تو یہ طعنے دو گی
قہر ایسا نہ کرو تم ابھی بن بیاہی ہو
آپا، تحفہ وہ جو بر چُگی ہے اُس کی انگیا
تب سیون ساری کی ساری ہی جو اِک لاہی ہو
بوڑھا چونڈا نہ ہلا، موم کی مریم، اے شمع
چل ری چل، صبح ہوئی، اب تو کہیں راہی ہو
دیکھ لینا تو مجھے آج سے اِنشاء اللہ
ضد سے آنو گی، وہاں بیٹھوں، جہاں ہاہی[2] ہو

٦٨

. . . .

تم بڑی قہر ہو، اے باجی جان
نوج تم سی کوئی چھتیسی ہو

. . . .

---

[1] چت چاہی = دل پسند۔ * م: "کہیں گے"

[2] ہاہی = ہنسی دل لگی مذاق کی باتیں۔ ہی ہی ہاہا۔

یعنی چٹ پٹ کی اُسی سے ٹھہرے کھیلنے والی جو پچیسی[1] ہو
اوڑھنی سبز ہے اس کے ہی لیے جو کہ پھٹ جانے میں کائی سی ہو

. . . .

وہ ہی انشاؔ سے ملا دے مجھ کو
میری چاہت میں جو باجی سی ہو

(۶۹)

جی ہی کچھ رکھتی نہیں دھڑ میں نری پوپلی ہے تو اے دوا فرہاد کُش بڑھیا کی ہم جولی ہے تو
ہے ترے مُنہ کا اُگال اس پیٹ کا میرے ادھار میری خاطر کیوں منگاتی پان کی ڈھولی ہے تو
بات دنیا کی سمجھتی ہی نہیں، نامِ خدا دیکھیو میری طرف۔ کیا خوب بی بھولی ہے تو
سننا جاتا ہے جی اپنا، دوگانا، اُس گھڑی گھر کے جانے کو منگاتی جس گھڑی ڈولی ہے تو
دھر مکٹ انشاؔ کے سر کہ "جے کنھیا لال کی"
بن کھڑی ہو رادھکا جو کھیلتی ہولی ہے تو

(۷۰)

اری موئی ادھر آ تو کہ سکھائے ہنر آ تو
رہ گئی دیکھ انھیں کل پکڑ اپنا جگر آ تو
مارے کیا ہی کُدکّے[1] جاوے اپنے، جو گھر آ تو
کیجیے کیا ہی اندیں دیوے چھُٹی اگر آ تو
مرے دل کی بھی خبر ہے تجھے، اے بے خبر آ تو
کوئی کم بخت نہ ہو گی کہیں تجھ سی کنٹر آ تو
کیا ہو گر انشاؔ تجھے ہاں[2]
دیکھ لے بھر نظر آ تو

---

[1] کُدکّے = اچھل کود۔ ن۱ - بجی سی - ن۲ - تیہاں -

۷۱

اِدھر آؤ، نہ ستاؤ — پاس اپنے، نہ بلاؤ
ہو جہاں خوش، وہیں جاؤ — چٹکیوں میں نہ اُڑاؤ
آگ دل میں، نہ لگاؤ
بس نہ اِنشاؔ کو کڑھاؤ

۷۲

کوئی نہیں آس پاس، خوف نہیں کچھ — ہوتی ہو کیوں بے حواس، خوف نہیں کچھ
یہ نہیں فتنے کا عطر، جس سے کہ ڈر ہو — آتی ہے پھولوں کی باس، خوف نہیں کچھ
کچھ یہ نہیں چوکیدار جس سے جھجک ہو — ٹیلا ہے اور اُس پہ گھاس، خوف نہیں کچھ
آؤ چلی میرے ساتھ ساتھ سادھے ہوئے دم — کچھ نہ کرو تم ہراس، خوف نہیں کچھ
باندھیو، اِنشاؔ، نہ دھیان آگ دھوئیں کا
پھولے ہوئے ہیں پَلاس[1]، خوف نہیں کچھ

۷۳

نہ کہیو پھر، نہ کی "اللہ اللہ"[2] — اجی، اُستاد جی، اللہ اللہ
اے لو، تم نے مری کیا جڑ نکالی؟ — یہ کیا ہے ہر گھڑی "اللہ اللہ"
تمھاری دولت[3] اب تو ہو گئی ہے — نہ تھی جن سے کبھی اللہ اللہ
اجی، اِنشاؔ کو صدمہ تم نے سنایا
یہی تھی منصفی ہے اللہ اللہ!

---

[1] ایک پیڑ جس پر لاکھ کے کیڑے رہتے ہیں۔ [2] اللہ اللہ = سلام ۔ بندگی۔

[3] تمھاری دولت = تمھاری بدولت۔

(۷۴)

یہ گھٹا رات کو چھائی کہ الٰہی توبہ — مینہ نے وہ آنکھ[1] دکھائی کہ الٰہی توبہ

بیگما، راہ میں آج ایک پری نے مجھ سے — آنکھ ایسی ہی لڑائی کہ الٰہی توبہ

پھول کی ایک کلی، چونچ میں اپنی لے کر — دُم یہ بلبل نے پھلائی کہ الٰہی توبہ

کیوں نہ جی وجد کرے، آگے دوگانا جی نے — کنکلی ایسی ہر گائی کہ الٰہی توبہ

تیری فریاد کروں کس سے، زناخی تو نے — یہ مری جان جلائی کہ الٰہی توبہ

خوب اب جاگ چکیں، رات کو جو آتے ہی — تم نے لی ایسی جمھائی کہ الٰہی توبہ

میرے مُنہ سے جو کہیں نام سنا اِنشا کا
تو نے یہ دھوم مچائی کہ الٰہی توبہ

(۷۵)

مَیں ترے[2] صدقے نہ رکھ، اے مری پیاری روزہ — بندی رکھ لے گی، ترے بدلے ہزاری روزہ

نمش اور برف کے کوزوں کی ہوئی تیاری — آج کس شخص کی رکھے گی دُلاری روزہ

بولی، نرگس کی جو کیاری میں نہ دیکھا پانی: — ہر ہماری سی طرح تجھ کو بھی، کیاری، روزہ

دن دہاڑا ہر ابھی۔ رات کو اِنشا اللہ
تیرے قربان گئی ہر مجھے، واری، روزہ

(۷۶)

کلی دِل کی بھلا کیوں چٹکیوں میں تو مسل ڈالے — یہ دونوں پھول جیسے ہونٹ تیرے کوئی مل ڈالے

گلوری پان کی جو کھا رہی ہر اُس سے کہنا ہو — نہ رکھے بات کچھ جی میں بھری ہو سو اُگل ڈالے

---

[1] آنکھ دکھلانا = دوڑنا۔

[2] اس غزل کی شان نزول آبِ حیات میں بیان کی گئی ہر۔

فضیحت کا نگوڑا ہر گھڑی کیوں پینا پیسے[1] | بڑا دانا جو ہو، چکی میں کیا چھوٹوں کو دَل ڈالے
بُرائی میرے ٹھینگے پر۔ خدائی رات میں میں نے | بڑے ایسے بہت سارے کڑھائی بیچ تل ڈالے
مجھے ڈر ہے پچھیڑا ایک جوہر نا کند سا پھرتا | مبادا، اے دَدا جی، وہ کہیں تم کو کھُند ل ڈالے[2]
غلیلا[3] پھر اُسے کُریال کا کیوں کر نہ ٹھہرا دیں | نگوڑی باؤلی چڑیاں، مزے میں جو خلل ڈالے
دوگانا مدھ میں جوبن کی بھری وہ وقت آپہونچا | کہ کوئی پھول اُس کی گود میں، کوئی لا کے پھل ڈالے
اری تو اُبلی ہی پڑتی ہے مارے جھل[4] کے اے رنڈی | خدا ایسی بھی دیدوں میں کسی کے نوج جھل ڈالے
بھلا ہوتا نہیں دنیا میں رسموں کے بدلنے سے | جو اپنی خیر چاہے سو تری نیت بدل ڈالے
گھڑی جیسے فرنگی بولتی ہے دل بھی ہے یوں ہی | یہ خطرہ ہے کہ تو کوئی بگاڑ اس کی نہ کل ڈالے

کسی کوٹھے کے لگتے پر وہ ہے جو اک درخت انشا
اکھٹے تین چار اُس میں سے آئے ہیں نکل ڈالے[5]

۷۷

کل ایک گھر میں خوب سے چھوٹے بڑے لڑے | ہاتھوں سے ہاتھ اور کڑوں سے کڑے لڑے
چھلنی سے چھاجھ، چھاجھ سے چھلنی اُلجھ گئی | مٹکوں سے مٹکے ٹوٹے گھڑوں سے گھڑے لڑے
لڑکوں سے لڑکے چمٹے جوانوں سے سب جوان | بڈھوں سے بڈھے، کڑ بڑوں سے کڑبڑے لڑے[6]
جھونٹوں سے جھونٹے گتھ پڑے، چوٹوں سے چوٹیاں | بیٹھوں سے بیٹھے لیٹے کھڑوں سے کھڑے لڑے
حقوں سے حقے چلموں سے چلمیں بھی ٹوٹیاں | نیچوں سے نیچے گڑ گڑوں[7] سے گڑ گڑے لڑے

---

[1] فضیحت کا پینا پیسے یعنی برابر فضیحت کئے جائے۔

[2] کھند لنا = پیروں سے روندنا۔

[3] کُریال میں غُلّا یا غلیلا مارنا = عین خوشی یا مزے کے موقعے پر مزاحم ہونا۔

[4] جھل = غصّہ ۔ خواہش جماع (بازاری)

[5] ڈالے جمع ہے ڈالا کی ۔ ڈالا = موٹی شاخ ۔

[6] کڑ بڑا = اوسط عمر کا آدمی ادھیڑ۔

[7] گڑ گڑا = ایک قسم کا حقہ۔

جب تُل گئی لڑائی ترازو کی تول میں   باٹوں سے باٹ چھوٹے دھڑوں سے دھڑے لڑے

اِنشاؔ یہ دیدے اپنے بھی اس دھوم دھام میں
دیدوں سے ایک شخص کے ہو کر کڑے لڑے

۷۸

جو ہم کو چاہے، اُس کا خدا نت بھلا کرے   دودھوں نہائے اور وہ پوتوں پھلا کرے

روٹھے ہوئے کو کس طرح جا کر منائیے   منت کسی نگوڑے کی، اپنی بَلا کرے

جھلسا[۱] ہر اُس کے مُنہ کو، جو چاہت کا نام لے   اس دل کی آنچ میں کوئی کب تک جلا کرے

کچھ دوڑ تجھ سے بھی نہ ہوئی، چل چخی دوا،   وہ اڑ گئی جو کوئی ترا ارتلا کرے

افسوس، اُس خیال میں جو جی میں رچ گیا   دونوں یہ ہاتھ کوئی کہاں تک مَلا کرے

دائی کے دشمنوں کو نکالے موئی اصیل   کچھ جا کے بد دُعا نہ کہیں کلکلا کرے[۲]

آواز بجھ[۳] رہی جو دوگانا کی آج ہی
اِنشاؔ سے کوئی کہہ دے اس کا گلا کرے

۷۹

جو دل کی آرسی کو ہماری جلا کرے   اُس کا کنول خدا کی طرف سے کھلا کرے

کیا نیند آوے اُس کو، یہ پھولوں کی پنکھیا   جب تک نہ زورے زورے سے مُنہ پر ہلا کرے

ہوں اُلٹی[۴] ٹانگیں اُس کی اسی کے گلے میں جھٹ   جو کوئی اُن سے، جا کے ہمارا گِلا کرے

بندی کی وہ جو ٹوہ میں ہوں، اے مرے خدا   اِک مست ہاتھی غیب سے اُن پر پِلا کرے

---

[۱] مُنہ کو جھلسا = عورتوں کا کوسنا۔

[۲] کلکلا کے بد دعا کرنا = دانت بھینچ کر بد دعا کرنا۔

[۳] آواز بجھنا = آواز کم ہونا = آواز بیٹھنا + گلا کرنا = گلے کا علاج کرنا جس طرح دائیاں چھوٹے بچوں کا گلا ٹھیک کرتی ہیں۔

[۴] الٹی ٹانگیں گلے میں پڑنا = جو شخص کسی کی خرابی کا خواہشمند ہو اُس کی خود خرابی ہونا۔

کچھ بندھ[1] باندھ ایسی طرح کا، کہ اے دوا
اِنشؔا اب اوکے چوکے تو ہم سے ملا کرے

۸۰

چلو سیر باغ کو بیگما، ہوئے ہیں درخت ہرے بھرے
وہ جو تاک ہیں سو لٹے میں ہیں نہیں کوئی اور ورے پرے

اری لونڈوں گھیر لو، جا چھپو کہیں حبشیوں کو نہ جانیو
کہ یہ چھوٹے چھوٹے سے بچے ہیں یہ تو چوکرے ہیں ورے پرے[2]

یہ جو گائیں ہیں انھیں، دوا تو خدا کے واسطے دے سُنا
کہ نگوڑی دُوں کے سُر میں جا کوئی سانس یہاں بھرے ارے

جو گناہ کرکے پھر آوے تو اُسے ایسی آنکھ دکھایئے
کہ رہے جہان میں جب تلک وہ قصور پھر نہ کرے ڈرے

نہ یہ حال لال پری سے کہہ نہ تو زین خانِ ولی سے کہہ
ارے اِنشاؔ اپنے ہی جی سے کہہ کہ کسی پہ دل نہ دھرے ڈرے

۸۱

ہزاروں دیویوں کو یہاں کی پریوں نے لتاڑا ہے[3]
نہیں یہ لکھنؤ اِک راجا اندر کا اکھاڑا ہے

چھوا ہے کچھ نہ چھیڑا ہے کسی نے اب تلک اِن کو
ابھی سے بیگما جی نے بھلا کیوں مُنہ بگاڑا ہے

خدا اُن کو اُجاڑے ہاتھ سے اِن باغبانوں کے
جنھوں نے اِس موئی بُلبل کے کھونڈے[4] کو اجاڑا ہے

رضائی شال کی اوڑھیں چلیں ہم تم چھپر کھٹ میں
ہوائیں ٹھنڈی ٹھنڈی آ رہی ہیں، خوب جاڑا ہے

گرایا کل دوگانا کو جو میں نے کھیل کر کُشتی
تو کوکا یوں پکار اُٹھی پچھاڑا ہے، پچھاڑا ہے"

بھلا باتیں کرے کوئی کہاں تم سے جہاں دیکھو
تمھارے ساتھ اک پٹھا ہوا دھاڑے کا دھاڑا[5] ہے

---

[1] بندھ باندھ = ایسی ترکیب کر۔ اوکے چوکے = بھولے چوکے۔

[2] [اس شعر کا متن درست نہیں معلوم ہوتا۔ ع۔ ص]

[3] [م: "پچھاڑا"]

[4] کھونڈا یا کھوندھا = گھونسلا۔

[5] دھاڑے کا دھاڑا = غول کا غول۔ ساتھیوں کی کثرت۔

نہیں بھاتا نگوڑے بادلے کا یہاں یہ نمگیرہ ۔۔۔ اجی اِس چاندنی کی سیر ہر اور بس نِواڑا ہر[1]
اُسی نے پی لیا ہر عاشقوں کی جان کا لوہو ۔۔۔ وہ جو گردن کے ڈورے ساتھ لپٹا سُرخ ناڑا ہر
جو سوچا خوب سا میں نے تو اُن کی دوستی کا ڈھب ۔۔۔ نہ سیدھا ہر نہ ترچھا ہر نہ ٹیڑھا ہر نہ آڑا ہر

بھپارا اگرم[2] خُلطے کا نہ دیجے آپ اِنشا کو
تکلّف بر طرف صاحب کو اُس نے خوب تاڑا ہر

فرد

اِس گھڑی اِک دھیان میں ہوں آپ کے من بولتی[3]
ڈر لگے ہر پر بہت ہی راس ۔۔۔ سن بولتی

فرد

گوشت اک گاڑی بھرا لے کر جو چک پھیا[4] سی ہر
ناک ہر کوڑا سی اُس کی جان، سوٹیا سی ہر

فرد

کیا چڑھے دھیان کسی شخص کی کنگھی چوٹی
ہر مرے پانو تلے لال پری کی چوٹی

۸۲

یہ کیا تجھے ہر خواہی نہ خواہی ۔۔۔ مجھ سے یہ بکنا واہی تباہی

---

[1] نواڑا = پر تکلّف کشتی، ہوا کھانے کا بجرا۔

[2] بھپارا = جھوٹا وعدہ، جھانسا۔

[3] من بولتی دل کی بات۔

[4] چک پھیا = چکی کا سا پاٹ۔ کوڑا۔ بڑی کوڑی۔ ٹیا، ایک قسم کی چھوٹی کوڑی۔

انگیا دوا کی تب تو نے اِک ساری کی ساری ہووے جو لاہی
طوفان تم نے مجھ پر جو باندھا کوئی بھی دے گا اِس کی گواہی؟
میری بدی میں جو کوئی ہووے اُس سے سمجھ لے تو ہی، الٰہی!
دشمن جو میری تھی اِک جنی وہ از غیبی آئی اُس پر تباہی
ہم نے نباہی تم سے تو، پیارے! لیکن نہ تم نے مطلق نباہی
اِنشا نے بھی اب تلوار باندھی
کیا خوب، اے واہ! ایسا سپاہی

۸۳

بس مرا سر نہ کھا، ارے! دور ہو، چل چخی! پرے
سیر کا ہر مزا ابھی کھیت ہیں سب ہرے بھرے
کوئی نادان[ثہ] ہووے، تو تیری باتوں پہ دل دھرے
تو ہی بتا یہ، اے صنم کوئی اب تجھ سے کیا کرے
دیکھ اِنشا مجھے، بھلا
سانس ٹھنڈی نہ کیوں بھرے

۸۴

وہ تو کسی میں نہیں، آپ میں جو بات ہے جھوٹ جو بولوں، تو یہ تاروں بھری رات ہے[۵ہ]
پڑتی ہے مینہ کی پھوار، نیند میں سب لوگ ہیں ایسے میں آجایئے زور ہی کچھ گھات ہے
تم بھی کوئی ہو، اجی! کن نے کہا، آدمی واچھڑے کیا پوچھنا، آپ کی جو ذات ہے
سینک سے پارا بھرا پیٹ میں کوڑی کے اور میں نے یہ اُن سے کہا یہ بھی تو اِک گھات ہے

ثہ [تلفظ: "ندان"۔ ع۔ ص]

۵ہ "تاروں بھری رات" عورتوں کی قسم۔

دل کی خوشی کے لیے سنیے کچھ انشا سے آپ
بات میں اُس کی بھری ایک کرامات ہے

۸۵

لیلی کے آگے کیا وہ مجنوں کی آہ شعلہ
سر مونڈی ایک لونڈی، سو ناک کان کاٹی

۸۶

او کے چوکے تو کبھی چونک[1] کی بھی سیر رہے
اور کیا ! دولھا بہادر ! دموں کی خیر رہے

اپنوں کی جلنی، اجی ہم نے تو اپنایت کی
پھر یہ قسمت کہ وہی غیر کے ہم غیر رہے

تیرنا چاہ کی ندی میں ترا کام نہیں
جن کی قسمت میں کہ لکھا تھا وہی تیر رہے

۸۷

کیوں نکھل پڑبے نہ ہر روپ پہ کچھ اُن کا تو
سونے روپے کو گلا دیوے سُہاگا جیسے

یوں ہی ہر بات میں بولا کرو ”سنگر سُردا“
ابھی ”آغا“ کو بھک کر کہا ”آگا“ جیسے

کوئی اللہ کرے چھینک پڑے جلدی سے
وہ چھپر کھٹ میں تو ہی چھوڑ کے بھاگا جیسے

میں تو دوکھا نہیں گانے کو نرے پر یہ کہا
تال سُر سم سے جو گاوے تو بھلا گا جیسے

گائنیں گاویں امیروں کے گھروں میں نہ کہ وُہ
قائیں قائیں آکے کریں صبح کو کاگا جیسے

ڈھال تلوار لیے لانگ چڑھائے انشا
مجھ سے یوں رات ملا ہو کوئی ناگا جیسے

---

[1] چونک یعنی چوک، لکھنؤ کا مشہور بازار ۔ یہ پورا شعر ایک مدکیے افیونی قرم کی زبان سے ہے جو ”چوک“ کو ناک میں ”چونک“ بولتا ہے ۔ ”دولھا بہادر“ اور ”دموں کی خیر“ بھی انھیں لوگوں کی زبانی ہے ۔

۸۸

یہ اتفاق ہو نہ بنے، یا بنی رہے
پر آدمی کو چاہیے دل تو غنی رہے

روٹھی ہوئی ہی وہ تو گئی، پر یہ سوچ ہو
یہ کیونکے ہو کہ یوں ہی ٹھنے تو ٹھنی رہے

مانگوں گی آدھی رات کو سر کھول کر دعا
آمیں کے کہنے کے لیے اور اک جنی رہے

نواب دولھا شیر بہادر وزیر کی
جم جم سے ملکوں ملکوں میں نت روشنی رہے

دولت بنی ہو اور سعادت علی بنا
یارب بنی بنے میں ہمیشہ بنی رہے

قائم رہے وہ چاند سا مکھڑا جہان میں
اُس کا برا جو چیتے اُسے جانکنی رہے

جم جم وہ آنکھ اُس کی جو برچھی سے تیز ہو
دشمن کے دل میں چبھتی اُسی کی انی رہے

ہمت کبھی نہ ہاریے انشا یہ چاہیے
جو بات دل میں ٹھن گئی، بس وہ ٹھنی رہے

۸۹

دنیا ادھر کی گو اُدھر ہو جائے
بڈھے خوجے کی کس طرح خو جائے

وہ ہی اب تجھ سے کھیلے پچیسی
جان ٹیّاں سی اپنی جو کھو جائے

منہ سے ٹک پھوٹ تو، انار کلی
اری کس طرح تیری تُو تُو جائے

ہو جو کو بیٹھے تلے کھڑا اُس کو
ٹھنڈے ٹھنڈے کھو کہ گھر کو جائے

کہہ کہانی تو ایسی ہی، انشا
جس میں آ تو بگوڑی یہ سو جائے

۹۰

آج وہ بات سہی جس میں تری کل کل جائے
کیا کروں لیکن اگر کوئی مہینا ٹل جائے

یوں لگی لو سے، یہ جو پڑیں جو ہاری وہ پری
ستّی ہو جائے دمن مر ترا راجا نل جائے

ڈھلتی پھرتی ہوئی اِس چھاؤں پہ جو اِترادیں ‏ حق کرے، تیری طرح اُن کا بھی جوبن ڈھل جائے
آہ کی لَو، جو مرے جیوڑے[1] سے نکلے باجی ‏ شمع یہ، بختوں جلی، کیوں نہ بھلا جل جل جائے

. . . .

. . . .

۹۱

سیدھے لوگوں سے بھی رکھتی ہو کجی، بی ستی[2] ‏ کیا بُری خو ہے تمھاری بھی، اجی بی ستی
آئے اب تک نہ مرے دوست یہ کیا قہر ہوا ‏ اے لو، اب صبح کی نوبت بھی بجی، بی ستی
کوئی بیچا ہو، تو اِس وقت تصدّق ہو جائے ‏ اوڑھنی زرد عجب تم پہ سجی، بی ستی
چشم بد دور، قصابہ یہ تمھارا، اے واہ! ‏ گرم کتنی ہو اجی، اوچھی جی! بی ستی

اجی، اِنشا کو نہیں دھیان ہمارا مطلق
آبرو ہم نے عبث اپنی تجی، بی ستی

۹۲

کہہ گئی مجھ سے دوگانا کی بہن جو چھٹکی ‏ تو بس اِن چاہ بھرے لوگوں نے مجھ سے کُٹ کی
پڑگیا نیل مرے گال میں کیا قہر ہوا ‏ ارے کم بخت نگوڑے پڑے تجھ پر ٹُپکی
دُبلی پتلی ہوں، مرے تو نہ پہنیو کپڑے ‏ اری او جان، اری خیلا، اری او مٹکی!
میں نے لی اِتنی سی سبزی کہیں پیچھے جاکر ‏ پہلے باجی ہی نے معجون کی کھائی ٹِکی

. . . .

. . . .

---

[1] جیوڑا (ع و) جی۔ ن۔ میری۔

[2] ["ستی" عربی لہجے میں مخفف ہے "سیّدتی" یا "سیدتی" کا یعنی "میری سیّدہ" شاہان مغلیہ کی بیگمات میں سے بعض بیگموں کا نام "ستی بیگم" تھا۔ ع۔ص]

۹۳

کوئی کچی ہی گنے ہر بات کا پکا تجھے　　گر پڑے تو اوندھے منہ، شیطان کا دھکا[1] تجھے
کوئی چمگاڈر سا حاجی ہو نگوڑا اُڑ گیا　　آئے دوا، جواب دکھاوے کاٹھ کا مکا[2] تجھے
"کون جیتا، کون ہارا" یہ تو پچیسی مچی　　اے زناخی، پو پڑی میری تئیں، چھکا تجھے
اُٹھتی کوپل، اور چاہت بیگما، کیا قہر ہے　　چاند جیسا لگ گیا بے ڈول یہ لکا[3] تجھے
چپکے دینی کھول کنڈی، لینا انشا کو بلا
ڈر بھلا کیا چاہیے دربان بوبک[4] کا تجھے

۹۴

سچ کہوں، بات جو بُری نہ لگے　　کیا وہ کتی[5] کہ جوں چھُری نہ لگے
کیا وہ پنجری سیلی بیلی، اجی　　جو کہ ہونٹوں میں بھُربھُری نہ لگے
آغا مینا، اُجڑ گئی تجھ کو　　چاہیے کوئی بے سُری نہ لگے
چودھری جی، چلے وہ کیا گاڑی　　کبھی پہیوں میں جودھُری نہ لگے
ڈر یہی ہے کہ میرے پیچھے، دوا　　یہ نگوڑی اکل کھُری نہ لگے
میر انشا وہ ہے کہ رستم کی
جس سے ہرگز بہادری نہ لگے

---

[1] شیطان کا دھکا = ازغیبی سزا۔

[2] خانہ کعبہ کی نقل، لکڑی کی بنی ہوئی جو جنیں دکھاتی پھرتی ہیں۔

[3] لکا = دھبا۔

[4] بوبک = بوڑھا بے وقوف۔

[5] کتا = دو دھاری تلوار، "کتی اس کی تصغیر"۔

۹۵

رات بھر اپنا ترستا ہی رہا جی، باجی — اب تو نوبت ہی اُٹھو، اجی باجی، باجی

صدقے آواز کے تیری جو پکارا میں نے — تو عجب آن سے کچھ تو نے کہا "جی، باجی"

ہے سلیقہ تجھے اتنا کہ نظر آتی ہے — بادشازادی ترے سامنے پاجی، باجی

اے لو اِس کوٹھری میں میرے ڈرانے کے لیے — ایک عبا اوڑھ کے بن بیٹھی ہیں حاجی، باجی

کر دیا تو نے خفا مجھ سے مرے اِنشاؔ کو
تیری یہ راج کرے، شوخ مزاجی باجی

۹۶

چبھتی ہے یہ نگوڑی مُسلسل کی اوڑھنی — لادے وہی دوا، مجھے ململ کی اوڑھنی

بن سر ڈھپے ہوئے تجھے کیا چاہیے بھلا؟ — بوٹے سے قد پہ اِس بڑے آنچل کی اوڑھنی

کوکا جی، دیکھو میری دوگانا پہ کیا پھبی — پشواز اودی اور جھلا جھل کی اوڑھنی

اِس اودی اوڑھنی کی تو گاتی نہ باندھیو — بن جائے گی یہ، کوٹھری کاجل کی[1] اوڑھنی

. . . .

. . . .

فرد

جو مخالف تھی چمن کی، وہ ہوا ساری گئی — لے نہ اے نرگس خوشی کر، تیری بیماری گئی

۹۷

چونپ کیا ہو، جو کسی سے کوئی ہر روز ملے — چاہیے ہفتے میں دل سوز سے دل سوز ملے

---

[1] کاجل کی کوٹھری = لفظی معنی جہاں کاجل پارا جائے یعنی ایسا مقام جہاں جانے سے سیاہ دھبّا (یعنی بدنامی) لگ جانے کا اندیشہ ہو۔"

کیوں نہ ہنتی سی پھرے اوڑھ کے زرد وزمجھی[1] وہ بندوڑ[1] آج کہ تم ساجسے زرد وزملے
جیسی ہیں بوزقراگوز کی صورت آپا انھیں گھوڑا بھی کوئی بوزقراگوزملے
تم کو تو دھیان یہی آٹھ پہر ہے کہ مجھے نت نیا روز ہر[2] اِک ماہ شب افروز ملے
ہے مثل وہ کہ پرانا جو ملے تو سو روز اور وہ جو کہ نیا ہو وبے سو لو روز ملے

نہیں اندر سے اگر شور ملا، تو اِنشا
مُنہ بنائے ہوئے پھر کیوں میاں فیروز ملے

فرد

کیا غضب ہے تری چتون میں، پری! آگ بھری
تو بھی کچھ قہر ہے اللہ! اری، بھاگ بھری

رُباعیاں

۱

اے بی بی، ہیں شاندار بھائی تیرے صدقے قربان جائے دائی تیرے
وہ چال نہ چل کہ نام رکھے کوئی بے ڈول یہ ہیں دیدے ہوائی تیرے

۲

ناحق ناحق مجھے جلاتی کیوں ہے گھر میں مرے آگ لینے آتی کیوں ہے
آئی، تو نہیں ٹھہرتی۔ یہ رنجش ہے بے فائدہ یہاں تو آتی جاتی کیوں ہے

---

[1] بندوڑ = باندی کی تحقیر۔

[2] [یعنی "ہر روز، اِک"]

۳

جھانکا تو نہ کر عبث فضیحت ہوگی　　آ تو یہ سُنے گی، تو قباحت ہوگی
چالیس یہ چھوڑ دے نہیں تو ناحق　　اک روز بڑی تری فضیحت ہوگی

قطعے

۱

دودھ میں خوب گھول نوسادر　　اُس سے لکھیے جو ایک کاغذ پر
حرف جب سوکھیں، پوچھیے ایسا　　کہ نہ معلوم ہووے تھے وہ کدھر
سادہ کاغذ دکھائی دیوے گا　　اے دوگانا، یہ مجھ سے سیکھ ہنر
آگ پر سینکنے کے ساتھ اُس میں　　آئیں گے کالے کالے حرف اُبھر
یہ کرامات دیکھ کر، جانی　　تو کہہ اُٹھے گی حف کسی کی نظر

ہم نے بھیجے ہیں اپنے اِنشا پاس
لکھ کے ایسی طرح کے خط اکثر

۲

لگا دے شمع کے پیندے پہ شیشے کا چپٹا　　سہارا کھاتا ہوا اور اس کو حوض میں چھوڑ
جلے گی وہ موئی یوں جوں اُبھرتی آوے گی　　نہ ڈوبے گی نہ بجھے گی ہنیں گے سارے ہنوڑ

۳

کھینچ گودا دیا سلائی کا　　سینک مضبوط سی کوئی لے کر

کر کے خالی چنوں کے مہروں کو
اُس کے گودے کو اِس سلیقے سے بھر
کہ نہ معلوم ہو بناوٹ کچھ
بد لے اوروں سے شرط کچھ اِس پر
کہ ابھی اُگنے ہیں چنے، دیکھو
رکھ دے ایک ہتہ میں خاک کے اندر
اور پانی چھڑک دے تھوڑا سا
پڑھ کے کچھ جھوٹ موٹ چھومنتر
اُن چنوں سے وہیں سرک دینی
پھوٹ نکلیں گی کونپلیں باہر

(۴)

لکھیے جو خط عرق سے لیموں کے
سادہ معلوم ہووے گا بس خبر
آگ پر دھرتے زعفرانی حرف
نکل آویں گے۔ ہے عجائب سیر

(۵)

مشفقا، مدظلہٗ العالی
بعد اظہارِ اشتیاق و نیاز
ملتمس یہ کہ خط جو لکھ بھیجیں
تو اُسے چاہیے کوئی ہمراز
سو نو کم بخت ٹھنڈی سانس سوا
اور اپنا نہیں کوئی دم ساز
دل پہ جو ہے، سو جانتا ہے اُسے
پاک پروردگارِ بندہ نواز

(۶)

جی نگوڑا ترس گیا، ہے ہے!
اب تو سننے کو آپ کی آواز
اُڑ گئی شمع لے کہاں پایا
وہ جو ہے ہم میں ایک سوز و گداز
کڑھیو پچھیو نہ تم سفر میں، کہیں
اور پڑھا کیجو پانچ وقت نماز
عمر کو نہ سفر کی ہے مشہور
چلنے والے کی عمر ہے، سو دراز

واقعی سچ کہا ہے اِنشا نے
بیچ دنیا کے ہے نشیب و فراز

۷

دم بدم جھوٹ کے یہ مفت بھپارے دے کر — کیوں کلیجے میں مرے آگ پکالتے ہو تم
غیب سے آن کے جھلسا گئے اِس چاہت کو — کس لیے آ کے بھلا اور جلاتے ہو تم
بھیر ویں ہے، نہ یہ بھیر وں ہے، نہ الہیا، نہ للت — چیز جب دیکھو تو کچھ اپنی ہی گاتے ہو تم
یعنی معقول چہ خوش، واچھڑے کیا خوب، اے لو — چٹکیوں میں مجھے بھی اب تو اُڑاتے ہو تم
کہہ کے سمجھوں گی بھلا تجھ سے میں اِنشاء اللہ
کیا کیا میں نے جو ہر روز ڈراتے ہو تم

۸

خانِ سمو المکان، سلّمہ ربّہٗ — آپ کو معلوم ہو بعد نیاز و سلام
فضلِ الٰہی سے یہاں اور تو سب خیر ہے — کٹتی ہے اچھی طرح، شکر ہے اُس کا مدام
لیکن، اجی کیا کہے، کہنے کے قابل نہیں — اب تو جدائی کے ہاتھ زیست ہوئی ہے حرام
دل میں شہو کے سے کچھ لگتے ہیں آٹھوں پہر — کوئی اُسے کس طرح رکھے بھلا تھام تھام
روز جو وعدے کے تھے گنتے ہی گنتے اُنھیں — اُنگلیوں کے پوروے سوج گئے ہیں تمام
پردۂ دوری کہیں بیچ سے اُٹھ جائے جلد — پردہ نشینوں کی ہے اب یہ دعا صبح و شام
کرتی ہیں ہمجولیاں باغ تماشے کی سیر — اُن میں بھی رہتی ہے اپنے وہی دھوم دھام
اِس میں جو روتے ہوئے دیکھ کسی نے لیا — تو یہ بہانا کہ ہے رات سے ہم کو زُکام
بیتیں ہیں اِنشا کی اور اپنی صحنکی وہی
اِس کے سوا اِن دنوں کچھ نہیں بندی کو کام

۹

میرزا صاحبِ الطاف نشاں سلّمہٗ — بعدِ اظہارِ تمنّا یہ، اجی، ہو معلوم

اِتنی مدت سے سدھارے نہ کبھی خط لکھا — ہم کو ایک پیسے کے کاغذ سے بھی رکھا محروم

۱۰

گڑ سے لکھے جو ایک وصلی پر — اور سکھاوے وہ لفظ اے پیارے!
کوئلے سے ملے یہ وصلی کو — کہ وہ کالے ہوں حرف بھی سارے
دھر کے وہ وصلی ایک تختی پر — چھینٹے پانی کے خوب سے مارے

حرف انشا وہیں سفید سفید
چمک اُٹھیں گے جس طرح تارے

۱۱

لکھیے جو چونے سے کچھ ایک کسی فرد پر — اور سکھا کر اُسے خوب مٹا دیجیے
فرد تو سادی ہی پھر سب کو نظر آوے گی — ڈال کے پانی میں پھر سیر دکھا دیجیے
صاف اُبھر آویں گے حرف چمکتے سفید — اپنی کرامات کی دھوم مچا دیجیے

۱۲

عرقِ لیموں آدھے شیشے میں — کہہ دے اِک آدمی سے بھر لا رے
اُس میں اِک چٹکی بھر کفِ دریا — ہنس کر چھوڑ دے تو اے پیارے
اُبل آوے گا وہ عرق منہ تک — سانپ کی طرح مار پھنکارے

یہ عجائب طلسم ہے انشا
دیکھ جس کو بھچک رہیں سارے

مستزاد[۱]

۱

نسبت وہ جو آرام سے ہر ہاتھ کو سوکیا؟ — کچھ سوچ کے بتلایئے۔ ہر اُس میں کلائی

۲

نوبت کو ترے نام سے ہر میل یہ کیسا؟ — مت کر تو اچنبھا، کہہ دے، اری! باجی

۳

وہ کون سی ہر چیز کہ ان جانوروں سے — اک ہر اُسے نسبت اور جی نہیں اُس میں
کپڑوں کے پروں سے جو بنی سونے کی چڑیا — یعنے تری انگیا، اے جانِ زنانخی!

۴

کوکا جی، بھلا یہ کہو تھی کون سی نسبت — کس واسطے کل کیوں، آنکھوں پہ تمھاری
جو لوٹ گیا دیکھ کے کل پتلیوں والا — کرنے میں تماشا، اُس میں یہی پتلی

۵

کل کر کے ٹھٹولی، وہ پری مجھ سے یہ بولی — دن رات سے نسبت، کیونکر نہ تجھے ہو؟
تولا تجھے اِن آنکھوں کے کانٹے میں تو ٹھہرا — تولا کہ ہر ماشا، دیکھا یہ تماشا؟

۱؎ اب آگے کچھ پہیلیاں [illegible]رت مستزاد دی جاتی ہیں۔ اِن کے جواب جلی حروف میں دیئے گئے ہیں۔

۶

جھنڈے سے بھلا دھان کو ہے کون سی نسبت ــ فرمائیے صاحب، اِس کو بھی نہ سمجھے؟
لو بوجھ چکے، اور بس اب کھائیے خشکا ــ ہو جب کہ پھریرا۔ لو اب بھی نہ سمجھے؟

۷

ہر مُردوں کے ناموں میں خط سے کسے نسبت ــ پر اُس سے کہ جس بن، کچھ کام نہ ہووے
پہلے وہ لکھا جائے، بنے جبکہ لفافہ ــ ہے یہ ترے اِنشاءاللہ کی خوبی

۸

تالاب میں تیرا کرے دن رات جو چڑیا ــ کیا ہے وہ بھلا جی؟ بوجھو تو پہیلی
ہر شخص اُسے دیکھ کے نہوڑا دے سر اپنا ــ یہ چال انوکھی، ہے قبلہ نما کی

۹

جا بیگموں کے مُنہ لگی ایک کالی سی حبشن ــ دو ناکرے جو بن وہ کیا اری سوسن؟
لوہے کی جنی ہووے، اُسے سب کہیں تانبا ــ صورت میں پری سی، وہ یعنی کہ مِسّی

۱۰

تاروں کی بنائی ہوئی اک ناگنی ایسی ــ سر جس کا سُنہرا، ایک رات میں ظالم
پی جاوے جو تالاب بھی اک سارے کا سارا ــ یعنے کہ جلائے ہے تو جو، وہ بتی

۱۱

اندھیارے میں جو پیٹ سے ہو کون بھلا وہ؟ ــ جھٹ جن پڑے وہیں، جب پاوے اُجالا

لڑکا جو نگوڑا جنے سو بھوت سے کالا اے دائی جنائی پر چھائیں ارے بی

مستزاد خماسی

۱۲

میں پھاند کے کل رات جو دیوار نہ جاتی کنڈی نہ ہلاتی جا کر نہ جگاتی نیند اُس کو نہ آتی جوبن کی وہ ماتی تیوری نہ ہلاتی
اور چٹکیوں میں میرے تئیں صبح اُڑاتی ہاتھوں تلے نچاتی گاتی نہ بجاتی کھانے کو نہ کھاتی پھر تو نہ بلاتی سو سوہلے گاتی

۱۳

وہ کون جسے یوں سے اُدھر دیکھو تو چکو دہیٹر، نہ وہ اُلّو - آگے ہی سے آکر
گھر والے کے آنے کی خبر ہے وہ سناتا مت بھول دوانی - کوّا، اری جانی

۱۴

ہے کون درخت ایک کہ باون تو پھل اُس کے اور پھول سو اُنسٹھ، پر چار ہیں پتّے
ماتھے پہ لگا چاند ہے، اور ٹھڈی پہ تارا دنیا میں الٰہی، قائم رہے اُس کے

۱۵

وہ کیا ہے، سفنقور کو لگّا نہ ہو اُس سے دکھلائی نہ دیوے، پر دھوم مچا دے
کتنے ہوں بھلے لوگ جسے جان چٹاتا سو کیا کہ وہ چمّی[1]، واللہ کہ اچھی

---

[1] چمّی = (بازاری) بوسہ۔

بااہتمام عبدالمجید اسرار کریمی پریس الہ آباد (مکتبہ نذیر احمد الہ آبادی)